سید المحققین حضرت مجدد الف ثانی اور ان کے خلفاء کرام کا مستند تذکرہ

حضرات القدس اردو

دفتر دوم

مقامات حضرت مجدد الف ثانی

تصنیف لطیف

کاشف حقائق علامہ بدر الدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ

مکتبہ نعمانیہ

اقبال روڈ، سیالکوٹ

سید المحققین حضرت مجدد الف ثانی اور اُن کے خلفاء عظام

کا

مستند تذکرہ

حضرات القدس (۲)

مقاماتِ حضرت مجددِ الفِ ثانی (قدس سرہ)

مؤلفہ

کاشفِ حقائق علامہ بدر الدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ

مکتبہ نعمانیہ

اقبال روڈ۔ سیالکوٹ

نام کتاب : مقامات حضرت مجدد الف ثانیؒ

نام مصنف : علامہ بدر الدین سرہندی

مقدمہ : ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں حیدرآباد (سندھ)

ناشر : مکتبہ نعمانیہ، اقبال روڈ سیالکوٹ

تاریخ اشاعت : صفر المظفر ۱۴۰۳ھ

طابع : زاہد بشیر پرنٹرز لاہور۔

طباعت : آفسٹ

کتابت : محمد حنیف قریشی۔ دھیڈوالی ڈسکہ ضلع سیالکوٹ

صفحات : ۴۴۸

جلد : مضبوط ڈائی دار

تعداد : ۱۱۰۰ (گیارہ سو)

تصحیح کتابت : حافظ محمد اکرم مجددی (فاضل عربی)

قیمت :

دلیل



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین، والصلاۃ والسلام علی اشرف المرسلین

کلمۂ تشکر

رب عظیم کا کس زبان سے شکر ادا کیا جائے جس نے مجھ ایسے حقیر کو اسلامی علوم پر بیس سے زائد کتابیں شائع کرنے کی توفیق مرحمت فرمائی اور اہل محبت میں ہماری مطبوعہ کتب کو شرف قبولیت بخشا۔ فالحمد للہ علی ذلک

زیر نظر کتاب (حضرات القدس دفتر دوم) حجۃ الاسلام، قطب الانام حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ النورانی کے سوانح، دینی خدمات اور مقامات کا قدیم اور مستند تذکرہ ہے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے اکثر خلفاء اور جانشین حضرات کے حالات بھی مصنف نے ضمناً درج کر دیئے ہیں۔

اس سے قبل مصنف علام کی دو کتابیں (وصال احمدی۔ حضرات القدس دفتر اوّل) ہمارے ادارہ سے چھپ چکی ہیں، پہلی میں حضرت مجددؒ کے آخری ایام کے مختصر حالات و کرامات ہیں اور دوسری میں آپ کے مشائخ کا مفصل تذکرہ ہے۔ یوں سمجھئے کہ سابقہ دونوں کتابیں تمہید کی حیثیت سے پیش کی گئی تھیں اور یہ کتاب "مقامات حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ" حضرت مجدد کی سوانح ہے جو ضروری تفصیلات کے ساتھ پیش خدمت ہے۔

اس کتاب کا مستند ترجمہ تحقیقی حواشی کے ساتھ پیش کرنا بڑا مشکل کام تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے آسان فرما دیا، کہ حقیر کے ایک خاص کرم فرما بزرگ جن کا شکریہ ادا کرنے سے بندہ کی زبان و قلم قاصر ہے، کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان سے عرض کیا کہ حضرات القدس دفتر دوم کا ترجمہ کر دیجئے تاکہ اپنے ادارہ کی طرف سے مکمل

کتاب شائع ہو جائے؟ انہوں نے ذرہ نوازی فرماتے ہوئے احقر کی عرض قبول فرما لی اور ترجمہ کر کے چھاپنے کی اجازت فرما دی۔

احقر کے محترم بزرگ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں مدظلہ (حیدرآباد) نے مقدمہ و حواشی تحریر کر کے بڑا احسان فرمایا (جزاہ اللہ خیر الجزاء)۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کام انہی کا حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کا سایہ ہمارے سروں پر تادیر قائم رکھے اور ان کے علمی و روحانی فیض سے زیادہ لوگ مستفید ہوں۔ آمین

کتابت کی تصحیح جلدی کی وجہ سے مترجم و محشی خود نہیں کر سکے۔ ادارہ نے اس کام پر پوری کوشش صرف کی ہے پھر بھی خطا و نسیان سے ہم مبرا نہیں۔ اہل علم کی خدمت میں التماس ہے کہ جہاں غلطی دیکھیں ادارہ کو مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں اصلاح ہو سکے۔ اہل دل حضرات سے اپیل ہے کہ اپنی دعاؤں سے ہماری مدد فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں تعمیری لٹریچر زیادہ سے زیادہ چھاپنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اللھم تقبل منا انک انت السمیع العلیم

بحرمۃ النبی الرؤف الرحیم

صلی اللہ علیہ و آلہ والتسلیم

احقر

محمد اشرف مجددی



نذرِ عقیدت

بحضور

مجدد الف ثانی

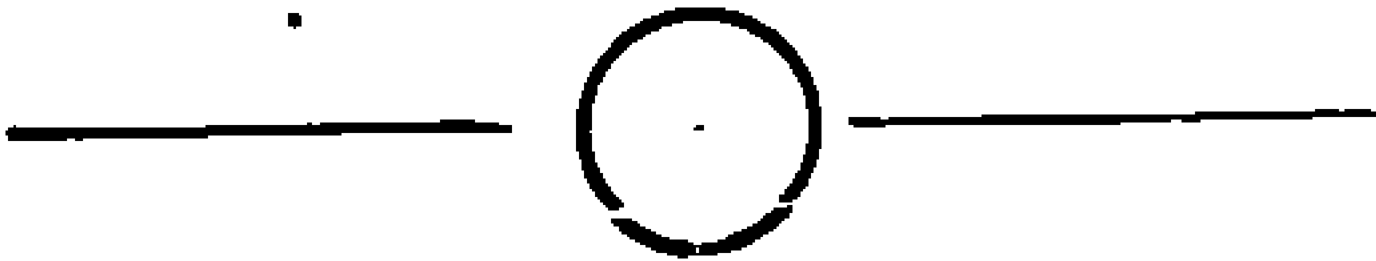
(قدس سرہٗ النورانی)

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر
اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے

وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیِ احرار

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

(اقبالؒ)



نذرِ عقیدت ببارگاہِ شیخ مجدد قدس سرہٗ العزیز

خلاقِ دو عالم ہے نگہدارِ مجدد
ہیں سرورِ کونین بھی دلدارِ مجدد

صدیقؓ و عمرؓ مونس و غمخوارِ مجدد
عثمانؓ و علیؓ بھی ہیں طرفدارِ مجدد

سرچشمۂ الطاف ہے سرکارِ مجدد
اقطابِ زمانہ ہیں نمک خوارِ مجدد

ہے زیبِ نظر روئے پُرانوارِ مجدد
دل میں ہے مرے لذتِ دیدارِ مجدد

سرہند کا ہر ذرہ ہے صد غیرتِ خورشید
ہیں جلوہ فشاں دہر میں انوارِ مجدد

ہر فتنۂ باطل کو زمانے سے مٹایا
اللہ رے یہ عظمتِ کردارِ مجدد

یہ روحِ مجدد کا ہے فیضان قمرؔ پر
ہیں ذہن و قلم آج ثناکارِ مجدد

اے عالمِ اسلام کی شخصیتِ خوددار
اللہ نے بخشی تھی تجھے دولتِ کردار

دل تیرا مئے عشقِ محمدؐ سے تھا سرشار
اور تیری نظر رمز شناسِ شہِ ابرار

تھے لرزہ براندام ترے سامنے اشرار
باطل کے مقابل تو رہا صورتِ کہسار

تھا سینۂ بے کینہ معارف کا خزینہ
تھا محرمِ اسرار ترا دیدۂ بیدار

کہتے ہیں تجھے لوگ الفِ ثانی مجدد
تھی تیری جبیں حسنِ سعادت سے ضیا بار

تو دینِ محمدؐ کا تھا بیباک مبلغ
اللہ رے حق گوئی تری جرأتِ گفتار

تو شمعِ صداقت ہے تو قندیلِ محبت
اور دم سے ترے راہِ شریعت ہے پُرانوار

لاثانی تفقہ میں، تدبر میں بھی یکتا
تو نرغۂ اعدا میں شریعت کا علمدار

"گردن نہ جھکی تیری جہانگیر کے آگے"
تھا تیرا عمل جرأتِ بیباک کا شاہکار

اک ولولۂ تازہ دیا اہلِ نظر کو
تو منزلِ عرفان کا ہے قافلہ سالار

تا حشر برستے ہی رہیں تیری لحد پر
اللہ کے الطاف و عنایات کے انوار

اللہ کرے شرفِ قبول ان کو عطا ہو
نذرانۂ اخلاص قمرؔ کے ہیں یہ اشعار

جمعۃ المبارک
[illegible] ۱۴۰۳ھ

نذرگزار قمر یزدانی پنوانہ ضلع سیالکوٹ



مقدمہ

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ (م ۱۰۳۴ھ) کی سوانح عمریاں دو بزرگوں نے لکھی ہیں اور دونوں آپ کے خلیفہ ہیں۔ ایک خواجہ محمد ہاشم کشمی رح ہیں جنھوں نے اپنی کتاب زبدۃ المقامات[1] کے ایک چوتھائی سے کم صفحات میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ (م ۱۰۱۲ھ) کے حالات لکھے ہیں اور بقیہ کتاب میں حضرت مجدد رح سے متعلق تفصیل دی ہے۔ زبدۃ المقامات کے شروع میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ۱۰۳۱ھ میں حضرت مجدد رح کی طلبی پر میں اپنے (پہلے) مرشد میر محمد نعمان رح سے اجازت لے کر حاضر ہوا اور حضرت مجدد رح کی خدمت میں دو سال تک سفر اور حضر میں رہا اور حضرت رح ہی کے صاحبزادوں (خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم رح) کے ارشاد کے مطابق میں نے یہ سوانح عمری لکھنی شروع کی اور یہ کہ اس کتاب کو ختم کرنے کے بعد ارادہ ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ سلسلۂ نقشبندیہ کے دیگر متقدمین بزرگوں کے حالات بھی قلمبند کروں

---

[1] اس کتاب کا تاریخی نام "ھو زبدۃ المقامات" (۱۰۳۷ھ) ہے اور دوسرا نام برکات الاحمدیۃ الباقیۃ ہے۔ لیکن اس میں محمد صالح کولابی رح کے حالات کے آخر میں لکھا ہے کہ وہ ہماری اس تالیف سے کچھ پہلے ۱۰۳۸ھ میں فوت ہو گئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زبدۃ المقامات ۱۰۳۸ھ کے بعد بھی لکھی جاتی رہی۔

اور یہ وہ حصہ اس کتاب کا دفتر اول ہوگا۔ چنانچہ انھوں نے یہ وہ کتاب نسمات القدس من حدیقۃ الانس[1] کے نام سے مرتب کی لیکن افسوس کہ وہ ابھی تک شائع نہیں ہوئی۔ زبدۃ المقامات (صفحہ ۲۸۵) میں انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ اواخر ماہ رجب ۱۰۳۳ھ میں حضرت مجددؒ نے مجھے (دکن کے لیے) رخصت فرما دیا تھا۔ اس لیے اس وقت سے آخر تک کے حالات میں بدرالدین سرہندی سے اور حضرتؒ کے صاحبزادوں سے معلوم کر کے لکھے ہیں۔

دوسرے سوانح نگار بھی شیخ بدرالدین سرہندیؒ ہیں جنھوں نے حضرات القدس[2] کے نام سے سوانح عمری لکھی ہے اور اس میں یہ التزام ہے کہ اس کے دوسرے دفتر میں (جس کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے) صرف حضرت مجددؒ کے حالات ہیں اور پہلے دفتر میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی مختصر سیرت لکھنے کے بعد حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے کر خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ تک تمام نقشبندیہ بزرگوں کے حالات درج کیے ہیں۔ شیخ بدرالدین سرہندیؒ نے دفتر دوم میں میر محمد نعمانؒ کے حالات میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس تالیف کے باعث وہی ہیں۔ انھوں نے دفتر اول (ترجمہ۔ ۱/ ۱۳۵) میں یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے حالات

---

[1] نسمات القدس کا مخطوطہ مدینہ منورہ میں مکتبہ عارف حکمت میں محفوظ ہے۔ کابل میں ملا شور بازارؒ کے کتب خانے میں بھی تھا۔ مکتبہ عارف حکمت میں حضرت مجددؒ کے صاحبزادے خواجہ محمد سعیدؒ کے مکتوبات بھی تحقیقات کے نام سے محفوظ ہیں جس کے مکتوب الیہ محمد یوسف تھے۔ ان مکتوبات میں تصوف اور دین سے متعلق مسائل حل کیے گئے ہیں۔

[2] حضرات القدس کا تاریخی نام درجات الابرار (۱۰۳۳ھ) ہے۔ لیکن یہ کتاب مختلف وقفوں کے ساتھ (جیسا کہ حضرت نمبر میں ذکر ہے) لکھی جاتی رہی۔ تفصیل اوپر بھی دے دی گئی ہے۔ مگر اس میں حضرت مجددؒ کے والد اور اجداد کا ذکر نہیں ہے۔

خواجہ محمد صدیق کشمی بدخشی رحؒ[1] سے معلوم کیے ہیں اور اسی میں (۱/۵، ۲) یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت حسام الدین احمد کے متعلق (اور خواجہ باقی باللہ رحؒ وغیرہ کے متعلق) خواجہ صاحب کے صاحبزادے خواجہ عبید اللہ[2] نے بھی ایک کتاب لکھی ہے جو بدرالدین سرہندی رحؒ نے ضرور دیکھی ہو گی۔

شیخ بدرالدین سرہندی رحؒ نے حضرات القدس (دفتر دوم) کے حضرت نہم (یعنی باب نہم) میں اپنے علمی مشاغل اور حضرات القدس کی ترتیب کا ذکر بھی کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انھوں نے سب سے پہلے سیر احمدی کے نام سے حضرت مجدد الف ثانی رحؒ کے حالات لکھنے شروع کیے[3] اور آپ نے اُسے ملاحظہ فرما کر پسند بھی فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ یہ تصنیف ہمارے متعلق پہلی (نخستین) ہے۔ بلکہ آپ نے ایک جگہ اس کی تصحیح بھی فرمائی۔ یعنی جہاں خواجہ باقی باللہ رحؒ کے (ہندوستان آنے سے پہلے) استخارہ کا ذکر تھا کہ اُن کو طوطی نظر آیا لیکن شیخ بدرالدین سرہندی نے وہاں طائر ہندی لکھ دیا تھا تو آپ (حضرت مجدد رحؒ) نے اپنے دستِ مبارک سے اُسے کاٹ کر طوطی لکھ دیا۔ اسی باب میں یہ تفصیل بھی ہے کہ سیر احمدی کے مسودات چوری ہو گئے[4] لیکن شیخ نے ۱۰۳۹ھ میں پھر ہمت کی کہ دوبارہ اس سوانح عمری کو لکھیں۔ چنانچہ اس کے مسودات

---

[1] گویا خواجہ محمد صدیق کشمی رحؒ کو حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے حالات خوب معلوم تھے اس طرح یہ عقدہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ حیاتِ باقیہ کے مؤلف یہی تھے جس میں ایک جگہ اُن کا تخلص رشدی آتا ہے۔ یہی تخلص بعد میں ہدایت کر لیا گیا۔ مزید بحث کے لیے دیکھیں ڈاکٹر سراج احمد خان کی کتاب "مکتوباتِ امام ربانی کی دینی اور معاشرتی اہمیت" (صفحہ ۹۸-۹۹)

[2] غالباً یہ کتاب طبقاتِ حسامی ہے جو بکثرت اولیاء وغیرہ کے متعلق خواجہ باقی باللہ رحؒ کے صاحبزادے خواجہ عبید اللہ رحؒ نے لکھی تھی۔ مولانا نسیم احمد امروہوی نے اپنی کتاب خواجہ باقی باللہ رحؒ (مطبوعہ ۱۹۶۹ء) کے صفحہ ۵۱ میں اس کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی کہ وہ بڑے صاحبزادے تھے اور چھوٹے صاحبزادے خواجہ عبید اللہ رحؒ تھے۔

[3] سیر احمدی، خواجہ محمد صادق رحؒ کی وفات (۱۰۲۵ھ) کے بعد لکھی گئی تھی۔ شیخ بدرالدین رحؒ نے شیخ نور محمد پٹنی رحؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ خواجہ محمد صادق رحؒ کی وفات کے بعد سرہند آئے اس وقت میں سیر احمدی لکھ رہا تھا۔

[4] اسی باب میں مسودات کی چوری سے پہلے یہ بھی ہے کہ شیخ بدرالدین نے کرامات الاولیاء (بعد الموت) بھی لکھی تھی۔ پیر غوث الاعظم رحؒ کی کتاب فتوح الغیب کا ترجمہ کیا۔ اصطلاحات و اشغالِ قادریہ و نقشبندیہ پیر رد لکھ کتاب لکھی۔ پھر

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جمع کیے اور تاریخی نام درجات الابرار (۱۰۴۳ھ) کے ساتھ اُسے مرتب کیا اور اس کے مسودات صاف کرنے کا ارادہ تھا کہ سرہند کے ایک کروڑی (شیعہ) حاکم (سید علی اکبر اردستانی) نے حالات اولیاء پر ایک کتاب لکھنے کی فرمائش کی۔ تو شیخ نے مجمع الاولیاء کے نام سے قریب ڈیڑھ ہزار بزرگوں کے حالات مرتب کیے اور اس کا تاریخی نام منازل شیوخ (۱۰۴۴ھ) رکھا۔ اس کے بعد شیخ نے پھر حضرت مجدد کے حالات سے متعلق کام شروع کیا۔ لیکن اسی حاکم نے مجمع الاولیاء کی تصحیح کے لیے فرمایا تو مجبوراً اسے ٹھیک کر کے ۱۰۵۲ھ میں فراغت حاصل کی۔ لیکن شیخ خود لکھتے ہیں کہ بعض بے دین طلبہ نے اس کتاب میں مشاجرات صحابہؓ کو شامل کر کے اسے پایۂ اعتبار سے گرا دیا۔[1]

شیخ نے پھر چاہا کہ اپنا کام (سوانح عمری سے متعلق) شروع کریں تو شہزادہ دارا شکوہ نے حضرت عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ کے مناقب پر عربی کتاب بہجۃ الاسرار کا فارسی ترجمہ کرنے کی فرمائش کر دی۔ وہ ترجمہ کیا تھا کہ پھر اسی شہزادے نے دوسری کتاب روضۃ النواظر (مناقب غوث اعظمؒ) کا عربی سے فارسی میں ترجمہ کرایا۔ پھر شیخ روزبہان بقلی کی تفسیر عرائس البیان کے ترجمے کی بھی اس نے فرمائش کر دی۔ شیخ نے اس کا چوتھائی حصہ فارسی میں منتقل کر لیا۔ لیکن اب وہ اُسے چھوڑ کر حضرات القدس کی ترتیب میں مصروف ہو گئے اور اس میں کئی سال صرف کیے۔ غالباً اس کی تکمیل ۱۰۵۸ھ کے بعد ہوئی ہے کیونکہ آخری باب (حضرت دوازدھم) میں جہاں خلفاء کا ذکر شروع ہوتا ہے میر محمد نعمانؒ (المتوفی ۱۸ صفر ۱۰۵۸ھ) کے نام کے ساتھ "قدس سرہ" خود کتاب کے متن میں ہے۔ اس لیے ظاہر ہے کہ یہ کتاب اس تاریخ کے بعد تک لکھی جاتی رہی ـــــ اور خود شیخ بدر الدین بھی اس تاریخ کے بعد تک زندہ رہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)۔ آدم علیہ السلام سے لے کر اپنے وقت کے بزرگوں تک کے متعلق سنوات لاتعداد لکھی۔ آخر میں حضرت مجددؒ کی وفات کے بعد وصال احمدی لکھی۔ [1] مجمع الاولیاء کا مخطوطہ نمبر ۶۴۵ - انڈیا آفس، لندن میں محفوظ ہے اور اس کا عکس عزیزی ڈاکٹر محمد مسعود صاحب (پرنسپل ٹھٹھا) کے پاس ہے جس میں جگہ جگہ کاٹ چھانٹ ہے اور مشاجرات صحابہؓ کا اضافہ کیا گیا ہے۔

شیخ بدرالدین اپنے متعلق لکھتے ہیں :

"این فقیر پانزدہ سالہ بود کہ بہ شرف ارادت آنحضرت استسعاد یافتہ" ۱؎

دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ :

"این حقیر هفده سال در خدمت ایشان بود" ۲؎

اگر یہ سمجھ لیا جائے (گو کہ اس کے لیے کوئی ثبوت نہیں) کہ حضرت مجدد الف ثانی کے وصال (۱۰۳۴ھ) تک شیخ کی حاضری کو ۱۷ سال ہوئے ہوں گے تو گویا وہ ۱۰۱۷ھ میں حاضر خدمت ہوئے تھے جب کہ وہ پندرہ سال کے تھے ۳؎

خواجہ محمد صادق (المتوفی ۱۰۲۵ھ) کے حالات میں لکھتے ہیں کہ انھوں نے مجھے مطول با حاشیہ میر، شرح عقائد با حاشیہ خیالی، تحریر اقلیدس اور شرح مطالع با حاشیہ میر پڑھائیں۔ اور ان کے انتقال کے بعد شرح مواقف، تفسیر بیضاوی اور حاشیہ عضدی، حضرت مجدد سے پڑھیں ۴؎

شیخ بدرالدین نے حضرات القدس (دفتر دوم) کے آخر میں اپنی روحانی تربیت کے حصول کی تفصیل دی ہے اس لیے یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے جو مکتوبات اُن کے نام ہیں ان میں بھی یہی تربیت ہے۔ ۱/ ۲۸۹ میں قضا و قدر پر مفصل بحث ہے۔ ۱/ ۲۹۰ میں حق تعالیٰ کے احاطے اور سریان کی تحقیق ہے۔

۲/ ۴۰ میں ارشاد ہے کہ "حق تعالیٰ کی ذات سے اسماء و صفات اور شیون و اعتبارات

۱؎ حضرت دوازدهم (فارسی) صفحہ ۳۸۶

۲؎ حضرت نہم صفحہ ۱۵۷

۳؎ مکتوبات شریف (۲/ ۲۱) سے واضح ہے کہ شیخ بدرالدین کم از کم ایک سال ضرور باہر رہے تھے۔

۴؎ حضرت یازدهم۔ صفحہ ۲۲۳ — شیخ بدرالدین کے مزید حالات دستیاب نہیں، سوائے اس کے انھوں نے شروع کتاب میں اپنے والد کا نام شیخ ابراہیم لکھا ہے۔ آخر کتاب میں ایک چچا شیخ محمد اور فرزندوں میں سے شیخ محمد افضل کا ذکر آتا ہے۔

کے پردوں کا دور ہونا دو قسموں پر ہے۔ ایک وہ خرق ہے جو باعتبار شہود کے ہے اور دوسرے وہ خرق ہے جو باعتبار وجود کے ہے۔ خرق وجودی، ممتنع و محال اور خرق شہودی، ممکن بلکہ واقع ہے۔۔۔۔۔"

پھر مکتوب ۳/۳۱ میں عالمِ ارواح، عالمِ مثال اور عالمِ اجساد کی تحقیق ہے۔ آخر میں ارشاد ہے کہ:

"آپ خیالی کشفوں اور مثالی صورتوں کے ظہور سے اہلِ سنت وجماعت کے معتقدات کو نہ چھوڑیں اور اپنے خواب وخیال پر مغرور نہ ہوں۔ کیونکہ اس فرقۂ ناجیہ کی متابعت کے بغیر، نجات متصور نہیں۔ اگر آپ کو نجات کی خواہش ہے تو خوش طبعی کو چھوڑ کر جان ودل سے ان بزرگوں کے اتباع میں کوشش کریں ۔۔۔۔۔۔۔۔ شیطان بڑا قوی دشمن ہے۔ اس کے مکر سے بخوبی واقف رہیں۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کو سیدھے راستے سے بہکا کر گمراہی کے کوچے میں ڈال دے۔ آپ کو جدا ہوئے ابھی ایک ہی سال ہوا ہے۔ آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ احتیاطیں اور کوششیں جو فقیر، سنت اور اہلِ سنت کی متابعت کے لیے کیا کرتا تھا اور انہی بزرگوں کی تقلید میں نجات کو موقوف کہا کرتا تھا، شاید آپ نے سب فراموش کر دیں۔۔۔۔۔"

اس مکتوب گرامی سے یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ شیخ ایک سال تک حضور حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت سے دور رہے ہیں۔ اور خیالی کشفوں اور مثالی صورتوں میں کچھ زیادہ اعتبار کرنے لگے تھے جس کی کیفیت خود ان کے لکھے ہوئے اپنے حالات سے بھی (جو کتاب کے آخر میں ہیں) معلوم ہوتی ہے۔

حضرات القدس بہت سیدھی سادی زبان میں ہے جس میں سوائے چند تمہیدی تقریروں کے، تصنع اور تکلف، نام کو بھی نہیں۔ البتہ بعض مقامات میں جو تسامح پایا جاتا ہے ہو سکتا ہے کہ کتابت کا سہو ہو۔ کیونکہ ابھی تک حضرات القدس کا کوئی نسخہ قریب العہد نہیں مل سکا۔

حضرت مولانا محبوب الٰہی صاحب نے حضرات القدس (دفتر دوم) فارسی متن بڑی محنت سے تیار کر کے لاہور سے ۱۹۷۱ء میں شائع کیا تھا۔ اُسی کا یہ ترجمہ ہے۔ لیکن مولانا عرفان احمد انصاری صاحب نے مولانا خواجہ احمد حسین صاحب کی نظر ثانی کے بعد جو ترجمہ مرتب کیا تھا اور جو ملک فضل الدین ککے زئی نے لاہور سے ۱۹۲۲ء میں شائع کیا تھا اس سے بھی مدد لی ہے۔ اللہ پاک ان سب کو جزائے خیر اور اجر عظیم عطا فرمائے۔

احقر

غلام مصطفٰے خان

۱۷ رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ
(۱۹۸۱ء)



حضراتُ القدس [1]

مقدس تعریفوں کی پاک مجلسیں اور منزہ خوبیوں کے اُنس و محبت کی خوشبوئیں اس واجب الوجود کے دربار کے شایانِ شان ہیں جس نے اس رنگارنگ عالم کو عدم کے پردے سے نکال کر ظہور کے منظر میں پہنچا دیا اور اپنی ازلی اور قدیم صفات و شیون کا آئینہ بنایا اور اسے (عدم کو) وجود میں لاکر اس سے انبیاء (علیہم السلام) اور اولیاء (رحمہم اللہ) کو پیدا کیا اور اُن کے ذریعے دنیا والوں کی رُشد و ہدایت چاہی اور اُن کے وسیلے سے مخلوق کو فیوض و برکات سے نوازا۔ پھر اُن کو اپنی نیابت اور خلافت کا طرّۂ امتیاز عطا فرما کر اُن کے ہاتھ

---

[1] حضرات القدس کے مؤلف نے کتاب کے ابواب کو حضرات کے استعارے سے تعبیر کیا ہے اور اکابر کے اقوال کو قدسیہ اور اُن کے مقامات کو درجات کہا ہے۔ حضرتِ اوّل میں (جس کا [1] فارسی متن ابھی تک شائع نہیں ہوا) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے مختصر حالات اور فضائل ہیں۔ پھر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ تک سلسلہ نقشبندیہ کے اکابر اور اُن کے بعض خلفاء کے حالات ہیں۔ حضرتِ دوم میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اور ان کے فرزندان اور خلفاء کے حالات ہیں۔ یہ اردو ترجمہ حضرتِ دوم کا ہے۔ اللہ پاک قبول فرمائے۔ آمین۔

---

[1] اس کا اردو ترجمہ مکتبہ نعمانیہ سیالکوٹ سے شائع ہو چکا ہے۔

کو اپنا ہاتھ قرار دیا اور اُن کی بیعت کو اپنی بیعت سے تعبیر کیا اور وہ عجیب و غریب باتیں جو انسانی مقدرت سے باہر تھیں اُن کے روشن ہاتھوں سے ظاہر و باہر فرمادیں (واقعی) یہ عجیب معاملہ ہے کہ خاک نے کیسی پاکی حاصل کی اور عدم نے کس قدر اُس قدم کی طرف عروج کیا۔ (حقیقت یہ ہے کہ) یہ سب کچھ محبت کی بدولت ہے اور ان سب کا دار و مدار عشق پر ہے کہ اَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ ہی کائنات کی تخلیق کا باعث ہے اور لولاک لَمَا خَلَقْتُ الافلاک ہی تکوین عالم کا موجب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سب حمد کرنے والوں کی وہ حمد جو صرف بارگاہِ احدیت کے لیے مخصوص ہے اور اللہ تعالیٰ کے خصوصی کمالات جو کسی اور میں نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جناب احمدی محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بخش دیئے اور کل تعریف و توصیف بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق فرما دی اور اپنے خصوصی کمالات بھی اپنے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نثار کر دیئے۔ چنانچہ لِوَاءُ الحمد یَوْمَئِذٍ بِیَدِیْ اس امر کی خبر دیتا ہے۔ پھر افلاک تو کیا، ساری کائنات آپ کی راہ میں تصدق فرما دی اور اپنے دوستوں (انبیاء علیہم السلام) کو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تشریف آوری کی خوشخبری سنا دی تاکہ وہ بھی آپ سے محبت پیدا کریں اور اپنا ایمان و اعتقاد آپ کے ساتھ درست کریں اور آپ کے نامِ نامی کے ذکر سے فیوض و برکات حاصل کریں، کیونکہ محبوب کا محب ہی محبوب کے محب کا محبوب ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض انبیاء (علیہم السلام) نے آپ کے دیدار کی تمنا کی تھی بلکہ ان میں سے بعض نے آپ کی اُمت میں پیدا ہونے کی آرزو کی تھی۔

اللہ پاک نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو علوم ظاہری و باطنی دونوں عطا فرمائے۔ ظاہر کو عام کیا اور باطن کو خاص بنایا۔ علماء کو ظاہری طریقہ عطا کیا اور اولیاء کو باطنی کمالات پر فائز کیا اور باطنی نسبت بھی ظاہری نسبت کی طرح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اولیائے کرام تک پہنچتی ہے اور قیامت تک اسی طرح پہنچتی رہے گی کیونکہ (آیت) اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ اسی بات کو ظاہر کرتی ہے۔ (اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور عنایتیں قیامت تک نازل ہوتی رہیں اُس کے محبوب پر، تمام انبیاء پر، آپ کے اور اُن کے

آل واصحاب اتباع پر اور تمام اولیاء، اتقیاء اور اُن کے متوسلین پر۔ ذرات عالم کے شمار کے مطابق ہر روز ہزاروں ہزار بار۔)

اما بعد۔ یہ ہیچ میرزا اور بے عمل بندہ یعنی بدرالدین بن شیخ ابراہیم سرہندی، ارباب بصیرت کی خدمت میں گذارش کرتا ہے کہ جب میں نے حضرات القدس کے دفتر اول کی تکمیل کر لی (جو سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، سے شروع ہو کر سلسلہ نقشبندیہ کے تمام مشائخ حتیٰ کہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ تک کے حالات پر محیط ہے اور حضرت خواجہؒ کی اولاد و اصحاب کا ذکر بھی اجمالاً شامل کر لیا گیا ہے) تو اب میں اس کتاب کے دفتر دوم کو شروع کرتا ہوں۔ اس میں حضرت پیر دستگیر (شیخ احمد فاروقی سرہندی) قدس سرہٗ کے مقامات، کرامات، درجات، کمالات، احوال، اقوال اور اعمال کا ذکر ہو گا اور اس تصنیف لطیف کا مقصد بھی یہی ہے کہ آپ کے مناقب بیان کروں اور آپ کی اولاد، اصحاب اور خلفاء (جو مشہور ہیں) کا مذکور بھی شامل کر دوں۔ اور چونکہ یہ کتاب بلدہ حضرات (الواب) پر مشتمل ہے اور دفتر اول، پہلے باب پر ختم ہو گیا ہے تو بقیہ الواب دوسرے دفتر میں آجائیں گے اور یہ دفتر دوسرے باب سے شروع ہو گا۔ اور یہ دفتر خذوا العلم من افواہ الرجال کے حکم کے مطابق ثقہ اور مستند صلحاء کی روایات پر مبنی ہو گا کہ اس معاملے میں بڑی احتیاط برتی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے اور اسی سے مدد مطلوب ہے اور اسی پر بھروسا ہے۔



حضرت دوم

اب شیخنا و امامنا و قبلتنا قطب الاقطاب غوث الشیخ والشاب حضرت مجدد الف ثانی خازن الرحمۃ الربانی بحر الاسرار الالٰہیہ مزین الاطوار النقشبندیہ حجۃ العرفاء المحققین ختم العلماء الراسخین شیخ الاسلام والمسلمین الشیخ احمد الفاروقی الکابلی النقشبندی السہرندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مختصر حالات اور مقامات کا ذکر آتا ہے۔

آپ کے طریقہ عالیہ نقشبندیہ کا انتساب حضرت خواجہ محمد باقی قدس سرہٗ سے ہے اور آپ ان کے خلفاء میں سب سے بڑے اور سب سے کامل ہیں۔ بہت سے لوگ جو غفلت کے گہرے سمندر میں ڈوبے ہوئے تھے۔ آپ کے طفیل میں دوام حضور کے ساحل پر پہنچے اور بہت سے ایسے لوگ جو گمراہی کے جنگل میں بھٹک رہے تھے جو آپ ہی کے وسیلے سے ہدایت کی شاہراہ تک پہنچے۔ مختلف ملکوں سے علماء اور فضلاء آپ جیسی خیر عباد ہستی کی خدمت میں مور و ملخ کی طرح دوڑ کر آئے اور بہت سے مشائخ وقت اپنی مشیخیت ترک کر کے آپ جیسے مرکز کمالات قطبیت و غوثیت کی صحبت میں سرفراز ہوئے۔ (اسی طرح) بہت سے اولیاء زمانہ بھی آپ کی پیروی کو قرب صمدیت میں سربلندی سمجھتے تھے۔ بلکہ بہت سے بادشاہ بھی پروانہ وار آپ کی شمع ہدایت پر قربان تھے۔ کیونکہ آپ ہی اپنے وقت کے لیے (ہدایت کے) قبلہ و کعبہ تھے۔ دنیا اور دنیا والوں کے لیے فیض و ہدایت اور فضل و رحمت کا ذریعہ مشرق سے مغرب تک اور جنوب سے شمال تک آپ کے ظہور سے تا قیامت آپ ہی ہیں (چنانچہ) آپ کی توجہ کے بغیر اور آپ کے قصد کے بغیر بھی آپ کا فیض اور فائدہ لوگوں کو پہنچتا رہے گا۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ سورج کی روشنی یا چاند کی چاندنی کا معاملہ ہے کہ وہ پوری دنیا پر پڑتی رہتی ہے اور وہ سورج یا چاند کے علم میں نہیں ہے۔ یا اس کی مثال ایک محیط سمندر جیسی ہے کہ وہ اپنے حال و مقام پر قائم

ہے اور اس کا بہاؤ اسی کے لیے ہے جو خود اس کی طرف متوجہ ہوا اور تعلق رکھنا چاہتا ہو۔ یہ اور بات ہے کہ خود دریا چاہے کہ کسی فرد یا جماعت کو مستفیض فرمائے تو پھر اس کی بخشش میں کس کو کلام ہو سکتا ہے ؟ وہ تو آناً فاناً ایک عالم کو مالا مال کر دے گا۔

دراصل آپ کا معاملہ ہماری (ناقص) عقل و فہم سے بالا ہے اور ہماری کم زور سمجھ بوجھ وہاں تک پہنچ بھی نہیں سکتی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے ایک ہزار سال بعد محض حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کامل و کمل کی بدولت تمام کمالات کے وارث آپ ہوئے ہیں اور جیسا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ " میری اُمت کی مثال اس بارش کی ہے انہیں معلوم کہ اس کا اوّل بہتر ہوگا یا اس کا آخر۔" آپ کے وجود مسعود سے متعلق بھی اشارہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس اُمت کا آخر ایک ہزار سال گزرنے پر کہا جا سکتا ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بھی ہے کہ " ہر صدی میں ایک مجدد آئے گا جو دینِ متین کو از سر نو تازہ کرے گا " اور ہر صدی کے مجدد اور ہزار سال کے مجدد میں سو اور ہزار کا فرق ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ پس ہزار سال چاہیے تاکہ ایسا گوہر وجود میں آ سکے۔

ہزار سال ہیں درکار باغِ دیں میں کہ جب
تمہاری طرح کوئی بے مثال پھول کھلے
کسی صدی میں کسی دَور میں نہیں کوئی
زمانہ جس کو تمہارا نظیر کہہ بھی سکے

ظہورِ نورِ محمدی

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ہر صدی کے بعد قطبِ وقت کی صورت میں ظہور کرتا ہے اور ارشاد و ہدایت فرماتا ہے لیکن قطب الاقطاب کی صورت میں ظاہر ہونے کے لیے ایک ہزار سال تک اس کی طینت کی تخمیر کی جاتی ہے ، مادرِ زمانہ اس کو تینتیس قرن (۹۹۰ سال) اور دس سال تک اپنے شکم میں رکھتی ہے اور قضا و قدر کی دایہ اسے تین لاکھ اور ساٹھ ہزار دنوں تک تربیت دیتی ہے اور مشاطۂ ازل ، بارہ ہزار ماہ تک اس کے ظاہر و باطن کو آراستہ اور مزین کرتی ہے اور اس کی ظاہری اور روحانی زینت کرتی ہے اور آخر کو اوّل سے ملاتی ہے اس لیے اس کا ظہور

بھرپور اور زیادہ سے زیادہ (پورا کا پورا) ہوتا ہے اور چونکہ یہ تجدید سراپا حقیقت و معنی (روحانیت) کا ظہور و بروز ہے اس لیے وہ سب کے لیے ہے اور سب کو شامل ہے

مادرِ دہر کی بدولت واہ پرورش ایسے نورِ دیں کی ہوئی

یہی وجہ ہے کہ کارخانۂ رحمت اور خزانۂ فضل و احسان آپ کے حوالے کیا گیا اور جو وَمَا اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ کا خطاب مستطاب اللہ پاک کی طرف سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا ہے تو ایک ہزار سال کے بعد محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پَرتو اس احمد (مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ) پر ڈالا گیا:

خازنِ گنجِ رحمت آپ ہوئے
زینتِ حسنِ ملت آپ ہوئے
آئے آخر ہزار سال کے بعد
اوّل آخری رحمت آپ ہوئے

آپ کا ازلی نام عبدالرحمٰن ہے اور آپ زمانے کے لیے عجوبہ اور عطیاتِ الٰہی کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔

ہوئی ہے پیدا جہاں میں ہزارہا مخلوق مگر ہیں آپ زمانے میں ایک اعجوبہ

مظہریتِ محمدی

مظہریتِ محمدی کی اس سے بہتر دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ قرآنی حروفِ مقطعات کے اسرار جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رازِ سبحانی تھے اور صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے مخصوص تھے وہ آپ کے باطن پر ظاہر کیے گئے۔

ایسے خدیو کارخانۂ ہستی کی تعریف مجھ جیسے خود پرست سے کیا ہو سکتی ہے اور ایسے کہ خدائے سرشتہ وجود کی توصیف مجھ جیسے دنیا پژدہ سے کیونکر ہو سکے گی۔ آپ کے اطوار، اسرار، مقامات اور کرامات کی تعداد بارش کے قطروں اور آسمان کے ستاروں سے بھی زیادہ ہے۔ دنیوی کاغذ اُن کے لکھنے کے لیے کام کے نہیں اور سمندروں کی سیاہی اور درختوں کے قلم ان کے لیے کفایت نہیں کر سکتے اور انسانی حوصلہ اس کے تصور کی تاب بھی نہیں لا سکتا۔

اس کتابِ حسن کی اک بات ہیں ساتؔ آسماں | آفتاب اس کے لیے گویا ہے نقطہ بے گماں
آپ کے حسن کی اک بات بھی لکھنی ہے محال | لکھتے لکھتے ہوئے جاتے ہیں قلم فرسودہ

پھر بھی میں ہاتھ پاؤں مارتا ہوں (کوشش کرتا ہوں) اور دریا سے قطرہ، خرمن سے خوشہ، باغ سے پھول اور میکدے سے جام ہی پر اکتفا کر کے چند باتیں عرض کرتا ہوں۔ غور سے سنیے ــــ

نسب شریف آپ کا عالی نسب امیر المومنین امام العادلین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ صاحبزادے ہیں شیخ عبدالاحدؒ کے اور وہ فرزند تھے شیخ زین العابدین کے۔ (یعنی زین العابدین) بن شیخ عبدالحی بن شیخ محمد بن شیخ حبیب اللہ بن امام رفیع الدینؒ[1] بن شیخ نصیر الدین بن شیخ سلیمان بن شیخ یوسف بن شیخ اسحٰق بن شیخ عبداللہ بن شیخ احمد بن شیخ یوسف بن شیخ شہاب الدین المعروف فرخ شاہ کابلی بن شیخ نصیر الدین بن شیخ محمود بن شیخ سلیمان بن شیخ مسعود بن شیخ عبداللہ واعظ (اصغر) بن شیخ عبداللہ واعظ (اکبر) بن شیخ ابوالفتح بن شیخ اسحٰق بن شیخ ابراہیم بن شیخ ناصر[2] بن شیخ عبداللہ بن سیدنا امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔

"یہاں بے محل نہ ہوگا اگر ہم حضرت ابوالحسن زید فاروقی کی کتاب مقاماتِ خیر (دہلی ۱۳۹۲ھ) کے صفحہ ۲۳ سے اُن کی تحقیق کے مطابق حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا نسب نامہ نقل کر دیں:)

---

[1] مولانا محبوب الٰہی نے حضرات القدس (حصہ دوم) کا جو نسخہ لاہور سے ۱۹۷۱ء میں شائع کیا ہے اس کے صفحہ ۲۸ میں ہے: امام رفیع الدین بن خواجہ نور بن خواجہ نصیر بن خواجہ سلیمان بن خواجہ یوسف بن سلطان شہاب الدین علی المعروف فرخ شاہ ...... لیکن حضرات القدس کا جو اردو ترجمہ لاہور سے ۱۹۲۲ء میں شائع ہوا تھا اس میں اسی طرح ہے جیسا کہ اوپر متن میں تحریر کیا گیا۔ اور زبدۃ المقامات (مکتوبہ ۱۸۹۰ء) کے صفحہ ۸۹ میں اس طرح ہے:۔ امام رفیع الدین بن شیخ نصیر الدین بن شیخ سلیمان بن شیخ یوسف بن شیخ اسحٰق بن شیخ عبداللہ بن شعیب بن احمد بن یوسف بن شہاب الدین فرخ شاہ ...... (یعنی اس میں شیخ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۱) مخدوم عبدالاحد (۲) زین العابدین (۳) عبدالحی (۴) محمد (۵) حبیب اللہ (۶) امام رفیع الدین (۷) نصیر الدین (۸) سلیمان (۹) یوسف (۱۰) اسحٰق (۱۱) عبداللہ (۱۲) شعیب (۱۳) احمد (۱۴) یوسف (۱۵) شہاب الدین علی فرخ شاہ کابلی (۱۶) نورالدین (۱۷) نصیر الدین (۱۸) محمود (۱۹) سلیمان (۲۰) مسعود (۲۱) عبداللہ الواعظ الاصغر (۲۲) عبداللہ الواعظ اکبر (۲۳) ابوالفتح (۲۴) اسحٰق (۲۵) ابراہیم (۲۶) ناصر (۲۷) عبداللہ (۲۸) عمر (۲۹) حفص (۳۰) عاصم (۳۱) حضرت عبداللہ (۳۲) حضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہم اجمعین)۔ "

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) شیخ شعیب کا نام بھی درمیان میں آتا ہے۔ اور یہ صحیح ہوگا کیونکہ حضرات القدس کے مؤلف نے جب دیکھا ہوگا کہ زبدۃ المقامات شائع ہوگئی ہے جس میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے آباء اجداد اور دوسرے بزرگوں کا ذکر آچکا ہے تو اس سے انھوں نے استفادہ کیا ہوگا اور ہو سکتا ہے کہ نقل در نقل میں یہ شیخ شعیب کا نام رہ گیا ہو)۔ یہی شیخ شعیب حضرت فرید شکر گنجؒ کے پردادا تھے۔

لہ مولانا فضل اللہ مجددیؒ نے عمدۃ المقامات (لاہور ۱۳۵۵ھ صفحہ ۹۸) میں لکھا ہے کہ حضرات القدس میں اس جگہ ناصر کے بجائے سالم نام درج ہے معلوم نہیں ان کے پاس حضرات القدس کا کونسا نسخہ تھا مولانا محبوب الٰہی نے حضرات القدس کا جو نسخہ لاہور سے ۱۹۷۱ء میں شائع کیا ہے اس کی ترتیب کے لیے انھوں نے تین مخطوطات پیش نظر رکھے تھے اور انھوں نے یہاں ناصر ہی لکھا ہے، سالم نہیں لکھا۔ بہرحال اگر سالم ہی صحیح قرات ہے تو پھر حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے سالم کا ذکر کتب حدیث سے صحیح ثابت ہو جاتا ہے۔ فتاویٰ تاتارخانیہ (الفصل ۱۶) میں ہے کہ حضرت امام حسنؓ بن حضرت علیؓ کی ایک صاحبزادی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے عقد میں تھیں اور مولانا بحرالدین مجددی (سرفراز کالونی۔ حیدرآباد) کی ایک قلمی بیاض میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن حضرت عمرؓ کے دوسرے فرزند ناصر اسی صاحبزادی کے بطن سے تھے۔ پس ان دو رشتوں کی وجہ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ کی اولاد کو سید علوی کہا جائے گا۔

لہ بابا فرید شکر گنجؒ کے یہ جد اعلیٰ تھے یعنی بابا فرید بن شیخ جمال الدینؒ بن سلیمانؒ بن قاضی شعیبؒ ابن محمد احمدؒ بن محمد یوسفؒ بن شیخ محمدؒ بن فرخ شاہ کابلی۔

نسبتِ چشتیہ

سلسلۂ چشتیہ میں آپ کا تعلق اپنے والد ماجد شیخ عبدالاحدؒ سے ہے اور ان کو اپنے والد شیخ رکن الدینؒ سے۔ پھر اُن کو اپنے والد شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ سے (جو نسب اور مذہب (دونوں میں حنفی ہیں) - اُن کو شیخ محمد عارفؒ سے۔ اور ان کو اپنے شیخ احمد عبدالحقؒ سے جن کے بزرگ اس سلسلے میں یوں ہیں:

شیخ جلال الدین پانی پتیؒ، شیخ شمس الدین ترک پانی پتیؒ، شیخ علاؤالدین علی احمد صابر (کلیریؒ)، خواجہ شیخ فریدالحق والدین مسعود اجودھنی المشہور گنج شکرؒ (فاروقی)[۱]، خواجہ قطب الدین بختیار دہلویؒ، حضرت سلطان الہند خواجہ معین الدین سنجری اجمیریؒ[۲]، شیخ عثمان ہرونیؒ، شیخ حاجی شریف زندنیؒ، حضرت شیخ مودود چشتیؒ، حضرت ابو یوسف چشتیؒ، شیخ ابو محمد چشتیؒ، شیخ ابو اسحٰق شامیؒ، شیخ (ممشاد) علی دینوریؒ، شیخ ابو ہبیرہ بصریؒ، شیخ حذیفہ مرعشیؒ، شیخ سلطان ابراہیم ادہمؒ، حضرت فضیل عیاضؒ، شیخ عبدالواحد بن زیدؒ، شیخ حسن بصریؒ اور امیرالمؤمنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، جو حضور رسالت پناہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے مستفیض تھے۔

نسبتِ قادریہ

سلسلۂ قادریہ میں آپ کا تعلق آپ کے والد ماجدؒ اور اُن کو اُن کے والد ماجد شیخ رکن الدین سے تھا۔ پھر اُن کے بزرگوں کا سلسلہ اس طرح ہے:-

میر سید ابراہیم معین الحسنی الحسینی الایرجیؒ، شیخ بہاءالدین الانصاری الحسینیؒ، شیخ احمد چلپیؒ (اُن کے والد) سید موسیٰ، (اُن کے والد) سید عبدالقادر، (ان کے والد) سید حسن، (اُن کے والد) سید محی الدین ابو نصرؒ، (اُن کے والد) سید ابو صالح، (ان کے والد)

---

[۱] بابا فریدالدین گنج شکرؒ کے جدِ اعلیٰ (سات واسطوں سے) شیخ شہاب الدین علی فرخ شاہ کابلیؒ تھے جو حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ کے بھی (۱۴ یا ۱۵ واسطوں سے) جدِ اعلیٰ تھے۔

[۲] حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سیستان میں رہتے تھے۔ اس لیے سجزی (س ج زی) کہلاتے ہیں۔ لوگوں نے سنجری (س ن ج ری) پڑھ لیا۔

سید عبدالرزاق اور پھر ان کے والد غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانی (قدس سرہٗ) اور ہمارے حضرت (مجدد الف ثانی) کو (اس مذکورہ سلسلے میں) حضرت شاہ کمال کیتھلی سے بھی ان کے مقبول نظر ہونے کی وجہ سے اس طرح تعلق ہے کہ ان کے پوتے شاہ سکندرؒ سے وہ مستفیض ہوئے (جن کو ان کے دادا شاہ کمالؒ نے خلافت دی تھی حالانکہ ان کے والد شیخ عماد موجود تھے)۔ اور شاہ کمالؒ کا تعلق شیخ فضیلؒ سے تھا جو مستفیض تھے سید گدا رحمٰن ثانیؒ سے اور وہ سید شمس الدین عارفؒ اور وہ سید گدا رحمٰن اول سے۔ پھر ان کے بزرگوں کا اس طرح سلسلہ ہے:

سید ابو الحسنؒ، سید شمس الدین صحرائیؒ، سید عقیلؒ، سید بہاء الدینؒ، سید عبدالوہابؒ، سید شرف الدینؒ، سید عبدالرزاقؒ اور پھر ان کے والد حضرت غوث الثقلین عبدالقادر جیلانیؒ اور پھر حضرت غوث الثقلینؒ اپنے والد سید ابو صالحؒ سے، وہ اپنے والد سید موسیٰ فانیؒ سے، وہ اپنے والد سید یحییٰ زاہدؒ سے، وہ اپنے والد سید داؤدؒ سے، وہ اپنے والد سید موسیٰؒ سے، وہ اپنے والد سید عبداللہؒ سے، وہ اپنے والد سید موسیٰؒ سے، وہ اپنے والد سید محضؒ سے، وہ اپنے والد حسن مثنیٰؒ سے۔ جو مستفیض تھے اپنے والد ماجد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے اور وہ اپنے والد ماجد امیر المومنین علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ سے۔

سندِ مصافحہ

آپ نے مصافحہ حاجی عبدالرحمٰن بدخشی کابلیؒ (المشہور حاجی رمزی) سے کیا۔ انھوں نے حافظ سلطان اوبہیؒ سے کیا تھا جن کی عمر ایک سو دس سال ہوئی تھی۔ انھوں نے شیخ محمود اسفرازیؒ سے، انھوں نے حضرت سعید معمر حبشیؒ سے اور انھوں نے حضور رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے کیا تھا۔ اس کی تفصیل میں نے اپنی کتاب سنوات الاتقیاء[1] میں دی ہے۔

نسبتِ نقشبندیہ

آپ کی نسبتِ نقشبندیہ کی تفصیل ہم نے اس کتاب کے دفترِ اول کے آغاز میں دے دی ہے۔ اس لیے یہاں صرف مختصر منظوم شجرے پر اکتفا کیا جاتا ہے:

---

[1] (صاحب حضرات القدس کی ایک تصنیف "سنوات الاتقیاء" ہے)

شجرۂ منظوم

رسید فیض بہ صدیقؓ ز احمد مختار — ازو رسید بہ سلمانؓ مخزنِ اسرار
ازو بہ قاسم و جعفر ابویزید ازو — بہ بوالحسنؒ[1] و ازو بوعلی سرِ ابرار
ازدست یوسف و زو غجدوانی و عارف — ز فغنوی ست بہ رامیتنی گوہر بار
ازدست حضرت بابا، پس ازنست امیر کلال — بہاء ملت و دیں نقشبندِ فخرِ کبار
عقیب این ہمہ یعقوب چرخی ست دگر — ازو بہ خواجہ عبید اللہ واقفِ اسرار
ازوست زاہد و درویش خواجہ امکنگی — ازو بہ خواجۂ باقی ست معدنِ انوار

ازو امام زماں قطب وقت شیخ احمد
کہ ہست بانیِ این راہ منبعِ اسرار

ولادت و طفولیت و تعلم

آپ کی ولادت باسعادت ماہ شوال ۹۷۱ھ میں بلدۂ معظمہ سہرند (سرہند) (حرسہا اللہ سبحانہ عن الآفات) میں واقع ہوئی۔ پڑھنے کے قابل عمر ہوئی تو آپ کو ایک مکتب میں داخل کیا گیا۔ تھوڑی مدت میں آپ نے وہاں قرآن پاک[2] حفظ کر لیا۔ پھر اپنے والد ماجد شیخ عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تعلیم حاصل کی اور اکثر علوم انہی سے حاصل کیے۔ اس کے بعد آپ سیالکوٹ تشریف لے گئے اور مولانا کمال کشمیریؒ سے معقولات کی بعض کتابیں بہت تحقیق سے پڑھیں۔ وہ اس فن میں بہت مشہور تھے اور اپنے زمانے کے محقق، مدقق، علامہ اور عابد و زاہد تھے۔ وہیں حدیث شریف کی بعض کتابیں مولانا یعقوب کشمیری سے پڑھیں۔ یہ شیخ

---

[1] منظوم شجرے میں یہاں خرقانی ہے لیکن وزن صحیح کرنے کے لیے اس کی جگہ بوالحسن بنا دیا گیا ہے۔ خرقانی (تشدید را) پڑھیں تو درست ہو سکتا ہے۔

[2] یہاں اور حضرت ہاشم کشمیؒ کی زبدۃ المقامات میں بھی لکھا ہے کہ آپ نے بچپن میں قرآن پاک حفظ کر لیا تھا لیکن مکتوبات شریف (دفتر دوم، مکتوب ۴۲) سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے نظر بندی کے دوران حفظ کیا تھا۔

حسین خوارزمیؒ کبروی کے خلیفہ تھے اور انھوں نے حرمین شریفین میں بڑے بڑے محدثین سے استفادہ کرکے سند حاصل کی تھی۔ آپ (حضرت مجدد) نے سلسلہ کبرویہ میں مولانائے موصوف ہی سے بیعت فرمائی ہے۔

تعلیم سے فراغت آپؒ نے سترہ سال کی عمر میں علوم ظاہری کی تحصیل سے فراغت پائی۔ اور بکثرت علوم حاصل کیے۔ جب آپ ان سے فارغ ہوئے تو اپنے والد ماجد سے درس لینا شروع کیا اور دوران مطالعہ میں جہاں کہیں دقیق باتیں آجاتی تھیں تو آپ ان کتابوں کے حواشی میں درج فرمالیتے تھے۔ تفسیر و حدیث (صحاح ستہ وغیرہ) اور حدیث مسلسل بالاولیت الراحمون یرحمھم الرحمٰن ارحموا من فی الأرض یرحمکم من فی السمآء[1] کی اجازت (صرف ایک واسطے سے) قدوۃ المحققین و زبدۃ المحدثین شیخ عبدالرحمٰنؒ سے حاصل کی تھی۔ یہ ایک بہت بڑے محدث اور اپنے وقت کے اکابر علماء میں سے تھے۔

تصانیف علوم ظاہری کی تحصیل کے زمانے میں آپ نے عربی اور فارسی میں کئی رسالے بڑی فصاحت اور بلاغت کے ساتھ مرتب کیے ہیں۔ رسالۂ تہلیلیہ (عربی) رسالہ اثبات النبوۃ (عربی) اور رسالہ ردّ شیعہ (فارسی) وغیرہ اسی زمانے کی تصانیف[2] ہیں۔ آپ کی زبردست علمی قابلیت کا اندازہ اسی بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ابوالفیض فیضی جب اپنی بے نقط تفسیر لکھ رہا تھا اور اس کی مدد کے لیے ہندوستان کے علماء میں سے مولانا جمال الدین لاہوریؒ تلوی وغیرہ اس کی مجلس میں تھے تو ایک مقام پر وہ اٹک گئے اور لکھنے سے عاجز ہوگئے تو ابوالفیض (فیضی) نے آپ سے عرض کی کہ اس مقام پر علماء رک گئے ہیں اور اپنے عجز کے معترف ہیں، اگر آپ کوئی عبارت جو تحت اللفظ

---

[1] ترجمہ: رحم کرنیوالوں پر رحمان رحم کریگا۔ تم زمین والوں پر رحم کرو تم پر آسمان والا رحم کرے گا۔ (حکیم ترمذی فی النوادر)

[2] یہ رسالے ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان نے کراچی سے اور پھر مولانا محبوب الٰہی نے لاہور سے شائع کردیئے ہیں۔

معنی میں ہو تحریر فرمادیں تو بہت کرم ہوگا، کیونکہ ہم لوگ حیران ہیں۔ آپ نے قلم اٹھایا اور بے نقط عبارت میں (قلم برداشتہ) ایسی عبارت لکھ دی جو شرح و بسط، مقصد و شان نزول وغیرہ پر حاوی تھی کہ عقلاء اور علماء کی عقل حیرت کرتی ہے۔ چنانچہ ابوالفیض (فیضی) اور سبھی علماء حیران رہ گئے اور آپ کی علمیت کے معترف ہوئے۔ پھر تو اس تفسیر کا اکثر حصہ[۱] آپ ہی کی معاونت سے انجام پذیر ہوا۔ یہ واقعہ آپ کے زمانہ ارشاد سے پہلے کا ہے۔

اکتساب کمالات باطنی

غرض کہ آپ نے تحصیل و تدریس کے بعد اپنے والد ماجد کی صحبت اختیار کی اور انھی سے کمالات باطنیہ اور سلسلہ قادریہ و چشتیہ کے انوار سے اکتساب کیا اور آپ کے والد ماجد نے آخر وقت میں اپنے تمام صاحبزادوں میں سے آپ ہی کو خرقہ خلافت عطا فرمایا اور اپنا جانشین مقرر کیا۔ آپ نے بھی (مبداء معاد کے شروع میں) لکھا ہے کہ:

"اس فقیر کو نسبت فردیت کا سرمایہ اپنے والد ماجد سے حاصل ہوا اور ان کو ایک ایسے بزرگ سے حاصل ہوا تھا جو جذبۂ قوی رکھتے تھے اور اپنے خوارق میں مشہور تھے۔" (یعنی حضرت شاہ کمیتھلی قادری سے حاصل ہوا تھا)

پھر دوسرے مقام پر آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ:

"اس فقیر کو عبادات نافلہ (خصوصاً صلوٰۃ نافلہ) کی توفیق اپنے والد ماجد کی بدولت حاصل ہوئی اور ان کو اپنے شیخ سلسلہ چشتیہ سے حاصل ہوئی تھی۔" (یعنی شیخ عبدالقدوس حنفی غزنوی گنگوہی سے)۔

عزم سفر حج اور ملاقات خواجہ باقی

آپ کو ہر وقت حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اشتیاق رہتا تھا لیکن والد ماجد کی خدمت اور تحصیل کمالات کی وجہ سے اس شوق کو پورا نہ

---

[۱] اس تفسیر کا کچھ حصہ ضرور آپ کی معاونت سے ثابت ہے یعنی "بقدر یک صفحہ"۔ دیکھیں زبدۃ المقامات صفحہ ۱۳۲

کر سکتے تھے۔ لیکن جب والد صاحب کا انتقال ۱۰۰۷ھ میں ہو گیا تو آپ کے اس شوق نے پھر غلبہ کیا اور تجرید و تفرید کے ساتھ آپ اس مبارک سفر پر روانہ ہوئے اور کسی کو اس کی اطلاع نہ دی۔ جب آپ دہلی پہنچے تو آپ کی ملاقات شیخ حسن کشمیری[1] سے ہوئی جو حضرت خواجہ محمد باقی قدس سرہ کے مخلصین میں سے تھے اور آپ کے قدیم دوستوں میں سے بھی تھے۔ انھوں نے بر سبیل تذکرہ حضرت خواجہؒ کے مناقب اور کرامات کا ذکر آپ سے کیا۔ آپ کو چونکہ اس سلسلہ عالیہ کا پہلے ہی سے اشتیاق تھا اور اپنے والد ماجد کو بھی اس کا شائق دیکھا تھا اس لیے آپ غلبہ شوق سے بے اختیار ہو کر حضرت خواجہؒ کی خدمت میں روانہ ہوئے تاکہ اُن سے ذکر اور مراقبہ کا طریقہ سیکھ کر اس کو حرمین شریفین کا توشہ بنائیں۔ حضرت خواجہؒ نے ملاقات ہوتے ہی فرمایا کہ آپ تو بیت اللہ شریف کی زیارت کو جا رہے ہیں اگر چند روز یہاں قیام کریں تو ممکن ہے کہ وہ چیز جو آپ وہاں طلب کریں گے یہیں حاصل ہو جائے۔ پھر فرمایا کہ اچھا صرف تین دن یہاں قیام کریں۔ اس کے بعد بھی اگر سفر کا مصمم عزم رہے تو روانہ ہو جایئے گا۔ آپ نے یہ بات منظور کر لی۔

حضرت خواجہؒ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جو لوگ آپ کی خدمت میں طلب ذکر کے لیے آتے تھے وہ مدت مدید تک آمد و رفت رکھتے تھے اور طریقے کی خواہش کرتے تھے تب بھی حضرتؒ اُن کو طریقہ نہ بتاتے تھے بلکہ نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ کسب حلال کریں اور عیال و اطفال کے حقوق ادا کریں۔ اس کے بعد بھی اگر ان لوگوں میں طلب صادق دیکھتے تھے تو استخاروں کے بعد اُن کو طریقۂ ذکر بتا دیتے تھے۔ لیکن یہاں حضرتؒ نے اپنی قدیم وضع ترک کر کے آپ (حضرت مجددؒ) کو باطنی تصرف اور ظاہری اخلاق سے اپنا گرویدہ بنا لیا اور پھر طریقہ بتا دیا۔ پھر تو ہر روز بلکہ ہر ساعت آپ کا کام ترقی کرتا گیا اور برسوں کا کام گھنٹوں میں پورا ہو گیا ؎

ان کی چوکھٹ سے انتہائی منتہیٰ
رفعتوں کے لیے بنی اکسیر

---

[1] شیخ حسن کشمیریؒ (مکتوبات۔ دفتر اول ۹۹۔۱۰۰۔۱۰۱۔۲۰۹۔ دفتر سوم ۱۲۲) بڑے عالم تھے دہلی میں قیام رہا پہلے شیخ نجم جائیں سھنویؒ سے پھر حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ سے مستفیض ہوئے ۱۰۵۱ھ میں وفات پائی۔ حضرت مجددؒ نے دفتر اول کے مکتوب ۲۰۹ میں شیخ حسن کشمیری کا شکریہ ادا کیا ہے کہ ان کی توسط سے حضرت باقی باللہ سے بیعت حاصل ہوئی ہے۔

چنانچہ تھوڑی ہی مدت میں آپ اوجِ کمال تک پہنچ گئے اور اپنے ہمعصروں اور ہم چشموں میں فائق بن گئے۔ اور جلد ہی ماشاء اللہ قطبیت اور فردیت کے کمال و تکمیل کے مراتب پر فائز ہو گئے۔ خود آپ نے اپنے ابتدائی حالات اختصار سے ایک مکتوب (دفتر اوّل۔ نمبر ۲۹۰) میں اس طرح بیان فرمائے ہیں :-

قدسیہ

فقیر کے دل میں جب اس راہ کی طلب پیدا ہوئی تو اللہ پاک کی عنایت میری راہبر بنی اور ولایت پناہ، حقیقت آگاہ، اس طریقے کے راہنما یعنی وہ طریقہ جس کی ابتدا ہی میں انتہائی مقامات حاصل ہوتے ہیں، اس راستے کے والی جو ولایت تک پہنچا دیتا ہے۔ مؤیدالدین شیخنا و امامنا الشیخ محمد الباقی قدس سرہٗ کی خدمت میں مجھے پہنچایا گیا۔ یہ خانوادۂ نقشبندیہ کے اکابر خلفاء میں سے تھے انھوں نے فقیر کو ذکرِ اسم ذات کی تعلیم فرمائی اور طریق معہود کے مطابق توجہ دی جس سے میرے دل کو بڑی لذت حاصل ہوئی اور کمالِ شوق سے مجھ پر گریہ طاری ہو گیا۔ ایک روز کے بعد بیخودی کی کیفیت طاری ہوئی جو ایسے اکابر کے نزدیک قابل قدر چیز ہے اور جسے "غیبت" کہتے ہیں۔ اس بیخودی کے عالم میں ایک دریا سے محیط دکھائی دیا جس میں دنیا (والوں) کی صورتیں اور شکلیں سایہ کی طرح نظر آتی تھیں اور یہ بیخودی رفتہ رفتہ غالب ہوتی گئی اور طول کھینچتی گئی۔ یعنی کبھی ایک پہر تک اور کبھی دو پہر تک قائم رہی اور کبھی ساری ساری رات چھائی رہی۔ جب میں نے یہ بات حضرت خواجہؒ سے عرض کی تو انھوں نے فرمایا کہ "کسی قدر فنا کی کیفیت حاصل ہو گئی ہے۔" پھر آپ نے ذکر کرنے سے مجھے روک دیا اور صرف اس کی آگاہی کا خیال رکھنے کا حکم فرمایا۔ پھر دو روز کے بعد مجھے فنائے مصطلح حاصل ہوئی جس کا میں نے ذکر کیا تو فرمایا " اپنے کام میں لگے رہو۔" اس کے بعد "فنائے فنا" حاصل ہوئی۔ جب اس کا ذکر آپ سے کیا تو فرمایا کہ "کیا تم تمام عالم کو ایک اور متصل پاتے ہو" ؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں۔ تو آپ نے فرمایا کہ "فنا میں معتبر

بات یہ ہے کہ دید کے باوجود، بے شعوری متصل طور پر پائی جائے۔" پھر اسی رات بیے فنائے فنا اسی طرح حاصل ہو گئی جو میں نے بیان کی اور عرض کیا کہ "میں اپنے علم کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضوری سمجھتا ہوں۔" اس کے بعد ایک نور جو تمام اشیاء کو احاطہ کیے ہوئے تھا ظاہر ہوا۔ میں نے اسے حق جلا و علا سمجھا اور اس نور کا رنگ سیاہ تھا۔ یہ بات بھی حضرت سے عرض کی تو فرمایا کہ "حق جل سلطانہٗ، پردۂ نور میں ظاہر (مشہود) ہوتا ہے"۔ اور یہ بھی فرمایا کہ "نور کا یہ بسط و کشادا اللہ کی ذات کے تعلق کی وجہ سے علمی ہے اور اشیاء متعددہ کے ساتھ (جو بلندی و پستی میں واقع ہیں) تعلق کی وجہ سے منبسط ہیں۔ پس اس انبساط کی نفی کرو۔" اس کے بعد وہ سیاہ نور بسط سے قبض کی طرف آنے لگا اور تنگ ہونے لگا۔ یہاں تک کہ وہ ایک نقطہ رہ گیا۔ پھر فرمایا کہ اس نقطے کی بھی نفی کر دینی چاہیے اور مقامِ حیرت میں آ جانا چاہیے۔ چنانچہ اسی طرح کیا گیا اور وہ نقطہ بھی زائل ہو گیا۔ اور حیرت حاصل ہوئی کہ اسی مقام میں حق کا شہود خود بخود ہو جاتا ہے۔ میں نے یہ بات جب عرض کی تو فرمایا کہ یہی حضور ہے جو نقشبندیہ کا حضور کہلاتا ہے اور نسبتِ نقشبندیہ اسی حضور سے عبارت ہے۔ اور اسی حضور کو "حضور بے غیبت" بھی کہتے ہیں۔ اور "مقامِ اندراجِ نہایت در بدایت" اسی مقام میں حاصل ہوتا ہے۔ اس طریق میں طالب کو یہ نسبت اسی طرح حاصل ہو جاتی ہے لیکن دوسرے سلاسل میں اور اوراد و اذکار سے حاصل ہوتی ہے جن پر پیر عمل کراتا ہے تاکہ مقصود حاصل ہو سکے۔ ع

بہار کیا ہے گلستاں کو دیکھیے پہلے

اور اس فقیر کو ایسی عزیز الوجود نسبت صرف دو ماہ اور چند روز میں ابتدائی تعلیمِ ذکر کے بعد حاصل ہو گئی تھی۔ اور اس نسبت کے متحقق ہونے کے بعد دوسری فنا جسے فنائے حقیقی کہتے ہیں حاصل ہوئی اور دل میں اس قدر وسعت پیدا ہوئی کہ عرش سے لے کر مرکزِ زمین تک تمام عالم اس وسعت

کے مقابلے میں رائی کے ایک دانے کے برابر بھی معلوم نہ ہوا۔ اس کے بعد ہر ذرۂ عالم کو الگ الگ اپنا عین دیکھا اور خود کو ان سب کا عین پایا۔ یہاں تک کہ تمام عالم کو ایک ذرّے میں گم پایا۔ پھر تو خود کو بلکہ ہر ذرّے کو اس قدر پھیلا ہوا اور وسیع پایا کہ تمام عالم بلکہ اس کا المضاعف بھی اس میں سما جائے۔ اور خود کو اور ہر ذرّے کو ایک بسیط نور پایا جو ہر ذرّے میں پھیلا ہوا تھا اور تمام عالم کی صورتیں اور شکلیں اس نور میں مضمحل ہو کر لاشئی ہو گئی تھیں۔ اس کے بعد خود کو اور ہر ذرّے کو تمام عالم کا مقوّم پایا۔

جب میں نے یہ کیفیات حضرت خواجہ سے عرض کیں تو حضرت نے فرمایا کہ توحید میں حق الیقین کا مقام یہی ہے اور اسی مقام کو جمع الجمع بھی کہتے ہیں

اس کے بعد عالم کی صورتیں اور شکلیں جن کو میں پہلے حق پاتا تھا اب موہوم معلوم ہونے لگیں۔ اسی طرح ہر ذرّہ جس کو پہلے میں حق پاتا تھا اب بلا کسی تفاوت اور تغیر کے وہ ذرّہ موہوم معلوم ہونے لگا۔ اب نہایت حیرت ہوئی اور اسی حیرت کے عالم میں فصوص الحکم[1] کی وہ عبارت جو والد بزرگوار قدس سرہ سے سنی تھی یاد آئی یعنی " اگر تو چاہے تو عالم کو ایک وجہ سے خلق کہہ سکتا ہے اور اگر تو چاہے تو ان دونوں میں تمیز نہ ہونے کی وجہ سے حیرت کہہ سکتا ہے"۔ اس عبارت سے بہرحال میرے اضطراب کو تسکین ہوئی۔

اس کے بعد حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا حال عرض کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ تمہارا حضور ابھی صاف نہیں ہوا۔ اپنے کام میں مصروف رہو تاکہ موجود کی تمیز، موہوم سے ظاہر ہو جائے۔ پھر میں نے فصوص الحکم کی وہ

---

[1] فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ وغیرہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی تصانیف ہیں۔ وہ اندلس کے شہر مرسیہ میں ۵۶۰ھ میں پیدا ہوئے اور دمشق میں ۶۳۸ھ میں فوت ہوئے۔ فلسفۂ اشراقیت اور توحید وجودی کے ماہر اور ربانی تھے۔

عبارت پڑھی جو عدمِ تمیز کی مظہر تھی۔ تو انھوں نے فرمایا کہ شیخ (محی الدین ابن العربی) نے کامل کا حال بیان نہیں کیا۔ عدمِ تمیز کی نسبت تو بعض (دوسرے سالکین) کو بھی حاصل ہو جاتی ہے۔

پھر میں اُن کے حکم کے مطابق اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ اللہ پاک نے حضرت خواجہؒ کی توجہ سے صرف دو روز میں موجود اور موہوم میں تمیز ظاہر کر دی اور میں موجودِ حقیقی کو موہومِ خیالی سے ممتاز کر سکا اور وہ صفات، افعال اور آثار جو موہوم سے ظاہر ہوتے ہیں میں نے حق سبحانہٗ سے ظاہر پایا اور اُن افعال اور صفات کو بھی موہومِ محض جانا اور باہر صرف ایک ذات کے علاوہ کسی کو بھی نہ دیکھا۔ جب میں نے یہ حالت حضرت خواجہؒ کی خدمت میں عرض کی تو انھوں نے فرمایا کہ "مرتبۂ فوق بعد الجمع" یہی ہے اور کوشش کی انتہا بھی یہیں تک ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ جس کی استعداد میں رکھا گیا ہے ظاہر ہو جاتا ہے۔ اور اسی مرتبہ کو مشائخ طریقت نے تکمیل کا مقام کہا ہے ——

(یہاں تک مکتوب نمبر ۲۹۰۔ دفترِ اوّل کی عبارت تھی)

آپ اپنے وطن (سرہند) سے تین مرتبہ[1] حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے پہلی مرتبہ حضرت خواجہؒ نے دولتِ کمال و تکمیل، نیز مدارجِ قرب و نہایت کی ترقیوں کے حصول کی

---

[1] تین مرتبہ حاضری اس طرح ہوئی کہ پہلی مرتبہ ربیع الآخر ۱۰۰۸ھ میں۔ دوسری بار رمضان سے ذی قعدہ ۱۰۱۰ھ میں اور تیسری مرتبہ ۱۰۱۲ھ میں حضرت خواجہؒ کی وفات سے چند ماہ قبل۔ پھر جب واپسی ہوئی تو لاہور میں حضرت خواجہؒ کی وفات کی خبر سنی تو واپس دہلی گئے۔ وہاں اکثر حضرات نے آپ کے ہاتھ پر تجدید بیعت کی۔ لیکن بعض کے دل میں وسوسہ پیدا ہوا (دیکھیں حضرات القدس کا یہی دوسرا دفتر حصّہ سوم)، ایسے لوگوں میں شیخ تاج الدین سنبھلی تھے (جن کے حالات اسی کتاب کے دفتر اوّل میں ہیں)۔ انھوں نے رسالۂ تاجیہ لکھا تھا جو مجددی سلوک سے کچھ ہٹا ہوا ہے۔ یہ رسالہ مولوی عطا محمد صاحب خطیب جامع مسجد چودھواں (ڈیرہ اسمٰعیل خاں) کے پاس ہے۔

خوشخبری دی جیسا کہ اوپر مذکور ہے۔ دوسری مرتبہ حضرت خواجہؒ نے آپ کو طالبانِ حق کے ارشاد و افادہ کی اجازت دی اور خلافت کی خلعت عنایت فرمائی اور اپنے منتخب اصحاب کی ایک جماعت آپ کے ہمراہ کر دی اور اُن کی تربیت آپ کے حوالے کر دی۔ تیسری مرتبہ جب آپ حضرت خواجہؒ کی خدمت میں پہنچے اور حضرتؒ نے آپ کی آمد کی خبر سنی تو پاپیادہ آپ کے استقبال کے لیے قلعۂ فیروزی سے جو حضرتؒ کا مسکنِ مبارک تھا کابلی دروازہ تک پہنچے اور بہت اعزاز و اکرام کے ساتھ آپ کو ہمراہ لے گئے۔ پھر جب مجلس منعقد ہوئی تو حضرت خواجہؒ نے آپ سے ایک سوال پوچھا۔ وہ یہ کہ سید الطائفہ[1] قدس سرہ نے کہا ہے کہ اگر ہم سے حضرت ابوسعید خرازؒ[2] والے مسلک کا مطالبہ کیا جائے (یعنی اُن جیسا عمل) تو ہم ہلاک ہو جائیں گے۔ ان کا مسلک دوامِ آگاہی کا تھا کہ وہ چھڑا سیتے وقت دو ٹانکوں کے درمیانی وقت میں بھی اللہ کے ذکر سے غافل نہ رہتے تھے۔ اور جب آخر وقت میں خرازؒ سے دریافت کیا گیا کہ آپ کی کیا آرزو ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ میں اپنی غفلت پر حسرت کرتا ہوں۔ (یعنی دو ٹانکوں کے درمیان بھی ذکرِ الٰہی سے غافل نہ ہوئے اور پھر بھی وہ آخر وقت میں اپنی غفلت پر افسوس کر رہے تھے) تو یہ دو مختلف باتیں کیوں کر صحیح ہوں گی؟ حضرت مجددؒ نے جواب میں عرض کیا کہ حضرت خرازؒ کی آرزو (ظاہر اور باطن دونوں میں) کُلّی حضور سے عبارت تھی اور وہ اس کے سوا کو غفلت سمجھتے تھے۔ کیونکہ ایسا حضور دوامی، ممکن نہ تھا اور اسی لیے وہ افسوس کر رہے تھے اور وہ جو کہا گیا ہے کہ وہ دو ٹانکوں کے درمیان ذکرِ الٰہی سے غافل نہ ہوتے تھے، تو اس سے مراد صرف حضورِ باطنی ہے۔

غرض کہ اس (تیسری) مرتبہ حضرت خواجہؒ نے آپ کا احترام و اکرام حد سے زیادہ کیا۔ چنانچہ جب حضرت خواجہؒ اپنی جگہ سے اٹھتے تو الٹے پاؤں جاتے کہ کہیں آپ کی طرف پشت نہ ہو جائے اور راستہ چلنے میں بھی حضرت خواجہؒ یہی معمول رکھتے۔ بلکہ

---

[1] یعنی حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ جو حضرت سری سقطیؒ کے بھانجے اور خلیفہ تھے۔ بغداد میں ۲۹۷ھ میں وفات پائی۔

[2] ابوسعید احمد بن عیسیٰ خرازؒ المتوفی ۲۷۷ھ۔ آپ کو لسان التصوف کہا جاتا ہے۔ توکل میں خاص مقام تھا۔

طالبین اور حاضرین کو بھی حکم تھا کہ آپ کی موجودگی میں میری تعظیم ہرگز نہ کرنا۔ اور انھوں نے اپنے تمام مریدوں کو آپ کے حوالے کر دیا۔ اور مشیخت و ارشاد کا کام بھی پوری طرح آپ کے سپرد کر دیا۔ بلکہ اپنے صاحبزادوں کو جو ابھی شیر خوار تھے طلب فرما کر آپ کی توجہ کے لیے پیش کر دیا۔ جیسا کہ ان دونوں صاحبزادوں کے متعلق دفتر اوّل میں عرض کیا جا چکا ہے حضرت خواجہؒ کے بعض اصحاب حضور میں نہیں تھے تو ان کی غائبانہ تربیت کے لیے آپ سے خواہش کی گئی۔ پھر حضرت خواجہؒ کا ارشاد ہوا کہ ہماری پیری مُریدی کا مقصد صرف آپ کا ظہور تھا۔ اس لیے اب ہم نے مشیخت ترک کر دی ہے۔

حضرت خواجہؒ کے اس ارشاد کے مطابق آپ سرہند تشریف لائے اور طالبانِ حق کی تربیت میں مشغول ہوئے۔ ایک مکتوب (۱/۲۹۰) میں آپ فرماتے ہیں:

"حضرت خواجہؒ نے جب مجھے کامل اور مکمل جان کر تعلیمِ طریقہ کی اجازت مرحمت فرمائی اور طالبانِ حق کی ایک جماعت میرے حوالے کر دی تو مجھے اس وقت اپنے کمال و تکمیل میں تردد تھا۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ اس راہ میں تردد نہیں چاہیے کہ اس سے مشائخ کے کمال میں تردد لازم آتا ہے۔ پس میں نے حسب الامر تعلیمِ طریقہ شروع کر دی اور طالبانِ حق کا برسوں کا کام گھڑیوں میں پورا ہوتا ظاہر ہونے لگا۔ لیکن اسی دوران میں مجھے اپنی نسبت میں کمی محسوس ہوئی تو میں نے اُن لوگوں سے جو میرے گرد جمع رہتے تھے اپنی اس کمی کا ذکر کیا اور اُن سے رخصت چاہی۔ تو وہ لوگ میری اس بات کو تواضع اور انکساری پر محمول کرنے لگے اور جو کچھ انھیں حاصل ہوا تھا اس سے برگشتہ نہ ہوئے۔ پھر اللہ پاک کا کرم ہوا اور تھوڑی مدت میں مجھے وہ احوال حاصل ہو گئے، جن کا مجھے انتظار تھا۔"

اور آپ اپنے احوال اور کمالات، نیز اپنے اصحاب اور زیرِ تربیت پیر بھائیوں کی ترقیات کا ذکر حضرت خواجہؒ کو لکھتے رہتے تھے جو آپ کے مکتوبات (دفتر اوّل) میں موجود ہے۔ ناظرین وہاں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ خود حضرت خواجہؒ کے پاس جو

اصحاب موجود تھے اُن کے حالات بھی آپ سے حضرت خواجہؒ دریافت کرتے رہتے تھے اور آپ اپنے صحیح و صریح کشف سے ہر ایک حالات سرہند سے حضرت خواجہؒ کو لکھتے رہتے تھے اور اُن کی ترقی کے لیے غائبانہ طور پر توجہ فرماتے تھے۔ سبحان اللہ، آپ کی توجہ کیسی قوی تھی اور آپ کے تصرف میں کس قدر زور تھا!

غرض کہ جب آپ کا شہرہ دنیا اور دنیا والوں پر ہوا اور آپ کی ہدایت کا چرچا تمام عالم میں شائع ہوا اور آپ کے کمالات کا ڈنکا ہفت اقلیم میں بجنے لگا تو آیت کریمہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا[1] کے مصداق مختلف مقامات میں لوگوں نے آپ کا حلیہ مبارکہ اپنے خوابوں میں دیکھا۔ بلکہ انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام سے بھی اشارے اور بشارتیں پائیں کہ آپ کی خدمت میں لوگ حاضر ہوں ـــ چنانچہ بکثرت لوگ جوق در جوق اور فوج در فوج آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جو بشارتیں انھیں خواب میں ملی تھیں اُن کا مصداق آپ ہی کو دیکھا۔ اس لیے ہر شخص آپ کا معتقد اور مطیع بن گیا۔ آپ کے خوارقِ عادات و کرامات، نیز کشفِ قلوب اور اشرافِ غیوب اس طرح لگاتار ظاہر ہوتے تھے جس طرح کہ ابر نیساں، پھر ظاہر و باطن میں آپ کے تصرفات اور توجہات بے حد و حساب محسوس ہوتے تھے۔ اس لیے آپ کی صورت اور روحانیت کا ہر شخص شیدا بن گیا تھا۔ اور لوگ آپ کے در پر بالکل عاجز بن کر رہتے تھے اور ادب و انکسار کی حالت یہ تھی کہ وہ نقش بر دیوار بن جاتے تھے۔ پھر آپ جیسے قطب الاقطاب سے بات کرنے کی کس کو جرأت ہوتی اور ہم زبانی کی تاب کسے تھی؟ آپ کی وجہ سے خدا کے دوستوں اور حق پرستوں کا ایسا مجمع لگ گیا تھا کہ تمام دنیا میں اس کی مثال نہ تھی۔ ان طالبانِ حق اور سالکانِ محق میں سے جو شخص بھی آپ کو دیکھتا تھا تو بے اختیار اور با اضطرار کہہ اٹھتا تھا کہ "بے شک یہ کوئی بڑے فرشتے ہیں۔"

---

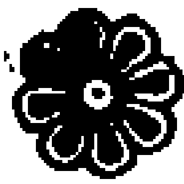
[1] ترجمہ: جب اللہ کی مدد اور فتح آئے اور لوگوں کو تم دیکھو کہ اللہ کے دین میں فوج در فوج میں داخل ہوتے۔ (پ ۳۰۔ سورہ النصر)

آپ کا طریقہ بالکل صحابۂ کرامؓ کے طریقے کے مطابق تھا اور آپ کا لباس بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کبارؓ کے لباس کی طرح تھا۔ یعنی سر پر عمامہ، مسواک، گوشۂ دستار سے بندھی ہوئی، عمامہ کا کنارہ دونوں کندھوں کے بیچ میں پڑا ہوا، قمیص کا گریبان دونوں کندھوں کی طرف کھلا ہوا، پاجامہ ٹخنوں سے اوپر بلکہ پنڈلی کے وسط تک، پاؤں میں جوتی اور ہاتھ میں عصا ہوتا تھا۔ کندھے پر سجادہ ہوتا تھا اور پیشانی پر کثرت سجود کے نشانات، پیشانی اور رخساروں پر باطنی نورانیت کے انوار رہتے تھے۔ پوری رات آپ نماز میں یا مراقبہ میں بسر کرتے تھے اور دن میں صبح کی، ظہر کی اور عصر کی نمازوں کے بعد حلقۂ ذکر کراتے تھے جس میں استغراق رہتا تھا، نماز اشراق اور چاشت بھی ادا فرماتے تھے۔ اور رات دن، وضو، نماز، مراقبہ یا تلاوت میں مصروف رہتے تھے۔ نماز کے وقت، جگہ اور لباس کی پاکیزگی اور صفائی کا بہت زیادہ خیال فرماتے تھے۔ گویا یہ حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ لَا یُدْرٰی اَوَّلُھُمْ خَیْرٌ اَوْ اٰخِرُھُمْ" (نہیں معلوم کہ میری اُمت کا اول بہتر ہے یا آخر) ۔ آپ اور آپ کے احباب و اصحاب کے متعلق ہوگی۔

آپ نے اپنے حقیقی بھائی شیخ محمد مودودؒ کو اس طرح لکھا تھا:

"اے بھائی، اہل اللہ اور اللہ کے عاشقوں کا ایسا اجتماع جو آج کل سرہند (سرہند) میں ہوتا ہے اگر تم تمام عالم میں پھرو گے تو بھی اس کا سوواں حصہ بلکہ شمہ بھر بھی اس کا نہ پاؤ گے۔ اور تم نے مفت میں ایسی دولت کو گنوا دیا اور بچوں کی طرح ایسے جواہر کے بدلے جوز و مویز کو اٹھا لیا۔ ع

شرم اور ہزار شرم کی بات[1]



---

[1] مکتوبات۔ دفتر اول۔ مکتوب ۲۲۶

حضرت سوم

ان درجات (حالات) کا ذکر جو آپ کے ظہور سے قبل یا بعد، آپ کے متعلق اللہ کے پیاروں اور دلیوں نے ظاہر کیے

درجہ ۱ علامہ سیوطی رح نے کتاب "جمع الجوامع" میں ایک حدیث لکھی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میری اُمت میں ایک شخص ہوگا جسے صِلہ کہا جائے گا۔ اس کی شفاعت سے ایک کثیر تعداد جنت میں داخل ہوگی"۔ یہ حدیث گویا کہ حضرت مجدد رح کے متعلق اشارہ ہے۔ کیونکہ آپ ہی علماء اور صوفیہ کے درمیان صِلہ تھے کہ آپ ہی نے مسئلہ وحدۃ الوجود کے معاملے میں فریقین کے اختلاف کو دور کر کے اُسے محض لفظی معاملہ قرار دیا۔ چنانچہ اس مسئلے کی تحریر کے بعد آپ نے خود ہی فرمایا ہے کہ "اللہ تعالیٰ کا (ہزار ہزار) احسان ہے جس نے مجھے دو دریاؤں (فریقین) کے درمیان صلہ بنایا۔" اور آپ کو حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی کہ کل قیامت کے دن اتنے ہزار لوگ آپ کی شفاعت سے بخشے جائیں گے۔ اس حدیث پاک اور بشارت عالیہ کے مصداق آپ ہی ہیں اور اس ہزار سال کی مدت میں کوئی بھی آپ کے علاوہ اس لقب (صلہ) سے سرفراز نہیں۔

درجہ ۲ مقاماتِ شیخ الاسلام احمد جام قدس سرہ میں ایک جگہ میں نے دیکھا ہے کہ انھوں نے فرمایا، میرے بعد سترہ شخص میری طرح احمد نام کے ہوں گے اور اُن میں سے آخری جو ہیں وہ ایک ہزار سال کے بعد ہوں گے اور وہ سب سے افضل ہوں گے۔

درجہ ۳ حضرت شیخ احمد جام قدس سرہ کے صاحبزادے شیخ ظہور الدین نے کتاب

رموز العاشقین میں لکھا ہے کہ والد صاحب کی آخری عمر تک ان کے ہاتھ پر قریب چھ ہزار آدمیوں نے توبہ کی تھی (بعیت کی تھی)۔ انھوں نے حضرت سے دریافت کیا کہ ہم نے بزرگوں کے حالات سنے ہیں اور ان کی کتابیں بھی دیکھی ہیں لیکن جو حالات آپ سے ظاہر ہوتے ہیں وہ تو کسی اور بزرگ سے ظاہر نہیں ہوئے۔ (اس کی کیا وجہ ہے؟) حضرت نے فرمایا کہ وہ ریاضتیں جو ہم نے اولیاء اللہ کے متعلق سُنی ہیں ہم نے بھی کی ہیں بلکہ ان سے زیادہ کی ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے جو کچھ انفرادی طور پر ان کو عطا فرمایا تھا وہ مجھے تنہا عطا فرما دیا ہے اور چار سو سال میں ایک میرا ہم نام (احمد) پیدا ہو گا۔ اور اللہ تعالیٰ کی عنایتوں کے آثار اس سے ایسے ظاہر ہوں گے کہ تمام مخلوق دیکھے گی۔ ھذا من فضل ربی۔ میرا خیال ہے کہ یہ اشارہ حضرت مجدد کے وجود مسعود سے متعلق ہے۔ کیونکہ شیخ احمد جام کا انتقال چھٹی صدی میں ہوا اور ہمارے حضرت مجدد کی ولادت ۹۷۱ھ میں ہوئی۔

درجہ ۴۔ ایک معتبر بزرگ نے مجھ (مؤلف) سے بیان فرمایا کہ انھوں نے شیخ خلیل اللہ بدخشانی کے ایک رسالے میں دیکھا ہے کہ حضرات نقشبندیہ میں ہندوستان میں ایک بزرگ پیدا ہوں گے جو اپنے زمانے میں بے نظیر ہوں گے۔ افسوس کہ میں اس وقت تک زندہ نہ رہوں گا۔ (کہ انھیں دیکھ سکوں۔)

قطب المحققین خواجہ محمد باقی قدس سرہ فرماتے کہ حضرت مولانا خواجگی امکنگی[1] قدس سرہ نے ہم کو حکم دیا کہ ہندوستان جاؤ۔ وہاں یہ سلسلہ تمہاری وجہ سے فروغ پائے گا۔ میں نے خود کو اس خدمت کا اہل نہ پاکر عذر کیا۔ تو حضرت نے استخارہ کرنے کا حکم دیا۔ میں نے استخارہ کیا تو معلوم ہوا کہ ایک طوطا ایک شاخ پر بیٹھا ہے۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ اگر یہ طوطا اس شاخ سے اڑ کر میرے ہاتھ پر بیٹھتا ہے تو مجھے اس سفر میں کامیابی ہو گی۔ بس یہ خیال کیا ہی تھا کہ وہ طوطا اڑ کر میرے ہاتھ

---

[1] آپ کی ولادت ۹۱۸ھ میں اور وفات ۱۰۰۸ھ میں ہوئی۔ موضع امکنہ، بخارا سے تین میل پر واقع ہے۔

پر بیٹھ گیا اور میں نے اس کی چونچ اپنے منہ میں لے لی اور اپنا لعاب اُسے چٹا دیا تو وہ بولنے لگا۔ دوسری بار پھر میں نے اس کی چونچ اپنے منہ میں لی تو اس نے میرے منہ میں شکر ڈال دی۔ اس واقعے کی تعبیر میں نے اس طرح کی کہ طوطا چونکہ ہندوستان کا ایک پرندہ ہے اس لیے ہندوستان کا ایک بزرگ مجھ سے تعلق کرے گا جو معارف حقائق بیان کرے گا اور مجھے بھی اس سے فائدہ پہنچے گا۔ میں نے یہ واقعہ اور اس کی ایسی تعبیر حضرت (امکنگی) کو سنائی تو انھوں نے فرمایا کہ اس واقعے کی یہی تعبیر ہے جو آپ کے دل میں آئی ہے۔ اور ایک عرصے سے ہمارے بزرگ اس بزرگ کے انتظار میں ہیں۔ جلدی کرو اور اس بزرگ کو پکڑو۔ معلوم ہوا کہ وہ بزرگ تمہارے دامن سے پرواز حاصل کرے گا۔

پھر حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ نے حضرت مجددؒ سے خطاب کر کے فرمایا کہ میرے نزدیک یہ واقعہ اور یہ تعبیر آپ ہی کے متعلق ہے۔ چنانچہ حضرت خواجہؒ کی تعبیر کے مطابق ہی حقیقت رونما ہوئی۔

درجہ ۵۔ حضرت خواجہ باقی باللہؒ ہمارے حضرت مجددؒ سے فرمایا کرتے تھے کہ جب خواجہ امکنگیؒ سے مراجعت پر ہمارا گزر آپ کے وطن سرہند سے ہوا تو ہم نے واقعے میں دیکھا کہ ہم سے کہا جا رہا ہے کہ تم ایک قطب کے قریب ٹھہرے ہو۔ پھر اس قطب کا حلیہ بھی بیان کیا گیا۔ صبح کو ہم نے شہر کے مشائخ اور گوشہ نشین صلحاء کی تلاش کی، ان میں سے کوئی بھی اس حلیے کے مطابق نہ تھا۔ اور کسی میں قطبیت کی علامات اور آثار دکھائی نہ دیئے۔ ہم نے دل میں کہا کہ شاید اس شہر میں قطبیت والا شخص بعد میں ظاہر ہوگا۔ لیکن پھر ابھی روز جب آپ سے ملاقات ہوئی تو آپ کا حلیہ بالکل اُسی حلیے کے مطابق دیکھا اور اُس قطبیت کی علامت آپ میں دیکھی۔

درجہ ۶۔ یہ بھی ہوا کہ جب ہمارے حضرت مجددؒ نے حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضری دی تو آپ نے فرمایا کہ جب ہم آپ کے شہر میں ٹھہرے تو واقعے میں دیکھا کہ ایک مشعل آسمان تک روشن ہے اور اس سے تمام عالم، مشرق سے مغرب تک روشن

ہوگیا ہے اور اُس کی روشنی ساعت بساعت بڑھتی جا رہی ہے اور لوگ اس مشعل سے بہت سے چراغ روشن کیے ہوئے ہیں۔ مجھے اس واقعے سے بھی آپ ہی کے متعلق اشارہ اور بشارت ملتی ہے۔

درجہ ۷۔ یہ بھی ہوا کہ جب حضرت مجددؒ شروع شروع میں حضرت خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں تھے تو آپ نے اُس وقت ایک بزرگ کو ایک مکتوب لکھا جس میں یہ تحریر تھا کہ "شیخ احمد" نام کے ایک بزرگ سرہند سے میرے پاس آئے ہیں۔ کثیر العلم اور قوی العمل ہیں۔ میں چند روز اُن کے ہمراہ رہا۔ اُن سے عجیب و غریب واقعات رونما ہوئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک سورج کی طرح ہوں گے اور اُن سے ایک عالَم کو روشنی حاصل ہوگی۔ الحمدللہ مجھے اُن کے احوالِ کاملہ کا یقین ہوگیا ہے۔ اس بزرگ کے کئی بھائی اور اقربا بھی ہیں جو سب کے سب صالح ہیں اور عالم ہیں۔ اُن میں سے کئی سے میری ملاقات ہوئی جو بیش قیمت جواہر ہیں اور عجیب استعداد رکھتے ہیں۔ اس بزرگ کے بچے جو کہ ابھی چھوٹے تو ہیں لیکن اسرارِ الٰہی ہیں۔ مختصر یہ کہ وہ سب شجرۂ طیبہ ہیں۔ اللہ پاک ان کی عمدہ تربیت فرمائے۔ [1]

درجہ ۸۔ یہ بھی حضرت خواجہؒ نے ہمارے حضرتؒ کے متعلق فرمایا کہ ہم نے اس تین چار سال میں پیری مریدی نہیں کی بلکہ ہم تو کھیل کرتے رہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم اور احسان ہے کہ ہمارے کھیل اور دکان داری میں گھاٹا نہیں ہوا، کیونکہ ہم کو اُن (حضرت مجددؒ) جیسے بزرگ مل گئے۔

درجہ ۹۔ حضرت خواجہؒ نے یہ بھی فرمایا کہ ہم نے بخارا اور سمرقند سے تخم حاصل کیا اور ہندوستان کی بابرکت زمین میں اس کی کاشت کی۔ طالبانِ حق کی تربیت ہم نے اس وقت کی جب کہ اُن (حضرت مجددؒ) کا معاملہ انتہا تک نہ پہنچا تھا۔ لیکن جونہی ہم اُن کے کام سے فارغ ہوئے خود کو مشیخیت کے کام سے فارغ کر لیا

[1] حضرت خواجہؒ کے اس مکتوب کا نمبر ۶۵ ہے۔

اور طالبوں کو اُن کے حوالے کر دیا۔

درجہ ع۱۰۔ حضرت خواجہؒ نے ایک مکتوب آپ کو اس طرح لکھا ہے کہ اس سے آپ کی قدر و منزلت کی بلندی ظاہر ہوتی ہے۔ وہ مکتوب یہ ہے:

" اللہ پاک آپ کو کمال و اکمال کے مرتبے تک پہنچائے۔" و للارض من کاس الکرام نصیب" (بزرگوں کے پیالے میں سے کچھ زمین کو بھی حصہ مل جاتا ہے) یہ ایک حقیقت ہے میں تکلف سے نہیں لکھتا۔ پیر انصاری حضرت عبداللہ[1] قدس سرہ فرماتے ہیں کہ میں شیخ ابوالحسن خرقانی[2] رحمۃ اللہ علیہ کا مرید ہوں۔ لیکن اگر وہ اس زمانے میں زندہ ہوتے تو باوجود پیر ہونے کے، وہ میرے مرید ہوتے۔ جب ایسے مستغنی عن الصفات بزرگوں کی صفت کا یہ حال ہے تو پھر ہم جیسے گرفتاران آثار و صفات کیوں نہ آپ کی طلب گاری کے لوازم پر جان چھڑکیں اور جس جگہ سے مشام جان میں خوشبو آئے اس کے پیچھے کیوں نہ جائیں۔ فی الحال ہمارے توقف اور خاموشی کی وجہ کوئی استغنا یا بے پرواہی نہیں، لیکن کرم و احسان کے انتظار کی وجہ سے ہے ؎

شاہ دیں ہے کرم پہ آمادہ
اب قناعت پہ اکتفا کیوں ہو

حقیقت احوال یہی ہے جو عرض کی گئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جتنا کہ چاہیے اس قدر نوازے اور ہر عجب و پندار سے محفوظ فرمائے (آمین) اب عرض حال یہ ہے کہ سیادت پناہ میر صالح نیشاپوری[3] سلمہ اللہ تعالیٰ نے طلب کا اظہار کیا ہے اور وقت اس بات کا مقتضی نہیں کہ اس موقع کا ضیاع ہو جو مسلمانی کے خلاف ہوگا، اس لیے ان کو آپ کی خدمت میں بھیجا جاتا ہے۔ انشاء اللہ وہ استعداد کے مطابق آپ سے

---

[1] آپ کی ولادت ہرات میں ۳۹۶ھ میں اور وفات ۴۸۱ھ میں ہوئی۔

[2] آپ کی وفات خرقان (بسطام کے گاؤں) میں ۴۲۵ھ میں ہوئی۔

[3] میر صالح نیشاپوری کے نام دفتر اوّل کا مکتوب ۱۲۵ ہے

بہرہ مند ہوسکیں گے اور پوری توجہ اور عنایت حاصل کر سکیں گے۔[۱]

درجہ ۱۱ حضرت خواجہؒ نے آپ کو یوں بھی لکھا ہے:

"اللہ تعالیٰ، فقراء اور مساکین درماندہ کو اپنے برگزیدہ بندوں کی برکت سے درمانی تک پہنچا ئے۔ عرصہ ہوا کہ میں آپ کی بارگاہِ ولایت میں نیازمندی عرض نہ کرسکا۔ لیکن ہاں یہی ایک بات صحیح قسم کے قاصد پہنچا سکتے ہیں۔ الحمد للہ۔ اگر یہی ایک بات بن جائے (تو کافی ہے)۔ میں اور کیا لکھوں۔ درویشوں کی بات (یعنی میری بات) آپ کی بارگاہ میں لکھنا بھی بہت زیادہ بے ادبی ہے اور ظاہری حالات کا ذکر بھی بہت نامناسب ہے۔ غرض کہ ہم کو خود بھی اپنی حد جاننی چاہیے۔ والدعاء۔"[۲]

درجہ ۱۲۔ کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت خواجہؒ کے ایک خاص مُرید نے جو کہ سیّد تھے، نہایت تضرّع اور نیازمندی سے آپ (حضرت خواجہؒ) کی خاص توجہ کے لیے التماس کی، تو آپ نے فرمایا کہ انشاء اللہ جب وہ (حضرت مجددؒ) سرہند سے آئیں گے تو میں اُن سے التماس کروں گا کہ تمہارا کام ایک ہفتے میں پورا کر دیں اور درجۂ ولایت تک تم کو پہنچا دیں۔" لیکن اس ارشاد کے بعد اتفاق یہ ہوا کہ حضرت خواجہؒ سے ہمارے حضرت (حضرت مجددؒ) کی ملاقات نہ ہو سکی۔ آخر جب ہمارے حضرت کی تشریف آوری حضرت خواجہؒ کے انتقال کے بعد دہلی میں ہوئی اور جب آپ نے حضرت خواجہؒ کا یہ ارشاد (توجہ کے متعلق) سنا تو آپ نے فرمایا کہ اگر صدق دل سے اور پورے اعتقاد سے آؤ تو (انشاء اللہ) حضرت خواجہؒ کے فرمان کے مطابق تمہارا کام ایک ہفتے میں پورا کرا دوں گا۔ لیکن (افسوس کہ) اس شخص کو پھر یہ سعادت نصیب نہ

---

[۱] حضرت خواجہؒ کے اس مکتوب کا نمبر ۸۳ ہے۔ آپ کے مکتوب ۸۴ سے واضح ہے کہ آپ نے تعلیم و تربیت کا تمام کام حضرت مجددؒ کے سپرد کر دیا تھا۔

[۲] حضرت خواجہؒ کے اس مکتوب کا نمبر ۸۵ ہے۔

ہوسکی۔

درجہ ۱۳۔ حضرت خواجہؒ ہمارے حضرت (مجددؒ) سے مشائخ متقدمین کے مقامات کے متعلق بالمشافہ اور غائبانہ بھی (مکاتیب کے ذریعے) استفسار کیا کرتے تھے چنانچہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

"آپ کی مسندِ ارشاد خوب وسیع اور پُر نور ہے۔ طریقۂ خواجگان کی بابت جو رسالہ[1] آپ نے لکھا ہے وہ مشتاقوں کی آنکھوں کا سرمہ بن گیا ہے۔ اللہ تبارک کا بڑا شکر اور احسان ہے کہ یہ رسالہ بہت بلند اور لطیف ہے لیکن میرا ایسا خیال ہے کہ حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ کے احوال کے متعلق مزید تفتیش فرمائیں ممکن ہے کہ دوسری باتیں بھی معلوم ہوسکیں اور اس درجہ جبکہ ہم نے اس لطیفہ غیبیہ کا (آپ کا رسالہ) مطالعہ کیا تو خیال آیا کہ بایاں ہاتھ یعنی عالمِ ارواح کا تعلق آنحضرت (خواجۂ احرارؒ) سے ہے لیکن جب حضوری ہوئی تو حافظے کی کمزوری کی وجہ سے تردد ہوا کہ کس کے متعلق وہ اشارہ تھا۔ تاہم ظنِ غالب یہی ہے کہ حضرت خواجۂ احرارؒ کی طرف اشارہ تھا۔ ذرا طبقۂ ائمہ کے متعلق بھی دیکھیں ممکن ہے کہ کوئی بات ظاہر ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ اُن کی باتوں سے عصمت اور پاکی کے معنی ظاہر ہوتے ہیں اور یہ بات بھی بعض خوابوں (واقعات) سے ظاہر ہوئی ہے کہ وہ (خواجہ احرارؒ) اپنی تخلیق میں "نہایت دلبدایت" کے مقام پر ہیں۔ کوئی عجب نہیں کہ نقطۂ علم سے دیر اور وحدت علیا کے مقام کے نیچے (جو قابلیت مطلقہ کا مقام ہے) اُن کی تخلیق ہوئی ہو۔ ازراہِ کرم اس مقام میں بھی آپ غور فرمائیں نیز حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہٗ کے مقام کو بھی ملاحظہ فرمائیں کہ آیا وہ اس مقام میں داخل ہو کر

---

[1] اس رسالے کا ذکر حضرت مجددؒ کے مکتوبات (دفتر اول، مکتوب ۵) میں ہے اور غالباً یہی رسالہ "مکاشفاتِ عینیہ" کے ابتدائی پانچ مکاشفات پر مشتمل ہے اور قطب المحققین ناصر الدین خواجہ عبیداللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کے مقامات کا ذکر بھی شروع کے دو مکاشفوں میں ملتا ہے۔ آپ کی ولادت ۸۰۶ھ میں تاشقند کے قریب باغستان میں ہوئی اور وفات ۸۹۵ھ میں ہوئی۔ آپ مولانا چرخی علیہ الرحمۃ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ اور آپ کے مشہور خلیفہ مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ (م ۸۹۸ھ) تھے۔

نزول میں تشریف لائے ہیں یا کسی اور راہ سے کنارے پر پہنچے ہیں۔ ممکن ہے کہ اُن کا اس مقام میں برقرار نہ رہنا مخلوقیت فوق نقطہ کے سبب سے ہو۔ آپ اللہ واسطے عنایت فرما کر اچھی طرح تفتیش فرمائیں۔ مجھے اس بات کے معلوم کرنے کا بہت انتظار رہے گا۔ دوسری گذارش یہ ہے کہ فنائے بشریت کے بارے میں بھی توجہ فرمائیں کہ یہ مقام فنا فی اللہ سے الگ کوئی مقام رکھتی ہے یا اسی مقام (فنا فی اللہ) میں داخل ہونے پر اس کا انحصار ہے۔ اور وہ تمام جماعت جو مقام فنا فی اللہ کے فوق میں تخلیق ہوئی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسی طرح محفوظ رہ گئی ہو اور اُس کے لیے فنائے بشریت کے ظہور کی ضرورت نہ رہی ہو۔ اسی طرح وہ جماعت جو مقامِ وحدت میں محو ہو گئی ہو، خواہ وہ جذبۂ قیومیت کی راہ سے یا کسی دوسری راہ سے وہاں تک پہنچی ہو وہ بھی وجود کی طرف واپس ہونے سے محفوظ رہ گئی ہو گی۔ اسی طرح آپ ایک نظر، خانۂ جبروت میں بھی ڈالیں جو انبیاء علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کا مقام ہے۔ وہاں بھی کوئی مقام ہو گا جو اس طرح عود کرنے سے محفوظ رکھے گا۔ اسی طرح آپ ایک نظر، مقامِ فنا فی اللہ میں بھی ڈالیں کہ ممکن ہے اس ظاہر راستے سے ہٹ کر کوئی دوسری راہ بالتفصیل رکھتا ہو اور بعض حضرات اس دوسری راہ سے داخل ہوئے ہوں۔ باقی حالات اس عاجز کے آپ کو بخوبی معلوم ہیں، اس لیے کیا عرض کیا جائے۔ اتنے بہت سے اسامی، علامات اور مقامات خود مجھے معلوم نہیں، اس لیے اُن کا ذکر کیونکر کیا جا سکتا ہے۔ انشاء اللہ آپ کی مرضی کے مطابق عرض کیا جائے گا۔ محمد صادق اور تمام بھائیوں اور اعزہ کو سلام عرض ہے۔"

درجہ ۱۴۔ حضرت خواجہؒ نے آپ (حضرت مجددؒ) کے مکتوبات کے جواب دیئے ہیں۔ اور اپنی زبان گوہر افشاں سے آپ کی تعریف بھی کی ہے اور آپ کے احوالِ باطنی اور کشوف کی صحت کی تائید بھی کی ہے۔ چنانچہ ایک مکتوب میں حضرت خواجہؒ نے لکھا ہے:

"جو کچھ آپ نے اپنے مکشوف کا حال بیان کیا ہے اس کا طریقہ نہایت مناسب

صحیح، درست اور مستحسن ہے، کیونکہ مکشوف تو بغیر قول اور زبان کے ہوا کرتا ہے۔ ضروری نہیں کہ تمام وجوہ کا بیان کیا جائے۔ انشاء اللہ ملاقات کے بعد جو کچھ عرض کرنا ضروری ہوگا عرض کیا جائے گا۔"

درجہ ۱۵۔ ایک دن آپ (حضرت مجددؒ) مسجد فیروز آباد دہلی کے حجرہ میں ذکر میں مشغول تھے کہ حضرت خواجہؒ تن تنہا آپ کی ملاقات کے لیے حجرے کے دروازے پر تشریف لائے۔ آپ کے خادم نے چاہا کہ آپ کو حضرت خواجہؒ کی تشریف آوری کی اطلاع کر دے لیکن حضرت خواجہؒ نے اس کو تاکید کے ساتھ روک دیا اور خود حجرے کے باہر ہی تشریف فرما رہے۔ کچھ دیر کے بعد جب آپ ذکر سے فارغ ہوئے تو آپ نے دریافت کیا کہ باہر کون صاحب ہیں؟ حضرت خواجہؒ نے جواب دیا کہ "فقیر محمد باقی ہے" آپ نے بے قرار ہو کر دروازہ کھولا اور باہر آئے اور نہایت عجز و انکسار کے ساتھ حضرت خواجہؒ کی خدمت میں بیٹھ گئے۔

درجہ ۱۶۔ حضرت خواجہ ہمیشہ اس شکر میں کہ حق سبحانہ نے آپ جیسے بلند مرتبہ مرید کو ان کے پاس بھیجا اور ان کی صحبت کی برکت سے آپ کو کمال و تکمیل کے درجے تک پہنچایا رطب اللسان رہتے تھے اور اس نعمت کی وجہ سے (بطور شکرانہ) فخر بھی کیا کرتے تھے۔ پھر اپنی موجودگی میں آپ کو اپنے مریدوں کا سر حلقہ بنا کر اس حلقے میں خود بھی شرکت فرمائی اور ایک گوشے میں تشریف فرما ہوئے۔

درجہ ۱۷۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت شاہ کمال کیتھلی رحمۃ اللہ علیہ اپنے معمول کے مطابق آپ (حضرت مجددؒ) کے والد ماجد یعنی حضرت شیخ عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ کے مکان پر تشریف لائے۔ اس وقت[1] آپ طفل شیر خوار تھے۔ اور مرض طحال (تلی کے مرض) میں مبتلا تھے کہ یہ مرض بچوں کے لیے مہلک ہوتا ہے۔ سانس لمبا لمبا لیتے

---

[1] یہ زمانہ بہت ممکن ہے کہ ۹۷۳ھ کا ہوگا۔ کیونکہ حضرت مجددؒ ۹۷۱ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ شاہ کمال علیہ الرحمہ کا سالِ وفات ۹۸۱ھ ہے۔

تھے اور ہوش بھی کھو بیٹھے تھے بلکہ عرصے سے والدہ کا دودھ بھی نہیں پیا تھا۔ گھر والے سب پریشان تھے بلکہ مایوس ہو کر بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت شاہ کمال رحمۃ اللہ علیہ کی تشریف آوری کو گھر والوں نے غنیمت جانا اور آپ کو اسی حالت میں ان کی خدمت میں لے آئے۔ شاہ صاحب نے آپ کو گود میں لے لیا اور اپنی زبانِ مبارک کو آپ کے منہ میں ڈال دیا۔ آپ نے فوراً اسے چوسنا شروع کیا۔ پھر شاہ صاحب نے فرمایا کہ آپ حضرات سب خاطر جمع رہیں کہ آپ کی عمر بڑی ہے اور اللہ تعالیٰ آپ سے بہت کام لینا چاہتا ہے اور آپ میری طرح ہوں گے اور میں آپ کو اپنا بیٹا بناتا ہوں۔۔۔ اسی لمحے میں آپ کو پوری صحت و عافیت حاصل ہو گئی۔

درجہ ۱۸۔ ایک مرتبہ جوانی میں آپ کو ایک شدید مرض لاحق ہوا اور کمزوری اس حد تک ہو گئی کہ زندگی سے مایوسی ہو گئی۔ آپ کے بچوں کی والدہ صاحبہ نے جو صالح و عابد خواتین میں سے تھیں تازہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی اور گریہ و زاری کے ساتھ بارگاہِ الٰہی میں آپ کی صحت کے لیے دعا کی۔ اسی اثناء میں اس زاہدۂ وقت کی آنکھ لگ گئی۔ خواب میں انھوں نے دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ خاطر جمع رہو، ہم کو تو ان سے بڑے بڑے کام لینے ہیں اور ابھی تو ہزار کاموں میں سے ایک کام بھی نہیں لیا۔ پھر اللہ پاک نے جلد ہی آپ کو صحتِ کاملہ عطا فرما کر درجۂ قرب میں پہنچا دیا۔

درجہ ۔۔ حضرات مخدوم زادگان کی والدہ ماجدہ (یعنی آپ کی اہلیہ صاحبہ) نے جو زاہدۂ وقت تھیں اپنی نئی نئی شادی کے ایام میں اپنے والد ماجد الحاج شیخ سلطان کو خواب میں دیکھا (جب کہ فوت ہو چکے تھے) کہ وہ فرما رہے ہیں کہ میں ابھی ابھی حضور انور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت میں حاضر تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کاغذ پر خاص طور سے مُہر کر کے تحریر فرمایا کہ میرے خاص صحابی چار ہیں اور پانچویں شیخ احمد ہیں۔ (خواب ہی میں) میرے چچا شیخ زکریا اس واقعے کا انکار کر رہے ہیں اور میرے والد ان سے فرما رہے ہیں کہ اس بات کا انکار مت کرو۔ کیونکہ میں ابھی ابھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا اور اس واقعے کو میں نے خود دیکھا ہے اور اس واقعے

میں کسی طرح کا کوئی شک و شبہہ نہیں ہے۔ بیداری کے بعد اس واقعے سے میں حیرت میں تھی۔ آخر کار، اللہ تعالیٰ نے ان کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اور صحابۂ کبار رضی اللہ عنہم کی کامل پیروی کی بدولت اس مرتبے پر پہنچا دیا کہ جو شخص بھی آپ کو دیکھتا تھا یہی کہتا تھا کہ آپ کا طریقہ بعینہٖ وہی ہے جو صحابۂ کبار رضی اللہ عنہم کا تھا۔

درجہ ۲۰۔ حضرت شاہ کمال کیتھلی قدس سرہٗ نے اپنی وفات (۹۸۱ھ) کے وقت اپنا جُبّۂ مبارکہ جو کہ برسوں آپ کے استعمال میں رہا تھا اپنے صاحبزادے شاہ عمادؒ کی موجودگی کے باوجود اپنے پوتے شاہ سکندر بن عماد کو عنایت فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ میں یہ جُبّہ تمھیں بطور امانت کے سپرد کرتا ہوں تاکہ جس بزرگ کے لیے میں کہوں اس کو پہنچا دینا۔ پھر اتفاقاً شاہ کمالؒ کا انتقال ہو گیا اور انھوں نے کسی کا نام بھی نہ لیا۔ واقعے میں شاہ سکندرؒ[1] سے فرمایا کہ یہ جُبّہ میرے معنوی فرزند شیخ احمد سرہندی کو پہنچا دو کہ یہ انھی کے لیے امانت ہے جو تمہارے پاس ہے۔ شاہ سکندرؒ نے توقف کیا اور خیال کیا کہ گھر کی نعمت باہر والے کو کیوں دوں۔ حضرت شاہ کمالؒ نے دوسری بار پھر اسی کا حکم دیا اور تاکید بھی فرمائی لیکن شاہ سکندرؒ نے پھر بھی تعمیل نہیں کی۔ پھر تو حضرت شاہ کمالؒ نے تیسری بار سخت غصّے سے فرمایا۔ آخر مجبوراً شاہ سکندرؒ اس جُبّے کو کیتھل سے سرہند لائے اور آپ کو پہنایا۔ پھر آپ نے اس جُبّے کو پہننے کے بعد جو کچھ مشاہدہ فرمایا آپ کے مکشوفات کے ذیل میں ان شاء اللہ عرض کیا جائے گا۔

درجہ ۲۱۔ حضرت خواجہؒ کے وصال کے بعد ہمارے حضرت (مجددؒ) تعزیت کے لیے دہلی تشریف لے گئے تو وہاں حضرت خواجہؒ کے مریدوں نے سابقہ طریقے پر آپ کا استقبال کیا اور آپ کے حلقۂ ذکر میں شریک ہوتے اور مریدوں کی طرح آپ کی خدمت کی بلکہ آپ سے تجدید بیعت بھی کی۔ لیکن ناگاہ "شیطان جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے جنّوں اور انسانوں میں سے" بعض لوگوں کو جن کی قوت

---

[1] شاہ سکندر علیہ الرحمہ کا انتقال ۱۰۲۳ھ میں ہوا تھا۔

یقینی کمزوری تھی اپنی طمع کاری و اتی تلبیس میں پھنسایا اور اُن کو آپ کے انکار پر آمادہ کیا جس سے وہ صحبت مکدر ہو گئی اور آپ نے اپنے وطنِ مالوف کی طرف رُخ کیا۔ شیخ تاج، باوجودیکہ آپ کے خاص مخلص تھے، بعض ایسے پراگندہ لوگوں کی صحبت کی وجہ سے آپ کے متعلق تردّد اور شبہہ میں گرفتار ہو گئے۔ پھر شیخ تاج نے اپنے وطن سنبھل سے ایک خط حضرت خواجہؒ کے خسر کے صاحبزادے مولانا محمد قلیچ[1] کو اس طرح لکھا:

"آپ جناب (حضرت مجددؒ) کی خدمت میں خط لکھیں اور اس میں اس فقیر کی دعا عرض کرنے کے بعد لکھیں کہ آپ نے جس طرح مجھے واقعے میں معاف فرما دیا ہے اسی طرح حقیقت واقعی میں بھی معاف فرما دیں۔ نیز دہلی کے احباب سے فرما دیں کہ جو شخص بھی حضرت مجددؒ سے عقیدت رکھتا تھا اور اب منحرف ہے وہ مرتدِ طریقت ہے اور وہ بھی جو پہلے بھی عقیدت نہ رکھتا تھا اور اب منحرف ہوا ہے مرتدِ طریقت ہی ہے۔ کیونکہ کامل اولیاء کا انکار بھی ارتداد ہے۔ یہ دو روزہ زندگی تو گزر ہی جائے گی لیکن جو شخص بھی اس انحراف (انکار) پر قائم رہے گا۔ آخر وقت میں اس کا ایمان سلب ہو جائے گا۔ چونکہ ہم سب پیر بھائی ایک دوسرے کے ہیں اس لیے ہم نے اطلاع کر دی۔"

اس کے کچھ عرصے کے بعد شیخ تاج، دہلی تشریف لائے اور حاجی صالح کے حجرے میں مقیم ہوئے۔ اخوند ملا حسن، جعفر بیگ[2] نہانی اور خواجہ محمد صدیق ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جعفر بیگ اور ملا حسن نے اُن سے عرض کیا کہ اس مضمون کا ایک مکتوب آپ کا ہمارے پاس آیا تھا، آیا وہ مکتوب کسی نے اپنی طرف سے بنا لیا تھا، یا وہ واقعی آپ کا مکتوب تھا؟ ۔ شیخ تاج نے فرمایا کہ وہ مکتوب میرا ہی تھا اور

---

[1] مکتوبات۔ دفتر اوّل۔ ۲۴۔ ۷۶۔ ۱۴۱۔ ۱۰۲۳ھ میں وفات پائی۔

[2] مکتوبات۔ دفتر اوّل۔ ۱۲۹۔ یہ مرزا بدیع الزمان کے فرزند تھے ۹۸۵ھ میں عراق سے ہندوستان آئے۔ اکبر نے دو ہزاری کا منصب دیا اور آصف خاں کا خطاب دیا۔ جہانگیر نے پنج ہزاری منصب دیا۔ ۱۰۲۱ھ میں بالا گھاٹ میں انتقال ہوا۔ (مآثر الامراء۔ ۱/۱۱۶)

حقیقت ہے کہ مجھے حضرت شیخ احمد (مجددؒ) سے کسی قدر انحراف ہو گیا تھا۔ لیکن اُن کے ہاتھوں جب میں نے زک اٹھائی تو میں ان کا معتقد ہو گیا۔ اور جب میں دہلی کے حضرات کے احوال پر متوجہ ہوا تو اُن میں رشد و ہدایت کا اثر نہ دیکھا۔ میں نے توجہ بھی دی لیکن مقصد حاصل نہ ہوا۔ ایک رات بارگاہِ الہٰی میں بہت زیادہ نیازمندی سے عرض کی تو ظاہر ہوا کہ ایک عالی مجلس قائم ہے اور تمام بڑے بڑے اولیاء وہاں جمع ہیں۔ میں بھی اس محفلِ مقدس کے ایک گوشے میں گھس گیا۔ تھوڑا وقت گزرا تھا کہ اکابر میں سے ایک نے مجھ سے فرمایا کہ تم اپنے وقت کے سب سے کامل بزرگ کا انکار کرتے ہو مگر یہ نہیں جانتے کہ ایسے سب سے کامل بزرگ کی خدمت میں بے ادبی کرنا اور اُن سے غفلت برتنا دین کی خرابی کا موجب ہے اور ایمان کے سلب ہو جانے کا باعث ہے۔ اس انکار سے باز آؤ اور نادم و تائب ہو جاؤ۔ جب وہ بزرگ خاموش ہوئے تو اسی طرح اُن بزرگوں میں سے ایک اور بزرگ نے مجھے خطاب فرما کر عتاب فرمایا — غرض کہ اُس مجلس کے تمام اکابر نے فرداً فرداً اسی طریقے سے مجھے خطاب عتاب کیا۔ میں حیران تھا کہ خدایا، اکابر میں سے وہ کون ہیں جو اکمل وقت ہیں اور جن سے مجھے کدورت ہے کہ میں اس وجہ سے نشانۂ ملامت بن گیا ہوں۔ ناگاہ میں دیکھتا ہوں کہ اس مجلسِ مقدس کے صدر میں بندگی میاں شیخ احمد بیٹھے ہوئے ہیں اور ان تمام بزرگوں کا رُخ اُن کی طرف ہے اور وہی اس عالی محفل کے سردار ہیں۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ معاملہ کیا ہے۔ پھر تو میں اپنی جگہ سے اٹھا، اور اُن کی خدمت میں تیزی سے حاضر ہوا اور خود کو اُن کے قدموں میں ڈال دیا۔ جب آپ (حضرت مجددؒ) نے مجھے دیکھا تو آپ کھڑے ہو گئے اور بغل گیر ہو کر بہت زیادہ مہربانی فرمائی۔ میں نے عرض کیا کہ میں بھی طعنہ زن احباب میں بیٹھا تھا اس لیے ان لوگوں کی وجہ سے مجھے بھی آپ کے متعلق غلط فہمی ہو گئی تھی، امید ہے کہ آپ مجھے معاف فرما دیں گے — آپ نے فرمایا کہ "تم جیسوں سے تعجب ہے، تم جیسوں سے تعجب ہے، تم جیسوں سے تعجب ہے۔" اس طرح

تین بار فرمایا۔ پھر میں نے بہت تضرع اور زاری سے عرض کیا کہ مقتضائے بشریت سے یہ غلطی ہوئی ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ اچھا، میں نے معاف کیا۔ جب میں خواب سے بیدار ہوا میں نے توبہ کی اور بہت تضرع کیا۔ چنانچہ قبولیت کا اثر ظاہر ہوا اور ہدایت نصیب ہوئی۔ اسی وجہ سے میں نے احباب اور پیر بھائیوں کو لکھا تھا کہ یہ دو روزہ زندگی تو گزر جائے گی لیکن جو شخص بھی آپ (حضرت مجددؒ) سے انحراف پر قائم رہے گا اور رجوع نہ کرے گا آخر وقت میں اس کا ایمان برباد ہو جائے گا۔

جب آپ (حضرت مجددؒ) حضرت خواجہؒ کے عرس مبارک پر دہلی تشریف لے گئے تو شیخ تاج جو حضرت خواجہؒ کے کامل اصحاب اور جلیل القدر خلفاء میں سے اور ہندوستان کے مشہور بزرگوں میں سے تھے وہاں آئے ہوئے تھے۔ انھوں نے آپ کا استقبال کیا اور بالمشافہ معافی چاہی اور اس سے قبل بھی وہ آپ کی خدمت میں فیروز آبادی احباب کی سفارش اور اُن کے قصور کی معافی کے لیے خط لکھ چکے تھے۔ اسی خط میں یہ حکایت بھی لکھی تھی کہ ایک بزرگ ایک مسجد میں مراقبہ کر رہے تھے کہ ایک سوداگر وہاں نماز کے لیے پہنچا۔ اتفاق یہ ہوا کہ اس کی تھیلی جس میں پانچ سو دینار تھے اور اس کی کمر میں تھی اس کے پاس سے غائب تھی۔ اُسے خیال ہوا کہ وہ بزرگ جو مسجد کے گوشے میں بیٹھے ہیں تھیلی اٹھا لے گئے ہیں۔ چنانچہ اس نے اپنے آدمیوں سے کہا تو اس بزرگ کو مختلف ایذائیں دی گئیں۔ مجبوراً انھوں نے اس رقم کو ادا کرنے کا وعدہ کر لیا۔ اُس بزرگ کے بہت سے مرید تھے اُن سب نے مل کر وہ رقم جمع کی اور اس سوداگر کو ادا کر دی۔ اس کے بعد اس سوداگر کو وہ تھیلی دوسری جگہ پڑی ملی تو وہ ان ایذاؤں سے جو اس صابر بزرگ کو پہنچائی گئی تھیں لرزنے لگا اور اس بزرگ کی خدمت میں حاضر ہو کر نہایت عاجزی سے ندامت اور پشیمانی کا اظہار کرنے لگا۔ اس بزرگ نے کہا کہ یہ سب ندامت اور انکسار کس لیے ہے۔ میں نے تو اسی روز جب کہ تجھ سے ایذائیں پہنچی تھیں عہد کر لیا تھا کہ میں جنت میں نہ جاؤں گا جب تک کہ تجھے اپنے ساتھ نہ لے لوں۔ بہرحال اس حکایت سے غرض یہ ہے کہ آپ (حضرت مجددؒ)

بھی اس جماعت کی لغزشوں کو درگزر فرمادیں اور معاف فرمادیں۔ چنانچہ آپ نے پہلے تو شیخ تاج رحمۃ اللہ علیہ کی سفارش پر اپنی تحریر سے اور بعد میں بالمشافہ بھی معاف فرمایا۔

درجہ ۲۲۔ اس زمانے میں جب کہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تھا اور آپ (حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ) تعزیت کے لیے دہلی تشریف لے گئے تھے اور حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین نے آپ سے تجدید بیعت کی تھی، خواجہ حسام الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ نے واقعے میں دیکھا کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہیں اور آپ کی مدح و ستائش میں خطبہ دے رہے ہیں اور آپ کے فقرات فصیحہ اور کلمات ملیحہ کی تعریف فرما رہے ہیں اور ان پر فخر و مباہات کا اظہار فرمارہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں اس بات پر نازاں ہوں کہ میری امت میں شیخ احمد جیسے بزرگ نے ظہور کیا ہے اور میرے دین متین کا مجدد ہوا ہے۔

درجہ ۲۳۔ اسی طرح خواجہ حسام الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ نے واقعے میں دیکھا کہ آپ سے کہا جا رہا ہے کہ فیروز آباد کے مریدین پر بلائے عظیم نازل ہونے والی ہے (لیکن) جو شخص آپ کے وضو کا پانی پیئے گا اس (بلا) سے نجات پائے گا [1]

خواجہ حسام الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ آپ (حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ) سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ وضو کا مستعمل پانی پینا مکروہ ہے۔ کتب فقہ میں اس مسئلے کی تلاش کی گئی تو اس قدر اجازت مل سکی کہ اگر چوتھی مرتبہ اعضاء کو بغیر قربت کی نیت کے دھویا جائے تو وہ پانی مستعمل نہیں ہوتا اور اس کا پینا مکروہ نہیں ہے۔ پس چوتھی بار کا بچا ہوا پانی تمام حضرات نے یعنی حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے اور آپ کے مریدوں نے پورے اعتقاد کے ساتھ پیا اور اللہ پاک نے اس کی برکت سے ان سب کو اس بلا سے نجات بخشی۔

درجہ ۲۴۔ آپ (حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ) کے ایک مخلص نے جو صالح بھی تھے اور حافظ قرآن

---

[1] مکتوبات۔ دفتر اول۔ مکتوب ۲۹ میں بھی اس واقعے کا ذکر ہے۔

بھی تھے، مجھ فقیر سے بیان کیا کہ آپ ایک مرتبہ ماہِ رمضان کے آخری عشرہ میں بیمار تھے۔ اُن دنوں میں نے ایک واقعے میں دیکھا کہ لوگ فوج در فوج اور جوق در جوق ہر طرف سے دوڑے چلے آرہے ہیں۔ میں نے اس کا سبب دریافت کیا۔ تو جواب ملا کہ قطب الاقطاب زمانہ یعنی شیخ احمد فاروقی بیمار ہیں اور اس پکے قلعے کی جامع مسجد میں تشریف رکھتے ہیں اور حضرت امیر المؤمنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ عیادت کے لیے تشریف لائے ہوئے ہیں۔ اس لیے لوگ ان کی زیارت کے لیے دوڑے چلے آرہے ہیں۔ میں بھی دوڑا اور حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے دیدار پُرانوار کا شوق مجھے بھی پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت خلیفہ برحق رضی اللہ عنہ کو آپ کی عیادت کے لیے زندہ فرما کر اس دنیا میں بھیجا ہے اور آپ کا دیدار غنیمت ہے۔ دیکھا تو وہ قلعہ سراپا سنگِ سرخ سے تعمیر ہوا ہے اور نہایت بلند اور مضبوط ہے اور وہ قلعہ اونچائی پر واقع ہے اور جس طرح لوگ پہاڑ پر چڑھتے ہیں اس قلعہ پر بھی چڑھ رہے ہیں۔ جب میں اس قلعے کے دروازے کے قریب پہنچا تو لوگوں کا شور و غوغا اور ہر طرف سے دوڑنا اور بھاگنا کم ہو گیا اور لوگ دو طرفہ صف باندھے ہوئے کھڑے ہو گئے۔ کچھ دیر کے بعد شہر میں شور ہوا کہ حضرت امیر المؤمنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ، جناب شیخ احمد رحمۃ اللہ علیہ کی عیادت فرما کر اب واپس تشریف لے جارہے ہیں۔ اسی اثناء میں تین شخص گھوڑوں پر سوار ظاہر ہوئے۔ یعنی حضرت ذوالنورین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کچھ آگے تھے اور دوسرے دو سوار آپ رضی اللہ عنہ کے پیچھے تھے۔ میں بھی صف کے برابر دست بستہ کھڑا ہو گیا۔ جب حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کا گزر میرے سامنے سے ہوا تو میں نے آپ کے زانوئے مبارک پر ہاتھ رکھ کر بوسہ دیا اور گریہ و شوق مجھ میں پیدا ہوا۔ حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا کہ "جب کبھی تم مجھے یاد کرو گے میں حاضر ہو جاؤں گا ——" اسی اثناء میں میری آنکھ کھل گئی اور میں نے دیکھا کہ میرے آنسو چشمے کی طرح جاری ہیں۔

درجہ ۲۵۔ اس زمانے میں جب کہ آپ، حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد

دہلی تشریف لے گئے تھے اور حضرت خواجہؒ کے بعض مریدوں نے آپ سے ارادت مندی نہیں کی تھی، تو آپ نے ان کے شکوک و شبہات کو دور کرنے کے لیے پند و نصیحت بھی فرمائی تھی۔ (لیکن اُن کی مخالفت کی وجہ سے) وہ نصیحت کارگر نہ ہوئی تو ان میں سے بعض کی نسبت سلب بھی کرلی۔ پھر بھی وہ متنبہ نہ ہوئے بلکہ حضرت خواجہؒ کے مزار مبارک پر حاضر ہوکر ملتجی ہوئے۔ اُن میں سے ایک صاحب کشف تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ اُن میں سے ہر ایک نے ایک چراغ جلایا ہوا ہے۔ اتنے میں ایک بجلی چمکتی ہوئی آئی اور اُن سب کے چراغوں کو گُل کردیا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ان چراغوں کی حقیقت کیا ہے۔ یعنی وہ چراغ تو اُن لوگوں کی (ذیروزآباد والوں کی) توجہات تھیں اور چمکتی ہوئی بجلی آپ (حضرت مجددؒ) کی توجہ تھی۔ اس جماعت نے آپ کی قدر و منزلت جانتے ہوئے بھی (حسد کی بنا پر) آپ سے استفادہ کے لیے رجوع نہیں کیا تھا۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد شیخ تاجؒ کی سفارش کی وجہ سے آپ نے ان لوگوں کی لغزشوں سے درگزر فرمایا اور اپنے کرم سے معاف فرما دیا۔ پھر تو بہت زیادہ اخلاص پیدا ہوا اور وہ لوگ نہایت عجز و انکسار کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور آپ کی صحبت اور حلقے میں پورے ادب و تعظیم کے ساتھ شریک ہوکر فیوض و برکات کے متمنی ہوتے تھے اور آپ کے قیام و استقبال کی خدمات انجام دیتے تھے اور آپ ہر سال[1] حضرت خواجہؒ کے عرس کے زمانے میں دہلی تشریف لے جاتے تھے۔ الا ماشاءاللہ

درجہ ۲۶۔ ایک خاتون جو صالحہ، عابدہ اور حق پرست تھیں اور جنھوں نے بہت سے بزرگوں کی زیارت کی تھی اور ہر ایک سے اپنے نصیب کا حصہ لیا تھا، بیان کرتی تھیں کہ میں اکبرآباد (آگرہ) میں تھی کہ بعض عورتوں نے بتایا کہ فتح پور سیکری میں ایک بزرگ صاحب کشف و کرامات آئے ہوئے ہیں۔ کبھی ظاہر ہوتے ہیں اور کبھی غائب

---

[1] حضرت مجددؒ کا ہر سال عرس کے موقع پر دہلی تشریف لے جانا تاریخ سے ثابت نہیں ہوتا۔

ہو جاتے ہیں اور اب ایک مدت کے بعد ظاہر ہوتے ہیں۔ میں نے خیال کیا کہ اس بزرگ کی خدمت میں جاؤں اور راہِ حق میں اپنی طلب کی پیاس بجھانے کا اظہار کروں، ممکن ہے کہ اپنا نصیب حاصل کر لوں۔ چند دولت مند عورتیں بھی میرے ساتھ ہو گئیں تاکہ اس بزرگ سے دعا کرائیں۔ غرض کہ ہم لوگ شام کے وقت اس باغیچہ میں پہنچے جہاں وہ بزرگ ٹھہرے ہوئے تھے اور ایک شخص کو اُن کے پاس بھیجا تاکہ ہمارے حاضر ہونے کی اجازت لے آئے۔ انھوں نے جواب بھیجا کہ آجاؤ۔ اس وقت جب کہ ہم سب پہنچے تو میں نے اپنی ساتھی عورتوں سے کہا کہ تم لوگ کم عمر اور جوان ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہاری حرکات و سکنات سے بے ادبی ہو جائے اور ایسا بھی نہ ہو کہ اس بزرگ کے لباس پر ہنسنے لگو کہ جس کی وجہ سے ضرر پہنچے۔۔۔ بہرحال، ہم لوگ اُن کی خدمت میں پہنچے۔ دیکھا کہ وہ سیاہ پوش تھے اور دو تین خادم ساتھ تھے۔ ہم لوگوں نے سلام کیا اور دور بیٹھ گئے۔ اور میں خود اُن سب سے کچھ ہٹ کر بیٹھ گئی کہ اگر یہ لوگ ہنس پڑیں تو اس بزرگ کا اعتراض مجھ پر نہ ہو۔ ابھی تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ ان عورتوں نے آہستہ سے اس بزرگ کے سیاہ لباس پر اشارہ کیا۔ بزرگ نے ناراض ہو کر فرمایا کہ فقیروں کے پاس تم لوگ مذاق اور استہزاء کے لیے آئی ہو۔ سب کی سب حیران ہو گئیں کہ اشارہ بہت آہستہ کیا گیا تھا اور رات بھی زیادہ اندھیری تھی اور دور بھی بیٹھی ہوئی تھیں۔ ضرور انھوں نے کشف سے معلوم کر لیا ہوگا، کیونکہ کوئی اور صورت نہیں ہو سکتی۔ خوف سے ان عورتوں کی گویا جان نکل گئی اور وہ بہت دہشت زدہ ہو گئیں اور بہت خائف اور حیران ہو گئیں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ بزرگ (خفگی کے بعد) خاموش ہوئے تو میں نے طلبِ حق کا اظہار کیا اور اس راہ میں اپنی تشنگی کا خیال ظاہر کیا۔ انھوں نے فرمایا:

"ہر زمانے میں ایک قطب ہوتا ہے اور اس زمانہ میں قطب یگانہ حضرت میاں شیخ احمد ہیں۔ اور جب کہ تم اُن کی خدمت میں پہنچ چکی ہو اور اس محیط

دریا سے سیراب نہیں ہوتی ہو تو مجھ جیسے چھوٹے چشمے سے کیا سیراب ہو سکو گی ؟"

میں نے لاعلمی اور ناواقفیت کے طور پر کہا کہ بے شک وہ بزرگ ہیں میں نے اُن کی تعریف سنی ہے۔ خدائے تعالیٰ موقع لائے کہ میں اُن کو دیکھوں۔ لیکن فی الحال میں تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں اور یہاں سے اپنا حصہ چاہتی ہوں۔ انھوں نے فرمایا، کیوں جھوٹ بولتی ہو ؟ تم فلاں جگہ دوپہر کو اُن کی خدمت میں گئی تھیں اور تمہارے اور اُن کے درمیان فلاں گفتگو ہوئی تھی۔ اس طرح انھوں نے سارا واقعہ حقیقت کے مطابق بیان کر دیا۔ حالانکہ اس وقت حضرت مجددؒ کی خدمت میں جب میں نے چند باتوں کے متعلق استفسار کیا تھا اور جواب بھی حاصل کیا تھا تو کوئی دوسرا شخص موجود نہ تھا۔ پس (شرمندہ ہو کر) مجبوراً میں نے اقرار کیا اور عرض کیا کہ بے شک میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں۔ لیکن اب تو آپ سے میں مستفید ہونا چاہتی ہوں۔ انھوں نے فرمایا کہ میں خود ان سے مستفیض ہونا چاہتا ہوں کہ میں ایک ہی مرتبہ اس سید اخیار کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ انشاء اللہ اب پھر اُن کی خدمت میں حاضری دوں گا۔ (اور یہ بھی فرمایا کہ جس کسی نے اُن کی زیارت کی ہے اس پر آتشِ دوزخ حرام ہے۔ (دوسری عورتوں نے بھی جو اس پاک دامن خاتون کے ساتھ تھیں یہی واقعہ مجھ سے بے کم و کاست بیان کیا۔

درجہ ۲۷۔ خواجہ محمد اشرف کابلیؒ نے جو آپؒ (حضرت مجددؒ) کے خاص معتقدین[1] میں سے تھے اور اپنے وقت کے بہت بڑے فاضل تھے مجھ عاجز سے بیان فرماتے تھے کہ ابتدا میں آپؒ کی خدمت میں ارادت و انابت کی غرض سے میں نے استخارہ کیا تو دیکھا کہ ایک وسیع اور مسطح بیابان ہے اور ایک جماعت دوڑتی ہوئی ایک بزرگ کی زیارت کے لیے جا رہی ہے۔ میں بھی شوقِ تمام کے ساتھ اس جماعت

---

[1] حضرت مجددؒ کے دس مکتوبات آپ کے نام ہیں۔ دفتر اول ۱۲۱-۱۴۰-۱۶۴-۱۸۶-۲۰۵-۲۲۲-۲۳۵-۲۵۱۔ دفتر دوم۔ ۳۰۔ دفتر سوم ۱۰۶۔

کی طرف گیا اور اُن سے پوچھا کہ آپ لوگ کس بزرگ کی زیارت کو جا رہے ہیں؟ اُن میں سے ایک نے کہا کہ اسے بے خبر، یہاں حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے ہیں۔ یہ پُر مسرت خبر سن کر مجھے بھی اشتیاق غالب ہوا اور خود کو اس مجمع میں پہنچا دیا۔ میں نے دیکھا کہ لوگ حلقہ بنا کر کھڑے ہوئے ہیں۔ جب ایک حلقہ پورا ہو گیا تو دوسرا حلقہ شروع ہوا اور میں نے بڑی کوشش سے خود کو دوسرے حلقے میں پہنچا یا۔ اسی اثنا میں لوگوں کا ہجوم بڑھ گیا۔ یہاں تک کہ تیسرا حلقہ بھی پورا ہو گیا اس وقت مجھے خیال ہوا کہ ان لوگوں سے اچھی طرح تحقیق کر لینا چاہیے تاکہ اطمینان ہو جائے۔ (اس لیے) میں نے اس جماعت سے دوبارہ دریافت کیا کہ یہ سعی جو آپ لوگ کسی کی زیارت کے لیے کر رہے ہیں تو وہ بزرگ کون ہیں؟ سب نے متفق ہو کر کہا کہ تم کو ابھی تک معلوم نہیں کہ وہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پھر تو میرا اشتیاق اور بڑھ گیا اور میں اپنے قد کے چھوٹا ہونے کی وجہ سے بڑی کوشش سے پیر کے پنجوں پر کھڑا ہو کر دیکھنے لگا۔ جب میری نگاہ اس پُر انوار چہرۂ مبارکہ پر پڑی تو میں نے دیکھا کہ وہ تو حضرت مجددؒ ہیں۔ میں نے اس جماعت سے کہا کہ یہ تو حضرت مجددؒ ہیں اور آپ لوگ فرما رہے ہیں کہ وہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں — لیکن پھر سب نے بالاتفاق کہا کہ نہیں۔ وہ تو حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ — اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی اور ایسی کیفیت مجھ پر طاری ہوئی کہ میں بے ہوش ہو گیا۔ جب میں بے ہوشی سے ہوش میں آیا تو مجھ پر گریہ طاری ہو گیا — اس کے بعد میں حضرت مجددؒ کی خدمت میں عقیدت اور ارادت کے لیے حاضر ہوا۔

درجہ ۲۸۔ ایک درویش بلخی نے بیان کیا کہ میں نے واقع میں یہ دیکھا کہ گویا ایک عظمت و جلالت والا جنازہ لایا گیا ہے اور ایک بڑی جماعت اور بڑا ہجوم، سلف اور خلف کے اولیاء کا، خصوصاً اکابر ماوراء النہر مثلاً قطب ربانی عبدالخالق غجدوانی، غوث الابرار خواجہ بہاءالدین نقشبند اور قدوۃ الاحرار خواجہ عبیداللہ احرار اور اُن کے معاصرین اور مماثلین (قدس اسرارھم) اس جنازے میں شرکت کے لیے تشریف رکھتے ہیں لیکن کسی

بزرگ کے منتظر ہیں اور چشم براہ ہیں اور کھڑے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک بزرگ سے میں نے دریافت کیا کہ یہ نعش کس بزرگ کی ہے اور یہ اولیائے کبار کس بزرگ کے انتظار میں کھڑے ہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ یہ نعش قطب وقت کی ہے اور یہ سب بزرگ، قطب الاقطاب کے انتظار میں ہیں کہ وہ تشریف لائیں اور نماز جنازہ پڑھائیں اور سب حضرات ان کی اقتدار کریں۔ اتنے میں ایک بزرگ سرو قد، گندمی رنگ لیکن مائل بہ سفیدی، کشادہ چشم، فراخ پیشانی، کھڑی ناک، گھنی اور بڑی داڑھی والے کہ جن کا حسن یوسفیؑ تھا اور ملاحت محمدی تھی، انوارِ ولایت اُن کی روشن پیشانی میں تھے اور وجاہت، وقار اور تمکین اُن کا لباس تھا، تشریف فرما ہوئے۔ تمام اولیاء نے ان کی تعظیم کی اور وہ اُن سب کے آگے بڑھے اور امامت فرمائی۔ جب جنازہ اٹھایا گیا تو میں نے ایک صاحب سے دریافت کیا کہ ان بزرگ کا نام کیا ہے اور اُن کا مقام کہاں ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ان کا نام حضرت میاں شیخ احمد ہے اور ان کا قیام سرہند میں ہے۔ جب میں خواب سے بیدار ہوا تو میں اس بزرگوار کے دیدار کے لیے بے قرار ہو گیا۔ چنانچہ علی الصباح بلخ سے روانہ ہو کر اس قطب الاقطاب کی خدمت میں سرہند پہنچا ان کی زیارت سے مشرف ہوا اور آپ کا حلیۂ مبارکہ بالکل وہی پایا جو واقعے میں دیکھا تھا۔ میں نے آپ کی بارگاہِ عرش اشتباہ میں روئے نیاز کو رگڑا اور ایک عرصے تک آپ کی خانقاہِ ملائک پناہ کے گرد گھومتا رہا اور وہ دیکھا جو دیکھنا تھا۔

درجہ ۲۹۔ ایک درویش نے جس پر آثارِ عشق، اور علامت مستی کا ظہور تھا اپنے شروع کا حال اور آپ (حضرت مجددؒ) سے عقیدت کا سبب اس طرح بیان کیا کہ ایک رات میں نے تہجد کے بعد حضرت صدر الدینؒ کی روح پرفتوح کی طرف توجہ کی۔ یہ حضرت خواجہ محمد زاہد بلخیؒ کے خلیفہ تھے اور بہت عرصے تک سلسلۂ کبرویہ کے طالبوں کی رہبری فرماتے رہے۔ اُن کے پاس میرے والد میری کم عمری میں مجھے لے گئے تھے۔ میں نے (ان کی روح سے متوجہ ہو کر) پوچھا کہ آپ تو اس عالمِ فانی سے مُلکِ جاودانی کی طرف تشریف لے گئے ہیں۔ مجھے ایسے بزرگ کی طرف ہدایت

فرمایئے جس سے بڑا اس زمانے میں کوئی نہ ہو۔ پھر مجھے نیند آگئی اور میں نے خواب میں حضرت صدر الدینؒ کو دیکھا کہ وہ تشریف لائے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ تم کو میں حضرت میاں شیخ احمد سرہندی کی خدمت میں بھیجتا ہوں کہ اس زمانے میں کوئی بزرگ ان سے زیادہ کامل نہیں ہے ۔ چنانچہ علی الصباح، کمال اشتیاق کے ساتھ اس قطب آفاق کی خدمت میں روانہ ہوا اور قبولیت حاصل کی۔

درجہ نمبر ۳۰ ۔ ایک صالح تاجر جو پنجاب کے کسی گاؤں کے رہنے والے تھے، بیان کرتے ہیں کہ مجھ پر حضرت غوث الاعظم عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی محبت غالب تھی اور ہر روز پانچوں نمازوں کے بعد اُن کی روح پُرفتوح کے لیے فاتحہ پڑھتا تھا اور خلوت میں عاجزی اور انکساری کے ساتھ اُن کی خدمت میں عرض حاجات کیا کرتا تھا۔ اور سلسلہ عالیہ قادریہ کے اوراد، وظائف اور اذکار میں مشغول رہتا تھا۔ ایک رات حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کو خواب اور بیداری کے مابین دیکھا تو دوڑ کر اُن کے قدم مبارک چومے۔ انھوں نے فرمایا کہ ظاہر میں بھی پیر حاصل کرنا اس راہ کی ضروریات میں سے ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اس زمانے میں جو بزرگ سب سے افضل ہو اس کے متعلق حکم فرمادیں تاکہ میں اس کی خدمت میں پہنچوں ۔ انھوں نے فرمایا کہ سرہند میں ایک ایسے بزرگ ہیں جو علم ظاہر، معرفت باطن، اعمالِ صُوری اور کمالِ معنوی کے جامع ہیں۔ شیخ احمد نام ہے۔ ان کے پاس جاؤ کیونکہ اس زمانے میں اُن جیسا کوئی بزرگ نہیں ہے۔ چنانچہ علی الصباح اس قطب الاقطاب کی بارگاہ میں روانہ ہوا اور اُن کے آستانۂ فلک نشان پر پہنچا اور اپنی عرضداشت پیش کی۔ آپ کی بے انتہا عنایات اور الطاف سے مستفید ہو کر جذب و سلوک سے نوازا گیا اور میرا کام تھوڑی سی مدت میں مکمل کر دیا گیا۔

درجہ نمبر ۳۱ ۔ میر سید احمدؒ[1] ہمارے مجدد قدس سرہ کے مقربین میں سے تھے۔ انھوں

---

[1] مکتوباتِ امام ربانیؒ ۔ دفتر اول ۔ ۵۶ - ۲۳۸

نے بیان کیا تھا کہ جس زمانے میں بادشاہ (جہانگیر) نے آپ کو آزار پہنچایا تھا (یعنی قید کر دیا تھا) میں مُلکِ دکن میں تھا اور مجھے اس واقعے کی اطلاع نہ تھی۔ ناگاہ میں نے سنا کہ بادشاہ نے آپ کو سختی سے طلب کر کے شہید کر دیا ہے۔ میں اس خبرِ وحشت اثر سے بے قرار ہو کر بازار میں نکلا کہ شاید کوئی قاصد (صحیح) خبرِ فرحت اثر و مسرت ثمر سنائے۔ میں نے دیکھا کہ بازار کے کنارے کچھ تاجر ٹھہرے ہوئے ہیں جن کے چہرے سے نیکی ٹپکتی ہے۔ میں اُن کے پاس گیا اور سلام کر کے بیٹھ گیا۔ ان میں سے ایک نے مجھے غم زدہ دیکھ کر اس غم کا سبب دریافت کیا۔ میں نے وہ بات اس کو بتائی تو اس نے دل سے ایک آہ سرد نکالی اور گریبان میں سر جھکا لیا۔ وہ ہر لحظہ متغیر ہو رہا تھا یہاں تک کہ اس کے چہرے پر بہت زیادہ تغیر ظاہر ہونے لگا۔ کچھ دیر کے بعد اُس نے سر اٹھایا اور کہا کہ خاطر جمع رکھو حضرت صاحب (مجدّدؒ) زندہ ہیں۔ مجھے اس کے مُراقب ہونے اور عالمِ غیب کی خبر دینے پر حیرت ہوئی۔ اس لیے اس سے دریافت کیا کہ کیا آپ نے ہمارے حضرت صاحب کو دیکھا ہے؟ انھوں نے کہا کہ میں ان کا کمترین مُرید ہوں۔ پھر میں منّت و سماجت کر کے ان کو اپنے گھر لے آیا اور اُن کی صحبت میں اپنی تسلی خاطر چاہی۔ پھر پوچھا کہ آپ نے کتنے عرصے تک حضرت صاحب کی صحبت حاصل کی ہے اور کیا کیا نعمتیں پائی ہیں اور آپ کی عقیدت مندی کا سبب کیا تھا؟ انھوں نے جب معلوم کر لیا کہ میں بھی حضرت صاحب کے مخلصین میں سے ہوں تب انھوں نے اپنی ارادت مندی کا سبب جیسا کہ اُن پر گزرا تھا بیان کیا۔ یہ بزرگ بظاہر تاجر تھے لیکن باطناً کاملین میں سے تھے۔

درجہ ۳۲۔ ایک شاہزادے (خرّم۔ شاہجہاں) کی اس کے والد (جہانگیر) سے جنگ تھی اور باوجود فوج کی کثرت اور فوجیوں کی قوت کے اُسے فتح نہ ہوتی تھی۔ ایک روز شاہزادے نے ایک ایسے بزرگ سے جو ظاہری خوارق و کرامات اور کشف و فراست والے تھے دریافت کیا کہ کیا بات ہے کہ اس قدر لشکر اور فوجیوں کی کثرت کے باوجود فتح حاصل نہیں ہوتی جب کہ والد کے اکثر امراء بھی میری موافقت

میں ہیں۔ اس جلیل القدر بزرگ نے توجہ فرمائی اور اپنے کشف و فراست سے معلوم کر کے بتایا کہ اس زمانے میں چار بزرگ ایسے ہیں جن کی رائے صواب پر اس کام کا دار و مدار ہے۔ ان میں سے تین تمہاری فتح کے لیے راضی ہیں لیکن ایک بزرگ جو اُن سب سے افضل ہے وہ اس کے لیے راضی نہیں ___ اس نے پوچھا کہ وہ کون بزرگ ہیں۔ انھوں نے کہا کہ وہ حضرت میاں شیخ احمد سرہندی ہیں ___ (یہاں اُن کی بات ختم ہوئی اور بےشک ایسا ہی تھا)۔ پھر ہندوستان کے ایک مشہور بزرگ نے آپ (حضرت مجددؒ) کی خدمت میں لکھا کہ اکابرِ وقت اس شاہزادے[1] کی فتح کا حکم لگا رہے ہیں، آپ اس معاملے میں کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے لکھا کہ ان جنگوں میں شاہزادے کی فتح نظر نہیں آتی ___ مگر بعد میں اس شاہزادے کو سربلندی حاصل ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ان جنگوں میں تو شاہزادے کو فتح حاصل نہیں ہوئی لیکن اس کے والد کے انتقال کے بعد وہی شاہزادہ (شاہجہاں) بادشاہ ہوا اور اس نے دین کو رائج کیا، اسلام کو رونق بخشی اور شریعت کو از سرِ نو زندہ کیا۔

درجہ ۲۳ ـ ایک عاقل خدا پرست شخص جو حضرت مجددؒ کی خدمت میں حاضر ہو چکا تھا، بیان کرتا تھا کہ میں بُرہان پور میں شیخ فضل اللہ[2]ؒ کی خدمت میں پہنچا جن کو اس سرزمین (دکن) کا قطب کہا جا سکتا ہے۔ انھوں نے مجھ سے حضرت مجددؒ کے اخلاق و اطوار کے متعلق دریافت کیا کہ تم تو اُن کی خدمت میں رہے ہو، بتاؤ کہ وہ کیسے ہیں؟ میں نے

---

[1] زبدۃ المقامات (صفحہ ۲۸۱) میں ہے کہ یہ شاہزادہ چار پانچ سال تک تکلیفیں اٹھاتا رہا پھر وہی بادشاہ ہوا۔ محمد ہاشم کشمیؒ نے اس کے جلوس کی تاریخ "زینتِ شرع" (۱۰۳۷ھ) لکھی۔

[2] شیخ فضل اللہ کی تاریخ وفات معلوم نہیں۔ لیکن وہ حضرت مجددؒ کی قید (۱۰۲۸ھ تا ۱۰۲۹ھ) پر اُن کی رہائی کے لیے دعا کرتے تھے۔ اس لیے ظاہر ہے کہ اس کے بعد کبھی فوت ہوئے ہوں گے البتہ محمد ہاشم کشمیؒ کے فارسی دیوان (مخطوطہ ۲۸۹۸ ۔ انڈیا آفس۔ لندن) میں شیخ محمد بن فضل اللہ کے انتقال کی تاریخ "ابن فضل اللہ" کے اعداد سے ۱۰۲۹ھ درج ہے۔

کہا کہ میں اُن کے باطنی احوال کیا بیان کر سکتا ہوں۔ البتہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ ظاہر غائب میں جس طرح وہ سنت اور اس کی باریکیوں کی رعایت فرماتے ہیں اگر اس زمانے کے تمام مشائخ بھی جمع ہو جائیں تو اس کا سَوواں حصہ بھی ادا نہیں کر سکتے۔ شیخ (فضل اللہ رح) بہت زیادہ خوش ہوئے اور فرمایا کہ جو کچھ اسرار حقیقت یہ قطب الاقطاب (حضرت مجدد رح) فرماتے ہیں اور لکھتے ہیں وہ سب صحیح اور حقیقی ہیں اور وہ اس معاملے میں بالکل سچے ہیں اور متحقق بھی ہیں، کیونکہ قول کی سچائی اور حال کی بلندی محض حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال اتباع کی وجہ سے ہوتی ہے۔ مجھے (اسی لیے) اُن سے پوری طرح غائبانہ اخلاص اور محبت ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جس زمانے میں آنجناب (حضرت مجدد رح) کو بادشاہ وقت (جہانگیر) نے بعض دشمنانِ اسلام کے کہنے پر اپنے پاس بلا کر سجدہ تعظیمی کرنے پر مجبور کیا اور آپ نے اُسے سجدہ نہیں کیا اور (اس کی پاداش میں) آپ کو قلعہ گوالیار[1] میں قید کر دیا گیا تو شیخ فضل اللہ رح ہمیشہ پنجگانہ نمازوں میں آپ کی رہائی کے لیے دعا اور فاتحہ کیا کرتے تھے۔ پھر جب کوئی شخص اُن کی خدمت میں عقیدت اور ارادت سے جاتا اور ان کو معلوم ہو جاتا کہ وہ سرہندی ہے تو وہ فرماتے کہ تعجب ہے کہ تم حضرت مجدد رح کے شہر میں رہتے ہو اور دوسری جگہ مرید ہونا چاہتے ہو، کیا سورج کو چھوڑ کر ستارے کی طرف رجوع کرتے ہو؟

درجہ ۳۴ ۔ ایک امیر وقت کو آپ (حضرت مجدد رح) کے معاملے میں کچھ تردد تھا۔ اس نے اس وقت کے قاضی القضاۃ سے جو آپ رح سے ارادت رکھتا تھا، دریافت

---

[1] ڈاکٹر سراج احمد خان کی کتاب "مکتوبات امام ربانی کی دینی اور معاشرتی اہمیت" کے باب چہارم میں ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت مجدد رح اس قلعہ گوالیار میں جمعہ یکم رجب ۱۰۲۸ھ (۴ جون ۱۶۱۹ء) کو قید ہوئے اور جمعہ ۱۱ رجب ۱۰۲۹ھ (۲ جون ۱۶۲۰ء) کو وہاں سے رہا ہوئے۔

کیا، کہ تم تو عالم ہو اور سچے بھی ہو اور امانت و دیانت والے ہو اُن (حضرت مجددؒ) کا حال تو بتاؤ۔ اس (قاضی القضاۃ) نے فرمایا کہ اس علاقے کے باطنی احوال ہمارے ادراک و فہم سے باہر ہیں، البتہ میں اس قدر جانتا ہوں کہ آپؒ کے احوال و اطوار کو دیکھ کر متقدمین اولیائے کرام کے اطوار کی یاد تازہ ہو جاتی ہے کیونکہ ہم نے جب اگلے وقتوں کے بزرگوں کا حال کتابوں میں پڑھا تھا تو دل میں یہ خیال گزرا تھا کہ اُن کی سخت ریاضتوں اور عبادتوں کا ذکر ان کے مریدوں نے مبالغے سے کیا ہوگا۔ لیکن اب جو ہم نے آپ (حضرت مجددؒ) کے معاملات کو دیکھا تو وہ تردّد دور ہو گیا بلکہ ان بزرگوں کے احوال لکھنے والوں سے ہم کو شکایت ہے کہ انھوں نے کم لکھا ہے۔

درجہ ۳۵۔ ایک باعمل عالم جو پرہیزگار بھی تھے اور مقتدائے عصر بھی تھے حضرت مجددؒ کی تصانیف کے سلسلے میں کہا کرتے تھے کہ ہماری قوم کی کتابیں یا تو تصنیف تھیں یا تالیف تھیں۔ یعنی تالیف تو وہ ہے کہ دوسرے لوگوں کی باتوں کو اچھی ترتیب کے ساتھ جمع کر دیا جائے۔ اور تصنیف وہ ہے کہ خود کے حاصل کیے ہوئے علوم و اسرار اور نکات و مقدمات کو لکھا جائے تو مدت ہوئی کہ دنیا سے تصنیف ختم ہو چکی ہے اور صرف تالیف رہ گئی ہے۔ اگرچہ میں آپ (حضرت مجددؒ) کا مُرید نہیں ہوں لیکن حق و انصاف کی بات یہ ہے کہ اس زمانے میں آپ کے مکتوبات اور آپ کے رسالے سب کے سب تصنیفات ہیں۔ تالیفات نہیں ہیں۔ کیونکہ بہت کچھ میں نے مطالعہ کیا، دوسروں کی کوئی بات آپ کے یہاں تحریر نہیں ہوئی۔ سوائے ندرت اور ضرورت کے۔ زیادہ تر آپ کے مکشوفات اور ملہمات ہی ہیں جو سب کے سب بہت بلند، درست اور شریعت مطہرہ کے مطابق ہیں ——— جزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

درجہ ۳۶۔ ایک فاضل وقت نے جو بہت سے عرفاء اور علماء کی صحبت میں بیٹھے تھے اور عرصے تک ان بزرگوں کا کلام دیکھا اور سُنا تھا بعض معاندین کی گفتگو آپ (حضرت مجددؒ) کے کلماتِ عالیہ کے متعلق سُنی تو فرمایا کہ سچ بات تو یہ ہے کہ

آپ کے بیان کردہ دقائق اور حقائق سمجھنے کے لائق یہ لوگ نہیں ہیں۔ آپ کو تو اگلے وقتوں میں ہونا چاہیے تھا جب کہ آپ کی قدر و منزلت، نیز آپ کے کلماتِ عالیہ کے مقام کو سمجھنے والے لوگ تھے۔ اور پھر متأخرین بھی اپنی کتابوں میں ان سے استشہاد اور استدلال کر سکتے۔ اس زمانے کے لوگوں کی آپ کے کلام سے متعلق وہی مثال ہے جو اس کو تہ اندیش اور حکمت اندیش کے قصے میں ہے۔ وہ قصہ یہ ہے کہ ایک عقلمند نے ایک بادشاہ کی محفل میں یہ بات کہی کہ میں نے ایک ایسا جانور دیکھا ہے جو آگ سلگا کر اس کو کھاتا تھا۔ اس محفل والوں نے چونکہ ایسا جانور نہیں دیکھا تھا اس لیے یقین نہیں کیا اور اس شخص سے جھگڑنے لگے اور اس کو جاہل اور احمق قرار دیا۔

درجہ ۳۷۔ ایک فاضل کامل جو بہت بوڑھے تھے اور کشف و معرفت والے تھے اور بہت سے اولیائے کرام کو دیکھے ہوئے تھے، حضرت شیخ محمد غوث[1] گوالیاری کے مرید تھے۔ ان کا اسمِ گرامی (مولانا) حسن[2] غوثی تھا اور انھوں نے اولیاء اللہ کا ایک تذکرہ بھی لکھا تھا جو ہندوستان میں رشد و ہدایت میں مشغول تھے۔ وہ حضرت مجدد کے احوال میں اس طرح القاب لکھتے ہیں:

"بالانشینِ مسندِ محبوبیت، صدر آرائے محفلِ وحدانیت، خدیوِ مقامِ فردیت، صاحبِ مرتبتِ قطبیت۔"

درجہ ۳۸۔ ہدایت پناہ و سیادت پناہ سید میرک شاہ[3] اور شیخ اجل کبروی میر مومن[4] بلخی اور

۱۔ شیخ محمد غوث کا انتقال ۹۷۰ھ میں ہوا۔

۲۔ یہ حسن غوثی ماندوی تھے۔ ۱۰۲۲ھ میں تذکرہ گلزارِ ابرار لکھا۔ محمد ہاشم کشمیؒ کے فارسی دیوان میں "شیخ حسن" کے اعداد سے ۱۰۲۸ھ ان کی تاریخ وفات ملتی ہے۔

۳۔ مکتوبات ۲/۹۹ میں ان کا ذکر ہے۔ محمد ہاشم کشمیؒ کے فارسی دیوان میں ھو سید الشیوخ کے اعداد سے ۱۰۳۲ھ ان کی تاریخِ وفات ملتی ہے۔

۴۔ مکتوبات ۱/۱۵۱-۲/۹۹ کے مکتوب الیہ ہیں۔ شیخ قدیم بھی کہلاتے تھے۔ محمد ہاشم کشمیؒ نے ان کی تاریخ وفات ۱۰۳۱ھ لکھی ہے۔

مولانا ئے ربانی حسن قبادیانی اور قاضی القضاۃ مولانا تو لک[1] نے ایک درویش کے ساتھ کچھ تحفے اور نیاز مندانہ عریضے آپ (حضرت مجددؒ) کی خدمت میں بھیجے تھے۔ اس درویش نے پہلے تو اُن سب حضرات کی نیاز مندانہ عرضیاں پیشِ خدمت کیں، پھر اپنے پیرو مرشد میر محمد بلخی کا پیغام عرض کیا کہ انھوں نے بعد سلام نیاز یہ عرض کیا ہے کہ اگر میرا بڑھاپا اور لمبی مسافرت مانع نہ ہوتی تو میں آپ کی خدمت میں پہنچ کر بقیہ عمر وہیں بسر کرتا اور آپ کے بلند مقامات سے کہ جن کو کسی آنکھ نے نہیں دیکھا۔ اور کسی کان نے نہیں سنا استفادہ کرتا۔ لیکن چونکہ یہ موانع درمیان میں ہیں اس لیے التماس ہے کہ آپ مجھے اپنے مخلصوں میں سمجھتے ہوئے غائبانہ طور پر مجھ پر توجہ فرمائیں۔ میں بظاہر دور ہوں لیکن حقیقت میں آپ کی خدمت میں ہوں۔ اس درویش نے یہ بھی کہا کہ انھوں نے مجھ سے یہ بھی فرمایا ہے کہ میری جانب سے تم بیعت ہو جانا ——— پس وہ اٹھا اور میر محمد بلخی کی طرف سے آپ سے بیعت کی۔ پھر رخصت ہوتے وقت یہ بھی التماس کیا کہ چونکہ وہاں (بلخ کے) لوگوں نے آپ کے بلند معارف سُنے ہیں اس لیے بہت اشتیاق کے ساتھ انھوں نے یہ عرض کیا ہے کہ آپ ایک مکتوب ان حقائق سے متعلق تحریر فرمادیں۔ بڑا کرم ہوگا۔ چنانچہ آپ نے دو کلمے دعائیہ لکھ کر دے دیئے۔

بعض لوگ جو بلخ اور ماوراء النہر سے ہندوستان آئے تھے وہ فرماتے تھے کہ ہم لوگ حضرت قدوۃ العرفاء میر مومن بلخی کی خدمت میں تھے کہ حضرت مجددؒ کے معارف اُن تک پہنچے۔ وہ اُن کے مطالعے سے وجد میں آ گئے اور فرمایا کہ اگر سلطان العارفین سید الطائفہ اس وقت ہوتے تو وہ بھی اس بزرگ (حضرت مجددؒ) کی خدمت میں بیٹھتے۔

درحبر ۳۹ ۔ سید صالح[2] جو خدا پرست تھے اور حضرت مجددؒ کے مخلصین میں سے تھے

---

[1] حافظ قاضی تو لک کا ذکر مکتوبات ۳/۹۹ میں ہے۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۶۶ پر)

مجھ حقیر سے فرماتے تھے کہ ایک دن اس طائفہ مجددی کے ایک منکر نے کہا کہ حضرت مجددؒ نے فرمایا ہے کہ "اگر خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس سرہ اس وقت ہوتے تو میری خدمت کرتے" یہ بات سن کر مجھے تعجب ہوا اور میں نے کہا، معاذ اللہ، آپ نے ایسا نہیں فرمایا ہوگا۔ اور ان کا طریقہ ایسا نہیں ہے کہ وہ ایسی بات فرمائیں۔ اتفاقاً اس زمانے میں جب کہ میں طاعون میں مبتلا ہوا، ایک رات مرض کی شدت میں دیکھا کہ آسمان سے فرشتے میری روح قبض کرنے کے لیے آئے ہوئے ہیں۔ اسی اثناء میں حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس سرہٗ ظاہر ہوئے اور فرشتوں سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ "اس سید زادہ کو زندگی دے دی گئی ہے اس لیے آپ لوگ واپس جائیں"۔ روح کو قبض کرنے والوں نے دریافت کیا کہ اس کا سبب کیا ہے؟ - انھوں نے فرمایا کہ اگر وہ دنیا سے چلے جاتے تو تین شخص کافر ہو جاتے۔ (یعنی ایک کے جانے سے اتنا بڑا نقصان ہو جاتا) ۔ اس کے بعد انھوں نے (خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ) نے مجھ سے فرمایا کہ "اگرچہ حضرت مجددؒ نے ایسی بات نہیں فرمائی جیسا کہ اس منکر نے بیان کیا ہے۔ تاہم ان کا درجہ اس سے بھی زیادہ بلند ہے۔"

درجہ نمبر ۴ سید صالح نے بتایا کہ میں نے ایک رات حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ عنہ کو واقعے میں دیکھا کہ گویا آپ ایک راستے سے تشریف لے جا رہے ہیں اور ان کے آگے ایک فوج ہے اور حضرتؒ بڑے جاہ و جلال اور شان و شوکت کے ساتھ تشریف لے جا رہے ہیں اور میں بھی ان کے قریب چل رہا ہوں۔ اسی اثناء میں ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ تمہارے آباؤ اجداد تو سلسلۂ چشتیہ میں ارادت رکھتے تھے، تم کیوں سلسلۂ نقشبندیہ میں داخل ہو گئے اور حضرت مجددؒ کے مرید ہو گئے؟

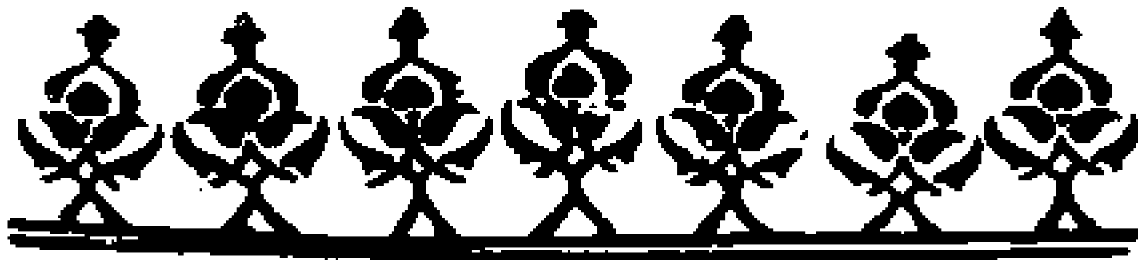
بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۵ پر

۲؎ غالباً یہ مولانا محمد صالح کولابیؒ تھے جن کے نام مکتوبات ۱/ ۱۶۱ - ۱۸۴ - ۲۳۱ - ۲۴۴ - ۲۴۵ - ۳۰۶ - (۲/ ۳۳) (۳/ ۲۸ - ۸۷ - ۹۵) ہیں۔ آپ کی کتاب ہدایت الطالبین میں حضرت مجددؒ کے معمولات شب و روز درج ہیں۔ سنہ ۱۰۳۸ھ میں انتقال فرمایا۔

میں نے کہا کہ ایک کتے کو روٹی کا ٹکڑا جہاں مل جائے وہیں بیٹھ جاتا ہے اور دوسری جگہ نہیں جاتا۔ اس شخص نے پوچھا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور حضرت مجددؒ کے طریقے میں تم نے کیا فرق دیکھا جو اُن کی خدمت اختیار کر لی اور اپنے اجداد کے پیروں سے الگ ہو گئے؟ میں نے کہا کہ حضرت مجددؒ اور میرے آباؤ اجداد میں وہی فرق ہے جو حبیب اللہ اور کلیم اللہ (علیہما السلام) کے درمیان ہے۔

اک پرتوِ صفات سے موسیٰؑ نے کھوئے ہوش
اور آپؐ عینِ ذات بھی دیکھیں تو ہنس پڑیں

حضرت خواجہ معین الدینؒ نے اس شخص سے غصے سے فرمایا کہ ان کو کچھ مت کہو کیونکہ ان کے پیر نہایت متشرع ہیں اور بے حد راسخ اور استقامت والے ہیں۔



حضرت چہارم

آپ (حضرت مجدد ؒ) کے خصوصی مقامات اور اعلیٰ درجات کے بیان میں کہ جن کی وجہ سے آپ تمام اولیاء میں ممتاز ہیں۔

درجہ ۱:۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاص بزرگوں اور بلند ترین علماء میں سب سے خاص بنایا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت میں اُن چند مخصوص بزرگوں میں سے خصوصیت بخشی جو قرآنی متشابہات اور حروفِ مقطعات کے اسرار سے واقف ہیں۔ آپ نے خود بھی فرمایا ہے:

قدسیہ ——— " یہ فقیر مدت تک قرآنی متشابہات کو حق تعالیٰ کے علم تک مخصوص سمجھتا رہا اور علمائے راسخین میں ان متشبہات پر ایمان رکھنے کے سوا کوئی اور حصہ نہ دیکھتا تھا اور جو تاویلات کہ بعض صوفی علماء نے کی ہیں اُن کو ان متشابہات کے مطابق قرار نہیں دیتا تھا اور ان تاویلات کو ایسے اسرار میں سے شمار نہ کرتا تھا جو پوشیدہ رکھے جانے کے قابل ہوں۔ چنانچہ حضرت عین القضاۃ ؒ نے الف، لام، میم سے الم لی ہے یعنی درد جو لازمہ محبت ہے۔ وغیرہ۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ان متشابہات کی تاویلات میں سے ایک شمہ مجھ فقیر پر ظاہر فرمایا اور اس بحرِ محیط کی ایک نہر اس مسکین کی زمینِ استعداد میں کشادہ فرما دی۔ تب مجھے معلوم ہوا کہ علمائے راسخین کو متشابہات اور مقطعات کی تاویلات میں وافر نصیب حاصل ہے۔"

اور اسی طرح وہ جو بعض علماء نے وَجہ سے ذاتِ الٰہی مراد لی ہے تو ید سے مراد قدرتِ الٰہی ہے تو ایسی تاویل درست نہیں۔ بلکہ ان کی تاویل ضرور اسرارِ

غامضہ میں سے ہے جو صرف اخص الخاص کو معلوم ہے اور حروف مقطعات کے متعلق کیا کہا جائے کہ ان حروف میں سے ہر حرف ایک بحر مواج ہے اور عاشق و معشوق کے درمیان اسرار خفیہ میں سے ہے اور ایک رمز غامض ہے محب اور محبوب کے رموز دقیقہ میں سے۔ پھر آیات محکمات اگرچہ اُمہات قرآنی ہیں لیکن ان کے نتائج اور ثمرات یہی متشابہات ہیں۔ قرآن کے مقاصد یہی متشابہات ہیں اور اُمہات، وسائل سے زیادہ نہیں۔ اور عالم راسخ وہ ہے جو ان متشابہات کو محکمات کے ساتھ جمع کر دے اور حقیقت کو صورت میں لے آئے۔ جو شخص علم محکمات کو بغیر جانے ہوئے اور ان محکمات کے مقتضیات پر بغیر عمل کیے ہوئے ان متشابہات کی تاویلات کو تلاش کرتا ہے اور صورت کو چھوڑ کر حقیقت کی طرف دوڑتا ہے وہ جاہل ہے اور اپنی جہالت سے بے خبر ہے۔ وہ گمراہ ہے اور اپنی گمراہی کا شعور نہیں رکھتا۔" [1]

حضرت مجددؒ نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ:

"علم متشابہات صرف رسولوں سے مخصوص ہے (علیہم السلام) مگر اُمت کی ایک بہت ہی کم تعداد محض تبعیت اور وراثت کے طور پر اس علم سے بہرہ مند ہوتی ہے اور ان پر سے اس دنیا میں جمال متشابہات کا پردہ ہٹا دیا جاتا ہے اور امید ہے کہ آخرت میں بھی اُمتوں کا ایک کثیر گروہ محض تبعیت کی وجہ سے اس دولت سے مستفید ہوگا۔ البتہ اس قدر ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیا میں اس قلیل تعداد کے علاوہ کچھ دوسرے حضرات کو بھی ممکن ہے کہ اس دولت سے مشرف فرما دیا جائے۔ مگر معاملے کی حقیقت

---

[1] مکتوبات۔ دفتر اول۔ مکتوب ۲۷۶ میں اس عبارت کے جملے مقدم و مؤخر ہیں۔ دفتر دوم۔ مکتوب ۱۸ میں بھی اسی طرح کا مضمون ہے۔ اور مبداء و معاد میں (منہا ۳۵) میں بھی۔

کا علم پھر بھی نہیں دیا جاتا اور اس کی تاویل کو بھی کھولا نہیں جاتا۔ بہرحال آشنا ہو سکتا ہے کہ بعض کو تاویل متشابہات حاصل ہو جائے لیکن انھیں پتا بھی نہ ہو کہ کیا حاصل ہوا ہے۔ کیونکہ متشابہات محض معاملات (حقائق) کے اشارے ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ معاملہ (حقیقت) حاصل ہو جائے اور اس کا علم نہ ہو سکے۔ یہ بات متشابہات کے صرف ایک جزو کی مشاہدہ کی گئی ہے۔ اوروں کی بات کیا ہو؟" ؎

ایک دن مخدوم زادہ، نورِ اتم قیوم خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ نے خلوت میں مجھ سے فرمایا کہ:

"حضرت مجددؒ پر متشابہات اور مقطعات کے اسرار و رموز ظاہر ہوئے ہیں لیکن آپ بتاتے نہیں ہیں۔ جب آپ سے دریافت کیا جاتا ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ شیطان بڑا دشمن ہے اور وہ ہمیشہ اظہار اسرار کی جستجو میں رہتا ہے کہ ان معاملات کے مکاشفات کو ظاہر کیا جائے تاکہ وہ استراق سمع کرکے فوراً ان کا افشا کر دے۔ اللہ پاک نے ان علماء کو جو اس مقام تک پہنچے ہیں "راسخین" فرمایا ہے ان کے رسوخ کی وجہ سے کہ وہ اس معاملے کو پوشیدہ رکھتے ہیں۔ اور جب کسی کو آگاہ فرمایا گیا ہے اس نے اسے مستور ہی رکھا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ (بفضلہٖ تعالیٰ) آنجناب اس امر پر قدرت رکھتے ہیں کہ اس محل و موقع سے شیاطین کو دفع کر دیں اور اپنے اطراف سے بھی ان کو دور کر دیں تاکہ استراق سمع نہ کر سکیں۔ جب میں نے حد سے زیادہ اصرار کیا اور التماس کیا (کہ وہ اسرار ظاہر فرمادیں) تو آنجناب نے حرف ق کے اسرار کا اظہار کیا تو میرے ہوش اڑ گئے۔"

درجہ ۲ :- اللہ تعالیٰ نے آنجناب کو مجددِ الفِ ثانی بنایا۔ چنانچہ خود اس معاملے کی صراحت فرمائی ہے۔ اور ایک مکتوب میں خصوصی علوم و معارف کے ذکر کے بعد اس طرح

؎ مکتوبات۔ دفتر اوّل۔ ۳۱۱ دیکھیں۔

تحریر فرمایا ہے :

" یہ علوم، مشکوٰۃِ انوارِ نبوت (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) سے مقتبس ہیں جو الفِ ثانی کی تجدید کے بعد محض تبعیت اور وراثت کے لحاظ سے تازہ ہوئے اور تازگی کے ساتھ ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ ان علوم و معارف کا حامل اس الف (ہزارہ) کا مجدد ہے اور یہ بات اُن لوگوں پر بخوبی روشن ہے جنھوں نے اس کے علوم و معارف کو دیکھا ہے جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال سے ہے اور جن کا رشتہ احوال و مواجید و تجلیات اور ظہورات سے ہے۔ پس وہ جانتے ہیں کہ یہ علوم و معارف تمام علماء کے علوم اور اولیاء کے معارف کے علاوہ ہیں بلکہ علومِ مجددیہ کے مقابلے میں وہ پوست معلوم ہوتے ہیں اور وہ (علوم مجددیہ) مغز ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سبحانہٗ ہدایت دینے والا ہے۔ واضح ہو کہ ہر صدی کے سرے کا مجدد ہوا ہے لیکن صدی والا مجدد اور ہے اور الف (ہزارہ) والا مجدد اور ہے۔ چنانچہ صدی اور ہزار میں جو فرق ہے اُن مجددوں میں بھی اسی قدر فرق ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے۔ اور مجدد وہ ہے کہ جو کچھ اس مدت میں امتوں کو فیوض و برکات حاصل ہوتے ہیں اسی کے توسط سے ہوتے ہیں۔ اگرچہ کہ اقطاب و اوتاد بھی اس وقت میں ہوتے ہیں اور بدلاء اور نجباء بھی ہوا کرتے ہیں[1]"

حضرت نے دوسرے کئی اور مکتوبات میں بھی اس مدعا سے متعلق تحریر فرمایا ہے :

" اے میرے بیٹے! یہ وہ وقت ہے کہ اگلی امتوں میں ایسے پُر ظلمت وقت میں ایک اولوالعزم پیغمبر مبعوث ہوا کرتا تھا جو شریعتِ جدیدہ کی بنیاد قائم کرتا تھا۔ (لیکن) یہ امت جو خیر الامم ہے اور جس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الرسل ہیں، اس کے علماء کو انبیائے بنی اسرائیل کا مرتبہ دیا گیا ہے اور

---

[1] مکتوبات ۔ ۲/۴ ۔

انبیاء کی جگہ اپنے علماء پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اسی لیے ہر صدی کے سرے پر اس امت کے علماء میں سے ایک کو مجدد متعین کیا جاتا ہے جو شریعت کی احیاء فرماتا ہے اور بالخصوص ہزار سال کے بعد کہ امم سابقہ میں تو اولوالعزم پیغمبر کی بعثت ہوا کرتی تھی اور عام پیغمبر پر ایسے زمانے میں اکتفا نہیں کیا جاتا تھا۔ اسی طرح ایسے وقت میں ایک ایسے عالم و عارف[1] کی اس امت میں ضرورت ہے جو کامل المعرفت ہو اور جو امم سابقہ والے اولوالعزم پیغمبر کا قائم مقام ہو سکے۔"

ایک اور موقع پر حضرتؒ نے اسی سلسلے میں تحریر فرمایا ہے :-

"اس امت کی آخریت کی ابتداء حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے ایک ہزار سال کے بعد سے ہے کہ گزرے ہوئے ہزار سال کی ایک عظیم خاصیت ہے تغییر امور میں اور قوی تاثیر ہے تبدیل اشیاء میں — اور چونکہ اس امت میں کسی طرح نسخ اور تبدیلی نہیں ہو سکتی اس لیے سابقہ نسبت ہی تازگی اور رونق کے ساتھ متاخرین میں جلوہ گر ہوئی ہے اور اس الف ثانی میں شریعت کی تائید اور ملت کی تجدید ہوئی ہے۔ اس پر عادل گواہ حضرت عیسیٰ (علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام) بھی ہیں اور حضرت مہدی (علیہ الرضوان) بھی ہے

فیضِ روح القدس اب بھی جو مؤید ہو جائے
دوسرے بھی وہ کریں جو کہ مسیحا نے کیا

اے بھائی، ایسی بات کہنی آج تو اکثر لوگوں کو گراں گزرتی ہے اور ان کی سمجھ سے دُور ہے لیکن اگر وہ انصاف سے کام لیں اور ایک دوسرے کے علوم و معارف کا موازنہ کریں اور صحت اور سقم کو شریعت کے علوم کے معیار پر دیکھیں کہ مطابقت ہے یا نہیں اور یہ بھی کہ شریعت اور نبوت کی توقیر و تعظیم

---

[1] مکتوبات ۱/۲۲ میں بھی کچھ مضمون اسی طرح کا ہے۔

کہاں زیادہ ہے تو شاید اس تعجب سے نکل جائیں ۔ دیکھا ہو گا کہ فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں لکھا ہے کہ طریقت اور حقیقت (دونوں) شریعت کی خادم ہیں اور ولایت سے نبوت افضل ہے خواہ وہ نبی کی ولایت ہو اور یہ بھی لکھا ہے کہ ولایت کے کمالات کی نبوت کے کمالات کے مقابلے میں کوئی قدر و قیمت نہیں۔ اس کی حقیقت وہی ہے جیسی کہ دریائے محیط کے مقابلے میں قطرے کی ہوتی ہے ۔ اسی طرح اور بھی بہت کچھ لکھا ہے خصوصاً بیان طریق سے متعلق مکتوب میں دیکھیں ۔ مقصود اس گفتگو سے محض تحدیث نعمت حق ہے اور بس ۔ اور اس سے اس طریق کے طالبوں کے لیے ترغیب بھی ہے ۔ اس سے دوسروں پر اپنی فضیلت ظاہر کرنا مقصود نہیں ۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت اس شخص پر حرام ہے جو خود کو کافر فرنگ سے بدتر نہ جانتا ہو ۔ پھر اکابر دین سے کیا مناسبت ہو سکے گی ؟

اٹھایا شہ نے مٹی سے تو حق ہے ۔۔۔ کہ میں اونچا کروں سر آسماں سے
اسی مٹی پہ باران بہاراں ۔۔۔ ہوا کرتا ہے لطف مہرباں سے
اگر ہوں سو زبانیں مثل سوسن ۔۔۔ ادا ہو شکر کیونکر ؟ کس زباں سے ؟[1]

درجہ ۳ :۔ حضرت مجددؒ نے تحریر فرمایا ہے :۔

قدسیہ ۔ " وہ علوم جو مقام فنا فی اللہ اور بقا باللہ سے تعلق رکھتے ہیں اللہ پاک نے محض اپنی عنایت سے مجھ پر منکشف فرما دیئے ہیں اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ ہر چیز کی خاص وجہ کیا ہے اور سیر فی اللہ کے کیا معنی ہیں اور برقی تجلی کیا ہے اور محمدی المشرب کون ہے اور اسی طرح کی دوسری باتیں ۔ اور ہر مقام میں اس کے لوازم اور ضروریات بتائی جاتی ہیں اور ان کی سیر کرائی جاتی ہے اور بہت کم چیزیں ایسی ہوں گی جن کی نشان دہی اولیاء اللہ

---

[1] مکتوبات ۔ ۱/ ۲۶۱

نے کی ہوگی اور وہ راستے میں چھوڑ دی گئی ہوں اور نہ دکھائی گئی ہوں۔ وہ شخص مقبول ہوگیا جس نے اس کو بلا چون وچرا قبول کر لیا۔"

درجہ ۴: حضرت مجددؒ نے تحریر فرمایا ہے:

قدسیہ: "اللہ تعالیٰ نے محض اپنی عنایت بے غایت سے مدارج کمالات میں ترقیاں عطا فرمائی ہیں۔ مقامِ ولایت کے اوپر مقامِ شہادت ہے اور شہادت سے ولایت کی نسبت ایسی ہی ہے جیسی کہ تجلیِ ذاتی سے تجلی صوری کی نسبت ہے ان دونوں کے درمیان دوری ان دونوں تجلیوں کے درمیان کی دوری سے زیادہ ہے۔ اور مقام شہادت سے اوپر مقامِ صدیقیت ہے اور ان دونوں مقاموں میں جو فرق ہے وہ نہ تو عبارت میں بیان ہو سکتا ہے اور نہ اشارے سے بتایا جا سکتا ہے اور اس مقامِ صدیقیت سے اونچا صرف مقامِ نبوت ہی ہے اور کوئی نہیں۔ اور صدیقیت اور نبوت کے درمیان کوئی دوسرا مقام نہیں ہو سکتا بلکہ محال ہے اور ایسا محال ہونا صریح اور صحیح کشف سے معلوم ہوا ہے اور وہ جو بعض بزرگوں نے ان دونوں مقاموں کے درمیان ایک واسطہ ثابت کیا ہے اور اُسے قربت کا نام دیا ہے تو اس سے بھی مجھے مشرف فرمایا گیا ہے اور اس کی حقیقت کی بھی مجھے اطلاع دی گئی ہے۔ بہت سی توجہ اور بے حد تضرع کے بعد پہلے تو اسی طرح جیسا کہ بعض اکابر نے بتایا ہے مجھ پر بھی اظہار ہوا لیکن بعد میں اس کی حقیقت سے مجھے آگاہی دی گئی۔ بے شک اس مقام کا حصول، صدیقیت کے حصول کے بعد اور عروج کے وقت ہوتا ہے لیکن واسطے کا ہونا محلِ تامل ہے کیونکہ وہ مقام بہت بلند ہے اور عروج کی منزلوں میں اس سے اوپر کوئی مقام نہیں اور ذاتِ جل وعلا پر زائد بیت وجود اسی مقام میں ظاہر ہوتی ہے جیسا کہ علمائے حق سے یہ بات ثابت ہوتی ہے اور اسی مقام پر وجود بھی راہ میں رہ جاتا ہے اور اس سے اوپر

عروج واقع ہوتا ہے۔

ابو المکارم رکن الدین شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمتہ اللہ علیہ[1] نے اپنی بعض تصانیف میں فرمایا ہے کہ عالم وجود سے اوپر عالم الملک الودود ہے اور مقامِ صدیقیت، مقامِ لقا سے ہے جو عالم کی طرف رُخ رکھتا ہے اور اس مقام سے بہت آگے مقامِ نبوت ہے جو فی الحقیقت بہت بلند ہے اور صحو ولقا کا کمال ہے اور ان دونوں مقاموں کے بیچ میں مقامِ قربت کو برزخیت کی حیثیت حاصل نہیں کیونکہ اس کا رُخ صرف تنزیہ کی طرف ہے ؎

پسِ آئینہ مجھے رکھا ہے طوطی کی طرح
وہی کہتا ہوں جو استادِ ازل سے سیکھا

علومِ شرعیہ کو نظریۂ استدلالیہ کے مطابق بدیہی اور کشفی بنایا گیا ہے اور نظریت سے ضرورت کی طرف لایا گیا ہے[2]۔"

درجہ ۵ :۔ آپ (حضرت مجدد رح) نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے :۔

قدسیہ ؎ استطاعت مع الفعل کا معاملہ بھی منکشف ہو گیا ہے یعنی فعل سے زیادہ قدرت نہیں ہوتی اور قدرت اتنی ہی دی جاتی ہے جس قدر فعل ہو سکتا ہے اور اسباب و اعضا کی سلامتی کے مطابق ہی مکلف کیا جاتا ہے جیسا کہ اہلِ سنت علماء نے ثابت کیا ہے اور اسی مقام میں خواجہ نقشبند قدس سرہٗ کے زیرِ قدم رکھا ہے۔ وہ اسی مقام میں تھے اور حضرت خواجہ علاء الدین[3] (عطار) قدس سرہ کو بھی اس مقام میں حصہ

---

[1] ابو المکارم رکن الدین علاء الدولہ سمنانی رح (احمد بن محمد) ۶۵۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۳۶ھ میں وفات پائی۔ بغداد میں ۶۷۷ھ میں شیخ نور الدین عبد الرحمٰن کسرتی رح سے بیعت ہوگئے۔ اجتہاد سے ائمۂ اربعہ کے مسلک سے اعراض بھی کیا ہے۔ [2] اوپر کا مضمون معارفِ لدنیہ (۴۱ معرفت) میں بھی ہے اور مکتوبات ۲/۲ پر بھی ہے [3] خواجہ علاء الدین عطار — اسم گرامی محمد بن محمد۔ حضرت خواجہ نقشبند بخاری رح کے خلیفہ تھے۔ ماوراء النہر کے موضع جغانیاں میں ۸۰۲ھ میں وفات پائی۔

حاصل ہے اور اس سلسلہ نقشبندیہ میں خواجہ عبدالخالق[1] (غجدوانی) کو بھی اور متقدمین مشائخ میں سے حضرت معروف کرخی[2]، امام داؤد طائی[3]، خواجہ حسن بصری[4] اور حبیب عجمی[5] کو بھی حاصل ہے (قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم)

درجہ ۱[6]:۔ حضرت مجدد نے تحریر فرمایا ہے:۔

قدسیہ ۱۱:۔ مجھ فقیر کو جب اس راستے کی خواہش پیدا ہوئی تو عنایت خداوندی سے خانوادہ حضرت خواجگان نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے ایک خلیفہ (یعنی حضرت خواجہ باقی باللہ) کی خدمت میں پہنچایا گیا۔ اور وہاں سے ان بزرگوں کا طریقہ اخذ کر کے اس بزرگ کی صحبت اختیار کی اور اس بزرگ کی توجہ کی برکت سے خواجگان نقشبندیہ کا وہ جذبہ جو صفت قیومیت میں کمال فنا حاصل ہونے سے پیدا ہوتا ہے اس فقیر کو حاصل ہوا اور اندراج نہایت فی البدایت سے بھی کسی قدر سیرابی حاصل ہوئی۔ جب یہ جذبہ اچھی طرح پختہ ہو گیا تو سلوک میں مجھے قرار حاصل ہوا اور میں نے اس راہ کو شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روحانی تربیت سے انجام کو پہنچایا۔ یعنی مجھے اس اسم تک عروج حاصل ہو گیا جو میرا مربی (پرورش کنندہ) تھا اور پھر حضرت

---

[1] "خواجہ جہاں" آپ کا لقب تھا۔ ۵۷۵ھ یا ۶۱۷ھ میں وفات پائی۔ آپ کے مقرر کردہ آٹھ کلمات طریقہ نقشبندیہ میں رائج ہیں۔ یعنی (۱) ہوش در دم (۲) نظر بر قدم (۳) سفر در وطن (۴) خلوت در انجمن (۵) یادکرد (۶) بازگشت (۷) نگاہ داشت (۸) یادداشت۔

[2] خواجہ معروف کرخی اکابرین میں سے ہیں۔ ۲۰۰ھ میں وفات پائی۔ [3] آپ بھی اکابر میں سے ہیں۔ ۱۶۵ھ میں وفات پائی [4] حسن بن ابی الحسن بصری۔ ۲۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۲ھ میں وفات پائی۔ تابعین میں بہت بلند مقام حاصل تھا۔

[5] ابو محمد حبیب عجمی، فارس کے تھے حضرت حسن بصری کے مرید تھے بصرہ میں ۱۵۶ھ میں وفات پائی۔ عطار کے تذکرۃ الاولیا میں حالات ہیں۔ دیکھیں حاشیہ طبقات الصوفیہ صفحہ ۲۲۹

[6] یہاں سے درجہ ۸ کے اختتام تک مبداؤ معاد کا ابتدائی مضمون ہے۔

خواجہ نقشبند قدس سرہ کی روحانیت کی مدد سے اس اسم سے قابلیتِ اولیٰ کے درجے تک عروج کیا جسے حقیقتِ محمدی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کے بعد مجھے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہٗ کی روحانی دستگیری سے اس قابلیتِ اولیٰ سے بھی بلندی نصیب ہوئی اور وہاں سے پھر میں اس مقام تک پہنچ گیا جو اس قابلیت سے بھی بلند تر ہے گویا یہ قابلیت اس مقام کی خصوصی تفصیل ہے اور وہ مقام اس کا اجمال ہے۔ یہ مقام، اقطابِ محمدیہ کا مقام کہلاتا ہے اور اس فقیر کو اس مقام تک ترقی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی تربیت سے حاصل ہوئی۔ اس مقام تک پہنچنے کے وقت اس فقیر کو حضرت خواجہ علاء الدین عطار قدس سرہٗ کی روحانیت سے بھی ایک گونہ امداد حاصل رہی جو حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ کے خلیفہ اور خود قطبِ ارشاد ہیں۔ اقطاب کا منتہائے عروج اسی مقام تک ہے اور دائرۂ ظلیت بھی اسی مقام تک پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اصلِ خالص کا مقام ہے یا اصل اور ظل دونوں ملے ہوئے ہیں۔ افراد کی ایک جماعت کو اس دولت تک پہنچنے کا امتیاز حاصل ہے۔ بعض اقطاب کو بھی افراد کی صحبت کے ذریعے اس اصل اور ظل آمیز مقام کا مشاہدہ میسر ہو جاتا ہے۔ لیکن اصلِ خالص تک پہنچ جانا یا اصلِ خالص کا مشاہدہ بتفاوتِ درجات کرنا صرف افراد ہی کا خصوصی امتیاز ہے۔ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت ہی بڑے فضل والا ہے) اور اس فقیر کو اس مقام تک پہنچ جانے کے بعد جو اقطاب کا مقام کہلاتا ہے سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قطبیتِ ارشاد کی خلعت عطا ہوئی اور مجھے اس منصب پر سرفراز فرمایا گیا۔ اس کے بعد پھر عنایتِ خداوندی شاملِ حال ہوئی تو اس مقام سے مزید بلندی کی طرف متوجہ فرمایا گیا۔ چنانچہ ایک مرتبہ اصلِ ظل آمیز

یکسانی حاصل ہوئی اور اس مقام میں بھی گزشتہ مقامات کی طرح فنا اور بقا نصیب ہوئی اور پھر وہاں سے اصل کے مقام تک ترقی عطا فرمائی گئی۔ حتیٰ کہ اس فقیر کو اصل الاصل کے مقام تک پہنچا دیا گیا۔ اس آخری عروج میں جو کہ مقاماتِ اصل کا عروج ہے اس فقیر کو حضرت غوث الاعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس کی روحانیت سے امداد حاصل رہی اور ان کی قوتِ تصرف نے ان تمام مقامات سے گزار کر اصل الاصل کے مقام تک واصل فرما دیا۔ اور پھر وہاں سے مجھے اس دنیا کی طرف واپس کر دیا گیا جیسا کہ اس سے پہلے بھی ہر مقام سے واپس کیا جاتا تھا۔ اور اس فقیر کو نسبتِ فردیت کا سرمایہ جس کے ساتھ آخری عروج مخصوص ہے اپنے والد ماجد (خواجہ عبدالاحد قدس سرہٗ) سے حاصل ہوا تھا۔ اور میرے والد کو یہ نسبت اپنے ایک بزرگ (حضرت شاہ کمال کیتھلی قدس سرہٗ) سے حاصل ہوئی تھی۔ یہ جذبۂ قوی رکھتے تھے اور کرامات و خوارقِ عادات میں شہرت رکھتے تھے ...... نیز اس فقیر کو علومِ لدنی کی توفیق حضرت خضر (علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) کی روحانیت سے حاصل ہوئی۔ لیکن یہ صورتِ حال اس وقت تک ہی رہی جب تک کہ مقامِ اقطاب سے نہیں گزر گیا۔ لیکن اس مقام سے گزر جانے اور بلند تر مقامات میں ترقیاں حاصل کر لینے کے بعد ان علوم کا حصول خود اپنی حقیقت سے ہونے لگا۔ یعنی علوم اپنی ذات میں خود بخود اپنی ذات ہی سے حاصل ہونے لگے۔ کسی غیر کی مجال نہ تھی کہ وہ درمیان میں آسکے ——۔"

درجہ بعد۔ اسی کے آگے تحریر فرماتے ہیں:

"پھر اس فقیر کو نزول کے وقت جسے سیر عن اللہ باللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ دوسرے سلسلوں کے مشائخ کے مقامات پر بھی عبور حاصل ہوا۔ اور ہر مقام سے کامل حصہ پایا۔ اور وہ مشائخ میرے کام میں میرے

مددگار ثابت ہوئے اور اپنی اپنی نسبتوں کے چیدہ چیدہ حصے عطا فرمائے۔ سب سے پہلے مجھے اکابرِ چشتیہ (قدس اللہ اسرارھم) کے مقامات پر عبور حاصل ہوا اور اُن مقامات سے وافر حصہ مجھے ملا۔ اور ان مشائخ عظام میں سے حضرت خواجہ قطب الدین (بختیار کاکی) رحمۃ اللہ علیہ کی روحانیت نے دوسرے بزرگوں سے کہیں زیادہ میری امداد فرمائی اور سچ تو یہ ہے کہ یہ بزرگ اس مقام میں بڑی شان والے ہیں اور اس مقام کے سردار ہیں۔ اس کے بعد مشائخ کبرویہ (قدس اللہ اسرارھم) کے مقام پر گزرا ہوا۔ یہ دونوں مقام (یعنی چشتیہ اور کبرویہ) عروج کے اعتبار سے مساوی ہیں۔ لیکن یہ مقام (کبرویہ) فوق سے نزول کرتے وقت اس شاہراہ کی دائیں جانب ہوتا ہے اور وہ مقام (چشتیہ) اس صراطِ مستقیم کی بائیں جانب ہے۔ اور یہ شاہراہ (صراطِ مستقیم) وہ راستہ ہے کہ اقطاب ارشاد میں سے بعض اکابر اسی راستے سے فردیت کے مقام تک پہنچتے ہیں اور آخری انتہا تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں۔ افرادِ تنہا (یعنی بلا قطبیت) کا راستہ دوسرا ہے۔ بغیر قطبیت کے اس راستے سے گزرنا ممکن نہیں۔ مقامِ صفات اور اس شاہراہ کے درمیان یہ مقام واقع ہوا ہے گویا ان دونوں مقاموں کے درمیان ایک برزخ ہے جسے دونوں طرف سے حصہ ملتا ہے اور پہلا مقام تو اس شاہراہ کی دوسری جانب واقع ہوا ہے جو صفات سے کم مناسبت رکھتا ہے۔ اس کے بعد اکابرِ سہروردیہ کے مقام پر عبور حاصل ہوا جو شیخ شہاب الدین[1] قدس اللہ سرہ کی طرف منسوب ہیں۔ یہ مقام اتباعِ سُنت (علیٰ مصدرہا الصلوٰۃ والسلام)

---

[1] شیخ عمر شہاب الدین سہروردیؒ اپنے چچا ابو النجیب سہروردیؒ کے خلیفہ تھے۔ بغداد میں ۵۳۹ھ میں پیدا ہوئے اور وہیں ۶۳۲ھ میں وصال ہوا۔ آپ کی کتاب عوارف المعارف تصوف کی امہات الکتب میں شمار ہوتی ہے۔ حضرت شیخ سعدیؒ اور حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ آپ کے مشہور خلفاء میں سے ہیں۔

کے نور سے روشن ہے اور مشاہدۂ فوق الفوق کی نورانیت سے زینت حاصل کیے ہوئے ہے اور عبادتوں کی توفیق اس مقام کی رفیق ہے (یعنی اس مقام والوں کو حاصل ہے)۔ بعض سالکوں کو جو ابھی تک اس مقام پر فائز نہیں ہوئے لیکن عباداتِ نافلہ میں مشغول ہیں اور اسی میں آرام حاصل کیے ہوئے ہیں اس مقام کی مناسبت سے اس مقام کا کچھ حصہ حاصل ہے۔ کیونکہ عباداتِ نافلہ سے بلا واسطہ اس مقام کو مناسبت ہے اور دوسروں کو خواہ وہ مبتدی ہوں یا منتہی، اسی واسطے سے اس مقام کے ساتھ مناسبت ہے اور یہ مقام بہت عجیب ہے کیونکہ جو نورانیت اس مقام میں ظاہر ہوتی ہے وہ دوسرے مقامات میں کم ہے۔ اور اس مقام کے مشائخ، کمال اتباع کی وجہ سے عظیم الشان اور رفیع المکان ہیں اور اپنے ابنائے جنس میں امتیازی خصوصیت رکھتے ہیں...... اس کے بعد مجھے مقامِ جذبہ میں لے آئے اور یہ مقام بے شمار مقاماتِ جذبات کو لیے ہوئے ہے۔ پھر اس مقام سے نیچے بھی نزول ہوا۔ مراتبِ نزول کی انتہا مقامِ قلب پر ہوتی ہے جو ایک حقیقت جامعہ ہے اور ارشاد و تکمیل کا تعلق اس مقام تک نزول ہونے پر ہے۔ چنانچہ مجھے بس مقام پر نزول حاصل ہوا۔ لیکن قبل اس کے کہ مجھے اس مقام میں تمکین حاصل ہو پھر عروج واقع ہوا اور اس مرتبہ میں نے سایہ کی طرح اصل کو بھی پیچھے چھوڑ دیا اور اس عروج میں جو قلب کے مقام میں واقع ہوا مجھے تمکین اور پختگی نصیب ہو گئی۔"

درجہ ۸ ـــــ اسی کے آگے حضرت مجددؒ نے اس طرح تحریر فرمایا ہے اور اپنے کمال سے متعلق اطلاع دی ہے کہ :-

"قطبِ ارشاد جو فردیت کے کمالات کا بھی جامع ہوتا ہے بہت کم ہوا کرتا ہے۔ بہت صدیوں اور بے شمار زمانوں کے بعد اس قسم کا کوئی جوہر ظاہر ہوتا ہے اور یہ تاریک دنیا اس کے ظہور سے منور ہوتی ہے اور اس کے رشد و ہدایت

کا نور تمام عالم کو شامل ہوتا ہے۔ یعنی عرش کے دائرے سے فرش کے مرکز تک جس کسی کو بھی رشد و ہدایت اور ایمان و معرفت حاصل ہوتی ہے وہ اسی کے واسطے سے حاصل ہوتی ہے اور اسی کی ذات سے مستفاد ہوتی ہے اور بغیر اس کے توسط کے، کوئی شخص اس دولت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ مثال کے طور پر یوں سمجھیے کہ اس کا نور ہدایت ایک بحر بیکراں کی طرح تمام عالم کو احاطہ کیے ہوئے ہوتا ہے اور وہ دریا گویا منجمد ہے جس میں مطلق حرکت نہیں ہے۔ جو شخص ایسے بزرگ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کے ساتھ اخلاص رکھتا ہے یا وہ بزرگ خود کسی طالب کے حال پر متوجہ ہو جائے تو اس توجہ کے دوران ایک طرح سے اس طالب کے دل میں ایک سوراخ کھل جاتا ہے اور اس راستے سے (توجہ اور اخلاص کے مطابق) اس دریا سے سیراب ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ شخص جو ذکرِ الٰہی میں مشغول ہے اور اس بزرگ کی طرف، انکار سے نہیں بلکہ لاعلمی کی وجہ سے متوجہ نہیں ہے تو اسے بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ لیکن پہلی صورت میں زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ البتہ وہ شخص جو ایسے بزرگ کا منکر ہو یا اس بزرگ کو اس شخص سے گرانی ہو تو وہ شخص خواہ ذکرِ الٰہی میں بہت کچھ مشغول رہے لیکن وہ رشد و ہدایت کی حقیقت سے محروم ہی رہے گا۔ بغیر اس کے کہ وہ بزرگ اس شخص کو فیض نہ پہنچانے کا کوئی ارادہ کرے یا اُسے نقصان پہنچانے کا قصد کرے، اس کا یہ انکار ہی اس کے لیے استفادے کی راہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے اور اسے ہدایت کی اصل حقیقت حاصل نہیں ہوگی۔ بلکہ جو کچھ حاصل ہوگا وہ ہدایت کی صورت ہوگی اور حقیقت کے بغیر صرف صورت سے بہت کم فائدہ پہنچتا ہے۔ لیکن جو لوگ اس بزرگ سے اخلاص اور محبت رکھتے ہیں اور ذکرِ الٰہی سے کتنے ہی خالی ہوں ان کو بھی محض محبت کی وجہ سے رشد و ہدایت کا نور حاصل ہو جاتا ہے۔[1]

---

[1] درجہ ۱ سے درجہ ۸ تک مبدأ و معاد کا ابتدائی حصہ ہے (مکتوبات ۱/۲۵۱ بھی دیکھیں)

درجہ ۹ :۔ حضرت مجددؒ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سات درجہ متابعت سے نوازا گیا ہے اور یہ آپ کی خصوصیات میں سے ہے۔ اس سات درجہ متابعت کی تفصیل آپ کے مکتوبات کے دفتر دوم کے پچپاسویں مکتوب میں ملاحظہ فرمائیں۔

درجہ ۱۰ :۔ حضرت مجددؒ پر انبیاء علیہم السلام کی استعداد کے مشارب، ان کے تعینات کے مبادی اور ہر ایک کی نسبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ یعنی محبیت، محبوبیت اور خلت اور اسی طرح ان سالکوں کی استعداد جو کسی نبی کے زیر قدم ہوں مکشوف کردی گئی تھی۔ پھر ان مشارب میں ہر ایک کے قدم کا فرق بھی ظاہر کر دیا گیا تھا۔ اسی لیے آپ فرماتے تھے کہ فلاں شخص ولایت موسوی میں ہے، فلاں ولایت عیسوی میں، فلاں محمدی المشرب ہے اور فلاں نزدیک ہے فلاں ولایت کے نقطۂ مرکز سے اور فلاں اس دائرے کے قریب ہے، وغیرہ۔ یہ بھی آپ کی عظیم خصوصیات اور رفیع مقامات میں سے ہے۔

درجہ ۱۱ :۔ تعین وجودی کہ جس کے متعلق آج تک کسی عارف نے لب کشائی نہیں کی تھی آپ پر ظاہر کیا گیا اور اس عالی مقام کے اسرار اور برکات سے آپ کو ممتاز فرمایا گیا۔ جیسا کہ مکتوبات کے دفتر سوم کے مکتوب ۸۹ میں تفصیل آتی ہے اسی طرح دوسرے مکتوبات میں بھی ہے۔

درجہ ۱۲ :۔ حضرت مجددؒ کو قلوبِ خمسہ[1] کے اسرار و علوم سے بھی نوازا گیا تھا۔ خصوصاً مرتبۂ علیا سے جو قلب ہجم سے تعلق رکھتا ہے اور یہ مرتبہ، قرب کا اعلیٰ مرتبہ ہے اور منازل حصول کا منتہا بھی ہے اور آپ کی اعلیٰ خصوصیات میں سے بھی ہے۔ اور آپ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کے مرتبہ تک پہنچائے گئے تھے۔ اور اس مقام میں بھی داخل کیے گئے تھے جس سے اونچا کوئی مقام نہیں۔ اور اقطاب اوتاد کو آپ کی ولایت کے تحت رکھا گیا جیسا کہ رسالہ مبدا و معاد میں آپ نے فرمایا ہے:

"جب یہ عارف جس کی معرفت مکمل تر اور جس کا شہود (حضور) کامل تر ہو، اس مقام تک پہنچتا ہے جو نادر الوجود اور اشرف ہے، تو وہ تمام جہانوں اور تمام

---

[1] ۔ قلوب خمسہ کی تفصیل بھی مبدا و معاد (۱۲ منہا) میں ملتی ہے۔

ظہورات کا قلب بن جاتا ہے اور یہی شخص ولایتِ محمدیہ کا صحیح مستحق اور دعواتِ مصطفویہ سے مشرف بن جاتا ہے (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام)۔

چنانچہ اقطاب، اوتاد اور ابدال سب اس کے دائرۂ ولایت کے تحت ہوتے ہیں اور افراد، آحاد اور اولیاء کے تمام گروہ اسی کے انوارِ ہدایت کے ماتحت مندرج ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہی شخص حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم مقام ہوتا ہے اور ہدایت یافتہ بھی۔ یہ نسبت شریفہ امراد ین میں سے کسی کے لیے مخصوص رکھی گئی ہے اور مریدین کو اس کمال میں سے کوئی حصہ نہیں ملتا۔ یہی آخری درجہ اور انتہائی مقام ہے جس سے بلند تر نہ کوئی کمال ہے اور نہ کوئی عطیہ ہے۔ اس قسم کا عارف اگر ہزاروں برس کے بعد بھی پایا جائے تو بہت غنیمت ہے۔ اس کی برکات، طویل مدتوں اور بعید عرصوں تک جاری وساری رہتی ہیں اور یہی وہ ہستی ہے جس کا کلام دوا ہے اور جس کی نظر شفا ہے۔ اس خیر امت میں کچھ مدت کے بعد حضرت امام مہدی علیہ السلام اسی نسبت پر ظہور فرمائیں گے اور (یہ خدا کی دین ہے جسے وہ چاہے دیدے اور اللہ بڑا فضل والا ہے)۔[1]

درجہ ۱۳ :۔ حضرت مجدد پر ولایت کے تین درجات منکشف فرمائے گئے یعنی ولایتِ صغریٰ، ولایتِ کبریٰ اور ولایتِ علیا۔ ان تینوں کی تفصیل آپ نے مکتوبات شریفہ میں تحریر فرمائی ہے۔[2]

درجہ ۱۴ :۔ حضرت مجدد پر حقیقتِ قرآن، حقیقتِ کعبہ اور حقیقتِ بیت المقدس کے اسرار منکشف فرمائے گئے اور یہ بھی ظاہر کیا گیا کہ ایک ہزار سال کے بعد حقیقتِ احمدی کے ساتھ حقیقتِ محمدی متحد کر دی گئی۔ اس کی تفصیل بھی آپ نے خود تحریر فرمائی ہے۔[3]

---

[1] مبدأ و معاد (۱۲ منہا)

[2] تفصیل کے لیے دیکھیں مکتوبات ۔ ۱/۲۶۰-۲۸۷-۳۰۲ وغیرہ ۔ ۳/۲ بھی دیکھیں۔

[3] دیکھیں مکتوبات ۳/۷۷-۱۲۴ وغیرہ - ۲/۲ بھی دیکھیں۔

درجہ ۱۵ :- حضرت مجدد قدس سرہٗ پر ظاہر کیا گیا کہ اس دنیا میں اگرچہ رویت (رویت الٰہی) نہیں ہوتی تاہم یہ بے رؤیت بھی نہیں ہے۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ :

قدسیہ :- یہ وہ عظیم دولت ہے جو صحابۂ کرامؓ کے بعد بہت کم کسی کو نصیب ہوئی ہے۔ اگرچہ یہ بات بعید و عجیب سی ہے اور اکثر لوگ اس کو قبول نہ کریں گے لیکن تحدیثِ نعمت کی جا رہی ہے۔ کم سمجھ لوگ اس کو قبول کریں یا نہ کریں۔ یہ نسبت کل کے روز اکمل طریقے پر حضرت مہدی علیہ الرضوان پر ظاہر ہوگی ۱؎

درجہ ۱۶ :- حضرت مجددؒ کو اللہ تعالیٰ نے حق الیقین سے مشرف فرمایا اور صوفیہ کی اصطلاح میں جو حق الیقین ہے وہ آپ کے نزدیک عین الیقین ہے۔ اس کے بعد آپ نے تحریر فرمایا کہ :-

قدسیہ :- "عین الیقین اور حق الیقین کے متعلق یہ فقیر کیا لکھے؟ اور اگر کہے تو کون ہے جو سمجھ سکے اور کیا حاصل کر سکے؟ یہ معارف احاطۂ ولایت سے خارج ہیں اور علمائے ظاہر کی طرح اربابِ ولایت بھی ان کو سمجھنے سے قاصر اور عاجز ہیں۔ یہ علوم، انوارِ نبوت (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی مشکوٰۃ سے ماخوذ ہیں کہ دوسرے ہزار سال والی تجدید سے محض تبعیت اور وراثت کی وجہ سے تازہ ہوئے ہیں ۲؎"

درجہ ۱۷ : حضرت مجدد قدس سرہٗ پر جذبہ و سلوک کے علاوہ ایک اور طریقہ ظاہر کیا گیا جس کو آپ نے مشکوٰۃِ نبوت سے ماخوذ فرمایا ہے اور اس کی تفصیل مکتوبات (۱/۳۰۱) میں تحریر فرمائی ہے۔

درجہ ۱۸ :- حضرت مجدد قدس سرہٗ کو حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال اتباع کی وجہ سے ایسے مقام سے جو مقامِ رضا سے بالاتر ہے ممتاز فرمایا گیا جیسا کہ آپ نے دفتر دوم کے مکتوب دوم میں تحریر فرمایا ہے۔

درجہ ۱۹ : حضرت مجدد قدس سرہ کو خزینہ دارِ رحمت بنایا گیا۔ جیسا کہ دفتر اول کے

۱؎ مبدأ و معاد (۹ منہا) - دیکھیں مکتوبات ۲/۴

۲؎ مکتوبات - ۲/۴ -

مکتوب ۳۱۱ میں ہائے دوچشمی کی حقیقت کے سلسلے میں اشارہ فرمایا ہے۔

درجہ ۲۰ :۔ حضرت مجدد قدس سرہ کو اللہ تعالیٰ نے مقام سابقین سے جو اصحاب یمین کے درجات سے بلند و بالا ہے واصل فرمایا۔

درجہ ۲۱ :۔ حضرت مجدد قدس سرہ کو حق تعالیٰ نے مکلّم اور محدّث (بفتح دال) بنایا۔ جیسا کہ آپ نے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا ہے :۔

قدسیہ :۔ "واضح ہو کہ بندے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کبھی بلا واسطہ کلام کرتا ہے جیسا کہ انبیاء علیہم السلام میں سے بعض کے ساتھ ہوا ہے اور کبھی انبیاء علیہم السلام کے کامل متبعین میں سے بھی بعض کو بطریق وراثت یہ مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ اگر اس طریقے کا کلام امت کے کسی فرد کو بکثرت حاصل ہو تو وہ شخص محدّث کہلاتا ہے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ یہ کلام الہام اور القائے قلبی سے مختلف ہے۔ فرشتے کے ساتھ جو کلام ہوتا ہے اس کی نوعیت بھی یہ نہیں۔ اس کلام کا مخاطب صرف وہ انسان کامل ہے جو عالم امر، عالم روح ولفس اور آلۂ عقل و خیال کا جامع ہو۔ اور اللہ تعالیٰ خاص کرتا ہے اپنی رحمت سے جس کو چاہتا ہے اور وہ فضل عظیم والا ہے۔"[1]

درجہ ۲۲ :۔ حضرت مجدد قدس سرہ کو انبیاء علیہم السلام کی ولایت سے مشرف فرمایا گیا اور ولایت ظلی سے ولایت اصلی کا اتصال عطا فرمایا گیا۔[2]

درجہ ۲۳ :۔ حضرت مجدد قدس سرہ کو سیر آفاقی و انفسی کے علاوہ ایک اور سیر مکشوف فرمائی گئی۔[3]

درجہ ۲۴ :۔ حضرت مجدد قدس سرہ کو قیومیت کی نسبت سے بھی مشرف

---

[1] مکتوبات۔ ۲/۵۱

[2] مکتوبات۔ ۱/۳۰۱ دیکھیں

[3] مکتوبات ۲/۔۲۹۔ ۴۲ دیکھیں۔ مبدأ و معاد (۹ منہا) بھی دیکھیں۔

فرمایا گیا جیسا کہ مکتوبات میں درج ہے۔[1]

درجہ ۲۵ :۔ حضرت مجدد قدس سرہ کو قطب الاقطاب ارشاد بنایا گیا کہ روئے زمین میں اور بالائے آسمان بھی انہی کے توسط سے بشرطِ عدمِ انکار فیض پہنچتا ہے لیکن منکر قطعی محروم ہوتا ہے۔[2]

درجہ ۲۶ : اللہ تعالیٰ نے حضرت قدس سرہ کے بعض مریدوں کو حضرت کے طفیل میں قطبیت کے درجے پر فائز فرمایا۔

درجہ ۲۷ :۔ حضرت مجدد قدس سرہ فرماتے تھے کہ مجھ پر منکشف ہوا ہے کہ یہ سلسلہ میرے فرزندوں کے ذریعے روزِ قیامت تک باقی رہے گا۔ (انشاء اللہ)

واضح ہو کہ حضرت مجدد قدس سرہٗ کے تمام درجات کا شمار کاتب اور کاغذ دونوں کی بساط سے باہر ہے۔ صرف ضرورت کے طور پر اسی قدر اکتفا کیا گیا اور آپ کے کچھ درجات کا ذکر حضرت ششم میں آپ کے مکاشفات کے بیان میں اور کچھ آپ کے خلفاء اور اصحاب کے احوال کے ذیل میں کیا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔



---

[1] اور [2]۔ مکتوبات ۲/ ۱۱ — ۲/ ۹۳ — ۳/ ۸۰ — مبدأ و معاد کا ابتدائی حصہ اور مکتوبات ۱/ ۲۵۶ بھی دیکھیں۔

حضرت پنجم

آپ کے معمولات، عبادات اور اخلاق کے بیان میں

حضرت مجدد قدس سرہ کا معمول، موسم گرما و سرما اور سفر و حضر میں یہ تھا کہ نصف شب کے بعد بیدار ہو جاتے تھے اور اس وقت کی مسنون دعائیں پڑھتے تھے۔ اس کے بعد استنجا کے لیے تشریف لے جاتے تھے اور بیت الخلاء میں داخل ہوتے ہوئے پہلے بایاں قدم رکھتے، پھر دایاں رکھتے اور اس وقت کی مسنون دعائیں پڑھتے۔ پھر وہاں بیٹھتے اور بائیں پیر پر زور دے کر بیٹھتے۔ اس کے بعد طاق عدد ڈھیلے استعمال فرماتے پھر پانی سے طہارت فرماتے۔ اس کے بعد آپ وضو کے لیے جاتے اور قبلہ رو بیٹھتے اور وضو میں کسی کی مدد نہ لیتے۔ بائیں ہاتھ میں آفتابہ لیتے اور پہلے دائیں ہاتھ پر پانی ڈالتے، پھر بائیں پر ڈالتے۔ اس کے بعد دونوں ہاتھ ملا کر دھوتے اور ہاتھ کی انگلیوں میں ہتھیلی کی طرف سے خلال فرماتے اور کلی کے وقت مسواک استعمال فرماتے۔ تین بار داہنی جانب، تین بار بائیں جانب اور تین بار زبان پر پھراتے اور اگر اس سے زیادہ کرتے تو طاق عدد کی رعایت ضرور رکھتے۔ اور ابتداء داہنی جانب کے اوپر کے دانتوں سے کرتے پھر اسی طرف کے نیچے کے دانتوں پر پھیرتے۔ اس کے بعد بائیں جانب کے اوپر کے دانتوں پر پھیرتے۔ پھر اس طرف کے نیچے کے دانتوں پر پھیرتے۔ اور ہر وضو میں لازمی طور پر مسواک استعمال فرماتے اور فراغت کے بعد مسواک کو کاتب قلم کی طرح کبھی کان کے اوپر لگا دیتے اور اکثر خادم کے سپرد کر دیتے۔ اور آپ کے اصحاب مسواک کو پگڑی کے پیچ میں رکھ لیتے اور کلی کا پانی آپ دور پھینکتے تھے اور کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے میں نیا پانی لیتے۔ پھر چہرۂ مبارک پر کمال آہستگی اور نرمی

سے پانی پیشانی کے اوپر سے گراتے اور سیدھے ہاتھ کو سیدھی طرف کے رخسار پر کسی قدر پہلے اور بائیں ہاتھ کو بائیں رخسار پر کسی قدر بعد پھیرتے تھے تاکہ داہنے ہاتھ سے ابتدا ہو سکے اور چہرۂ مبارک کو دھوتے وقت اپنی دستار کو ٹیڑھا رکھتے تاکہ سر کا چوتھائی حصہ کھل جائے اور وہاں سے دھویا جائے اور آپ چہرۂ مبارک پر پانی اس طرح ڈالتے کہ کپڑے یا بدن پر ایک قطرہ بھی نہ گرنے پاتا۔ اور ہر مرتبہ پانی ٹپکنا بند ہونے تک چہرے پر ہاتھ پھیرتے تاکہ کوئی قطرہ نہ رہ جائے جو کپڑے پر ٹپکے۔ اس کے بعد سیدھا ہاتھ کہنی تک تین مرتبہ دھوتے اور ہر مرتبہ مکرر ہاتھ کہنی پر پھیرتے تاکہ کوئی قطرہ باقی نہ رہ جائے۔ اسی طرح بائیں ہاتھ کو کرتے۔ اور پانی کو انگلیوں کی طرف سے ڈالتے اور وہ پانی جو مسح کے لیے سیدھے ہاتھ میں لیتے اس کو بائیں ہاتھ تک پہنچا کر دور ڈال دیتے تاکہ زمین سے چھینٹے اڑ کر کپڑوں پر نہ پڑیں اور تمام سر کا مسح شروع سر سے پیچھے تک کرتے اور وسط سر پر دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کے باطن سے مسح کرتے اور سر کے کناروں میں دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے کرتے اور ان کو پیچھے سے آگے تک واپس لاتے۔ اس کے بعد اسی پانی سے کانوں کے اندر کا مسح سبابہ سے اور کانوں کے باہر کا مسح انگوٹھوں کے باطن سے کرتے پھر ہتھیلی کی پشت سے گردن کا مسح کرتے۔ اور داہنے اور بائیں پاؤں کو تین تین مرتبہ دھوتے ٹخنوں اور پنڈلیوں کے کچھ حصے کے ساتھ۔ اور ہر مرتبہ ہاتھ کو ان پر اتنا پھیرتے کہ خشک ہونے کے قریب ہو جاتے اور ادعیۂ مسنونہ جو اعضا کے دھونے کے وقت مروی ہیں ہمیشہ تلاوت فرماتے اور وضو سے فراغت کے بعد بھی مسنون دعائیں پڑھتے اور وضو کے اعضاء کو کپڑے سے نہ پونچھتے۔ اس کے بعد لطیف اور نفیس کپڑے زیب تن فرماتے اور پورے تجمل اور وقار کے ساتھ نماز کے لیے تیار ہوتے اور پہلے دو رکعت مختصر پڑھتے پھر تہجد کی نماز کو طویل قرأت کے ساتھ ادا کرتے۔ غالباً دو تین جزء قرآن کے پڑھتے۔ کبھی محویت کے عالم میں نصف شب سے صبح تک ایک ہی رکعت ہوتی تھی۔ جب خادم عرض کرتا کہ صبح ہو رہی ہے تو دوسری رکعت مختصر ادا فرماتے اور سلام پھیر دیتے۔ اور اکثر اوقات بارہ رکعتیں کم و بیش بلحاظِ وقت ادا فرماتے اور ہر دوگانہ کے بعد خشوع و خضوع کے ساتھ مراقبہ اور

استغراق میں مشغول ہوتے اور فراغت کے بعد ایک سو مرتبہ استغفار اور دوسری دعائیں اور درود شریف پڑھتے اور صبح تک مراقبہ فرماتے یا کلمۂ طیبہ میں مشغول ہوتے اور صبح سے پہلے سنت مبارکہ کے مطابق تھوڑی دیر کے لیے خواب فرماتے تاکہ تہجد دو نیندوں کے درمیان واقع ہو جائے اور صبح سے قبل بیدار ہو کر تازہ وضو فرماتے اور گھر میں سنت ادا فرماتے۔ اس کے بعد قبلہ رو ہو کر سیدھا ہاتھ سیدھے رخسار کے نیچے لمبا کرتے اور معاً اٹھ کر مسجد کی طرف متوجہ ہوتے (آخر زمانے میں اس طرح پہلو پر دراز ہونا ترک فرما دیا تھا)۔ اس کے بعد فجر کے فرض کو مسجد میں جماعت کثیرہ کے ساتھ اوّل روشنی میں اور تاریکی کے آخر میں ادا فرماتے تھے اور امامت خود فرماتے تھے۔ اور طویل سورتیں (طوال مفصل) پڑھا کرتے تھے۔ نماز سے فراغت کے بعد بعض مسنون دعائیں پڑھتے تھے اور بجانب جماعت، داہنی یا بائیں طرف مڑ کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے تھے اور دعاء کے بعد دونوں ہاتھوں کو اپنے منہ پر پھیر لیتے تھے۔ پھر اپنے اصحاب کے ساتھ حلقۂ ذکر بنا کر بیٹھتے اور شغل باطنی میں مصروف رہتے یہاں تک کہ سورج ایک نیزہ برابر اونچا ہو جاتا۔ حلقے کے ضمن میں کبھی حافظ سے بھی قرآن سنتے تھے۔ نمازِ اشراق، طویل قرأت کے ساتھ دو رکعت اور خفیف کے ساتھ دو رکعت ادا فرماتے تھے۔ اس سے فراغت کے بعد دعائے استخارہ اور تتمۂ ادعیہ موقتہ پڑھتے تھے۔ پھر اندر جاتے تھے اور مقتضائے حال کے مطابق کبھی تلاوتِ قرآن مجید اور کبھی ختم کلمۂ طیبہ میں مشغول ہو جاتے تھے اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ طالبوں کو الگ طلب فرما کر ہر ایک سے اُس کے باطنی احوال دریافت فرما کر اس کے مطابق ہدایت فرماتے تھے اور اکثر ایسا ہوتا کہ ان کے باطنی احوال کا موجودہ اور آئندہ بیان فرماتے اور تفصیل سے اس کی تشریح فرما دیتے تھے اور ان کی تربیت فرماتے تھے پھر مقامات وکیفیات اور واردات کے اسماء سے آگاہ فرماتے تھے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ زیادہ قریبی اصحاب کو طلب کر کے خاص اسرار اور خود اپنے مکشوفات کے معارف بیان فرماتے تھے (لیکن اس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ) ایسے اسرار کے چھپانے میں پوری طرح کوشش فرماتے تھے لیکن معارف کے بیان کے وقت ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اپنے القا اور

اپنے حال کا اعظار بیان کر رہے ہیں۔ بہت مرتبہ ایسا بھی ہوتا کہ جب احباب آپ کی زبان گوہر فشاں سے معارف علیہ سنتے تو آپ کی توجہ سے اسی وقت خود کو اس معرفت سے متصف پاتے۔ اور اکثر آپ کی صحبت خواہ اپنے احباب کے ساتھ ہو یا دوسروں کے ساتھ ہو خاموشی سے ہوتی تھی۔ اور احباب کو رعب اور خوف کی وجہ سے دم مارنے کی جرأت نہ ہوتی تھی اور آپ کی تمکین اس قدر تھی کہ واردات کے توارد و تکاثر مختلفہ کے باوجود آپ سے کوئی اثر تلوین کا کبھی ظاہر نہ ہوتا تھا۔ جوش و خروش اور نعرہ و فریاد آپ سے کبھی دیکھے نہ گئے مگر اتفاق سے۔ اور بعض اوقات آپ پر گریہ طاری ہو جاتا تھا اور آنکھوں میں آنسو آجاتے تھے اور کبھی حقائق بیان کرتے وقت رخساروں کا رنگ متغیر دیکھا گیا ہے۔ (اب ہم پھر اپنی بات کی طرف آتے ہیں) جب ضحوۂ کبریٰ ختم ہو جاتا تو آپ نماز چاشت کی آٹھ رکعتیں ادا فرماتے اور کبھی ایسا موقع بھی ہوتا کہ چار رکعتیں بھی پڑھ لیتے۔ پھر کھانا کھاتے۔ لیکن کھانے کے وقت دیکھا گیا کہ اکثر وقت درویشوں، عزیزوں اور خادموں میں کھانا تقسیم کرنے میں گزر جاتا اور اس اثناء میں کبھی تین انگلیوں سے کوئی نوالہ لے لیتے اور کبھی طبق پر ہاتھ پہنچا کر منہ پر رکھ لیتے اور صرف ذائقہ چکھ لیتے۔ اس وقت ایسا معلوم ہوتا کہ آپ کو کھانے کی حاجت نہیں ہے محض اس لیے کچھ کھاتے ہیں کہ کھانا سنت ہے اور انبیاء علیہم السلام نے کھانا ترک نہیں فرمایا۔

اور کھانا کھاتے وقت آپ سنت کے مطابق بیٹھتے یعنی کبھی دو زانو اٹھا لیتے اور کبھی داہنا پاؤں بائیں پاؤں پر اور داہنے زانو کو بائیں زانو پر رکھتے۔ پھر کھانے سے فراغت پر اس وقت کی مسنون دعائیں پڑھتے اور عوام کے طریقے کے مطابق کھانے کے بعد فاتحہ پڑھنا آپ سے دیکھا نہیں گیا، کیونکہ ایسا کرنا سنت نہیں ہے۔

کھانے کے بعد سنت کے مطابق تھوڑی دیر کے لیے قیلولہ فرماتے تھے۔ اتنے میں سورج کا سایہ ڈھل جاتا اور مؤذن اذان کہتا۔ مؤذن کے لفظ اللہ اکبر کے ساتھ ہی آپ کی بیداری واقع ہو جاتی تھی۔ اور آپ بے اختیار پوری عجلت کے ساتھ اور قوت کے ساتھ زمین پر آجاتے اور اس کام میں ذرا دیر نہ فرماتے۔ اذان سنتے وقت

اس کے ہر کلمہ کا اعادہ فرماتے مگر حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے وقت لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھتے۔ اذان سننے کے بعد دعا پڑھتے اور اس کو پڑھتے ہی اٹھ کھڑے ہوتے اور وضو فرماتے اور نفیس لباس پہن کر مسجد میں تشریف لاتے اور پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد ادا فرماتے۔ اس کے بعد چار رکعت سنت زوال، طویل قرارت کے ساتھ ادا فرماتے، پھر چار رکعت سنت مؤکدہ ظہر کی ادا فرماتے۔ پھر جب مکبّر اقامت کہتا تو آپ خود امامت فرماتے اور قرارت طویل سورتوں کی (طوال مفصّل) فرماتے اور فرض پڑھنے کے بعد (بغیر دعاؤں کے) صرف اللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ...... تَبَارَکْتَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ پڑھ کر کھڑے ہو جاتے اور دوسری دو رکعت سنت موکدہ کی پڑھتے۔ اس کے بعد چار رکعت جو سنت زوائد کی ہیں آپ ادا فرماتے۔ اس کے بعد جو فرض کے بعد کی مسنون دعائیں ہیں وہ پڑھتے۔ پھر سب کی طرف رخ کرکے بیٹھ جاتے اور اصحاب حلقہ بنا لیتے اور حافظ قرآن کی تلاوت کرتا اور آپ احباب پر توجہ دیتے اور مراقبہ فرماتے۔ فراغت کے بعد ایک دو سبق کا درس دیتے۔ اتنے میں عصر کا وقت آجاتا اور آپ تازہ وضو کرنے کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ دو مثل اور سایۂ اصلی کے گزر جانے کے بعد عصر کے اوّل وقت میں آپ مسجد میں تشریف لاتے اور دو رکعت تحیۃ المسجد اور چار رکعت سنت (غیر موکدہ) ادا فرماتے۔ پھر امامت فرماتے اور کثیر جماعت کے ساتھ عصر کے فرض پڑھتے۔ اس کے بعد وہ مسنون دعائیں جو فرض کے بعد پڑھی جاتی ہیں پڑھتے۔ پھر کبھی جماعت کی طرف رُخ کر کے بیٹھتے اور مُریدین حلقہ کرتے اور حافظ قرآن پاک پڑھتا جبکہ آپ اور مریدین مراقب ہوتے اور اس اثناء میں آپ باطنی طور پر اُن لوگوں کے احوال کی طرف توجہ فرماتے اور ان کی روحانی ترقی کے لیے کوشاں ہوتے اور کبھی دوسرے اعمال صالحہ میں مصروف رہتے۔ پھر مغرب کی نماز اوّل وقت میں ادا فرماتے۔ فرض کے بعد بغیر تاخیر کیے ہوئے دو رکعت سنت موکدہ ادا فرماتے۔ پھر چھ رکعتیں تین سلام اور طویل قرارت کے ساتھ ادا فرماتے اور اس اوّابین کی نماز میں سورہ واقعہ اور اخلاص مکرراً اور اس کے علاوہ سورتیں پڑھتے اور نماز عشاء

کے لیے افق کی سفیدی دُور ہونے کے بعد امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہی شفق ہے اور متفق علیہ وقت بھی یہی ہے آپ مسجد میں تشریف لاتے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھتے، پھر چار رکعت سُنّت ادا فرماتے۔ اس کے بعد چار فرض جماعت کے ساتھ ادا فرما کر صرف دعا اللھم انت السلام ...... کے علاوہ دوسرے ادعیہ نہ پڑھ کر کھڑے ہو جاتے اور دو رکعت سُنّت مؤکدہ ادا کر کے چار رکعت مستحب ادا فرماتے۔ اس کے بعد وتر ادا فرماتے۔ پھر سورۃ الٓمٓ سجدہ کی تلاوت فرماتے اور کبھی چار فرضوں کے بعد کی چار رکعتوں میں سورۃ سجدہ، سورۃ تبارک، قل یاایہا الکٰفرون اور قل ھو اللہ پڑھتے اور کبھی چاروں قل پڑھتے اور وتر میں سورۃ سبح اسم، قل یاایہا الکٰفرون اور قل ھو اللہ پڑھتے اور دعائے قنوت حنفی و شافعی جو حنفیوں نے جمع کر دی ہیں اور دونوں کو بہتر کہا ہے آپ بھی جمع فرما دیتے اور وتر کے بعد پہلے آپ دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھتے اور ان میں سورۃ اذا زلزلت الارض اور قل یاایہا الکٰفرون پڑھتے تھے لیکن بعد میں آپ نے یہ دو رکعتیں ترک کر دی تھیں اور فرماتے تھے کہ اس میں اختلاف ہے اور سجدہ جو وتر کے بعد متعارف ہے آپ نہیں کرتے تھے کہ علماء اس کی کراہت کے قائل ہیں۔ آپ وتر کو کبھی اوّل شب میں اور کبھی آخر شب میں پڑھتے تھے اور نماز تہجد کے بعد اُسے دہراتے نہیں تھے کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ایک رات میں دو وتر نہیں ہیں۔ اور اس کے بعد آپ سوتے وقت سورۃ، آیات، تسبیحات اور ماثورہ دعائیں پڑھ کر سائبان میں لیٹ جاتے اس طرح کہ روئے مبارک قبلہ کی طرف اور سیدھا ہاتھ سیدھے رخسار کے نیچے ہوتا تھا، اور آپ کی نیند بھی کامل حضور و مراقبہ اور وصال و مشاہدۂ جمال الٰہی کے ساتھ ہوتی تھی۔

ع عجیب نیند کہ بیداری سے بھی بہتر تھی

آپ فرماتے تھے:۔

قدس سرہ ـ النوم اخو الموت کے مصداق، نیند کی حالت میں جو کیفیت وارد ہوتی ہے وہ بیداری کی حالت سے بہتر ہے اگرچہ

عقلمندوں کی عقل اس نکتہ کو نہیں سمجھ سکتی۔ اسی طرح وہ حالت جو موت کے وقت ظاہر ہوتی ہے نیند کی حالت سے بہتر ہے اور وہ حالت جو قبر میں ظاہر ہوتی ہے وہ موت کی حالت سے بہتر ہے اور وہ حالت جو برزخِ کبریٰ میں ظاہر ہوتی ہے ان تمام حالات سے بہتر ہے اور وہ حالت جو بہشت میں ظاہر ہوگی وہ ان سب سے بلند و بالا ہوگی۔"

آپ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں مسجد میں اعتکاف فرماتے تھے اور ذی الحجہ کے عشرہ میں عزلت اختیار فرماتے تھے اور اس عشرہ میں عبادات، اذکار اور روزہ ادا کرنے میں حرص کامل فرماتے اور کثرت سے درود پڑھتے اور شب جمعہ میں مریدوں کے ساتھ ہزار بار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجتے تھے۔ اور نماز جمعہ اور عیدین میں حاضر ہوتے تھے اور نماز جمعہ کے بعد ظہر کے فرض کو چار سنت کے بعد آخر ظہر کی نیت سے (بدیں نیت کہ "پایا میں نے وقت اس کا اور ادا نہ کیا تھا") احتیاطاً ادا فرماتے تھے کیونکہ بعض فقہاء کے قول کے مطابق شرائط جمعہ پائی نہیں جاتیں۔ اور عید الاضحیٰ کے دن آپ راستے میں تکبیرات بالجہر پڑھتے تھے اور ذی الحجہ کے عشرہ میں خلوت اور خضوع، انقطاع، روزہ اور قیام شب اختیار فرماتے تھے اور حجاج کی طرح اس عرصے میں بال اور ناخن نہیں کٹواتے تھے۔ لیکن وہ جو لوگ عرفہ کے دن جنگل میں جا کر ننگے سر ہو کر حاجیوں کی طرح دو رکعت پڑھتے ہیں آپ ایسا نہیں کرتے تھے اور عشرۂ ذی الحجہ کی نماز عشاء میں اور نماز فجر کی دوسری رکعت میں سورۃ والفجر تلاوت فرماتے تھے۔ اسی طرح اس ماہ کے تمام میں بھی۔

آپ سورج گرہن اور چاند گرہن کی نمازیں بھی پڑھتے تھے اور نماز تراویح بیس رکعت سفر اور حضر میں پوری جمعیت کے ساتھ ادا فرماتے تھے اور ماہ رمضان میں تین سے کم قرآن پاک ختم نہیں کرتے تھے اور ہر چار رکعت تراویح کے بعد تین مرتبہ سبحان ذی الملک والملکوت ..... پڑھتے تھے اور دوسرے دنوں میں چونکہ حافظ قرآن تھے ہمیشہ خلوصِ دل سے اس کی تلاوت میں مشغول رہتے تھے اور قرآن پاک کا استماع بھی

ذکر کے حلقوں میں ہمیشہ جاری رہتا تھا۔ اور نماز وغیرہ میں قراءت کے وقت قرآن پاک اس طرح پڑھتے تھے کہ گویا الفاظ کے ضمن میں معنی ادا فرما رہے ہیں اور آپ کی قرأت سننے سے سامعین کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایسے محبوب بے سانی پر اسرارِ قرآنی فائض ہو رہے ہیں اور بہت سے لوگ جو مریدوں میں بھی داخل نہیں تھے کہا کرتے تھے کہ آپ کی تلاوت اس نہج کی ہے کہ گویا آپ کے دل سے الفاظ نکل رہے ہیں۔ آپ ہرگز آواز میں غنا کی رعایت نہ فرماتے تھے اور تراویح میں سامعین میں سے بہت کم کسی کو دیکھا ہے کہ اُسے غنودگی نہ ہو جاتی ہو۔ لیکن آپ ہمیشہ کھڑے ہوئے قرآن پاک سنتے تھے اور غنودگی کا شائبہ بھی آپ کے یہاں نہ ہوتا تھا۔

ایک روز اس حقیر مؤلف نے عرض کیا کہ یہ حضور کی کرامت ہے کہ حضور کو غنودگی نہیں ہوتی۔ فرمایا کہ اسرارِ قرآنی کے سمندر میں شناوری مجھے موقع نہیں دیتی کہ میں آنکھ بند کر سکوں۔

آپ سفر میں منزل تک پہنچنے میں بھی تلاوت فرماتے رہتے تھے اور جب آیت سجدہ آتی تو فوراً گھوڑے سے اتر کر زمین میں سجدہ کرتے۔ انفرادی نمازوں کو رکوع اور سجدے میں تسبیحات پانچ سے سات بلکہ نو یا گیارہ مرتبہ تک پڑھتے اور حالتِ امامت میں آپ کبھی تین مرتبہ تک تسبیح کو کم کر لیتے اور کبھی چار مرتبہ تک پڑھتے تاکہ مقتدی حضرات تین مرتبہ تو اطمینان سے پڑھ سکیں اور چند روز آپ نے امامت میں رکوع اور سجود کی تسبیح پانچ بار بھی پڑھی تھی کہ حضرتِ حق کی بارگاہ سے اس کی ممانعت آئی۔ پھر تو آپ چار بار ہی پر اکتفا فرمانے لگے۔ آپ کی احتیاط اس درجہ تھی کہ سُنتِ نبوی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) میں کسی طرح کوئی کمی نہ واقع ہو اور اسی طرح کوئی زیادتی بھی نہ ہو۔ اس کی احتیاط بھی فرماتے تھے اور سوائے تراویح اور سورج گرہن کی نماز کے آپ کسی دوسری نفلی نماز کو جماعت سے ادا نہیں فرماتے تھے۔ اور ایسا کرنے کو مکروہ جانتے تھے۔ اسی طرح جو لوگ روزِ عاشوراء، شبِ قدر، شبِ برات اور لیلۃ الرغائب میں نفل نماز جماعت کے ساتھ پڑھتے ہیں آپ اس کو سختی سے منع فرماتے تھے اور اسے خلافِ سُنت فرماتے تھے اور جو لوگ تہجد کو جماعت سے پڑھتے ہیں ان کو آپ بُرا کہتے تھے۔ [illegible] کے شروع کرنے سے پہلے نماز استخارہ پڑھتے تھے اور کبھی صرف دعائے استخارہ پر اکتفا فرماتے تھے۔ اور تشہد میں سبابہ (کلمہ کی انگلی) سے اشارہ نہیں فرماتے تھے۔

کیونکہ یہ فعل مذہب حنفی میں مکروہ اور حرام کہا گیا ہے۔ اگرچہ کہ علمائے سنت کا ایک گروہ اس طرف بھی گیا ہے کہ سنت و کراہت کے مابین کوئی امر واقع ہو تو اس کا ترک کرنا اولیٰ ہے، مگر آپ کبھی کبھی بمقتضائے احادیث نفلوں میں اشارہ فرماتے تھے تاکہ یہ عمل متروک مطلق نہ ہو جائے اور نماز کے بعد مرحوم لوگوں کے الیصال ثواب کے لیے فاتحہ یا مشکلات کے حل کے لیے فاتحہ پڑھنا جو بعض مشائخ کی عادت ہے آپ نہیں پڑھتے تھے[1] اور امراض کے دفعیہ کے لیے آپ باطنی توجہ فرماتے تھے جس کے آثار بھی ظاہر ہوتے تھے جیسا کہ آپ کی کرامات کے ذیل میں لکھا گیا ہے۔ اور آپ زیارت قبور کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے اور استغفار اور مسنون دعائیں پڑھ کر اُن کی مدد فرماتے تھے اور باطنی توجہ بھی فرماتے تھے تاکہ ان کا عذاب دُور ہو اور اُن کے درجات بلند ہوں جیسا کہ اُن کے مکاشفات کے ذیل میں ذکر کیا گیا ہے۔ آپ قبروں کو بوسہ دینا مستحسن نہیں سمجھتے تھے۔ البتہ کبھی کبھی اپنے والد ماجد اور اپنے پیر دستگیر کی قبر کو ہاتھ لگاتے تھے۔

آپ دعوت خاص کو قبول فرما لیتے تھے لیکن دعوت عام میں نہیں جاتے تھے اور سرود و سماع اور مولود خوانی کی مجلسوں میں شرکت نہیں فرماتے تھے اور ذکر جہر کے ترک کو بہتر قرار دیتے تھے اور خواصِ بشر (یعنی انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرامؒ) کو خواصِ مَلَک پر فضیلت دیتے تھے۔ اور نبوت کو ولایت سے افضل فرماتے تھے خواہ وہ ولایت نبی ہی کی کیوں نہ ہو اور غلبۂ صحو کو غلبۂ سُکر پر[2] ترجیح دیتے تھے اور صحوِ خالص کو عوام کالانعام کا حصّہ قرار دیتے تھے اور ولی عشرت کو جو خلائق کے لیے نافع اور راہبر ہو اس ولی عزلت سے بہتر جانتے تھے جو صحرا اور پہاڑوں میں تنہا رہ کر اپنی جان کی سلامتی چاہتا ہو۔ اسی طرح تمام صحابہ کرامؓ کو تمام اولیاء سے افضل

---

[1] لیکن اس موقع کے علاوہ آپ ہمیشہ الیصالِ ثواب کے لیے فاتحہ وغیرہ پڑھا کرتے تھے۔

[2] [illegible] و معاد (۱۳ منہا)

جانتے تھے خواہ یہ اولیاء کتنے ہی اقطاب واوتاد وابدال ہی کیوں نہ ہوں۔ اور صحابہ کرامؓ کے اختلافات کو اجتہاد سمجھتے تھے اور اُن کو ہوائے نفسانی سے قطعی مبرا جانتے تھے۔

ایک دن ایک جوان جس کے چہرے سے صلاح وخیر کے آثار ظاہر ہوتے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں مرہان پور سے آرہا ہوں اور حضرت شیخ فضل اللہ نے آپ کی خدمت میں دعوات مخلصانہ عرض کی ہیں اور کہا ہے کہ لوگوں میں یہ بات مشہور ہو گئی ہے کہ آپ نے اپنے مکتوبات میں کچھ ایسا لکھا ہے کہ میرا مرتبہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مرتبے سے زیادہ ہے، تو اس بات کی حقیقت کیا ہے؟

آپ نے فرمایا کہ جب میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جو جمیع کمالات اور فضائل سے متصف تھے دوسرے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم پر فضیلت نہیں دیتا تو پھر خود کو کیونکر اُن سے افضل کہہ سکتا ہوں؟ اس شخص پر معرفتِ حق حرام ہے جو خود کو کافر فرنگ ہی سے بہتر جانے، چہ جائے کہ اکابرِ دین سے۔

آپ نے بعض صاحب حال مریدوں کو کہ جن سے لوگوں کو رشد وہدایت حاصل ہوتی تھی، درجۂ کمال وتکمیل تک پہنچنے سے قبل ہی ایک طرح کی اجازت، تعلیم طریقہ کی دے دی تھی تاکہ لوگوں کو وہ گردابِ گمراہی سے بچا کر راہِ حق کی طرف ہدایت دے سکیں لیکن آپ تکرار اور مبالغے کے ساتھ ایسے مریدوں کی ناتمامی کی صراحت فرماتے رہتے تھے۔ تاکہ انھیں اپنے کامل ہونے کا خیال نہ ہو اور تکبر پیدا نہ ہو اور اُن کی ترقی نہ رک جائے۔

آپ تمام مشائخین کے طریقوں سے افضل نقشبندی طریقے کو سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ طریقۂ نقشبندیہ بعینہٖ صحابہ کرامؓ کے طریقے پر ہے اور ان کی نسبت کو تمام نسبتوں سے برتر جانتے تھے۔ اور اس زمانے میں جو بدعتیں پیدا ہوئی ہیں یعنی تہجد کی جماعت اور صبح کے وقت جہر کے ساتھ استغفار پڑھنا ان کو آپ ناپسند فرماتے تھے۔ اور شیخ محی الدین ابن عربیؒ کو بزرگ تسلیم کرتے تھے گو کہ اُن کے بعض مکشوفات کو خطا سمجھتے تھے لیکن اس خطائے کشفی کو خطائے اجتہادی کی طرح قابلِ مواخذہ نہیں سمجھتے تھے۔

آپ بعض کتابوں کا درس بھی دیا کرتے تھے مثلاً بیضاوی، بخاری، مشکوٰۃ، ہدایہ، شرح مواقف، حاشیہ عضدی، بزدوی اور عوارف وغیرہ۔ اس فقیر مؤلف نے آپ سے شرح مواقف، بیضاوی اور عضدی مع حاشیہ میر پڑھی ہیں اور آپ کی شاگردی کی سعادت حاصل کی ہے۔ آپ ہمیشہ طلبہ کو علم کی تحریص اور ترغیب دلایا کرتے تھے اور تحصیل علم (دین) کو تحصیل سلوکِ صوفیہ پر ترجیح دیا کرتے تھے۔ یہ فقیر مؤلف اپنی نوجوانی کے زمانے میں اکثر غلبۂ حال کی وجہ سے پڑھنے کا ذوق خود میں نہ پاتا تھا تو آپ کمال مہربانی سے فرماتے تھے کہ سبق لاؤ اور پڑھو۔ کیونکہ جاہل صوفی تو شیطان کا مسخرہ ہوتا ہے۔

آپ اکثر اوقات سفر کے لیے دوشنبہ (پیر) اور پنج شنبہ (جمعرات) کو روانہ ہوتے تھے لیکن ہر روز کو سفر کے لیے مبارک جانتے تھے اور نجومیوں کی بتائی ہوئی ساعات پر عمل نہیں کرتے تھے۔ (فرماتے تھے) کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارک کی برکت سے دنوں کی نحوست ختم ہو چکی ہے۔

آپ کا یہ عمل اس حدیث پر تھا کہ "سب دن خدا کے دن ہیں اور سب بندے خدا کے بندے ہیں۔" البتہ سفر کے وقت استخارہ بھی کرتے تھے اور سفر سے پہلے کی جو مسنون دعائیں ہیں وہ بھی پڑھتے تھے۔ اسی طرح منزل پر پہنچتے وقت اور وہاں سے نکلتے وقت کی بھی مسنون دعائیں پڑھتے تھے۔ اور کپڑا پہننے، پانی پینے، کھانا کھانے، چاند اور آئینہ دیکھنے کی جو دعائیں ہیں وہ بھی پڑھتے تھے۔ آپ کے شب روز کی دعاؤں اور وظیفوں کا کچھ ذکر ایک علیحدہ رسالے میں مذکور ہے۔[1]

اب ہم آپ کی نماز کی صفت بیان کرتے ہیں:

---

[1] یہ رسالہ حضرت مجددؒ کے خلیفہ محمد صالح کولابیؒ (م ۱۰۳۸ھ) نے فارسی میں "ہدایت الطالبین" کے نام سے لکھا تھا۔ فارسی میں یہ رسالہ مولانا محمد ہاشم مجددیؒ کے پاس ٹنڈو سائیں داد (سندھ) میں تھا۔ اس کا اردو ترجمہ اللہ والے کی قومی دکان لاہور نے عرصہ ہوا شائع کر دیا ہے۔

تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے کانوں کی لو تک پہنچا کر اور ہاتھوں کی انگلیوں کو بغیر کھولے یا بند کیے ہوئے، جانب قبلہ کر کے آپ اللہ اکبر کہتے ہوئے سینے پہ لاتے تھے اور بغیر ہاتھ چھوڑے ہوئے سیدھے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر زیر ناف اس طرح سے باندھتے تھے کہ چھنگلیا اور انگوٹھا بطور حلقہ ہو جاتے اور بیچ کی تین انگلیاں بائیں ہاتھ پر دراز ہو جائیں اور پکڑ لیتیں۔ اور (کھڑے ہوتے وقت) دونوں پاؤں کا فاصلہ چار انگل کا ہوتا تھا اور دونوں پاؤں جما کر کھڑے ہوتے تھے کسی ایک پاؤں پر بوجھ ڈال کر دوسرے پاؤں کو آرام نہیں دیتے تھے اور قیام میں سجدہ کی جگہ پر نظر رکھتے تھے اور قرأت میں ترتیل[1] اور تجوید کو اور قرآن کے معانی و اسرار میں غور و خوض اور حضور کو (جو آپ ہی جانتے تھے) ملحوظ رکھتے تھے۔ اس کے بعد تکبیر کہتے ہوئے رکوع میں جاتے اور قدم پر نظر رکھتے اور سر کو پشت کے برابر رکھتے اور دونوں زانو کو کھلی ہوئی انگلیوں سے مضبوط پکڑتے اور زانوؤں میں کوئی جھکاؤ نہ ہوتا تھا۔ اس کے بعد ایک تسبیح کی مقدار میں قومہ فرماتے اور انفرادی نماز میں سمع اللہ لمن حمدہ اور ربنا لک الحمد (دونوں) جمع فرماتے اور حالت امامت میں سمع اللہ لمن حمدہ اور حالت اقتدا میں ربنا لک الحمد ہی پڑھتے تھے۔ اور دونوں سجدوں کے درمیان ایک تسبیح کی مقدار میں جلسہ کرتے تھے اور سجدہ کی حالت میں ناک کے نرمہ پر نظر رکھتے تھے اور پیٹ کو زانو سے اور زانو کو بازو سے جدا رکھتے تھے اور سجدہ کے تمام اعضاء و مواضع پر وزن برابر رکھتے تھے۔ پھر جو حال اور قرب آپ کو رکوع اور سجود کے وقت حاصل ہوتا تھا وہ آپ ہی کو معلوم تھا۔ اور قعدۂ تشہد میں دونوں پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ کی طرف کرتے تھے اور کناروں پر نظر رکھتے تھے۔ غلبۂ باطن سے آپ کے ظاہر پر خضوع و خشوع کے آثار ظاہر ہوتے تھے اور آپ کے مرید نماز ادا کرنے میں آپ کی پیروی کرتے تھے۔

---

[1] ترتیل ٹھہر کر پڑھنے کو بھی کہتے ہیں اور تجوید (یعنی حروف کے مخارج اور صفات) کو ملحوظ رکھنے اور وقف کرنے کے طریقے کی رعایت رکھنے کو بھی کہتے ہیں۔

یہ حقیر (مؤلف) اس برگزیدہ امام ہمام کے خادموں میں شامل ہونے سے پہلے کبھی کبھی آپ کی مسجد میں جمعہ کی نمازوں میں شریک ہو جاتا تھا اور آپ کی نماز کو دیکھ کر بے اختیار ہو جاتا تھا اور یقین رکھتا تھا کہ آپ ہمیشہ حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو دیکھتے ہیں اور اسی طریقے کے مطابق آپ نماز ادا کرتے ہیں۔ اور یوں تو اس حقیر نے دوسرے علماء اور مشائخ کو بھی دیکھا ہے لیکن ایسی نماز کسی کی نہیں دیکھی۔ ہمیشہ اوّل وقت میں نماز ادا کرنا اور ایک ہی طریقے سے ہمیشہ ادا کرنا عجوبۂ روزگار معلوم ہوتا تھا۔ کبھی ہم نے نہیں دیکھا کہ آپ نے اپنے وقت سے ایک لمحہ بھی تجاوز کیا ہو یا طریقۂ نماز میں کبھی قومہ یا جلسہ یا کسی آدابِ نماز میں کسی طرح کا کوئی فرق محسوس ہوا ہو۔ آپ کی نماز ہی آپ کی اعلیٰ کرامت تھی کہ خرقِ عادت اور عرفِ عالم ظاہر ہوتی تھی۔ یہ بات ظاہر ہے کہ ہمیشہ ایک طور پر بلا کسی رنج و مشقت کے اس طرح پوری تعظیم و توقیر، وقار، خشوع اور خضوع اور انکسار کے ساتھ نماز ادا کرنا محض حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال اتباع اور آپ کی باطنی قوت کی وجہ سے تھی۔ اسی لیے یہ حقیر (مؤلف) بلکہ ایک کثیر جماعت آپ کی نماز ہی کی وجہ سے آپ کی معتقد ہوئی تھی۔

ماہِ رمضان میں مصلے بچھائے جاتے تھے اور چراغ روشن کیے جاتے تھے اور ان دنوں میں صلحا، علماء اور مریدوں کا ایک جمِ غفیر دور اور نزدیک مقامات سے آکر حاضری دیتا تھا اور تراویح اور ختم قرآن میں شریک ہوتا تھا۔ آپ افطار میں عجلت اور سحری میں آخر وقت کے لیے کوشش فرماتے تھے اور حتی الامکان (رمضان میں) دن کے وقت بیت الخلاء نہیں جاتے تھے کہ پانی سے استنجا کرنے سے جوف میں پانی جانے کا احتمال ہوتا ہے اور اگر کبھی مجبوراً دن میں استنجا کرنے کا اتفاق ہو جاتا تو بطور احتیاط کے اس روزہ کی قضا کرتے تھے۔ اور (رمضان میں) دن رات قرآن پاک کی تلاوت اور سماعت میں مصروف رہتے تھے۔

زکوٰۃ ادا کرنے کا آپ کا طریقہ یہ تھا کہ جب کبھی کوئی آمدنی اور نذر آتی تو آپ سال کے ختم کا انتظار نہ فرماتے تھے بلکہ اس رقم کے آتے ہی فوراً حساب کر کے زکوٰۃ ادا کر دیتے تھے۔ یعنی صالحین کو، بیواؤں کو، اقرباء کو اور قابلِ رحم لوگوں کو دے دیتے تھے۔

حج کے لیے بارہا آپ نے پختہ ارادہ کیا لیکن میسر نہ ہوا۔ آپ ہمیشہ اس کے مشتاق

رہتے تھے! اور اسی شوق میں دنیا سے رخصت ہوئے۔ فرماتے تھے کہ حج کا عزم تو مصمم ہوتا ہے لیکن استخارہ رہنمائی نہیں کرتا اور حج کو جانا منظورِ خدا معلوم نہیں ہوتا! اور یہ بھی آپ کے خوارق میں سے ہے کہ (آپ کے ارشاد کے مطابق) یہ مقصد آخر دم تک حاصل نہ ہو سکا۔

آپ خلق و تواضع اور مخلوق پر شفقت اور تسلیم و رضا بدرجۂ کمال رکھتے تھے۔ آپ کے عزیزوں کو ظالم حاکموں سے بہت تکلیفیں پہنچی تھیں مگر آپ کی تسلیم و رضا نے کبھی اس شکایت کا اظہار نہ ہونے دیا۔ جب کوئی بزرگ آپ سے ملنے کے لیے آتے آپ فوراً تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے اور صدرِ مجلس میں اُن کو جگہ دیتے اور اُن کے درجے کے مطابق اُن سے گفتگو کرتے ___ لیکن کافروں کی ہرگز تعظیم نہ کرتے گو کہ وہ صاحب حکومت اور صاحب جاہ کیوں نہ ہوتے تھے۔ اور ہر شخص سے سلام کی ابتدا آپ ہی فرماتے تھے ___ مجھے علم نہیں کہ کبھی کوئی شخص سلام میں آپ پر سبقت کر سکا ہو۔ آپ حقوقِ اہلِ رحم کے ادا میں نہایت کوشش فرماتے تھے اور جب کبھی کسی کے انتقال کی خبر سنتے تو اس سے عبرت پکڑتے اور افسوس کرتے اور اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھتے اور اس کی نمازِ جنازہ میں حاضر ہوتے اور دعا و فاتحہ بھی فرماتے۔

آپ کا لباس یہ تھا کہ قمیص کے دونوں کاندھوں میں گریبان ہوتا تھا اور اس کے اوپر عبا پہنتے تھے۔ مگر گرمی میں صرف پیرہن پر اکتفا فرماتے تھے۔ اور دستار باندھنے میں سر پر اُسے پیچ دیتے تھے جیسا کہ سُنّت ہے اور شملہ کو دونوں کاندھوں کے درمیان اپنی پشت پر لٹکاتے تھے لیکن استنجا اور پیشاب کے وقت نہیں۔ اور آپ کمر بند بھی باندھتے تھے اور دونوں ٹخنوں سے اوپر پاجامہ رکھتے تھے۔ جمعہ اور عیدین میں زیادہ اچھا لباس پہنتے تھے اور جب کبھی نیا لباس پہنتے تو پہلے والا لباس کسی غریب یا عزیز خادم یا مسافر کو دے دیتے تھے۔ آپ کی خدمت میں پچاس، ساٹھ بلکہ ایک سو لوگ علماء، عرفاء، مشائخ، حفاظ، اشراف و سادات میں سے ہوتے تھے جن کو آپ کے مطبخ سے کھانا ملتا تھا۔

حصہ ششم

حضرت مجددؒ کے مکاشفات

مکاشفہ ۱:۔ ایک رات آپ اپنے عالی درجات اصحاب اور بلند مقامات مریدوں کے ساتھ حضرت امام رفیع الدینؒ کے مزار پُر انوار کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے۔
امام صاحب آپ کے اجدادِ امجاد میں سے تھے اور حضرت سید جلال الدین مخدوم جہانیاں کے خلفاء میں سے تھے۔ آپ بہت دیر تک امام صاحب کی قبر کے قریب ٹھہرے رہے اور مراقبے میں رہے۔ اس مزار سے رجوع کے بعد آپ نے اصحاب اسرار سے فرمایا کہ جب میں امام صاحب کے مزار کے مقابل کھڑا ہوا تو میں نے بارگاہِ الٰہی جلّتْ عَظَمَتُہٗ میں توجہ کی اور عرض کیا کہ خدایا، ان مزارات والوں پر رحم فرما! اوران قبروں سے عذاب دور فرما۔ حکم ہوا کہ تمہاری التماس کی وجہ سے ایک ہفتہ کے لیے اس قبرستان والوں پر سے عذاب اٹھا لیا گیا۔ میں نے عرض کیا، خدایا، تیری رحمت کی انتہا نہیں ہے، ان کی مغفرت میں اضافہ فرمائے۔ تو حکم ہوا کہ تمہاری التماس پر اب ایک ماہ کے لیے ان قبروں پر سے ہم نے عذاب دور کر دیا۔ پھر میں نے بیش از بیش التجا کی تو جواب ملا کہ چونکہ تم نے اس جماعت سے رفع عذاب کے لیے ہماری بارگاہ میں مکرر التماس کی ہے اس لیے ہم نے اُن کو بخش دیا۔
مکاشفہ ۲:۔ ایک روز آپ اپنے والد ماجد (حضرت خواجہ عبدالاحدؒ) کی قبر کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے۔ وہاں خیال آیا کہ حدیث نبوی (علی مصدرہ الصلوٰۃ والسلام) میں آیا ہے کہ جب کوئی عالم کسی مقبرے سے گزرتا ہے تو اہلِ مقبرہ سے چالیس روز کے لیے عذاب اٹھا لیا جاتا ہے ــــ اسی وقت الہام ہوا کہ تمہارے آنے سے قیامت تک کے لیے اس مقبرے والوں سے ہم نے عذاب اٹھا لیا۔

مکاشفہ ۳۔ ایک روز آپ امام رفیع الدین کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے۔ اس مقبرہ میں ایک عورت آپ کے اہل قرابت میں سے بلکہ اہل حقوق میں سے بھی دفن تھی۔ حضرت امام کی زیارت کی اور فارغ ہو کر آپ اس عورت کی قبر کی زیارت کے لیے تشریف لائے اور اس کی قبر کے مقابل بہت دیر تک کھڑے رہے۔ آپ کے چہرۂ مبارک سے اس وقت خشوع و خضوع کے آثار ظاہر تھے۔ اور کچھ دیر کے بعد چہرۂ مبارک سے خوشی اور تازگی ظاہر ہوئی۔ جب آپ اپنی قیام گاہ پر پہنچے تو اس قبلۂ ابرار سے بعض محرمانِ اسرار نے دریافت کیا کہ قبر پر اتنی دیر ٹھہرنے اور چہرۂ مبارک پر پہلے خضوع اور الم کے آثار اور بعد میں مسرت اور تازگی کے آثار ظاہر ہونے کا سبب کیا تھا۔ فرمایا کہ جب میں اس قبر پر پہنچا اور اس کو عذاب میں مبتلا پایا تو متوجہ ہوا اور معلوم ہوا کہ دفعِ عذاب کی کوئی صورت نہیں ہے۔ میں پھر اپنے آباؤ اجداد کی ارواح کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ ارواح تشریف لے آئیں لیکن پھر بھی عذاب دُور نہ ہوا۔ پھر تو میں اپنے سلسلۂ عالیہ کے بزرگوں کی ارواح (قدس اللہ اسرارھم) کی طرف متوجہ ہوا تو دیکھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تختِ نبوت پر بیٹھے ہوئے تشریف لے آئے اور تشریف لاتے ہی فوراً عذاب دور ہو گیا۔ پھر اس عورت نے میرے لیے دعا کی، اللہ تعالیٰ تم کو راحت پہنچائے جس طرح تم نے مجھے راحت پہنچائی ہے۔ اس بات پر میرے چہرے پر خوشی کے آثار ظاہر ہوئے تھے۔

مکاشفہ ۴۔ ایک روز آپ نے ایک تقریب میں فرمایا کہ جب نظرِ کشفی دوڑائی جاتی ہے تو حضرت غوث الثقلین عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے بعد مشائخ سلسلۂ قادریہ میں حضرت شاہ کمال کیتھلی علیہ الرحمہ کی طرح کوئی کم نظر آتا ہے۔

مکاشفہ ۵۔ ایک روز آپ صبح کے حلقے میں بیٹھے تھے اور استغراق، توجہ اور مراقبے میں تھے کہ یکایک شاہ سکندر تشریف لے آئے اور حضرت شاہ کمال کیتھلی قدس سرہ کا خرقۂ مبارک آپ کے کندھے پر ڈال دیا۔ آپ نے آنکھ کھولی اور شاہ سکندر کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور نہایت تواضع کے ساتھ معانقہ کیا۔ شاہ سکندر نے فرمایا کہ میرے دادا حضرت شاہ کمال کیتھلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وصال کے وقت یہ جبہ میرے سپرد کیا تھا کہ بطور امانت

تم کو دیتا ہوں اور جس کسی کو میں کہوں تم اسے پہنچا دینا۔ اب چند مرتبہ حضرتؒ نے واقعے میں مجھے حکم دیا کہ میں یہ جُبّہ آپ کو پہنچا دوں۔ مجھ پر بہت شاق گزرا کہ اپنے دادا کا خرقۂ مبارکہ اور اپنے گھر کی نعمت باہر کیوں دے دوں۔ لیکن چونکہ سخت تاکید اور تہدید سے حکم دیا گیا ہے اس لیے ناچار لے کر آیا ہوں۔ آپ نے وہ جُبّۂ مبارکہ زیبِ تن کیا، کھڑے ہو گئے اور تنہائی میں تشریف لے گئے ــــ فرماتے تھے کہ اس وقت مجھے یہ خیال گزرا کہ مشائخ کا ایک طریقہ ہے کہ کسی کو جامہ پہنا کر اپنا خلیفہ بناتے ہیں۔ اس لیے چاہیے تو یہ تھا کہ پہلے خلعتِ معنوی پہناتے اور احوال و کمال کا آبِ زلال پلاتے، پھر اپنا خلیفہ بناتے۔ اس اثناء میں حضرت غوث الثقلین قدس سرہٗ کو دیکھا کہ اپنے خلفائے سلسلہ (تا شاہ کمالؒ) کے ساتھ تشریف لے آئے اور میرے معاملے میں تصرف فرمایا اور میرے دل کو اپنے تصرف میں لیا اور اپنی خاص نسبتوں کے اسرار و انوار عطا فرمائے اور میں دریائے انوار میں غرق ہو کر اس سمندر میں غوّاصی کرنے لگا۔ جب اس طرح ایک ساعت گزر گئی تو ٹھیک انھی غلباتِ احوال میں مجھے خیال آیا کہ تم تو اکابرِ نقشبندیہؒ کے تربیت یافتہ ہو، ایسی صورت اب کیوں پیدا ہوئی ہے؟ ــــ اس خیال کے آتے ہی میں نے دیکھا کہ سلسلۂ نقشبندیہ کے مشائخ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ سے لے کر حضرت خواجہ باقی باللہؒ (قدس اللہ اسرارہم) تک سب کے سب تشریف لے آئے اور حضرت بہاءالدین نقشبند بخاری قدس سرہٗ تو حضرت عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کے پہلو میں بیٹھ گئے ــــ بیٹھنے کے بعد اکابرِ نقشبندیہ نے فرمایا کہ یہ تو ہمارے تربیت یافتہ ہیں اور ہماری تربیت سے کمال و اکمال کے مقام کو پہنچے ہیں۔ آپ حضرات کو ان سے کیا واسطہ؟ ــــ اکابرِ قادریہؒ نے فرمایا کہ ان کے بچپن ہی سے ان پر ہماری نظر رہی ہے اور انھوں نے ہمارے خوانِ نعمت سے چاشنی حاصل کی ہے اور ابھی ہمارا خرقہ بھی پہنا ہے۔

ابھی یہی بحث ہو رہی تھی کہ کبرویہ اور چشتیہ کی ایک جماعت اور بہت سے مشائخ بھی آ گئے اور ایسا اجتماع ہو گیا کہ اس شہر کے جنگل اور بیابان بھی ان سے بھر گئے۔ پھر تو دن کے آخر میں یہ فیصلہ ہوا کہ چونکہ یہ تربیتِ نقشبندیہ سے درجۂ کمال و تکمیل کو پہنچے ہیں اور

اعتبار تکمیل کا ہوا کرتا ہے اس لیے ان کو اسی طریقے پر شرف حاصل ہوگا اور اسی طریقے میں وہ رشد و ہدایت فرمائیں گے، تاہم طریقۂ قادریہ میں بھی ہدایت اور تکمیل فرمائیں گے۔

مکاشفہ ۱۹ حاجی حبیب جو آپ کے خاص خادموں میں سے تھے بہت خدمت اور بہت ریاضت کرتے تھے اور سفر و حضر میں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہتے تھے، بیان کرتے تھے کہ اجمیر شریف میں جب میں آپ کی خدمت میں تھا تو میں ستر ہزار بار کلمہ طیبہ کا ختم کر کے آپ کی خدمت میں گیا اور عرض کیا کہ میں نے اتنا ختم کیا ہے اور اس کا ثواب میں آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ آپ نے فوراً اپنے ہاتھ مبارک اٹھائے اور دعا کی اور دوسرے دن فرمایا کہ جس وقت میں دعا کر رہا تھا فرشتوں کی فوجیں اس کا ثواب لے کر آسمان سے آ رہی تھیں۔ وہ اس قدر تھیں کہ زمین پر پاؤں رکھنے کی جگہ باقی نہ تھی اور یہ ختم میرے معاملے میں بہت مفید ثابت ہوا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ ہزار دانے کی تسبیح تیار کریں اور آپ ہمیشہ تنہائیوں میں کلمہ طیبہ کا ذکر زبان سے لیکن دل کی موافقت کے ساتھ کیا کرتے تھے اور جمعہ والی رات کو حلقہ میں یہ تسبیح حاضر کی جاتی تھی اور اجتماعی طور پر ایک ہزار بار درود شریف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پڑھی جاتی تھی اور اب تک آپ کا یہ طریقہ آپ کے خادموں میں رائج ہے۔ آپ کے تسبیح لینے کی ابتدا اس طرح سے ہوئی ہے۔ پھر آپ نے مجھ سے (حاجی حبیب سے) فرمایا کہ جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے اس پر تعجب نہ کرو۔ میں اپنا حال بھی تم کو بتاتا ہوں کہ میں ہر رات تہجد کے بعد اور سحر کے وقت پانچ سو مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھ کر محمد عیسیٰ[1]، محمد فرخ اور ام کلثوم (اپنے بچوں) کو جو فوت ہو چکے ہیں بخشتا تھا۔ اب پھر ہر رات محمد عیسیٰ کی روح، سحر کے وقت آتی ہے اور مجھے بیدار کرتی ہے اور مجھے کلمہ طیبہ کے ختم کے لیے آمادہ کرتی ہے اور مجھے بیدار کرنے کے بعد چلی جاتی ہے اور وہ اپنے بھائی محمد فرخ اور اپنی بہن ام کلثوم کی روحوں

---

[1] یہ تینوں بھائی بہن ۱۰۲۵ھ میں اپنے بڑے بھائی خواجہ محمد صادقؒ کے ساتھ ہی طاعون کے مرض میں فوت ہوئے تھے۔

کو بلا کر لاتی ہے کہ چلو والد صاحب بیدار ہو گئے ہیں۔ جب تک میں وضو کر کے تہجد پڑھتا اور کلمۂ طیبہ کا ختم کرتا وہ روحیں میرے گرد و پیش رہتیں۔ اسی طرح جس طرح کہ ایک ماں روٹی تیار کرتی ہے تو چھوٹے بچے اس کے گرد و پیش رہتے ہیں تاکہ انھیں روٹی دے دے۔ جب میں کلمۂ طیبہ کا ثواب اُن کو بخش دیتا تھا تو وہ روحیں چلی جاتی تھیں۔ مگر اب کثرتِ ثواب کی وجہ سے وہ معمور ہیں اور اب اُن کا آنا نہیں ہوتا۔

مکاشفہ ۷ ۔ ایک روز آپ نے فرمایا کہ شہر سرہند کے فلاں گاؤں کے متعلق (جو ہماری خانقاہ کے خادموں کے لیے بادشاہ نے بطور جاگیر عطا کیا ہے) مشاہدہ ہوا کہ وہاں بارگاہِ عظمت و جلالِ حضرت بیچوں نے نزولِ اجلالِ بے کیف فرمایا اور ایک خیمۂ عالی طنابِ بیچوں قائم کیا گیا ہے اور حشمِ بے قیاسِ بیچونگی نے ظہور فرمایا[1]

مکاشفہ ۸ ۔ ایک روز آپ کسی تقریب سے حضرت شاہ ابو بخاریؒ کے مزار پر کہ مزاراتِ متبرکۂ سرہند میں سے ہے تشریف لے گئے۔ یہ حقیر مؤلف بھی آپ کے ساتھ تھا۔ آپ اس مزار پر تشریف لائے اور دیر تک بیٹھے رہے اور توجہ اور مراقبہ فرمایا۔ بہت دیر کے بعد آپ اٹھے اور رخصت فرمائی۔ جب آپ اپنی خانقاہ میں پہنچے تو بعض محرمانِ اسرار نے آپ کی اور شاہ الو کی گفتگو کے متعلق پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ جب میں شاہ صاحب کے مزار پر گیا تو شاہ صاحب تشریف لائے اور بہت کچھ تعظیم و تکریم فرمائی اور عنایتوں اور محبتوں کا اظہار فرمایا کہ ان کا ذکر طویل ہوگا۔ البتہ اتنا بیان کیا جاتا ہے کہ انھوں نے خود کو یہاں کا صاحبِ ولایت کہا اور یہ بھی کہا کہ جب آپ جیسا بزرگ مہمان میرے پاس آئے تو اس سے بہتر کوئی تحفہ نہیں ہو سکتا کہ میں اپنی ولایت آپ کو پیش کر دوں پس آج سے اس ملک کے صاحبِ ولایت آپ ہیں اور یہ ملک اب آپ کے تصرف میں رہیگا۔

اس واقعے کے ایک مدت کے بعد آپ کے صریح اور صحیح کشف کے مطابق ایک

---

[1] مکاشفہ ۷ جناب مولانا محبوب الٰہی کے فارسی متن میں نہیں ہے۔ البتہ مولانا عرفان احمد انصاری کے ترجمہ میں ملتا ہے۔

معمر شخص نے اس حقیر مؤلف سے بیان کیا کہ سرہند میں ایک بڑے بزرگ مجذوب شیخ داؤد نامی رہا کرتے تھے جن کا مزار شیخ مجدالدین قصداریؒ (خضداری) کے مقبرے میں ہے۔ جب اُن کا انتقال کا وقت قریب آیا تو ایک شخص کو شیخ الّو بخاری کے پاس بھیجا کہ اُن کو بُلا کر لائے۔ اس نے کہا کہ شاہ الّو تو ایک مجذوب شخص ہیں اور وہ ہمیشہ سرہند کے بڑے حوض کے پانی میں کھڑے رہتے ہیں۔ میں اُن سے کیا کہوں؟ انھوں نے کہا کہ تم تو میرا پیغام پہنچا دو۔ وہ خود چلے آئیں گے۔ چنانچہ وہ شخص گیا اور شیخ داؤد کا پیغام ان کو پہنچایا۔ شاہ الّو اس پیغام کے سنتے ہی فوراً روانہ ہو گئے اور شیخ داؤد کی خدمت میں پہنچے۔ شیخ داؤد نے اُن سے کہا کہ اس شہر میں اب تک میں صاحب ولایت تھا اور اس کی پاسبانی اور نگہبانی میرے حوالے تھی۔ اب میں جا رہا ہوں (انتقال کرتا ہوں) اور تجھے یہ شہر حوالے کیا گیا ہے اور تجھے صاحب ولایت بنایا گیا ہے۔ خوب خبردار رہنا۔ انھوں نے اتنی بات کہی اور وصال فرمایا۔ پھر شاہ الّو آئے اور اپنی جگہ آ بیٹھے۔ اس دن سے لوگوں کا ہجوم شاہ الّو کے پاس اس قدر ہوا کہ گروہ کے گروہ ان کی زیارت کو آتے اور ان سے خوارق دیکھتے تھے۔

اُن کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ انھوں نے (ایک مرتبہ) کُتوں کی دعوت کی۔ وہ ایسا ہوا کہ انھوں نے ایک کُتے سے فرمایا کہ جا اور شہر کے کُتوں کو بُلا کر لے آ۔ وہ گیا اور بعض کُتوں کو خبر دی۔ انھوں نے ایک دوسرے کو خبر کر کے سب کو اطلاع کر دی۔ پھر تو سب کُتے قطار در قطار شاہ صاحب کی خدمت میں پہنچنے لگے اور شہر میں شور مچ گیا۔ لوگ دیکھنے کو آ گئے جب سب کُتے جمع ہو گئے تو شاہ صاحب اٹھے اور ان پر نظر ڈال کر فرمایا کہ ایک سگ گرگیں کہ جس کی وجہ سے یہ مہمانی کی گئی ہے نہیں آیا۔ پھر تو ایک کُتا شہر کی طرف روانہ ہوا اور اس کو بھی بلا لایا۔ شیر برنج پکایا ہُوا تھا۔ ہر کُتے کے سامنے ایک پیالہ مٹی کا رکھ دیا گیا۔ سب نے بغیر جھگڑا کیے ہوئے ادب کے ساتھ مِل جُل کر کھا لیا۔ اس کے بعد وہ سب منتظر بیٹھے رہے۔ شاہ صاحب نے اُن سے فرمایا کہ اب جاؤ۔ چنانچہ سب اٹھے اور چلے گئے۔ اسی معمر شخص نے مجھ احقر سے یہ بھی بتایا کہ شاہ الّو کے پاس بکریاں بہت تھیں اور اُن کا مسکن سرہند کے اطراف میں مشرق میں تھا اور ہر طرف کھیتی ہوتی تھی۔ بکریاں وہ کھیتی چر جاتی تھیں کاشتکار

نے شاہ آلو سے شکایت کی۔ انھوں نے فرمایا کہ چھوڑ دو انھیں کھانے دو۔ جو کچھ دوسرے قصبوں میں زراعت ہوتی ہے (انشاء اللہ) اتنی ہی تمہارے خرمن سے بھی حاصل ہو گی۔ عجیب اتفاق ہوا کہ دوسرے کاشتکاروں نے کھیت کاٹ کر خرمن کیا اور ان کاشتکاروں نے بھی جن کی کھیتی کو بکریاں کھا گئی تھیں اور بے خوشہ کر چکی تھیں اپنا خرمن کیا، شاہ آلو کی کرامت سے اُن کے یہاں بھی اتنا بلکہ اس سے زیادہ غلہ حاصل ہو گیا۔

مکاشفہ ۹ - ایک روز لاہور سے ایک سبزی فروش آپ کی خدمت میں آیا۔ آپ کھڑے ہو گئے اور اس کی تعظیم کی۔ جو لوگ موجود تھے انھوں نے اس کے جانے کے بعد آپ سے عرض کیا کہ وہ تو سبزی فروش تھا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ ابدال ہے اور اس پیشے کو اس نے خود کو چھپانے کے لیے اختیار کیا ہے۔

مکاشفہ ۱۰ - ماہ رمضان کے آخری عشرے میں (ایک مرتبہ) آپ نے فرمایا کہ آج میں نے عجیب بات دیکھی۔ میری آنکھیں مراقبے میں بند تھیں کہ یکایک دیکھا کہ ایک صاحب میرے پہلو میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ جب میں نے بغور دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ میں اس لیے آیا ہوں کہ تمہارے لیے اجازت نامہ لکھ دوں جو میں نے آج تک کسی کے لیے نہیں لکھا۔ میں نے دیکھا کہ اس اجازت نامے میں بہت ہی بلند عنایات اور الطاف لکھے ہوئے تھے جو اُس دنیا سے متعلق تھے اور اس کی پشت پر بھی کثیر مرحمت و مکرمت درج تھی جو اس دنیا سے تعلق رکھتی تھی۔ یہ بات آپ کے مکتوبات کے دفتر سوم (مکتوب ۱۰۶) میں مذکور ہے۔

مکاشفہ ۱۱ - آپ فرماتے تھے کہ مجھے ہمیشہ نماز تہجد کے لیے اذان، اعلام یا کسی آواز یا کسی طرح بیدار کر دیا گیا اور میں از خود نمازِ تہجد کے لیے نہیں اٹھا۔ مگر ایک مرتبہ صریح اور واضح طور پر آواز نہ آئی تھی کہ میں بیدار ہو گیا۔ تو میں نے کہا کہ میں کون ہوں کہ خود ہی اٹھ بیٹھوں اور اس کی بندگی اور طاعت میں مشغول ہو جاؤں۔ میں پھر سو گیا۔ ایک لحظہ نہ گزرا تھا کہ ہر طرف سے اذان اور اعلام کی آواز آنے لگی۔ میں اٹھ بیٹھا اور نماز (تہجد) ادا کی۔

مکاشفہ ۱۲ - آپ فرماتے تھے کہ میں نے شریعت کو دیکھا کہ ہمارے اس مقام میں اتری

ہے جس طرح کہ کوئی قافلہ کسی جگہ اترتا ہے۔ پھر آپ نے اپنی مسجد اور خانقاہ کی طرف اشارہ کیا۔

مکاشفہ ۱۳ ۔ آپ فرماتے تھے کہ ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں تراویح کے بعد میں اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ اس وقت ایک خادم میرے پیر دبا رہا تھا۔ میں سہو اور نسیان کی وجہ سے بائیں پہلو پر لیٹ گیا۔ اس کے بعد مجھے یاد آیا کہ سونے کی سنت کہ دائیں پہلو پر لیٹنے کی ابتدا کی جاتی ہے مجھ سے چھوٹ گئی۔ لیکن نفس نے کاہلی کی وجہ سے ظاہر کیا کہ سہو ونسیان کی وجہ سے ایسی کوئی بات واقع ہو جائے تو وہ معاف ہے۔ لیکن مجھے خوف ہوا اور میں (اٹھ کر) از سر نو لیٹ گیا اور اس کی ابتدا داہنے پہلو سے کی۔ اس سنت کے ادا کرتے ہی مجھ پر عنایات، برکات اور سلسلے کے انوار کا ظہور ہونے لگا اور آواز آئی کہ تمہاری اس قدر رعایت (سنت کے لیے) کی وجہ سے آخرت میں تم پر کسی طرح کا کوئی عذاب نہ ہوگا۔ اور تمہارا خادم جو اس وقت تمہارے پیر مل رہا تھا وہ بھی بخشا گیا۔

مکاشفہ ۱۴ ۔ آپ فرماتے تھے کہ آج حلقہ ظہر میں حافظ قرآن پاک پڑھ رہا تھا کہ بعض وسوسے قرآن پاک کے بارے میں پیدا ہوئے۔ میں بہت متفکر ہوا کہ (اللہ کے فضل سے) مجھے نفس مطمئنہ مل گیا ہے۔ ولایت بھی متحقق ہو گئی اور فنا وبقا بھی حاصل ہو گئی ہے پھر یہ خطرات کیوں ہیں۔ (بارگاہ الٰہی میں) متوجہ ہوا۔ بہت کچھ توجہ اور الحاح وزاری کے بعد میں نے دیکھا کہ بہت بڑا پرند میرے سینے سے باہر نکلا اور اڑ کر چلا گیا۔ پھر متوجہ ہوا کہ یہ کیا تھا؟ آواز آئی کہ یہ خناس تھا جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس خناس سے پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ٥ مَلِكِ النَّاسِ ٥ اِلٰهِ النَّاسِ ٥ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ٥ الْخَنَّاسِ ٥ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ٥ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ٥ اور یہ بھی الہام ہوا کہ اصول دین میں جو برا خیال پیدا ہو جاتا ہے وہ اسی خناس سے ہوتا ہے جو دلوں میں رہتا ہے اور ہر وقت ڈنک مارتا رہتا ہے۔ اور یہ بھی آواز آئی کہ تمہارے سینۂ بے کینہ سے اس خناس کو ہم نے دور کر دیا۔ سچ ہے کہ اس خناس کے نکل جانے کے بعد سے مجھے عجیب شرح صدر ہونے لگا۔

مکاشفہ ۱۵ ۔ آپ فرماتے تھے کہ چند روز تک مجھے اپنے احوال کے قصور کی دید اس قدر غالب ہوئی کہ نماز میں سورہ الفاتحہ کا لفظ ایاک جب پڑھتا تھا تو حیران ہو جاتا تھا کہ کیا کرنا چاہیئے۔ اگر میں یہ آیت (اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ) پڑھتا ہوں تو لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ (تم وہ کیوں کہتے ہو جو نہیں کرتے) کا مصداق ہو جاتا ہوں۔ اور اگر نہ پڑھوں تو واجب کا ترک ہو جاتا ہے ۔ پھر آواز آئی کہ ہم نے تمہاری عبادات سے شرک دُور کر دیا ہے اور اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ ط (جان لو کہ خدا ہی کے لیے دین خالص ہے) کا مطلب ظاہر ہُوا ۔

مکاشفہ ۱۶ ۔ آپ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں صبح کے حلقے میں بیٹھا ہوا تھا کہ یکایک ایک قسم کی فنائے خاص ظاہر ہوئی اور میرے یقین کو لے اڑی ۔ اور یہ دید ایک عرصے تک قائم رہی۔ اُسی روز نماز عصر کے بعد امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ اپنے تمام شاگردوں اور اپنے طریق کے تمام مجتہدوں اور بعض استادوں مثلاً ابراہیم نخعیؒ وغیرہ کے ساتھ میرے گرد جمع ہیں اور مجھے گھیر لیا ہے ۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ امام اعظمؒ اور دوسرے ائمہؒ کا نور میرے دل میں داخل ہو گیا ہے اور میں نے ان انوار سے تحقق اور بقا حاصل کی اور میں ان انوار کا مجسمہ بن گیا اور ہر ایک کے انوار الگ الگ میرے اجزاء بن گئے ۔ دو تین دن بعد اسی طرح کا معاملہ امام شافعیؒ اور اُن کے شاگردوں اور ان کے مذہب کے مجتہدوں کے انوار کے ساتھ تحقق اور بقا کا پیش آیا۔ میں نے دیکھا کہ اب علمائے حنفیہ کے انوار میرے اندر سے نکل گئے اور میں نے انوارِ شافعیہ میں بقا پائی۔ اور ان میں سے بھی ہر ایک کے انوار الگ الگ میرے اجزاء بن گئے۔ یہ اسی طرح ہوا جیسا کہ پہلی مرتبہ (انوارِ حنفیہ کا معاملہ) ہُوا تھا۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ جو انوار میرے اندر سے نکل گئے تھے وہ پھر میرے اندر آ گئے اور میں نے اب دونوں مذہبوں کے انوار میں تحقق حاصل کیا اور اس وقت ایسا دیکھا کہ ان دونوں مذہبوں سے حق دور نہیں یعنی اگر حنفیہ سے کسی جگہ حق کا موقع رہ گیا ہے تو شافعیہ نے اسے پا لیا ہے۔ اور اُن سے حق متجاوز نہیں ہونے پایا۔ یہ بات آپ نے تفصیل سے بتائی اور یہ بھی فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ دو یا تین حصہ حق ہے اور تہائی یا چوتھائی حق امام شافعیؒ کے ساتھ ہے اور امام شافعیؒ سے حق آگے نہیں گیا۔ گویا اس طرح آپ کو حنفی الشافعی کہا جا سکتا ہے ۔

مکاشفہ ۱۷ ۔ آپ فرماتے تھے کہ بغیر تکلّف اور تعصب کے کہا جا سکتا ہے کہ مذہب حنفی کی نورانیت میری نظر کشفی میں ایک عظیم سمندر معلوم ہوتی ہے ۔ اور دوسرے مذاہب حوضوں اور نہروں کی طرح نظر آتے ہیں ۔ [1]

مکاشفہ ۱۸ ۔ آپ فرماتے تھے کہ ایک دن میں نے ایک مرحوم فرزند کی روح کو ثواب پہنچانے کے لیے فقیروں اور درویشوں کے واسطے کھانا تیار کرایا تھا۔ اسی اثنا میں میری زبان پر یہ بات آئی کہ یہ صدقہ ہم سے کیونکر قبول ہوگا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ "اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ" (اللہ تعالیٰ متقیوں سے قبول فرماتا ہے)۔ میں اسی تردد میں تھا کہ حضرت حق جل جلالہٗ کی طرف سے آواز آئی کہ "اِنَّکَ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ" (بے شک تم متقین میں سے ہو۔)

مکاشفہ ۱۹ ۔ آپ فرماتے تھے کہ مجھے بشارت دی گئی ہے کہ جس جنازے پر تم نماز پڑھو گے اس میت کو میں بخش دوں گا ۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مجھے بشارت حاصل ہے کہ کل روزِ قیامت میں کتنے ہزار مسلمانوں کو تمہاری شفاعت سے بخش دیا جائے گا ۔ [2]

مکاشفہ ۲۰ ۔ آپ فرماتے تھے کہ مجھ پر ظاہر فرمایا گیا ہے کہ ہندوستان میں بھی (انبیا) گزرے ہیں۔ لیکن بہت کم لوگ ان کے پیرو ہوئے ہیں۔ یعنی بعض پیغمبروں سے دو شخص بعض سے تین شخص اور بعض سے صرف ایک شخص ایمان حاصل کر سکا اور تین سے زیادہ (ایمان لانے والے) نظر نہیں آتے ۔ اگر میں چاہوں تو ان انبیاء (علیہم السلام) کے مبعوث ہونے کے مقامات اور ان کے مسکن بھی بتا دوں کہ مجھ پر ظاہر کیے گئے ہیں اور ان کے مقبرے بھی بتا سکتا ہوں کہ ان مقبروں پر ابھی تک انوار کا نزول ہوتا رہتا ہے ۔

مکاشفہ ۲۱ ۔ آپ فرماتے تھے کہ مجھے بتایا گیا ہے کہ ہمارے زمانے سے لے کر حضرت امام مہدی (علیہ الرضوان) کے ظہور تک یہ کمالات اور معاملات جو اللہ تعالیٰ نے مجھے

---

[1] مکتوبات ۲/۵۵ دیکھیں ۔

[2] مکتوبات ۱/۲۵۹ دیکھیں ۔ سرہند کے جنوب مشرق میں مقام براس میں چند انبیاء کی قبریں ہیں ۔

عطا فرمائے ہیں کسی اور کو حاصل نہ ہوں گے۔

مکاشفہ ۲۲۔ آپ فرماتے تھے کہ میں نے ایک مرتبہ ارادہ کیا کہ کسی جگہ تنہائی میں گوشہ نشین ہو جاؤں۔ اور سب سے علیحدگی اور خلوت اختیار کر لوں۔ میں نے استخارہ کیا اور حضرت رب العزت سے اجازت چاہی۔ اللہ پاک کی طرف سے خطاب ہوا کہ پسندیدہ، مناسب اور صحیح طریقہ وہی ہے جس پر تم قائم ہو۔ خلوت اور گوشہ نشینی کا طریقہ نہیں چاہیے۔

مکاشفہ ۲۳۔ آپ فرماتے تھے کہ مجھے میرے بڑے فرزند خواجہ محمد صادق قدس سرہٗ کی قبر کے پہلو میں دفن کیا جائے گا کہ میں نے وہاں جنت[1] کے باغوں میں سے ایک باغ دیکھا ہے۔

مکاشفہ ۲۴۔ مخدوم زادہ عالی قدر خواجہ محمد معصومؒ نے لکھا ہے کہ حضرت مجددؒ فرماتے تھے کہ "اگر میرے روضہ کی مٹی میں سے ایک مٹھی بھر مٹی کسی قبر میں ڈال دی جائے تو (بفضلہٖ تعالیٰ) رحمتِ عظیم کے نزول کی امید ہے۔" پھر اس ہستی کا کیا رتبہ ہوگا جو اس روضے میں دفن ہے۔

مکاشفہ ۲۵۔ آپ کے گنبد کے اندر اور باہر کی زمین جو اس وقت داخلِ احاطہ تھی آپ فرماتے تھے کہ "وہ ایک باغ ہے جنت کے باغوں میں سے۔" اب وہ احاطہ باقی نہیں رہا۔ وسیع ہو گیا ہے۔

مکاشفہ ۲۶۔ اسی مخدوم زادہ بلند اقبال (یعنی خواجہ محمد معصومؒ) نے روایت کی ہے کہ حضرت مجدد نے فرمایا کہ حدیث میں آیا ہے کہ "قبر ایک باغ ہے جنت کے باغوں میں۔" تو اس کا مطلب یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ قبر اور جنت کے درمیان جو فاصلہ ہے وہ اٹھا لیا جاتا ہے گویا وہ قبر جنت کے ساتھ فنا اور بقا پیدا کر لیتی ہے اور یہی مطلب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا ہے کہ "میری قبر اور منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔" واضح ہو کہ روضہ کی یہ قسم خاص الخاص کے لیے

---

[1] حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منبر اور بیت کے لیے فرمایا ہے: مَا بَیْنَ بَیْتِیْ وَمِنْبَرِیْ رَوْضَۃٌ مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ

ہے اور ہر مسلمان کو یہ بات میسّر نہیں۔ البتہ اتنا ہو سکتا ہے کہ جب اُن کی قبر میں پاکیزگی اور نورانیت پیدا ہو جائے تو ایسی استعداد پیدا ہو سکتی ہے کہ جنت کا ایک پر تو اس قبر پر پڑ جائے اور اس آئینے کے مصداق ہو جائے جو مصفّیٰ کیا جاتا ہے۔

مکاشفہ ۲۷۔ آپ فرماتے تھے کہ سورج کی طرف تو بے تکلف دیکھا جا سکتا ہے لیکن شاہ کمال رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے شاہ سکندر رحؒ کے قلب کی طرف نہیں دیکھا جا سکتا کہ اس میں انوار کی شعاعیں بہت غالب ہیں اور رسائی مشکل ہے۔

مکاشفہ ۲۸۔ ایک دن آپ فرماتے تھے کہ مجھ پر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ معارف و حقائق جو تحریر میں آگئے ہیں وہ حضرت مہدی موعود (علیہ الرضوان) کی نظر اقدس سے گزریں گے۔

مکاشفہ ۲۹۔ آپ فرماتے تھے کہ حضرت مہدی موعود اسی نسبت علیہ (نقشبندیہ) پر ہوں گے۔ (اس میں آپ نے اپنی نسبتِ خاصّہ کی طرف اشارہ فرمایا جیسا کہ آپ کے رسائل اور مکتوبات میں تصریح آئی ہے۔)

مکاشفہ ۳۰۔ آپ فرماتے تھے کہ ایک رات مجھ پر ظاہر کیا گیا کہ اگر کوئی نمازی وتر کی نماز دیر سے ادا کرنے کے ارادے سے تہجد کے وقت تک سو جائے اور یہ نیت رکھے کہ آخر شب میں وتر ادا کروں گا تو کاتبین اعمال تمام رات اس کے نام پر نیکیاں لکھتے رہیں گے یہاں تک کہ وہ وتر ادا کرے۔ پس جس قدر وتر نماز کے ادا کرنے میں دیر کرے گا بہتر ہو گا۔

مکاشفہ ۳۱۔ آپ فرماتے تھے کہ کشف سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کو بدعت کی تاریکیوں نے گھیر لیا ہے اور سنت کا نور بعض مقامات پر جگنو کی طرح خال خال نظر آتا ہے۔

مکاشفہ ۳۲۔ ایک روز آپ نے کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ کے ورد کے سلسلے میں فرمایا کہ اے کاش تمام جہان اس کلمہ طیبہ کے مقابلے میں دریائے محیط کے سامنے ایک قطرہ ہی کی مناسبت رکھتا۔ یہ کلمۂ مقدسہ تمام کمالات ولایت و نبوت کا جامع ہے۔ لوگ تعجب کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ کلمۂ طیبہ پڑھ لینے سے جنت میں داخلہ کیونکر میسّر ہو سکتا ہے اور جہنم کے خلود سے کس طرح رہائی حاصل ہو سکتی ہے؟ مجھے محسوس اور مشہود ہوتا ہے کہ اگر تمام عالم کو کلمۂ طیبہ ایک مرتبہ ادا کرنے سے بخش دیں اور جنت میں داخل کر دیں

تو یہ بھی ممکن ہے۔ اگر اس کلمۂ طیبہ کی برکتیں تقسیم کی جائیں تو تمام عالم ابدالآباد تک معمور اور سیراب رہ سکے گا۔

مکاشفہ ۳۳۔ آپ فرماتے تھے کہ جو شخص بھی ہمارے طریقے میں داخل ہوا اور داخل ہوگا قیامت تک بالواسطہ اور بلاواسطہ، مردوں میں سے یا عورتوں میں سے، وہ سب میرے نظر میں لائے گئے اور ان کا نام، نسب، مولد اور مسکن بھی مجھے بتایا گیا۔ اگر چاہوں تو سب کو بیان کر سکتا ہوں۔

مکاشفہ ۳۴۔ آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے کرم و عنایتِ خاص سے اور اپنی مہربانی و مرحمتِ خاص سے مجھے بشارت دی کہ ہم نے تمہاری دنیا کو بھی آخرت بنا دیا ہے۔

مکاشفہ ۳۵۔ ایک دن آپ قضائے حاجت کے لیے بیت الخلاء گئے۔ وہاں دیکھا کہ مٹی کا ایک ٹوٹا ہوا پیالہ ہے کہ جس سے بھنگی گندگی اٹھاتا تھا، اس پر اللہ کا نام کندہ تھا لیکن وہ نجاستوں سے آلودہ تھا۔ آپ نے وہ ٹوٹا پیالہ اپنے ہاتھ سے اٹھایا اور باہر آئے اور خادم سے فرمایا کہ آفتابہ بلاؤ۔ اور آپ نے اپنے ہی ہاتھ سے اسے نجاستوں سے پاک کیا۔ خادموں نے ہر چند التماس کی کہ ہم اسے صاف کر دیں لیکن آپ نے قبول نہیں فرمایا۔ اس کو صاف کرنے کے بعد آپ نے سفید کپڑے میں لپیٹ کر پوری تعظیم کے ساتھ اونچے طاق میں رکھ دیا اور جب کبھی آپ پانی پینا چاہتے تو اسی ٹوٹے ہوئے پیالے میں پیتے۔ اسی اثناء میں رب العزت کی بارگاہ سے آپ کو خطاب کیا گیا کہ جس طرح تم نے میرے نام کی تعظیم کی میں بھی تمہارے نام کو دنیا اور آخرت میں اونچا کرتا ہوں۔ آپ فرماتے تھے کہ اگر میں سو سال بھی ریاضت اور مجاہدہ کرتا تو ان سے اتنے فیوض و برکات حاصل نہ ہوتے جتنے کہ اس عمل سے مجھے حاصل ہوئے۔

مکاشفہ ۳۶۔ حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصومؒ نے اپنے بعض مکتوبات میں تحریر فرمایا ہے کہ آپ (حضرت مجددؒ) فرماتے تھے کہ مجھے وضو میں شک تھا کہ بیٹی ام کلثوم کا جنازہ لایا گیا۔ میں نے چاہا کہ تازہ وضو کر لوں، پھر نماز جنازہ ادا کروں۔ اسی اثناء میں مجھے باطن میں آواز دی گئی کہ اگر تم اسی طہارت کے ساتھ نماز جنازہ ادا کرلو گے تب بھی ہم اس

میت کو بخش دیں گے۔ چنانچہ اسی تشکوک و منوسے میں نے نماز جنازہ ادا کی۔

مکاشفہ ۳۷۔ ایک دن صبح کے حلقے میں آپ مراقب تھے اور آپ پر اپنے اعمال کی خامی کا تصور غالب تھا اور انکسار و تضرع کا غلبہ تھا۔ حدیث مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ (جو خدا کے لیے تواضع کرتا ہے خدا اُسے بلند کرتا ہے) کے مصداق اللہ تعالیٰ غفار الذنوب وستار العیوب کی طرف سے خطاب ہوا کہ "میں نے تم کو بخش دیا اور اس کو بھی جو تمہارا وسیلہ اختیار کرے بالواسطہ یا بلاواسطہ، قیامت تک سب کو بخش دیا"۔ اور اس بشارت کے اظہار کا حکم بھی دیا گیا۔

مکاشفہ ۳۸۔ ایک دن اجمیر شریف میں آپ قطب الاقطاب حضرت معین الدین چشتی قدس سرہ کے مزارِ اقدس کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے اور بہت دیر تک اس بدر الاولیا کی خدمت میں مراقب رہے۔ جب باہر نکلے تو اپنے قریب والوں سے فرمایا کہ حضرت خواجہؒ نے بہت زیادہ لطف و کرم فرمایا اور اپنی خاص برکات سے ضیافت فرمائی اور اسرار و رموز بھی بیان فرمائے۔ پیر لشکر کی رفاقت سے خلاصی کے لیے جو لوگ میرے لیے کوشش کر رہے تھے اس سے منع فرمایا۔ اور اُسے اللہ تعالیٰ کی رضا پر چھوڑ دینے کے لیے حکم فرمایا۔ اسی اثنا میں یہ ہوا کہ حضرت خواجہ قدس سرہ کے مزار مبارک کی چادر جو ہر سال تازہ ڈالی جاتی ہے اور پرانی چادر کسی بڑے بزرگ کو بھیجی جاتی ہے یا بادشاہِ وقت کو پیش کی جاتی ہے اور بادشاہ اس کو لعل کی طرح صندوق میں ادب و تعظیم کے ساتھ رکھتے ہیں حضرت مجددؒ کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کی گئی اور مجاوروں نے کہا کہ آپ سے زیادہ اس تبرک کا مستحق اور کون ہو سکتا ہے؟ آپ نے پورے ادب و تعظیم کے ساتھ اسے قبول کیا اور فرمایا کہ حضرت خواجہؒ کے اس تبرک کپڑے کو میرے کفن کے لیے محفوظ رکھا جائے کہ اس وقت حضرت خواجہؒ نے لباس کے بجائے یہی چادر عنایت فرما دی ہے۔

مکاشفہ ۳۹۔ آپ نے اپنے آخری مرض کے زمانے میں فرمایا کہ "ہر وہ کمال جو کسی بشر کے لیے سوچا جا سکتا ہے اور اس کے لیے ممکن الحصول ہو سکتا ہے اللہ پاک نے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے میں اس میں سے ایک حصہ عطا فرمایا ہے۔" اس

عبارت کی تشریح مخدوم زادوں نے فرمائی ہے۔

مکاشفہ ۴۰ ۔ آپ نے اپنے مکتوبات کے دفتر سوم میں اس طرح تحریر فرمایا ہے:

" قدسیہ ۔ خلق کی ملامت اس جماعت (صوفیہ) کے لیے حسن اور اُن کے زنگار کو دور کرنے کے لیے صیقل ہے ۔ اس سے قبض اور کدورت کیسے ہو سکتی ہے؟ شروع زمانے میں جب کہ میں اس قلعہ (گوالیار) میں قید ہوا تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ خلق کی ملامت کی وجہ سے انوار مختلف شہروں اور قریوں سے نورانی بادلوں کی طرح پے در پے پہنچ رہے ہیں اور میرے کام کو پستی سے بلندی کی طرف لے جاتے ہیں۔ پہلے تو برسوں تک میری تربیت جمالی طور پر کرکے قطع مسافت کی جاتی تھی لیکن اب جلالی تربیت سے یہ مسافت طے کرائی جا رہی ہے۔ اب مقامِ صبر بلکہ مقامِ رضا میں رہتے ہیں اور جمال و جلال کو مساوی جانتے ہیں کہ محبوب کی جفا اس کی وفا سے زیادہ لذت بخش ہوتی ہے ......" [1]

مکاشفہ ۴۱ ۔ آپ فرماتے تھے کہ شیخ ابن عربیؒ اپنے تمام بیانات اور شطحیات کے باوجود اللہ تعالیٰ کے مقبولین میں نظر آتے ہیں اور اولیائے کرام میں سے ظاہر ہوتے ہیں ؏

کریموں پہ مشکل نہیں کوئی کام

کبھی دعا سے رنجیدہ ہوتے ہیں اور کبھی گالیوں پر ہنستے ہیں ۔ شیخ ابن عربیؒ کا منکر بھی خطرے میں ہے اور اُن کے بیانات کو قبول کرنے والا بھی خطرے میں ہے۔ (اس لیے) شیخؒ کو

---

[1] ڈاکٹر سراج احمد خان نے اپنی کتاب "مکتوبات امام ربانیؒ کی دینی اور معاشرتی اہمیت" کے باب چہارم میں ثابت کیا ہے کہ حضرت مجددؒ جمعہ یکم رجب ۱۰۲۸ھ (۴ جون ۱۶۱۹ء) کو قید ہوئے اور جمعہ ۱۱ رجب ۱۰۲۹ھ (۲ جون ۱۶۲۰ء) کو رہا ہوئے۔ دیکھیں مکتوبات ۳/ ۶ - ۳۱ - ۳۶ - ۴۳ - ۵۶ - ۸۲ - ۱۰۴ - ۱۰۵ - ۱۰۶ ۱۰۲۹ھ میں رہائی کے بعد ۱۰۳۲ھ کے اوائل تک لشکرِ سلطانی کے ساتھ رہے ۔ اسی دوران میں اجمیر شریف بھی گئے ۔ زبدۃ المقامات (صفحہ ۱۶۲) کے مصنف ایک سفر میں ساتھ تھے۔

تو قبول کر لینا چاہیے لیکن اُن کی شطحیات کو قبول نہیں کرنا چاہیے۔ ان کے قبول کرنے اور نہ کرنے کا درمیانی طریقہ اس فقیر کا یہی ہے۔

مکاشفہ ۴۲۔ آپ کا یہ دستور تھا کہ فجر کی نماز کے بعد جماعت کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھتے تھے اور دعا کے بعد مراقبے میں مشغول ہو جاتے تھے۔ ایک مرتبہ عرفہ کی صبح کو فجر کی نماز کا سلام پھیرنے کے بعد آپ قبلہ رو ہی بیٹھے رہے یہاں تک کہ آفتاب بلند ہو گیا اس کے بعد آپ نے مراقبے سے سر اٹھایا اور (اپنے محرمان اسرار سے) فرمایا کہ آج مجھے زیارت کعبہ کا شوق پیدا ہوا اور حرم پاک کا اشتیاق ہوا تو میں نے دیکھا کہ یکا یک خود کعبہ میرے طواف کے لیے آیا اور میرے گرد گھومنے لگا۔ تعجب ہے کہ اربابِ کشف اس واقعے سے غافل رہے ورنہ وہ خود میرے گرد گھومتے اور میرا طواف کرتے۔

مکاشفہ ۴۳۔ ایک مرتبہ رمضان المبارک کی ستائیسویں شب میں آپ نے فرمایا کہ آج شبِ قدر ہے۔ تراویح سے فراغت کے بعد فرمایا کہ مجھے شب قدر غیبت میں ظاہر ہوئی اور اس ساعت کا آخری حصہ نصیب ہوا جس طرح لشکر آگے آگے جاتا ہے اور پیچھے ہوئے لوگ پیچھے پیچھے آہستہ آہستہ چلتے ہیں اسی طرح میں نے شب قدر کو دیکھا۔

مکاشفہ ۴۴۔ شب برات کی صبح تھی کہ آپ پر منکشف ہوا کہ شیخ طاہر لاہوریؒ جو آپ کے خاص مریدوں میں سے تھے وہ نیکوں کی فہرست سے خارج کر دیے گئے اور بدبختوں کی فہرست میں ڈال دیے گئے۔ حضرت مجددؒ بارگاہ الٰہی میں متوجہ ہوئے اور اس واقعے کے دفعیہ کے لیے کوشش فرمائی۔ معلوم ہوا کہ اس معاملے کو عرش مجید (لوحِ محفوظ) میں قضائے مبرم قرار دیا گیا ہے۔ آپ حیران ہو گئے۔ اسی اثنا میں آپ کو حضرت غوث الثقلین عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کا یہ قول یاد آیا کہ "قضائے مبرم میں سوائے میرے کسی کو دستِ تصرف حاصل نہیں"۔ پس آپ نے بارگاہِ الٰہی میں التجا، تضرع اور مناجات عرض کی کہ الٰہی جب تو نے اپنے ایک برگزیدہ بندے کو وہ دستِ تصرف والی دولت عطا فرمائی ہے تو اس فقیر کو بھی اس دولت سے سرفراز فرما دے تو تیرے کرم سے دور نہیں آپ کی یہ دعا قبول ہوئی اور آپ کو معلوم ہوا کہ لوح محفوظ میں قضا کی ایک قسم مبرم[1] ہے۔

---

[1] مکتوبات ۱/۱۲۷

اور اللہ کے نزدیک وہ معلق ہے کسی شفاعت یا دیگر امر کے ساتھ۔ اور اس قضائے مبرم میں خاص الخاص بزرگوں کو دستِ تصرف عطا کیا جاتا ہے اور وہ اللہ کے نزدیک مبرم ہے اس میں کسی طرح کا تغیر و تبدّل نہیں ہے۔ (قولہ تعالیٰ) "میرے نزدیک جو قول ہے تبدیل نہیں ہوتا۔" اس قول سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔

مکاشفہ ۴۵ ۔ آپ نے پہاڑوں میں رہنے والے لوگوں (شاہق جبل) اور رسولوں کے درمیانی وقفے میں ہونے والے مشرکوں (مشرکانِ فترتِ رُسل) کے متعلق فرمایا کہ ایک بہت عرصے کے بعد اللہ پاک کی عنایت سے یہ معما حل ہوا۔ یعنی مجھ پر منکشف کیا گیا کہ یہ جماعت نہ بہشت میں ہمیشہ رہے گی اور نہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گی بلکہ دوبارہ زندگی کے بعد (بعث و احیائے اخروی کے بعد) اُن کو مقامِ حساب میں رکھ کر اُن کے گناہوں کے مطابق اُن پر عتاب و عذاب کیا جائے گا اور تکمیلِ حقوق کر کے شریعت سے غیر مکلّف جانوروں کی طرح انھیں بھی مطلق معدوم اور نیست کر دیا جائے گا۔ پس نہ اُن کو ہمیشگی ہوگی اور نہ وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ نادر معرفت (حقیقت) جب میں انبیاء علیہم السلام کی بارگاہ میں پیش کی تو سب نے اس کی تصدیق فرمائی اور سب نے پسند (قبول) فرمایا۔ [1]

مکاشفہ ۴۶ ۔ آپ فرماتے تھے کہ مجھے قضا و قدر کے اسرار سے مطلع کیا گیا ہے اور اس بات کو اس طرح منکشف کیا گیا ہے کہ کسی طرح بھی شریعتِ مطہرہ کے اصول سے مخالفت لازم نہیں آسکتی اور جو نقصِ ایجاب اور آمیزشِ جبر سے قطعی پاک ہے اور جو اپنے ظہور میں چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے۔ تعجب ہے کہ اصولِ شریعت سے مخالف نہ ہونے کے باوجود اُسے (کسی مصلحت سے) پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ اگر مخالفت کا شائبہ بھی اس میں ہوتا تو اس کی پوشیدگی مناسب تھی (بہرحال) جو کچھ اللہ پاک کرے کس میں طاقت ہے کہ اس اس کو پوچھ سکے۔ [2]

کرا زہرہ آں کہ از بیم او | کشاید زبان جز بہ تسلیم او
کہاں کس میں طاقت کہ کھولے زباں | یہ لازم ہے تسلیم ہو ہر بیاں

---

[1] مکتوبات۔ ۱/ ۲۵۹ میں تفصیل ملتی ہے۔
[2] یہ شعر سعدیؒ کا ہے جس کی ردیف "او" نہیں، "تو" ہے۔

مکاشفہ ۴۷ ۔ حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصومؒ نے اپنی بیاض میں لکھا ہے کہ حضرت مجددؒ عام دعوتوں میں تشریف نہیں لے جاتے تھے۔ ایک دن ایک دولت مند نے حاضرِ خدمت ہو کر التجا کی کہ میں نے اپنے ایک عزیز کے ایصالِ ثواب کے لیے کھانا تیار کیا ہے۔ آپ میری دعوت قبول فرمائیں۔ آپ نے اس عام دعوت کو قبول نہیں فرمایا۔ اس نے نہایت انکسار، عقیدت اور اخلاص کا اظہار کیا۔ اس وقت آپ پر الہام ہوا کہ اگر تم وہاں جانے میں حرام ہونے کا شک کرو گے تو ہم قیامت کے دن اس میت کو جس کے لیے ایصالِ ثواب ہے اس قدر نور عطا کریں گے کہ اس سے تمام اہلِ محشر منور ہو جائیں گے۔ (اس الہام سے) آپ متفکر ہوئے کہ یہ حرمت کیونکر دور ہو گی جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ پھر ظاہر کیا گیا کہ تمہارا اس مجلس میں جانا ہی حرمت کا دور ہونا ہے۔ پس آپ نے اس دعوت کو قبول فرما لیا اور اس شخص کے مکان پر تشریف لے گئے۔

مکاشفہ ۴۸ ۔ آپ فرماتے تھے کہ مقامِ رضا سے اوپر کسی کی رسائی نہیں سوائے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ـــ اس بات کو تحریر کرنے کے چند روز بعد آپ نے فرمایا کہ ایک روز نمازِ تہجد سے فراغت کے بعد میں تمام انبیاء علیہم السلام پر درود بھیج رہا تھا کہ میں نے ان سب کو اپنے مقامات سے عروج فرماتے دیکھا کہ وہ مقامِ رضا سے اوپر ایک مقام پر چند واسطوں سے واصل ہو گئے۔ اس کے بعد سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام پر کہ جو ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی متابعت سے ملا ہوا تھا عروج فرمایا اور اس مقامِ عزیز میں رسائی حاصل فرمائی۔

لہ مولانا محبوب الٰہی فارسی متن (صفحہ ۱۰۸) میں بیان "ہتک حرمت" (شکِ حرمت کے بجائے) لکھا ہے اور ان کے متن کا ترجمہ پھر اس طرح ہوگا کہ "اگر تم وہاں جانے میں اپنی بے حرمتی سمجھو گے تو ہم قیامت کے دن اس میت کو جس کے لیے ایصالِ ثواب ہے اس قدر نور عطا کریں گے کہ اس سے تمام اہلِ حشر منور ہو جائیں گے۔ آپ متفکر ہوئے کہ یہ کونسی ہتک حرمت ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ پھر ظاہر کیا گیا کہ اس مجلس میں جانا ہی ہتک حرمت ہے ...."

مکاشفہ ۴۹۔ آپ فرماتے تھے کہ ہم پر منکشف فرمایا گیا ہے کہ حقیقتِ ھا دو چشمی[۱] (رموزِ مقطعات میں سے ہے) اللہ تعالیٰ کی رحمانی کا گنجینۂ رحمت ہے اور کوئی رحمت اس گنجینے سے باہر نہیں ہے خواہ وہ دنیوی رحمتیں ہوں خواہ اُخروی۔ ننانویں رحمتیں جو آخرت کے لیے رکھی گئی ہیں ان کا مستقر (اس ھا، دو چشمی کا) ایک چشمہ ہے اور دوسرا چشمہ وہ گنجینۂ رحمت ہے جو دنیا کے لیے پھیلا دیا گیا ہے۔

مکاشفہ ۵۰۔ ایک مرتبہ آپ نے اپنے ان صاحبزادوں کی فاتحہ کے لیے کھانا تیار کرایا جو آپ کے سامنے وفات پا چکے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ توجہ کثیر کے بعد وہ کھانا مقبول ہوا اور ایسا مکشوف ہوا کہ ملائکہ کھانے کے خوان لا رہے ہیں اور ان کی قبروں پر پہنچا رہے ہیں۔ اور بہشت کے ایک چمن میں اس کو جمع کر رہے ہیں۔ جب وہ سب کھانا وہاں جمع ہو گیا تو میں نے دیکھا کہ میرے فرزند اس کھانے کے پاس گئے اور وہ تمام کھانا ان کے پیٹ میں پہنچ گیا۔ اس کے بعد دیکھا کہ اُن میں استعداد اوپر جانے کی پیدا ہوئی اور وہ عروج میں مصروف ہو گئے اور جب وہ بہت اوپر گئے تو ایک بہشت ظاہر ہوئی جس میں انتہائی رفعت، منزلت، تازگی اور طراوت تھی۔ پس وہ سب اس بہشت میں داخل ہو گئے۔

چونکہ آپ نے ایصالِ ثواب میں تمام مومنین، مومنات اور ملائکۂ عالیات کو بھی شامل فرمایا تھا اس لیے آپ فرماتے تھے کہ میں نے کسی مومن اور مومنہ کی قبر کو نہیں دیکھا جہاں وہ کھانا نہ پہنچا ہو اور کوئی بہشت ایسی نظر نہیں آئی جو اس کھانے سے خالی ہو اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ ملائکہ میں بھی مختلف خوان بھیجے گئے اور اُن کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی گئی۔ اسی طرح جب کبھی آپ مردوں کی روحانیت کیلئے ایصالِ ثواب فرماتے تھے تو اسی طرح مکاشفات اور معائنات ہوتے تھے۔

مکاشفہ ۵۱۔ ایک مرتبہ ایک مریض کی عیادت کے لیے تشریف لے جانے کا ذکر فرماتے تھے جو قریب مرگ تھا۔ آپ اس کے حال کی طرف متوجہ ہوئے دیکھا کہ اس کے قلب

---

۱ مکتوبات ۱/ ۳۱۱ دیکھیں۔

میں بہت سیاہی ہے۔ بہت کچھ اس سیاہی کے دفع کرنے کے لیے آپ نے توجہ فرمائی کوئی فائدہ نہ ہوا۔ پھر بہت دیر کے بعد معلوم ہوا کہ وہ سیاہیاں خفیاتِ کفر سے پیدا ہوئی ہیں جو اس کے اندر پوشیدہ ہیں اور ان کدورتوں کا سبب اس شخص کا تعلق کافروں کے ساتھ رکھنا ہے اور ان سیاہیوں کا دور ہونا موقوف ہے عذابِ جہنم پر جو کفر کا بدلہ ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس شخص کے دل میں ایمان کی رمق موجود ہے کہ جس کی برکت سے آخر کار اسے دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ جب آپ نے اس کا یہ حال مشاہدہ کیا تو پھر خیال آیا کہ ایسے شخص کی نماز جنازہ ادا کرنی چاہیے یا نہیں، پھر توجہ سے ظاہر ہوا کہ نماز تو ضرور پڑھنی چاہیے۔

مکاشفہ نمبر ۵۲ ۔ آپ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ اذان کے بعد میں دعا کر رہا تھا اور ہاتھ زانو پر تھے، اسی حالت میں دل میں خیال آیا کہ ہاتھ اٹھا کر دعا کروں اور یہ زیادہ طریقہ ادب سے دور معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ میں نے ہاتھ اٹھا کے اور دعا کرنے لگا۔ (اللہ کی شان کہ) صرف اس قدر ادب کی رعایت کرنے سے غفار و ستار کی بارگاہ سے آواز آئی کہ تم پر کسی طرح کا کوئی عذاب نہ کیا جائے گا۔

مکاشفہ نمبر ۵۳ ۔ حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصومؒ نے بیان فرمایا کہ حضرت مجددؒ فرماتے تھے کہ احادیث میں آیا ہے کہ جب کوئی شخص مرتا ہے اور اس کے ذمے کوئی قرض ہوتا ہے یا حقوق العباد میں سے کچھ ادا کرنا رہ گیا ہو تو اس کی روح کو ترقی نہیں ہوتی حتیٰ کہ اس کی طرف سے وہ قرض یا حق ادا نہ کر دیا جائے۔ اور یہ کہ وہ روح محبوس رہتی ہے۔ اُسے آسمان سے اوپر نہیں لے جاتے۔

حضرت مجددؒ فرماتے تھے کہ مجھ پر اسی طرح ظاہر کیا گیا کہ یہ حکم اس شخص کے لیے مخصوص ہے جس کو اس دنیا میں ترقی نہ ہوئی ہو۔ لیکن اگر اس دنیا میں ان تعلقات کے باوجود ترقی ہوئی ہے تو مرنے کے بعد بھی اس کو ترقی ہوگی۔ لیکن اس کو نہیں جو اس دنیا میں بھی محبوس تھا ایسے شخص کو موت کے بعد بھی قید ہے۔ کیونکہ موت کے بعد کی ترقی یہاں کے تعلقات سے خلاصی پر موقوف ہے۔

مکاشفہ نمبر ۵۴ ۔ حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصومؒ نے اپنی خاص بیاض میں لکھا

ہے کہ اللہ پاک نے ارشاد فرمایا ہے " یہ ہماری کتاب ہے جو تم پر سچی گواہی دے گی اور ہم تمہارے اعمال لکھتے رہتے ہیں"۔ [1] علمائے کرام نے اس سے فرشتوں کا لکھنا مراد لیا ہے اور خدا کی طرف اس استناد کو مجازی بتایا ہے۔ حضرت مجددؒ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں یہ آیت بار بار تلاوت کر رہا تھا کہ یکایک میرے دل میں آیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر لکھنے کی نسبت خود اپنی طرف فرمائی ہے تو اس کی کوئی حقیقت ضرور ہو گی۔ اس کے بعد ایسا ظاہر ہوا کہ اس مرتبۂ مقدسہ میں فرشتوں کی اعمال نویسی کے علاوہ ایک اور قسم کا لکھنا بھی ثابت ہے۔ اور وہ ان بعض افراد کے لیے ہو گا کہ جن کے حالات سے اللہ تعالیٰ اپنے سوا فرشتوں کو بھی مطلع کرنا نہیں چاہتا۔ " یہ خدا کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے"۔ اور یہی راز ہے اس معاملے میں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض خواص اور اپنے ارباب اختصاص کے اعمال سے ملائکہ کراما کاتبین کو بھی آگاہ نہیں کرنا چاہتا۔

یہ رمزِ عاشق و معشوق جس سے ۔۔ کراماً کاتبین بھی بے خبر ہیں

اللہ پاک کا ارشاد ہے کہ " جانوں کو مرتے دم اللہ تعالیٰ نکالتا ہے"۔ [2] یہاں توفی کی نسبت اللہ تعالیٰ نے خود اپنی طرف فرمائی اگرچہ جان نکالنے والا ملک الموت ہے۔ اس لیے کہ ممکن ہے بعض خاص الخاص کے ساتھ جان نکالنے کا معاملہ فرشتۂ موت کے بغیر ہی ہو اور بعض احادیث میں (بھی) جو ملک الموت کا توسط مذکور ہے تو وہ بعض دوسرے خواص کے لیے ہو۔ پس آیتِ مذکورہ کا مطلب تھوڑے تأمل سے سمجھ میں آجاتا ہے۔ پس غور کرو۔

مکاشفہ ۵۵ ۔ حضرت مجددؒ کے مکتوبات (دفتر اول) جب اصحاب بدرؓ کی تعداد کے مطابق ۳۱۳ ہو چکے تو بعض حضرات نے عرض کیا کہ اگر حکم ہو جائے تو بعد کے مکتوبات بھی جمع کر لیے جائیں اور دفتر دوم شروع کر دیا جائے۔ فرمایا کہ وہ تمام علوم و معارف

---

[1] ۔ سورۃ الجاثیہ ۔ ۲۹

[2] ۔ سورۃ الزمر ۔ ۴۲ ۔ اس آیت سے متعلق اوپر کا بیان فارسی متن میں مختلف مکاشفہ کے ذیل میں ملتا ہے لیکن خیال ہے کہ یہ بیان اوپر کے بیان سے مربوط ہے۔

جو ان مکتوبات میں تحریر ہوئے ہیں کیا معلوم کہ وہ بارگاہِ الٰہی میں مقبول و منظور ہیں یا نہیں۔ اسی اثناء میں آپ نے انکسار و تضرع کے ساتھ اور خاص توجہ سے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی تو آواز آئی کہ یہ تمام علوم و معارف جو تم نے تحریر کیے ہیں بلکہ وہ سب جو تمہاری گفتگو میں آئے ہیں ہمارے نزدیک مقبول و منظور ہیں بلکہ اس طرح بھی اشارہ ہوا کہ یہ سب ہمارا کلام ہے۔ اور آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ اس وقت تفصیلاً اور اجمالاً ان علوم کا میں نے ملاحظہ کیا اور بالخصوص ان علوم کا بھی ملاحظہ کیا جن سے متعلق مجھے تردد تھا تو وہ سب اسی حکم میں داخل پائے گئے اور مجھے دفترِ دوم کے جمع کرنے کا حکم دیا گیا۔

مکاشفہ ۵۹۔ گناہِ کبیرہ کی تعیین میں علماء نے بہت زیادہ اختلاف کیا ہے جیسا کہ علم کلام اور فقہ کی کتابوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے۔

حضرت مجدد فرماتے تھے کہ ایک رات مجھے تہجد کے بعد یہ خیال گزرا کہ بارگاہِ الٰہی میں متوجہ ہونا چاہیے اور گناہ کبیرہ کی تعیین کو سمجھنا چاہیے۔ (اللہ کا کرم ہوا کہ) تھوڑی سی توجہ کے بعد مجھے بتایا گیا کہ گناہِ کبیرہ صرف سات ہیں۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ "سات موبقات (مہلکات) سے بچو"۔ یہ مہلکات وہ ہیں جن کی جڑ شرک ہے (اور شرک کے علاوہ) چھ گناہ اس کے گرد گھومتے ہیں۔ گویا شرک ایک تنہ ہے اور چھ گناہ اس کی شاخیں ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے گناہ صغیرہ کے دائرے میں داخل ہیں۔ بعض صغائر (شرکِ صغیرہ) کی تعیین بھی آپ فرماتے تھے۔ مثلاً سود کھانا، جھوٹ بولنا، غیبت کرنا کہ ان کو آپ شرکِ صغیرہ کہتے تھے۔

حصہ ہفتم

حضرت مجدد کے کلام پر مخالفین کے شکوک کے جواب میں
اور
آپ کے کلام کے مدائح کے بیان میں

واضح ہو کہ حضرت مجدد سے کمال صحو اور نہایت اتباع سنت کے باوجود کبھی کبھی غلبہ حال کی وجہ سے زبان خامہ عنبریں شمامہ سے سکر آمیز کلمات بھی نکل گئے ہیں چنانچہ بعض مشائخ نے آپ کی خدمت میں لکھا ہے کہ آپ سراپا صحو ہیں پھر سکر آمیز کلمات آپ سے کیونکر ادا ہوئے ؟ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا ہے کہ صحو خالص تو عوام کو ہوتا ہے جو چوپایوں کی طرح ہیں لیکن اس جماعت (صوفیہ) کو ہر چند صحو ہوتا ہے لیکن وہ بغیر سکر کے نہیں ہوتا اور صحو ان تمام علوم کے اظہار کی تاب نہیں لا سکتا ۔ اور آپ تو اس اظہار کے لیے مامور بھی تھے ۔ (جب وہ بات تم نے جان لی تو یہ بھی سن لو)

شبہ اول : بعض مخالفین اپنی زبان پر یہ شبہ لاتے ہیں کہ آپ نے اپنے پیر بزرگوار خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی خدمت میں مکتوب یازدہم (دفتر اول) میں لکھا ہے :

" ثانیاً یہ عرض ہے کہ اس مقام کو ملاحظہ کرتے ہوئے دوسری مرتبہ چند دوسرے مقامات بھی ظاہر ہوئے جو بعض سے بعض بلند تر ہیں ۔ پھر عاجزی اور تضرع کی توجہ کرنے سے جب سابق مقام سے آگے والے مقام پر رسائی ہوئی تو معلوم ہوا کہ یہ مقام حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا ہے اور دوسرے خلفائے راشدین بھی وہاں سے عبور فرما چکے ہیں اور یہ مقام بھی تکمیل و ارشاد کا مقام ہے اور اسی طرح آگے کے دو دوسرے مقامات بھی ہیں کہ جن کا ذکر اب کیا جاتا ہے ۔ اور اس مقام (سابقہ) سے اوپر ایک اور مقام نظر آیا ۔ جب اس مقام میں رسائی

ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مقام ہے اور دوسرے خلفائے راشدین کو بھی وہاں عبور ہو چکا ہے اور اس مقام سے آگے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقام ظاہر ہوا۔ وہاں بھی رسائی ہوئی اور اپنے مشائخ میں سے حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کو ہر مقام میں اپنے ساتھ پایا۔ اور اس مقام میں دوسرے خلفائے راشدین کو بھی عبور ہو چکا ہے۔ اس میں کوئی فرق نہیں تھا سوائے عبور، مقام، مرور اور ثبات کے۔ اور اس مقام سے اونچا کوئی دوسرا مقام سمجھ میں نہیں آیا سوائے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کے۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مقام کے برابر ایک نورانی مقام بہت عجیب کہ اس جیسا کبھی دکھائی نہیں دیا تھا، ظاہر ہوا اور وہ کچھ اس مقام سے اونچا تھا جیسا کہ زمین سے اونچا چبوترہ بنایا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ مقام محبوبیت ہے اور وہ مقام رنگین اور منقش بھی تھا۔ خود کو بھی اس مقام کے پرتو سے رنگین اور منقش پایا۔ پھر اس کیفیت سے خود کو لطیف پایا اس قدر کہ ہوا یا ابر کے ٹکڑے کی طرح آفاق میں منتشر دیکھا اور بعض اطراف کو میں نے لے لیا۔ اور خواجہ نقشبند قدس سرہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مقام میں نظر آئے اور میں خود کو اس مقام کے برابر اس کیفیت کے ساتھ پاتا ہوں کہ جس کا ذکر عرض کیا گیا۔"

(یہاں آپ کے کلمات ختم ہوئے)

ان کلمات مبارکہ سے ان لوگوں نے جن کے دلوں میں بیماری ہے یہ مطلب لیا ہے کہ آپ خود کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بلند تر سمجھتے ہیں۔ (وہ کلمات یہ ہیں:۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مقام کے برابر ایک نورانی مقام۔۔۔۔۔ ظاہر ہوا۔۔۔۔۔)

جواب: یہ کہتا ہوں کہ اعتراض محض اس لیے ہے کہ تدبر اور تفکر سے کام نہیں لیا گیا اور اس لیے بھی ہے کہ اصطلاح صوفیہ سے ناواقفیت ہے۔ کیونکہ یافت اور چیز ہے اور وصول اور چیز ہے۔ بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک گدا خود کو مستی اور سکر

میں بادشاہ سمجھنے لگتا ہے حالانکہ وہ بادشاہی کے درجے کو وصول نہیں کرتا۔ اور حضرت مجددؒ نے تو صرف اتنا فرمایا ہے کہ اس مقام کے عکس سے میں نے خود کو رنگین پایا۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں نے وہ مقام حاصل کر لیا (یا میں اس مقام پر پہنچ گیا)۔ (یوں سمجھیے کہ) سورج، فلک چہارم میں ہے اور اس کا عکس زمین پر روشن ہے تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ زمین، سورج کے مقام پر پہنچ گئی۔ اور آپ نے تو اس عرضداشت میں (اپنے پیر بزرگوار کو) اس عبارت سے پہلے لکھا ہے کہ "اس مقام میں دوسرے خلفائے راشدینؓ کو بھی عبور ہو چکا ہے۔ اس میں کوئی فرق نہیں تھا سوائے عبور، مقام، مرور اور ثبات کے۔" یہ جواب کافی ہے اُن لوگوں کے لیے جو امراضِ قلبیہ میں مبتلا ہیں۔ یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کا مقام وہ تھا اور دوسرے خلفاء کو "مرور و عبورِ زمانی" حاصل ہوا۔ حضرت مجددؒ کو اس عبارت کے باعث جہانگیر بادشاہ کے پاس لے گئے۔ بادشاہ نے آپ سے پوچھا کہ "ہم نے سنا ہے کہ آپ نے یوں لکھا ہے کہ میرا مرتبہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہٗ سے افضل ہے؟" آپ نے اس کو یہی جواب دیا اور ایک مثال بھی بتائی کہ مثلاً آپ ایک ادنیٰ درجے کے آدمی کو اپنے پاس بلائیں اور اس پر عنایت فرما کر اس کے کان میں کچھ کہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ لامحالہ پنج ہزاری امیروں سے آگے جا کر آپ تک پہنچے گا۔ اس کے بعد وہ اپنے مقام پر واپس جا کر کھڑا ہو جائے گا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا مرتبہ پنج ہزاری امیروں سے زیادہ ہو گیا"۔ جہانگیر کا غصہ یہ جواب سن کر فرو ہو گیا۔ لیکن اسی اثناء میں ایک شخص جو حسد کو حصول چکا تھا بادشاہ سے کہنے لگا کہ آپ نے اس شیخ کا غرور دیکھا کہ اس نے آپ کو جو ظل اللہ اور اللہ کے خلیفہ ہیں، سجدہ نہیں کیا بلکہ اس تواضع کو بھی چھوڑ دیا جو آپس میں لوگ کیا کرتے ہیں۔ بادشاہ اس بات کو سن کر مشتعل ہو گیا اور آپ کو قلعۂ گوالیار کی قید کا حکم دے دیا۔

اس واقعے سے پہلے شاہزادۂ دین پناہ شاہجہان نے جو آپ سے کمال عقیدت رکھتا تھا بڑے بڑے علماء یعنی افضل خاں اور مفتی خواجہ عبدالرحمٰن کو کتبِ فقہ کے ساتھ آپ کی خدمت میں بھیج چکا تھا (اس مقصد سے) کہ سجدۂ تعظیمی، بادشاہوں کے لیے جائز ہے۔ اگر آپ بادشاہ کو ایسا سجدہ کریں تو پھر بادشاہ سے آپ کو کوئی گزند نہ پہنچے گا۔ میں اس بات

کا ضامن اور ذمہ دار ہوں ۔۔۔ آپ نے فرمایا کہ یہ مسئلہ رخصت کا ہے ۔ عزیمت یہ ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ نہ کریں ۔

اس اعتراض کے جواب میں مزید یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت مجددؒ نے اپنے پیر بزرگوار کے نام اس عرضداشت میں یہ بھی لکھا تھا کہ " فقیر خود سے ایک کافر فرنگ اور ملحد زندیق کو بدرجہا بہتر جانتا ہے اور سب سے بدتر خود کو سمجھتا ہے ۔" پس جب آپ کا تواضع اور عاجزی اس درجہ تھی تو یہ گمان کرنا کہ آپ نے خود کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ (جو انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے افضل ہیں) سے افضل جانا ، عقل و فراست سے دور ہے ۔

اور آپ نے شیخ حمید بنگالیؒ کو ایک مکتوب (دفتر اول مکتوب ۲۲۰) میں لکھا ہے :

" واضح ہو کہ صوفیہ کی ایک غلطی یہ بھی ہے کہ سالک کبھی مقاماتِ عروج میں اپنے کو دوسروں سے جن کی افضلیت بالاجماع ثابت ہو چکی ہے بلند و بالا پاتا ہے ۔ حالانکہ یقینی طور پر اس سالک کا مقام ان بزرگواروں کے مقامات سے بہت کم ہے ۔ بلکہ ایسا اشتباہ کبھی کبھی انبیاء علیہم السلام کے سلسلے میں بھی واقع ہو جاتا ہے جو قطعی طور پر بہترین خلائق ہیں (عِيَاذًا بِاللّٰهِ سُبْحَانَهٗ مِنْ ذٰلِكَ) ۔ اس غلطی کا سبب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاءؒ میں سے ہر ایک کا عروج پہلے ان اسماء تک ہوتا ہے جو ان کے وجودی تعینات کا مبداء ہیں اور اسی عروج سے ولایت کا اسم متحقق ہوتا ہے ۔ دوسرا عروج اسماء میں ہوتا ہے اور ان اسماء سے آگے جہاں تک کہ اللہ تعالیٰ چاہے ۔ مگر باوجود اس عروج کے ہر ایک کی منزل اور مبادی وہی اسم ہے جو ان کے وجودی تعینات کا مبداء ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ مقاماتِ عروج میں جو کوئی ان کو ڈھونڈتا ہے اکثر انھی اسماء میں پاتا ہے ۔ کیونکہ مراتب عروج میں ان بزرگواروں کے طبعی مکان وہی اسماء ہیں اور ان سے عروج و نزول کرنا عوارض کی وجہ سے ہے ۔ پس جب بلند فطرت سالک کی سیر ان اسماء سے بلند تر ہو جاتی ہے تو وہ ضرور

ان اسماء سے آگے چلا جاتا ہے اس لیے اس کو افضل ہونے کا وہم پیدا ہو جاتا ہے۔ (اللہ تعالیٰ اس سے بچائے)۔ پس یہ وہم اس کے پہلے والے یقین کو بدل دیتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کی افضلیت اور اولیائے کرام کے بہتر ہونے میں کہ یہ مقام اجماعی ہے، شبہات پیدا کر دیتا ہے۔ یہی سالک کو لغزش ہو جاتی ہے اور اس وقت سالک نہیں جانتا کہ ان بزرگواروں نے اسماء سے عروج بے نہایت فرمایا ہے اور وہ فوق الفوق میں چلے گئے ہیں —— اور وہ یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ اسماء ان کے عروج کے طبعی مکان ہیں اور خود اس کا بھی اس جگہ طبعی مکان ہے مگر وہ ان اسماء سے بہت نیچے اور پست ہے۔ کیونکہ ہر شخص کی افضلیت کا معاملہ اس کے اسم کے اقدم ہونے کے اعتبار سے ہوتا ہے جو اس کے تعین کا مبداء ہوتا ہے۔ اسی قسم سے بعض مشائخ کا یہ قول ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ عارف کو مقاماتِ عروج میں برزخیت کبریٰ حائل نہیں ہوتی اور وہ اس کے بغیر بھی ترقی کرتا ہے۔ ہمارے حضرت خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ بی بی رابعہ بصریؒ بھی اسی جماعت سے ہیں —— یہ جماعت چونکہ عروج کے وقت اس اسم سے جو برزخیت کبریٰ کے تعین کا مبداء ہے اوپر چلی گئی ہے اس لیے ان کو وہم ہوا ہے کہ برزخیت کبریٰ درمیان میں حائل نہیں رہی اور برزخیتِ کبریٰ سے اُن کی مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور حقیقت اس کی بھی یہی ہے جو اوپر بیان کی گئی۔

—— اور بعض کے لیے اس غلطی کا سبب یہ ہوتا ہے کہ جب سالک کی سیر اس اسم میں واقع ہوتی ہے جو اس کے تعین کا مبداء ہے اور وہ اسم تمام اسماء کا مجمل طور پر جامع ہے کیونکہ اُن کی جامعیت اسی اسم کی جامعیت کے باعث ہے۔ پس ناچار اس ضمن میں اس کی سیر ان اسماء میں بھی ہو گی جو دوسرے مشائخ کے تعینات کے مبادی ہیں اور سالک ہر ایک اسم سے گزر کر اس اسم کے منتہیٰ تک پہنچ جائے گا اور اُسے اپنی فوقیت کا وہم پیدا ہو گا۔ حالانکہ مقامات

مشائخ میں سے جو کچھ اس نے دیکھا ہے اور وہ اُن سے گزر گیا ہے وہ ان مقامات کا صرف نمونہ ہیں۔ ان کی حقیقت نہیں ہیں۔ اور جب وہ اس مقام میں خود کو جامع معلوم کرتا ہے اور دوسروں کو اپنے اجزاء خیال کرتا ہے تو خود کو اولی ہونے کا وہم پیدا کر لیتا ہے ۔ اسی مقام میں شیخ بایزید بسطامی قدس سرہٗ فرما دیتے ہیں کہ "میرا جھنڈا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے سے اونچا ہے" اور وہ غلبہ سکر کی وجہ سے یہ نہیں جانتے کہ ان کا جھنڈا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے سے بلند نہیں ہو سکتا بلکہ ان کے جھنڈے کے نمونے سے ہے جو اُن کے اسم کی حقیقت کے ضمن میں مشہور ہوا ہے اور اسی طرح کی وہ بات بھی ہے جو اس شیخ نے اپنے قلب کی وسعت کے متعلق کہی ہے کہ "اگر عرش اور مافیہ کو عارف کے قلب کے گوشے میں رکھ دیں تو کچھ بھی محسوس نہ ہوگا۔" یہاں بھی نمونہ کا حقیقت سے اشتباہ ہے۔ ورنہ عرش کے مقابلے میں جس کو اللہ تعالیٰ "عظیم" فرماتا ہے، عارف کے قلب کی کیا حیثیت اور حقیقت ہے؟ اور وہ ظہور جو عرش میں ہے اس کا سوواں حصہ بھی قلب میں نہیں ہے اگرچہ وہ قلب عارف ہی کا کیوں نہ ہو۔ کیونکہ رؤیت اخروی تو عرش کے ظہور پر متحقق ہو گی۔ اور یہ بات گو کہ آج بعض صوفیہ کو ناگوار گزرے گی لیکن آخر کار ایک دن ان کی سمجھ میں آ جائے گی۔ اس بات کو ہم ایک مثال سے واضح کرتے ہیں کہ انسان چونکہ عناصر اور افلاک کا جامع ہے اس لیے وہ جب اپنی جامعیت پر نظر ڈالے گا تو وہ عناصر اور افلاک کو اپنا اجزاء گمان کرے گا اور جب یہ دید آ جائے گی تو بعید نہیں کہ وہ یہ بھی کہہ دے کہ میں کرۂ زمین سے زیادہ بڑا ہوں اور آسمانوں سے زیادہ عظیم ہوں۔ پھر تو سمجھ دار لوگ جان لیں گے کہ اس کا بڑا ہونا اور اس کی عظمت اس کے اپنے اجزاء کی وجہ سے ہے اور کرۂ زمین یا افلاک درحقیقت اس کے اجزاء نہیں ہیں بلکہ ان کے نمونوں کو اس کے اجزاء بنا دیا گیا ہے اور اس کا بڑا پن ان نمونوں کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے

جو اس کے اجزاء میں۔ کرۂ ارضی و سماوی بے حقیقت میں وہ بڑا نہیں کیونکہ "کسی چیز کا نمونہ اس کی حقیقت کا متشابہ ہوتا ہے۔" فتوحاتِ مکیہ والے (شیخ محی الدین ابن العربیؒ) نے اسی وجہ سے کہہ دیا ہے کہ جمع محمدی، جمع الٰہی سے زیادہ جامع ہے۔ کیونکہ جمع محمدی تو حقائق کونی و الٰہی دونوں کو شامل ہے۔ اس لیے وہ زیادہ جامع ہے۔ فتوحاتِ مکیہ والے نے یہ خیال نہیں کیا کہ جمع محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی یہ شمولیت محض مرتبہ الوہیت کا ایک ظل اور اس کا ایک نمونہ ہے۔ وہ شمولیت (اشتمال) اس مرتبہ مقدسہ کی حقیقت نہیں ہے۔ بلکہ اس مرتبہ مقدسہ کے مقابلے میں کہ عظمت و کبریائی اس کے لوازم میں سے ہے، جمع محمدی کی کچھ مقدار نہیں۔ تراب اور رب الارباب سے کیا نسبت ؎

عالم پاک سے کیا نسبتِ خاک

اور اسی مقام میں جب سالک کی سیر اس اسم میں ہوتی ہے جو اس کا رب ہے تو کبھی وہ یہ سوچتا ہے کہ بعض بزرگوار جو یقیناً اس سے افضل ہیں اس کے وسیلے سے بلند مقامات میں پہنچے ہیں اور اسی کے وسیلے سے انھیں ترقی ہوئی ہے۔ یہ بھی سالکوں کی لغزش ہو جانے کا مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ پناہ دے کہ اس گمان سے کوئی خود کو افضل جانے اور ہمیشہ کا خسارہ حاصل کرے۔ اگر کوئی عظیم الشان بادشاہ کسی زمین دار کے علاقے میں جائے اور وہ علاقہ اسی (بادشاہ) کا ہے اور وہ اسی زمین دار کے وسیلے سے بعض مقامات میں جائے اور اسی کے توسط سے وہاں رہ جائے تو اس میں کونسی تعجب کی بات ہے (اور اس میں کیا فضیلت ہوئی) یہ تو جزئی فضیلت ہے جو بحث سے خارج ہے۔ (یہ ایسا ہی ہے کہ) ایک حجام یا جولاہا اپنے خصوصی کام کے جاننے کی وجہ سے ایک باکمال عالم اور ایک ماہر حکیم پر جزئی فضیلت رکھتا ہے لیکن ایسی فضیلت کی کوئی حیثیت نہیں۔ دراصل وہ فضیلت جو معتبر ہے وہ فضیلتِ کلی ہے جو عالم اور حکیم ہی کو حاصل ہے۔ اس فقیر کو بھی ایسے شبہات اور خیالات بہت واقع

ہوئے تھے اور ایک زمانے تک ایسی ہی حالت رہی۔ مگر اللہ پاک کی محافظت شاملِ حال رہی کہ سابقہ یقین میں بال برابر بھی تذبذب نہ ہُوا اور متفق علیہ اعتقاد میں کسی طرح کا فتور پیدا نہ ہُوا۔ (اس نعمت اور دوسری تمام نعمتوں پر اللہ ہی کی حمد اور احسان ہے) - اگر کوئی بات متفق علیہ کے خلاف ظاہر ہوتی تھی تو اس کا مجھے اعتبار نہ آتا تھا۔ اور اس کی اچھی تاویل کر لیتا تھا۔ اور مختصر طور پر اتنا جانتا تھا کہ اگر یہ کشف صحیح بھی ہو تب بھی یہ چیز جزئی تفضیلت کی ہو سکتی ہے۔ اگرچہ یہ وسوسہ بھی پیش آتا تھا کہ جب فضیلت کا مدار قربِ الٰہی پر ہے اور اس قرب میں اضافہ بھی ہو رہا ہے تو پھر یہ جزئی تفضیلت کیوں ہو گی۔ مگر یقین سابق کے مقابلے میں یہ وسوسہ گرد کی طرح اڑ جاتا تھا اور کچھ اعتبار نہ رکھتا تھا بلکہ توبہ، استغفار اور انابت کے ساتھ (بارگاہِ الٰہی میں) التجا کرتا تھا اور تضرع وزاری کے ساتھ دعا کرتا تھا کہ اس قسم کے مکشوفات مجھ پر ظاہر نہ ہوں اور اہلِ سنت کے معتقدات کے خلاف بال برابر بھی کوئی بات منکشف نہ ہو۔

ایک دن یہ خوف غالب ہُوا کہ کہیں ایسے مکشوفات کا مواخذہ نہ ہو اور ایسے توہمات کی پرستش نہ ہو۔ اس خوف کے غلبے نے مجھے بے قرار اور بے آرام کر دیا چنانچہ میں التجا اور آہ وزاری، بارگاہِ الٰہی میں اور بھی زیادہ کرتا رہا اور یہ حالت عرصے تک رہی۔ اتفاقاً اسی زمانے میں ایک بزرگ کے مزار پر گزر ہُوا۔ اور اس معاملے میں ان سے تائید اور معاونت چاہی۔ اسی اثنا میں اللہ پاک کا فضل ہُوا اور حقیقتِ معاملہ جیسی تھی ظاہر کر دی گئی۔ اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جو رحمۃ للعالمین ہیں تشریف لائے اور اسی وقت شرفِ حضور فرمایا اور دلِ غمگیں کو تسلی دی اور معلوم ہوا کہ قربِ الٰہی بے شک کلی فضلِ الٰہی کا موجب ہے مگر یہ قرب جو تم کو حاصل ہُوا ہے وہ ظلالِ مرتبۂ الوہیت کا ایک ظل کا قرب ہے جس کا تعلق اس اسم سے ہے جو تمہارا رب ہے۔ پس وہ کلی فضل کا موجب نہ ہو گا۔ اور اس مقام کی مثالی صورت اس طرح منکشف فرما دی گئی کہ پھر کوئی شبہ نہ رہا

اور اشتباہ کا کوئی محل نہ رہا۔ (بہرحال) اس معاملے میں تاویل اور توجیہ میں نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں لکھ دی ہے اور وہ باتیں شائع بھی ہو چکی ہیں۔ خیال تھا کہ ان علوم کی اغلاط کے اسباب کو جو محض فضل خداوندی سے ظاہر ہوئے ہیں لکھ دوں اور لوگوں تک پہنچا دوں کیونکہ گناہ مشتہر کے لیے توبہ کا اشتہار ضروری ہے۔ تاکہ لوگ ان علوم سے خلاف شریعت علوم نہ سمجھ لیں اور ان کی تقلید سے گمراہی میں نہ جا پڑیں یا تعصب اور تکلف کی بناء پر بے راہ روی اور جہالت اختیار نہ کر لیں کہ اس غیب الغیب والی راہ میں بہت سے ایسے پھول کھلتے ہیں جن سے بعض کو ہدایت ہوتی ہے اور بعض گمراہ ہو جاتے ہیں (یہاں دفتر اول کے مکتوب نمبر ۲۲۰ کی عبارت ختم ہوئی)

اور آپ (حضرت مجددؒ) نے اس قسم کے شکوک و شبہات کے دفعیہ کے لیے (اس طرح بھی) ہے اور سالک کے عروج کے معاملے کو اُن کے اسماء سے جو اس کے تعینات کے مبادی ہیں! مثال میں واضح فرما دیا ہے اور وہ یہ ہے (دفتر اول۔ مکتوب ۲۰۸)

"اہل فلسفہ نے کہا کہ دخان (دھواں) خاکی اور آتشی اجزاء سے مرکب ہے جس وقت دھواں اوپر کو جاتا ہے تو خاکی اجزاء، آتشی اجزاء کے ساتھ اوپر چلے جاتے ہیں اور قاسر کا قسر[1] حاصل ہونے سے عروج کر جاتے ہیں۔ اور انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر دھواں قوی ہوتا ہے تو وہ کرۂ نار تک صعود کر جاتا ہے اور اس صعود میں خاکی اجزاء، آبی اور ہوائی اجزاء کے مقامات میں جو بالطبع فوقیت رکھتے ہیں پہنچ جائیں گے اور وہاں سے عروج کر کے اوپر کو چڑھ جائیں گے۔ ایسی صورت میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ خاکی اجزاء کا مرتبہ، آبی اور ہوائی اجزاء کے مرتبے سے زیادہ ہے۔ کیونکہ وہ فوقیت باعتبار قاسر ہے۔ نہ باعتبار ذات۔ اور کرۂ نار تک پہنچنے کے بعد جب وہ خاکی اجزاء

---

[1] قسر = زبردستی کسی کو کام پر لگانا۔ قاسر اس کا فاعل ہے

نیچے کو آئیں گے اور اپنے طبعی (اصلی) مرکز پر پہنچیں گے تو بے شک اُن کا مقام آب و ہوا کے مقام سے نیچے ہوگا۔ پس بحث مذکورہ میں اس سالک کا عروج بھی ان مقامات سے قسرِ قاسر کے اعتبار سے ہے کہ وہ قاسر، گرمی محبت کی زیادتی اور جذبۂ عشق کی قوت ہے اور ذات کے اعتبار سے اس کا مقام ان مقامات سے بہت نیچے ہے۔

یہ جواب جو کہا گیا ہے وہ منتہی کے حال کے مناسب ہے لیکن اگر ابتداء میں یہ وہم پیدا ہو جائے اور اپنے آپ کو بزرگواروں کے مقام میں پائے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ابتداء اور وسط میں ہر مقام کا ظل بھی ہے اور مثال بھی ہے اور مبتدی اور متوسط جب اُن کے ظلال میں پہنچتے ہیں تو خیال کرتے ہیں کہ وہ ان مقامات کی حقیقت تک پہنچ گئے ہیں اور وہ ظلال اور حقائق کے درمیان فرق نہیں کر سکتے اور اسی طرح وہ بزرگواروں کے شبہ و مثال کو جب اُن کے مقامات کے ظلال میں پاتے ہیں تو خیال کرتے ہیں کہ ان مقامات میں وہ ان بزرگواروں کے ساتھ شریک ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ یہاں تو شے کے ظل کا نفسِ شے کے مانند ہونا لازم آتا ہے۔ خدایا، تو ہم کو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں اشیاء کی اصل حقیقت سے پوری طرح آگاہ فرما دے اور ممنوعات میں مشغول ہونے سے بچا لے۔"

(دفتر اول۔ مکتوب ۲۰۸ کی عبارت ختم ہوئی)۔

اور میں تو یہ بھی کہتا ہوں کہ اسلام میں یہ کوئی پہلا ہی شیشہ نہیں ہے جو توڑا گیا ہے۔ بلکہ زمانۂ قدیم سے کلماتِ متشابہات آتے ہیں۔ قرآن مجید میں الفاظ ید، ساق اور استویٰ ہیں جن سے ایک گروہ نے تاویل کچھ کر لی اور راستے سے ہٹ گئے۔ اور حدیث میں (بھی ایسے کلمات) آتے ہیں:

(۱) "بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت میں پیدا کیا۔"

(۲) "میں نے اپنے رب کو ایک بے ریش لڑکے یا نوجوان کی شکل میں مدینہ کی گلیوں میں پھرتے ہوئے دیکھا۔" [1]

---

[1] مبدا و معاد کے آخر میں منتخبات کے ذیل میں بھی یہ بحث ہے۔

اور مشائخ میں سے شیخ بایزید بسطامیؒ نے کہا ہے کہ "میرا جھنڈا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جھنڈے سے اونچا ہے۔" (جیسا کہ اس کی تفصیل میں آچکا ہے)

اور شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے کہا ہے کہ:

"نبوت کی انگوٹھی چاندی کی اینٹ ہے اور ولایت کی انگوٹھی سونے کی اینٹ ہے۔"

انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ:

"خاتم النبوۃ، خاتم الولایہ سے معارف اور علوم اخذ کرتے ہیں"

اور حضرت خواجہ نقشبند بخاری قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ:

"میں نے شیخ منصور حلاجؒ اور شیخ بایزید بسطامیؒ اور شیخ جنید بغدادیؒ کے مقامات میں سیر کی۔ اور جہاں تک وہ لوگ گئے تھے میں بھی گیا۔ یہاں تک کہ میں ایک ایسی بارگاہ تک پہنچا کہ اس سے زیادہ عظیم کوئی بارگاہ نہیں تھی۔ مجھے الہام ہوا کہ یہ بارگاہ محمدی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) ہے۔ پس میں نے گستاخی نہ کی اور جو کچھ بایزیدؒ نے کیا تھا میں نے نہیں کیا۔"

اور حضرت خواجۂ بزرگ (نقشبند) قدس سرہ نے فرمایا کہ:

"بایزیدؒ نے کہا ہے کہ میں نے انبیاء علیہم السلام کے مقامات میں سیر کی اور بارگاہِ محمدی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں پہنچا اور چاہا کہ آپ کے مقام میں سیر کروں تو آپ نے میری پیشانی پر دستِ مبارک رکھ دیا اور میں اللہ تعالیٰ کی عنایت سے مقامات کی سیر کرتے ہوئے اس مقام پر پہنچا اور میں نے گستاخی نہیں کی (بلکہ) اپنا سرِ نیاز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانِ عرش نشان پر رکھ دیا تو آپ نے مجھ پر کرم فرمایا اور مجھے اس مقام میں داخل فرمالیا۔"

ظاہر ہے کہ جو شخص مقامِ محمدی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں پہنچے گا وہ ضرور انبیاء علیہم السلام اور خلفائے کبار رضی اللہ عنہم کے مقامات سے گزر کر اوپر گیا ہوگا۔ پس اگر یہاں جو کچھ تاویل کی جاتی ہے تو وہاں بھی (حضرت مجددؒ کے قول کی) تاویل کی جاسکتی ہے۔

شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے خلفاء کے لیے جس طرح عالمِ شہادت میں خاص مقامات ہوتے ہیں جن کی زیارت کے لیے مسافر اور زائر آیا کرتے ہیں اور استفادہ بھی کرتے ہیں، اسی طرح عالمِ غیب میں بھی ان کے مقامات ہیں کہ سالکانِ طریقت اپنے کام میں کامیابی حاصل کرنے اور اپنے احوالِ باطنی کی نعمت چاہنے کے لیے انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کے مقامات میں بھی پہنچتے ہیں اور ان کے آستانے میں روئے نیاز رکھ کر اپنے کام میں کامیابی کا سوال کرتے ہیں۔ اور بہت سے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کا کام نہیں بنتا۔ آخر حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے آستانے میں پہنچ کر فیض حاصل کرتے ہیں۔

شبہ دوم ۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت مجدد نے متاخرین کے متفق علیہ مسئلہ وحدت الوجود کا انکار فرمایا ہے۔

جواب ۔ حضرت مجدد فرماتے تھے اور آپ کی تحریروں سے بھی جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ سالکانِ طریقت کو وحدت الوجود اثنائے راہ میں منکشف ہوتا ہے مگر اس کو آپ ایسا کمال الکمال نہیں سمجھتے کہ اس کے اوپر ترقی ہی نہ ہو۔ چنانچہ آپ نے لکھا ہے کہ "حالِ وحدت الوجود اچھا ہے لیکن بشرطِ عبور"۔

آپ کو ابتداء میں یہ حال حاصل تھا۔ آپ لکھتے بھی ہیں کہ:

" جو کچھ مسئلہ وحدت الوجود اور اس کے متعلقات کے بارے میں کہا گیا ہے اس فقیر کو ابتدائے حال میں اس سے مشرف کیا گیا اور کثرت میں شہود احدیت حاصل ہوا۔ پھر اس مقام سے اونچے درجات میں پہنچا یا گیا اور اس کے ضمن میں مختلف علوم (معارف) سے مستفید فرمایا گیا۔ لیکن ان مقامات و معارف کا مصداق اس جماعت صوفیہ کے کلام سے صریحاً پایا نہیں جاتا۔ صرف اشارے اور اجمالی رموز بعض بزرگوں کے کلام شریف میں ملتے ہیں لیکن ان کی صحت پر گواہِ عدل صرف شریعت اور اجماع اہلِ سنت کی موافقت ہی ہے اور وہ شریعت غرا سے تھوڑی سی بھی مخالفت نہیں رکھتے اور کسی معاملے میں وہ حکماء (اہلِ فلسفہ) سے موافقت نہیں رکھتے اور نہ ان

کے اصول معقولہ سے موافقت رکھتے بلکہ وہ ان علمائے اسلام سے بھی موافقت نہیں رکھتے جو اہلِ سنت سے مخالفت رکھتے ہیں۔"

اور آپ نے شیخ صوفی کو (دفترِ اوّل۔ مکتوب ۳۱) لکھا ہے کہ کسی درویش نے ان کے یہاں جو یہ کہا ہے کہ میں وحدتِ وجود کا انکار کرتا ہوں تو (عرض ہے کہ) میرے مخدوم مکرم، یہ فقیر بچپن سے اہلِ توحید (وحدت الوجود) کے مشرب میں تھا اور میرے والدِ ماجد قدس سرہ بظاہر اسی مشرب میں ہوئے ہیں اور ہمیشہ اسی طریقے کی مشغولیت رکھتے تھے حالانکہ وہ مرتبۂ بے کیفی میں باطنی نگرانی پوری پوری رکھتے تھے اور مصداق اِبْنُ الْفَقِیْہِ نِصْفُ الْفَقِیْہِ (فقیہ کا بیٹا آدھا فقیہ ہوتا ہے) یہ فقیر بھی اس مشرب سے (علم و عرفان کی رو سے) بہت محظوظ تھا اور بہت کچھ لذت حاصل کرتا تھا۔ پھر یہ ہوا کہ اللہ تعالےٰ نے محض اپنے خاص کرم سے حضرت ارشاد پناہی محمد الباقی قدسنا اللہ تعالیٰ بسترہ کی خدمت میں پہنچا دیا اور انہوں نے مجھ فقیر کو طریقۂ نقشبندیہ کی تعلیم فرمائی اور مجھ پر بہت زیادہ توجہ فرمائی۔ چنانچہ اس طریقۂ علیہ میں محنت کرنے کے بعد تھوڑے عرصے ہی میں مجھ پر توحید وجودی منکشف ہو گئی۔ اور اس مکشوف میں غلو پیدا ہو گیا اور اس مقام کے بہت سے علوم و معارف ظاہر ہوئے اور اس مرتبے کا کوئی دقیقہ ایسا نہ ہوگا جو مجھ پر منکشف نہ ہوا ہو۔ شیخ محی الدین ابن العربیؒ کے معارف کی باریکیاں کماحقہٗ ظاہر ہو گئیں اور میں اس تجلّی ذاتی سے مشرف ہوا جس کو صاحب فصوص الحکم (یعنی ابن العربیؒ) نے بیان فرمایا ہے اور اس کے سوا وہ عروج کی نہایت سے واقف نہیں تھے اسی لیے اس تجلّی کے متعلق انھوں نے لکھا ہے کہ "اس کے بعد محض عدم کے سوا کچھ نہیں" اور اس تجلّی کو وہ خاتم الاولیاء کے لیے مخصوص جانتے تھے، یہ سب دقائق تفصیل کے ساتھ مجھے بتائے گئے اور سُکرِ وقت اور غلبۂ حال اس توحیدِ وجودی میں اس درجہ ہوا کہ میں نے جو بعض عریضے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کو بھیجے تھے ان میں یہ رباعی بھی لکھ بھیجی تھی جو سراسر سُکر ہے:

اے دریغا کیں شریعت ملّتِ اعمائی ست ۔۔۔ ملّتِ ما کافری و ملّتِ ترسائی ست

کفر و ایماں زلف و روئے آں پری زیبائی ست ۔۔۔ کفر و ایماں ہر دو اندر راہِ ما یکتائی ست

(ترجمہ)

افسوس یہ شریعت اندھوں کا ہے طریقہ　　آتش پرست و کافر جیسا ہے یہ وظیفہ
کفر اس پری کی زلفیں، ایمان اس کا چہرہ　　ہے کفر اور ایماں کا ایک ہی قرینہ

(معاذ اللہ)

اور یہ حال بہت عرصے تک رہا اور مہینوں کی بات سالوں تک پہنچ گئی۔ ناگاہ اللہ تعالیٰ کی بے حد عنایت غیب کے دریچے سے میدانِ ظہور میں آئی اور بیچونی اور بیچگونی کے چہرے سے پردہ اٹھ گیا اور وہ علوم و معارف جو اتحاد اور وحدتِ وجود کی خبر دیتے تھے زائل ہونے لگے اور احاطہ، سریان، قرب اور معیتِ ذاتی جو اس مقام سے متعلق منکشف ہوئے تھے۔ وہ سب پوشیدہ ہو گئے اور اب یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ حق تعالیٰ کے ساتھ ان مذکورہ نسبتوں میں سے کوئی نسبت ثابت نہیں۔ اور حق تعالیٰ کا احاطہ اور قرب محض علمی ہے۔ جیسا کہ اہلِ حق کے نزدیک ثابت اور مقرر ہے (اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو جزا دے) اور اللہ تعالیٰ کسی چیز سے متحد نہیں ہے۔ خدا خدا ہے اور عالم، عالم ہے۔ اللہ تعالیٰ بیچوں اور بیچگون ہے لیکن عالم سراسر چونی اور چگونگی کے داغ نے داغدار ہے۔ بیچوں کو چون کا عین نہیں کہہ سکتے اور واجب تعالیٰ کو ممکن کا عین نہیں کہا جا سکتا۔ قدیم ہرگز حادث کا عین نہیں ہو سکتا اور جو کبھی معدوم نہیں ہو سکتا وہ معدوم ہونے والے کا عین نہیں بن سکتا یعنی حقائق کا بدل جانا عقلی اور شرعی طور پر محال ہے۔ اور ایک کو دوسرے پر محمول کرنا بھی ممتنع ہے (اصلاً بھی اور راساً بھی) تعجب ہے کہ شیخ محی الدین ابن العربیؒ اور ان کے تابعین اللہ تعالیٰ کی ذات کو مجہولِ مطلق کہتے ہیں اور کسی حکم کے ساتھ محکوم علیہ نہیں جانتے ......[1] حالانکہ یہ حکم اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہے۔ پس بہتر وہی ہے جو اہلِ سنت علماء نے بیان کیا ہے۔ قربِ علمی اور احاطۂ علمیہ کے سلسلے میں ہے[2] (یہاں تک دفتر اوّل کے مکتوب ۳۱ کی عبارت تھی)

---

[1] مکتوب شریف میں یہاں ایک جملہ اور ہے کہ: مع ذٰلک احاطہ ذاتی وقرب ومعیت ذاتیہ اثبات می نمایند

[2] یہ مکتوب بھی اوائل کا ہے۔ بعد میں آپؒ نے علمی اور ذاتی سے متعلق سکوت فرمایا ہے۔ جیسا کہ دفتر اوّل کے مکتوب ۲۶۶ میں۔ دفتر دوم کے مکتوب ۸ میں اور مبدأ و معاد کے منھا ۳۵ میں ہے۔

(تذئیل) ارباب بصیرت کو معلوم ہوگا کہ حضرت مجددؒ نے وحدت الوجود کے اعلیٰ درجات کو تسلیم کیا ہے۔ اس بارے میں آپ کا اختلاف اس مشرب کے صوفیہ کے ساتھ صرف اس قدر ہے کہ چونکہ یہ حضرات اشیاء کو اسمائے حق سبحانہٗ کا مظہر سمجھتے ہیں اور مظہر کو عین ظاہر جانتے ہیں۔ اس لئے وہ (خالق و مخلوق کی) عینیت کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ ذاتِ حق تعالیٰ، وجودِ مطلق ہے اور اشیاء کے وجودات مقید ہیں اور یہ قید صرف وہم میں ہیں نہیں۔ اس طرح وہ حضرات عینیت کے قائل ہیں۔ (لیکن) حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ اشیاء کے حقائق عدمات ہیں کہ وہ کمالات کا آئینہ ہیں۔ اور حضرتِ وجود کے مظاہر ہیں۔ اور عدم کا وجود کا عین ہونا محالات میں سے ہے اور وجود کا ظہور، عدم کے آئینے میں ممتنع ہے۔ اس لیے آپ اس عینیت کے قائل نہیں ہیں۔ آپ شریعت اور حقیقت کی اصلیت تک پہنچے ہوئے ہیں اور توحید کے اعلیٰ درجات کے قائل ہیں۔ پس ان دونوں مشربوں کا فرق، ہوشمندوں سے پوشیدہ نہیں کہ ان دونوں میں سے کون سا مشرب توحید کی حقیقت اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے زیادہ قریب ہے ؎

بے خبر خود سے بے خبر ہو کر ڈھونڈتے ہیں وہ عیبہائے دگر

چنانچہ اس مسئلے کی تفصیل آپ کے مکتوبات قدسی آیات میں واضح اور ظاہر ہے۔

شبہ سوم ۔ آپ نے رسالہ مبدأ و معاد منہا ۴۸ میں تحریر فرمایا ہے کہ :

"صورتِ کعبہ جس طرح مسجودِ صورتِ محمدی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) ہے اسی طرح حقیقتِ کعبہ بھی مسجودِ حقیقتِ محمدی ہے۔"

اس عبارت سے حقیقتِ محمدی پر حقیقتِ کعبہ کی افضلیت لازم آتی ہے۔ حالانکہ یہ بات ثابت ہے کہ خلقت کی آفرینش کا مقصود صرف آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ حدیث قدسی ہے کہ "اگر آپ نہ ہوتے تو ہم آسمانوں کو (بھی) پیدا نہ کرتے اور ہماری ربوبیت ظاہر نہ ہوتی۔"

جواب : حضرت مجددؒ نے اس شبہ کے دفعیہ کے لیے لکھا ہے کہ :

"حقیقتِ کعبہ سے مراد پتھر اور ڈھیلے نہیں ہیں۔ کیونکہ اگر پتھر اور ڈھیلے

بھی نہ ہوں تب بھی کعبہ تو کعبہ ہی ہے اور وہ مسجودِ خلائق ہے۔ بلکہ صورتِ کعبہ گو کہ عالمِ خلق سے ہے جیسے کہ حقائقِ اشیاء ہیں مگر وہ ایک امرِ باطنی ہے جو حس اور خیال کے احاطے سے باہر ہے۔ وہ عالمِ محسوسات سے ہے لیکن محسوس نہیں ہوتا۔ وہ تمام کی توجہ کا مرکز ہے لیکن توجہ میں نہیں ہے۔ وہ ایک ہستی ہے جو لباسِ نیستی پہنے ہوئے ہے اور وہ ایک نیستی ہے جو ہستی کے لباس میں ظاہر ہے۔ وہ جہت میں ہو کر بھی بے جہت ہے اور سمت میں ہو کر بھی بے سمت ہے۔ غرضیکہ یہ ایک صورت ایسی ہے جو حقیقت میں منقش ہے اور ایسی عجیب ہے کہ جس کی تشخیص میں عقل عاجز ہے اور عاقل لوگ اس کے سمجھنے میں حیران ہیں۔ گویا وہ ایک نمونہ ہے عالمِ بیچونی کا اور وہ نشان ہے بے نمونی کا۔ اور اگر وہ ایسا نہ ہوتا تو مسجودیت کے شایاں نہ ہوتا اور بہترین موجودات یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم شوق آرزو سے اس کو اپنا قبلہ نہ بناتے۔ "فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ" (اس میں کھلی نشانیاں ہیں) اس کی شان میں نصِ قاطع ہے اور "وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا" (اور جو اس میں آئے امان میں ہو) اسی کے حق میں ہے۔ قرآن مجید، بیت اللہ کا مداح ہے کہ صاحبِ خانہ یعنی اللہ تعالیٰ کی نسبتِ خاصہ اُسے حاصل ہے اور بے چون و بے چگون کا اتصال اور مجہول الکیفیت نسبت اس کے ساتھ ہے۔ "وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى" (اور اللہ کے لیے ہے مثال اعلیٰ)۔ جو عالمِ مجاز میں حقیقت کا پل ہے (اَلْمَجَازُ قَنْطَرَةُ الْحَقِيقَةِ) وہ اسی بیتوتیت (گھر ہونے کی) خبر دیتا ہے کہ صاحبِ خانہ کے قرار اور آرام کی یہ جگہ ہے۔ (یوں سمجھیے کہ) دولت مندوں کے لیے بہت سی نشست گاہیں ہوتی ہیں اور بیٹھنے اٹھنے کے بے شمار مکانات ہوتے ہیں لیکن ان کا گھر، گھر ہی ہوتا ہے جہاں اغیار کی مزاحمت نہیں ہوتی اور جو محبوب کی آرام گاہ ہوتی ہے۔ حدیث قدسی ہے کہ "وَلٰكِنْ يَسَعُنِيْ قَلْبُ عَبْدِي الْمُؤْمِنِ" (میں اپنے مومن بندے کے دل میں سما جاتا ہوں)۔ اس کے مطابق، ایک

مومن بندے کا دل ظہورِ بے چونی کی گنجائش رکھتا ہے۔ لیکن بیت ہونے کی نسبت جس سے بیوتیت کی خبر ملتی ہے وہ دل کہاں سے پیدا کرے گا؟ اور اغیار سے علیحدگی جو بیت کے لوازم میں سے ہے کہاں سے لائے گا؟ اور چونکہ اس مقام میں غیر اور غیریت کو دخل نہیں ہے اس لیے وہ مسجودگاہِ خلائق ہوا تاکہ غیر کو سجدہ نہ ہو اور غیریت، مسجودیت کے منافی ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سجدہ قبول نہیں فرمایا بلکہ بیت اللہ کی طرف (خود بھی) شوق اور رغبت سے سجدہ کیا۔ اس بیان سے فرق معلوم کر لینا چاہیے شَتَّانَ مَا بَیْنَ السَّاجِدِ وَالْمَسْجُوْدِ (ساجد اور مسجود میں بہت فرق ہے)۔

اے بھائی، جب تم نے صورتِ کعبہ کا ایک شمہ معلوم کر لیا، تو اب حقیقتِ کعبہ کا کچھ بیان سن لو۔ حقیقتِ کعبہ سے مراد وہ ذاتِ بے چون واجب الوجود ہے جہاں ظلیت کے ظہور کی گرد بھی نہیں پہنچتی اور وہی مسجودیت اور معبودیت کے شایاں ہے۔ اگر اس حقیقت کو حقیقتِ محمدی کا مسجود کہیں تو خطرہ لازم آئے گا؟ اور اس کی افضلیت میں کیا کمی آئے گی۔ بے شک حقیقتِ محمدی، دنیا کی ساری حقیقتوں سے افضل ہے لیکن حقیقتِ کعبہ اس عالم سے نہیں ہے کہ اس کی طرف یہ نسبت کی جائے اور اس کی افضلیت میں توقف کیا جائے۔ تعجب ہے کہ ان دونوں صاحبِ دولت (یعنی صورتِ کعبہ اور صورتِ محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی صورتوں کا فرق جو ساجد و مسجود کا ہے ہنر مند عاقلوں نے (نہیں سمجھا اور) ان دونوں کے حقائق میں تفاوت قائم نہیں کیا۔ اور وہ اسی لیے مقامِ اعتراض میں رہے ہیں اور طعن میں لب کشائی کی ہے۔ حضرت حق تعالیٰ ان کو انصاف (کی توفیق) عطا فرمائے تاکہ بغیر سمجھے ہوئے وہ ملامت نہ کریں۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ (اے ہمارے رب تو ہمارے گناہوں

اور ہمارے کاموں کے اسراف کو معاف فرما دے اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور کافروں پر ہماری مدد فرما۔) [1]

شبۂ چہارم: حضرت مجددؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ:

"میں اللہ تعالیٰ کا مرید ہوں اور اس کا مراد بھی ہوں۔ میرا سلسلہ بغیر کسی توسط کے اللہ تعالیٰ سے متصل ہے اور میرا ہاتھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کا قائم مقام ہے اور میری ارادت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سے واسطوں سے ہے (یعنی) طریقۂ نقشبندیہ میں اکیس، طریقۂ قادریہ میں پچیس اور طریقۂ چشتیہ میں ستائیس واسطوں سے ہے۔ لیکن میری ارادت جو اللہ تعالیٰ سے ہے وہ واسطے کو قبول نہیں کرتی جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ پس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا مرید بھی ہوں اور ہم پڑ (یعنی پیچھے پیچھے چلنے والا) بھی ہوں۔ اگرچہ اس خوانِ نعمت پر طفیلی ہوں لیکن بن بلائے نہیں آیا ہوں۔ اگرچہ تابع ہوں لیکن اصالت سے محروم نہیں ہوں اور اگرچہ اُمتی ہوں لیکن نعمت میں شریک ہوں۔ وہ شرکت نہیں جس میں ہمسری کا دعویٰ ہو بلکہ وہ شرکت جو ایک خادم کو اپنے مخدوم سے ہوا کرتی ہے۔ جب تک بلایا نہیں گیا خوانِ نعمت پر حاضر نہ ہوا اور جب تک اجازت نہیں ملی نعمت کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا۔ اگرچہ اُویسی [2] (یعنی روحانیوں کا پروردہ اور تربیت یافتہ) لیکن میرا مربی حاضر و ناظر ہے۔ اگرچہ طریقۂ نقشبندیہ میں میرے پیر عبدالباقی [3] ہیں لیکن میری تربیت اللہ الباقی کی طرف سے ہے۔ میں نے اللہ کے فضل سے تربیت حاصل کی ہے اور راہ اجتباء (پسندیدہ راہ) پر چلا ہوں۔ میرا سلسلہ رحمانی ہے اور میں عبدالرحمٰن ہوں کیونکہ میرا رب رحمٰن ہے اور میرا

---

[1] مکتوبات ۳/۱۲۴

[2] دفتر سوم کے مکتوب ۱۳۱ میں اُویسی کی تشریح ہے۔

[3] اسی مکتوب میں عبدالباقی کی تشریح بھی ہے۔

مُربی ارحم الراحمین ہے۔ طریقۂ سبحانی میرا طریقہ ہے کہ وہاں راہ تنزیہ سے پہنچا ہوں۔ نام اور صفت سے مُسمّٰی کے علاوہ جو کہ ذاتِ بحت ہے کسی کا طالب نہیں ہوں۔ یہ سبحانی وہ سبحانی نہیں ہے جس کے قائل بایزید بسطامیؒ تھے۔ اُن کے قول کو میرے قول سے کوئی واسطہ نہیں، کیونکہ اُن کے قول کا صدور، دائرۂ انفس سے ہوا ہے (کہ بسطامی مقامِ توحید اور احوالِ سکر میں تھے) اور میرے اس قول کا صدور، دائرہ انفس و آفاق سے ورا ہوا ہے۔ وہ تشبیہ جو لباس تنزیہ میں ہے اور یہ سراسر تنزیہ ہے کہ تشبیہ کا کوئی اثر اس پر نہیں۔ وہ سُکر و مدہوشی کے چشمے سے اُبلا ہے اور یہ ہوش و آگاہی کی سوت سے نکالا گیا ہے۔ میرے لیے اسبابِ تربیت کو ارحم الراحمین نے بہانہ بنایا ہے اور بجز اس کے فضل کے کوئی شے میری تربیت کی علتِ فاعلی نہیں، کمالِ کرم سے جو عنایت اُس کی مجھ پر ہے وہ نہیں چاہتی کہ اس کے سوا کسی اور کے فعل کو میری تربیت میں دخل ہو یا میں کسی کی طرف اس کام کے لیے متوجہ ہوں۔ میں اپنے مولیٰ کا پروردہ اور اس کے فضل و کرم نامتناہی کا برگزیدہ ہوں۔ ع

کریموں کے لیے مشکل نہیں کام

(یہاں دفتر سوم کے مکتوب ۸۷ کی عبارت ختم ہوئی)

بعض لوگوں نے اس مکتوب پر اعتراض کیے ہیں۔ حضرت مجددؒ نے ان شکوک کا اندازہ کرتے ہوئے ایک مکتوب تحریر فرمایا ہے جس سے اعتراض اور جواب دونوں ظاہر ہو جاتے ہیں۔ وہ مکتوب (دفتر سوم۔ مکتوب ۱۲۱) بجنسہٖ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ:

"...... اور ہمارے خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہٗ نے شروع شروع میں اس فقیر کی سیر کو سیر مرادی بنا دیا تھا اور یہ بات احباب نے بھی اُن سے سُنی ہوگی اور یہ کہ وہ ان اشعار کو اس فقیر کے حال کے مطابق جان کر پڑھا کرتے تھے:

عشق معشوق چھپا رہتا ہے | عشقِ عاشق تو مچاتا ہے شور
عشق معشوق کو کر دے فربہ | اور عاشق کو بنا دے کمزور

لہ اسی کے لیے دفتر دوم کا مکتوب ۴۲ دیکھیں

اور مرادوں سے جو شخص واصل ہوا ہے وہ اجتباء (برگزیدہ ہونا) کے راستے ہی سے ہوا ہے۔ اور اجتباء کا راستہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے۔

صاحب عوارف المعارف (شہاب الدین سہروردی قدس سرہ) نے مجذوب سالک اور سالکِ مجذوب کے بیان میں اس امر کی تصریح فرمائی ہے اور مریدوں کے راستے کو انابت کا راستہ اور مرادوں کے راستے کو اجتباء کا راستہ کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ ۝ (اللہ برگزیدہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے اس کو جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے) پ۲۵ ع ۳

بے شک اجتباء کا راستہ انبیاء علیہم السلام سے مخصوص ہے اور امتوں کو دوسرے کمالات کی طرح اس سے بھی ان (انبیاء علیہم السلام) کی تبعیت کی وجہ سے حصہ حاصل ہے اور یہ بات نہیں کہ اجتباء محض انبیاء علیہم السلام سے مخصوص ہے اور امتوں کو مطلق اس سے کوئی حصہ نہیں ہے کیونکہ یہ غیر واقع ہے۔

میرے مخدوم، سالک کو فیوض کا پہنچنا حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط اور حیلولت سے اسی وقت تک ہے جب تک اس محمدی المشرب سالک کی حقیقت، حقیقتِ محمدی سے منطبق اور متحد نہیں ہوئی۔ اور جب کمال متابعت بلکہ محض فضلِ الٰہی سے مقاماتِ عروج میں اس حقیقت کو اس حقیقت سے اتحاد حاصل ہوتا ہے تو وہ توسط دور ہو جاتا ہے کیونکہ (ایسی حالت میں) توسط اور حیلولت (بالکل) مغائرت ہے اور پھر یہاں توسط و متوسط اسی طرح حاجب محجوب کوئی نہیں ہوتا۔ (یعنی) جہاں اتحاد ہے وہاں معاملہ شرکت کے ساتھ ہے۔ لیکن چونکہ سالک، تابع بھی ہے اور الحاقی اور طفیلی بھی ہے اس لیے یہ شرکت ایسی ہے جیسے خادم کو اپنے مخدوم کے ساتھ ہوتی ہے۔ اور وہ جو میں نے کہا ہے کہ سالک کی حقیقت کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کے ساتھ انطباق و اتحاد پیدا ہو جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حقیقتِ محمدی تمام حقائق کی

جامع ہے اسی لیے اس کو حقیقۃ الحقائق کہتے ہیں اور دوسروں کے حقائق اس کے اجزاء کی طرح ہیں یا جزئیات ہیں۔ کیونکہ اگر سالک محمدی المشرب ہے تو اس کی حقیقت اس کلّی کے لیے جزئی کی طرح اور اُسی پر محمول ہے۔ اور حقیقتِ غیر محمدی المشرب اس کل کا جزو ضرور ہے مگر اس پر محمول نہیں ہے۔ پس ایسے سالک کو جس کی حقیقت محمدی المشرب نہ ہو اس کو اگر عروج میں اتحاد پیدا ہو تو اس پیغمبر کی حقیقت کے ساتھ ہوگا جس کے زیرِ قدم یہ سالک ہے اور وہ اسی پر محمول ہوگا اور اس کے کمالاتِ مناسبہ میں شرکت پیدا کرے گا۔ لیکن یہ شرکت خادم و مخدوم کی شرکت کی قسم سے ہوگی جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اور جب اس جزئی کو کمال متابعت کے تعلق سے بلکہ محض فضلِ خداوندی سے اپنی کلّی کے ساتھ ایک محبتِ خاص پیدا ہو جاتی ہے اور وہاں تک پہنچنے کا شوق دامن گیر ہو جاتا ہے اور وہ قید جو کلّی کو جزئی میں لائی تھی فضلِ خداوندی سے زائل ہونے لگتی ہے اور زوال کے بعد بتدریج اس جزئی کو اس کلّی کے ساتھ انطباق اور الحاق حاصل ہو جاتا ہے۔

اور وہ جو میں نے کہا کہ محبتِ خاص پیدا ہو جاتی ہے تو اس کی مثال یہ ہے کہ اس فقیر کو محض فضلِ خداوندی سے یہ محبت پیدا ہوئی تھی اور اس کے غلبات میں میں یہ کہتا تھا کہ "میری محبت حق تعالیٰ سے اس لیے ہے کہ وہ ربِّ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے"[1] میاں شیخ تاج اور دوسرے احباب اس مقولے پر تعجب کرتے تھے۔ میرا خیال ہے کہ آپ[2] اس بات کو نہیں بھولے ہوں گے۔ غرض کہ جب تک اس قسم کی محبت پیدا نہ ہو الحاق اور اتحاد کس طرح متصور ہوگا۔ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے

---

[1] مبدأ و معاد جو آپ نے ۱۰۱۹ھ میں لکھی تھی اس میں (منہا ۳۲) یہ عبارت اس طرح ہے: "حق سبحانہٗ تعالیٰ را بواسطۂ آن دوست می دارم کہ ربِّ محمد است (صلی اللہ علیہ وسلم)"۔

[2] یعنی میرزا حسام الدین احمد۔

دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے)

اب میں توسط اور عدم توسط کی حقیقت کو بیان کرتا ہوں۔ غور سے استماع فرمائیں۔ طریق جذبہ میں چونکہ مطلوب کی طرف سے کشش ہے اور اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے طالب کے حال کی متکفل ہے اس لیے (جذبہ) واسطہ اور وسیلہ کو قبول نہیں کرتا۔ اور طریق سلوک میں چونکہ طالب کی طرف سے انابت (رجوع) ہے۔ اس لیے اس میں واسطے ضروری ہیں۔ نفس جذبہ میں اگرچہ واسطے درکار نہیں ہیں لیکن جذبہ کی تکمیل بغیر سلوک کے نہیں ہوتی۔ یعنی سلوک جو شریعت پر عمل کرنے یعنی توبہ اور زہد وغیرہ سے عبارت ہے اگر جذبہ کا ساتھ نہ دے تو جذبہ ناتمام اور ابتر رہتا ہے۔ ہم نے بہت سے ہندوؤں اور ملحدوں کو دیکھا ہے کہ جذبہ رکھتے ہیں لیکن چونکہ وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے آراستہ نہیں اس لیے انھیں سوائے صورت جذبہ کے اور کچھ حاصل نہیں۔ ؎ اور طریق جذبہ میں اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے وسیلے سے کہ وہ مرادِ سلوک ہے کسی امر کے واسطے اور حیلولہ کے بغیر مطلوب تک پہنچنا میسر ہو جائے تو بہت ہی بہتر ہے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ " اگر تم حق تعالیٰ کی طرف کھینچے جاؤ اور باطنوں کے باطن کی طرف پہنچائے جاؤ تو تمہارے اور حق تعالیٰ کے درمیان کسی امر کا حیلولہ اور حجاب نہ ہوگا۔"

شاید آپ کو بھی یاد ہوگا کہ ہمارے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ اگر معیت کے راستے میں جو حق تعالیٰ کو بندہ کے لیے ہے کسی طرح وصول میسر ہو جائے تو وہ بلا توسط کسی امر کے ہوگا کہ یہی معیت کے مناسب بھی ہے اور اگر واسطہ ہے تو وہ سلسلۂ تربیت میں ہے یعنی سلوک میں ہے اور راہِ معیت ایک طرح کا طائفہ جذب ہے اور حدیث " اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ

؎ یہاں مکتوب ۱۲۱۔ دفتر سوم کے چند جملے حضرات القدس میں چھوڑ دیے گئے ہیں۔

(یعنی انسان اسی کے ساتھ ہے جس کو وہ دوست رکھتا ہے) بھی اس بات کی تائید کرتی ہے۔ کیونکہ جب معیت حاصل ہو جاتی ہے تو واسطہ اٹھ جاتا ہے۔"

(دفتر سوم کے مکتوب ۱۲۱ کی یہ عبارت ختم ہوئی لیکن آگے بھی اسی مکتوب کی عبارتیں آ رہی ہیں۔) اس مکتوب میں حضرت مجدد نے توسط اور عدم توسط کے بارے میں شرح و بسط کے ساتھ بات سمجھا دی ہے اور اسی مکتوب میں (آگے چل کر) آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ:

"میرے مخدوم، خود کو اویسی کہنا[1] اپنے پیر ظاہر سے انکار نہیں ہے کیونکہ اویسی تو وہ ہے جس کی تربیت میں روحانیوں کا دخل ہو۔ حضرت خواجہ احرار قدس سرہ اپنے پیر ظاہر کے باوجود خود کو اویسی کہتے تھے کیونکہ ان کو حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کی روحانیت سے امداد پہنچی تھی۔ اسی طرح حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ بھی اپنے پیر ظاہر کے باوجود اویسی تھے کیونکہ ان کو حضرت خواجہ عبدالخالق (غجدوانی) قدس سرہ کی روحانیت سے مدد حاصل ہوئی تھی۔ پھر خصوصیت سے وہ شخص جو اویسی ہونے کے ساتھ ہی اپنے پیر ظاہر کا اقرار بھی کر رہا ہے اس پر زبردستی اپنے پیر کے انکار کا الزام دینا کہاں کا انصاف ہے؟

میرے مخدوم، لفظ عبدالباقی[2] سے اضافی معنی مراد ہیں۔ علمی معنی مراد نہیں۔ کو کہ اس سے علمی معنی بخوبی ظاہر ہو جاتے ہیں۔ یعنی میرا پیر اگرچہ بندۂ باقی ہے لیکن میری تربیت کا متکفل اور ذمہ دار، اللہ باقی ہے ــــ اس طرح کہنے میں کونسی تحریف ہوئی اور کونسی بے ادبی ہوئی؟ اللہ تعالےٰ

---

[1] حضرت مجددؒ نے دفتر سوم کے مکتوب ۷۸ میں فرمایا تھا کہ "ہر چند اویسیم اما مربی حاضر و ناظر دارم"۔ اس بات پر لوگوں نے اعتراض کیا تو آپ نے یہاں اس کا جواب دیا ہے۔

[2] حضرت مجددؒ نے اسی مکتوب میں یہ بھی لکھا تھا کہ "ہر چند در طریقہ نقشبندیہ پیر من عبدالباقی ست"۔ اس بات پر بھی لوگوں نے اعتراض کیا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت باقی باللہ قدس سرہ نے اپنی کئی تحریروں میں اپنا نام محمد ابن باقی لکھا ہے۔ عبدالباقی نہیں لکھا۔

انصاف کی توفیق دے۔

میرے مخدوم، معنی سبحانی میں جو کہ حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ سے غلبۂ سکر میں صادر ہوا تھا جو کچھ قصور بیان کیا گیا ہے اُس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ قصور دائمی اور قرار یافتہ ہو جائے تاکہ دوسرا اس سے افضل قرار پا سکے۔ اکثر ایسے معارف ہوتے ہیں جو بمقتضائے وقت، صادر ہوئے ہیں مگر جب عنایت الٰہی سے اُن کا قصور معلوم ہوا ہے تو اُن کو ترک کر دیا گیا اور اُن سے آگے گزر کر اوپر کے مقام کو چلے گئے۔

اعتراض کرنے والے نے یہی لکھا تھا کہ اگر اربابِ سکر اس قسم کی شطح آمیز باتیں لکھیں تو اس کی گنجائش ہے مگر اربابِ صحو سے ایسی باتوں کا صادر ہونا تعجب ہے۔ (حضرت مجددؒ نے اس بات کا جواب یوں دیا:۔)

"میرے مخدوم، جس شخص نے ایسا لکھا ہے سکر ہی کی وجہ سے لکھا ہے سکر کی آمیزش کے بغیر اس بارے میں کوئی کچھ نہیں لکھتا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ سکر کے بہت سے درجے ہیں۔ جس قدر سکر زیادہ ہوگا اسی قدر شطح غالب ہوگا۔ جس شخص کو بسطامی قدس سرہٗ جیسا سکر ہوگا تو وہ بے تحاشا کہہ بیٹھے گا کہ میرا جھنڈا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے سے بلند ہے۔ صحو والے کے متعلق یہ خیال نہ فرمائیں کہ اُسے کبھی سکر نہیں ہوتا۔ ایسا خیال کرنا بھی غلط ہے۔ خالص صحو (نرا ہوش) تو عام لوگوں کا حصہ ہے اور جس نے صحو کو ترجیح دی ہے اس کی مراد غلبۂ صحو ہے، صرف صحو نہیں۔ اسی طرح جس نے سکر کو ترجیح دی ہے اس کی مراد غلبۂ سکر ہے، صرف سکر نہیں۔ کیونکہ صرف سکر تو سراسر آفت ہے۔ حضرت جنید (بغدادی) قدس سرہٗ جو اربابِ صحو کے سردار ہیں اور جو صحو کو سکر پر ترجیح دیتے ہیں اُن کی اس قدر سکر آمیز عبارتیں ہیں کہ اُن کا شمار مشکل ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ وہی عارف ہے اور وہی معروف ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ پانی کا رنگ اُس کے برتن کا رنگ ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ

حادث جب قدیم کے ساتھ مل جاتا ہے تو اس میں حدوث کا اثر باقی نہیں رہتا۔

اور صاحب عوارف المعارف (حضرت شہاب الدین سہروردی قدس سرہ) جو ارباب صحو میں کامل ترین ہیں اُن کی اُس کتاب میں بھی سُکر والے معارف ہیں جن کی تفصیل کیا بیان کی جائے۔ اس فقیر نے اُن کے بعض سُکر آمیز معارف ایک جگہ جمع بھی کیے ہیں۔ چنانچہ یہ بات سُکر ہی کی ہے کہ اسرار کو ظاہر کرنے کی تجویز کی جائے اور یہ بات بھی سُکر کی ہے کہ کوئی بڑائی اور فخر کی بات بیان کی جائے اور اپنے مراتب دوسروں پر ظاہر کیے جائیں۔ اگر صحو خالص ہوتا تو ایسے مواقع پر اسرار کا افشا کرنا کفر تھا۔ اور اپنے کو دوسروں سے بہتر جاننا شرک تھا۔ صحو میں تھوڑا سُکر ایسا ہے جیسے نمک۔ جو طعام کا مصلح ہے۔ اگر نمک نہ ہو تو طعام بے مزہ ہو جاتا ہے۔ شعر

گر نہ ہوتا عشق یا غم عشق کا
کون کہتا کون سنتا اس کی بات

...... اس فقیر نے جو یہ دفتر اس جماعت کے علوم و اسرار میں لکھے ہیں کیا آپ سمجھتے ہیں کہ سُکر کی آمیزش کے بغیر اور خالص صحو سے لکھے ہیں۔ نہیں ہرگز نہیں۔ ویسا لکھنا (یعنی بغیر سُکر کے) محض حرام، مُنکر، لاف و گزاف اور باتیں بنانا ہی ہوگا اور بیہودہ باتیں بنانے والے جو خالص صحو والے کہلاتے ہیں بہت ہیں۔ وہ کیوں ایسی باتیں نہیں کہتے جو لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کر سکیں؟

حافظ کی کوئی بات بھی ہرگز نہیں فضول
نکتے جو اس میں ہیں وہ عجیب غریب ہیں

میرے مخدوم۔ ایسی باتیں جو افشائے اسرار اور خلاف ظاہر سے متعلق ہوں وہ ہر زمانے میں مشائخ سے ظاہر ہوتی رہی ہیں اور وہ ان کی عادت سی بن گئی ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں جو اس فقیر نے شروع کی ہو

یا اس کا اختراع کیا ہو۔ وہ یہ کوئی پہلا شیشہ نہیں جو اسلام میں توڑا گیا ہو۔" پھر یہ سب شور و غوغا کیوں ہے؟ اگر کوئی ایسا لفظ (میرے قلم سے) صادر ہوا ہے جو بظاہر علوم شرعیہ سے مطابقت نہ رکھتا ہو تو تھوڑی سی تاویل بھی مطابقت کے لیے کی جا سکتی ہے اور کسی مسلمان پر بہتان نہ باندھنا چاہیے۔ بُری بات کی اشاعت اور فاسق کی فضیحت جب کہ شریعت میں حرام اور ممنوع ہے تو ایک مسلمان کی فضیحت محض ایک شبہ کی وجہ سے کہاں تک درست ہے؟ اور پھر شہر بشہر اس کی منادی کرنا کہاں کی دین داری ہے؟ مسلمانی اور نیکی کا تقاضا تو یہ ہے کہ اگر کوئی کلمہ بظاہر علوم شرعیہ سے ہٹا ہوا معلوم ہو تو دیکھنا چاہیے کہ اس کا کہنے والا کون ہے۔ اگر وہ ملحد اور زندیق ہے تو ضرور اس کی تردید چاہیے اور اس کی اصلاح کی کوشش نہ کرنی چاہیے۔ لیکن اگر اس کلمہ کا کہنے والا مسلمان ہے اور اللہ تعالیٰ پر اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہے تو اسکی بات کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے اور اس کے لیے محل صحیح پیدا کرنا چاہیے یا پھر اس کے کہنے والے سے اس کا حل طلب کرنا چاہیے اور اگر وہ اس کا حل نہ کر سکے تو اس کو نصیحت کرنی چاہیے اور امر معروف اور نہی منکر کو نرمی کے ساتھ ہی کرنا بہتر ہے کیونکہ یہی بات قبولیت کے قریب ہے۔"

(یہاں مکتوب کی عبارت ختم ہوئی)

یہ مکتوب (۱۲۱) حضرت مجددؒ کے مکتوبات کے دفتر سوم کے آخر میں ہے۔ چونکہ وہ بہت طویل تھا اور یہ کتاب مختصر ہے، اس لیے وہ مکتوب پورا نقل نہیں کیا گیا۔ قارئین وہاں دیکھیں کہ اس میں بہت فوائد ہیں۔ اور جو کچھ آپ نے اس مکتوب کے آخر میں لکھا ہے وہ مخالفین کے تمام شبہات کے لیے کافی ہے۔

واضح ہو کہ مبداء فیاض سے جو کچھ معارف و اسرار حضرت مجددؒ کے باطن شریف میں وارد ہوتے تھے ان کی کئی قسمیں ہیں:-

(۱) ایک قسم تو وہ ہے کہ آپ اُن کو دل سے زبان تک نہیں لائے اور رمز و اشارے سے بھی کبھی ظاہر نہیں کیا۔ مثلاً حروفِ مقطعات اور متشابہاتِ قرآنی کی تاویل جو آپ پر منکشف ہوئی تھی

(۲) دوسری قسم وہ ہے کہ آپ نے اُن کا اظہار صرف اپنے صاحبزادوں سے خاص طور پر کیا اور دوسروں کو اس میں شریک نہیں فرمایا اور تحریر بھی نہیں فرمایا۔

(۳) تیسری قسم کے معارف وہ ہیں جن کو آپ ان مریدوں سے جو کاملین اصحاب میں سے تھے بیان فرمایا اور اُن کے اظہار کے وقت خلوت ہوتی تھی اور دروازہ بند کر لیا جاتا تھا اور اگر اتفاقاً کوئی اور شخص آجاتا تو آپ سکوت فرماتے اور روئے سخن کو بدل دیتے اور بقیہ اسرار کو کسی دوسرے وقت بیان فرماتے اور ایسے گراں قدر معارف حتی الامکان تحریر میں نہیں لاتے تھے۔ مگر جب کوئی محرمِ راز اس کے لیے التماس کرتا تو اجابتِ سوال کے لحاظ سے اس طرح تحریر فرماتے کہ ہر شخص اس کا ادراک نہ کر سکے۔

(۴) چوتھی قسم یہ ہے کہ سائل کچھ دریافت کرتا تو عام فائدے کے لیے (عموماً و شمولاً) تحریر فرما دیتے۔ آپ کے رسالے اور مکتوبات جو تین دفتروں میں ہیں اور بڑی برکتوں والے ہیں اسی چوتھی قسم پر مشتمل ہیں اور اُن میں سے ہر معرفت، دل کے بیماروں کے لیے شفا اور مہجوروں کے لیے وصال ہے۔

یہ تمام مکتوبات قدسی آیات اور رسالے چالیس ہزار ابیات سے زیادہ ہوں گے۔ دفتر اول میں تین سو تیرہ مکتوبات ہیں جو آپ کے حکم کے مطابق اور انبیائے مرسلین اور اصحاب بدر کی تعداد کے مطابق ہیں۔ اور ۱۰۲۵ھ میں مکمل ہوئے ہیں۔ چنانچہ اُن کی تکمیل کی تاریخ [illegible] کے لفظوں سے برآمد ہوتی ہے۔

دوسرا دفتر ننانوے مکتوبات پر مشتمل ہے اور ان کی تعداد اسماء الحسنیٰ کے مطابق ہے۔ (اس کا تاریخی نام نور الخلائق ہے جس کے عدد ۱۰۲۸ھ ہیں۔

تیسرا دفتر ایک سو چودہ مکتوبات پر مشتمل ہے جیسا کہ قرآن پاک کی سورتوں کی تعداد ہے (لیکن بعد میں دس مکتوبات اور بھی شامل کر دیئے گئے اور اس دفتر کا تاریخی

نام معرفۃ الحقائق رکھا گیا جس کے عدد ۱۰۳۴ھ ہیں) ۔

آپ کے رسالے (۱) مبدا و معاد اور (۲) معارف لدنیہ آپ کے خاص احوال[1] مقامات سے متعلق ہیں ۔ اور (۳) مکاشفات عینیہ اور (۴) رسالہ اثبات النبوۃ (۵) رسالہ آداب المریدین (۶) شرح رباعیات حضرت خواجہ باقی باللہ (۷) تعلیقات عوارف اور (۸) ردِّ شیعہ وغیرہ سب اسی چوتھی قسم سے متعلق ہیں ۔ ان میں مطالب کی باریکی، عبارتوں کی مشکلات، تحقیقِ اسرار اور تدقیقِ رموز اس درجہ ہیں کہ ان سے آپ کی شان کی بلندی اور درجات کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے اور آپ کی کرامت اور بزرگی کا پتا چلتا ہے ۔ اسی وجہ سے بڑے بڑے علما اور مشائخ آپ کے شیفتہ ہو گئے ہیں اور جو دقائق آپ نے متعلق بہ حضرات خمس[1]، توحید وجودی[2] و شہودی، مشاہدہ و مکاشفہ، ایمان[3] و ایقان، غیب[4] و عیان، اطوار سبعہ[5] و الوانِ مختلفہ، تجلیاتِ[6] متکیفہ و غیر متکیفہ، جمع بین التشبیہ[7] والتنزیہ، تنزیہ صرفہ، خفایائے اطلاق[8] و مجال تعینات، تجلی برقی[9] و دوامی، معاملہ و رائے تجلی، سکر و صحو[10]، علوم[11] وراثت وغیر وراثت، ولایت[12] کی قسموں کی تحقیق یعنی صغری و کبری و علیا، مقامِ نبوت و رسالت[13]، صدیقیت[14] و قربت، تدلی[15] و تدنی، محبت[16] و خلت، درجات شبعہ[17] متابعت، وجہ صباحت[18] و ملاحت اور ان دونوں کا جمع، سیرِ آفاقی و انفسی اور آفاق[19] و انفس سے ماورا (وغیرہ) بیان فرمائے ہیں وہ ہوشمندوں پر ظاہر و ہویدا ہیں ۔ یہی علوم و معارف جو آپ نے تحریر فرمائے ہیں اپنی عظمت اور فصاحت و بلاغت کی وجہ سے مرتبہ اعجاز میں شامل کیے جا سکتے ہیں کیونکہ ابنائے زمانہ اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں اور جب آپ خلوت میں یہ باتیں اپنی زبانِ الہام ترجمان

---

۱ مکتوبات ۱/۴۳ ۲ مکتوبات ۳/۸۹ ۳ مکتوبات ۳/۹۱
۴ " ۱/۵۸ ۵ " ۲/۳ ۶ " ۳/۹۳
۷ " ۳/۲۶-۹۳ ۸ " ۲/۷۵ ۹ " ۳/۱۲۱
۱۰ " ۱/۲۶۸ ۱۱ " ۱/۲۶۰ ۱۲ " ۱/۳۰۱
۱۳ " ۱/۴۱ ۱۴ " ۳/۱۱۱ ۱۵ " ۳/۸۸-۹۵
۱۶ " ۳/۴۳ ۱۷ مکتوبات [illegible] ۱۸ مکتوبات ۲/۲۷۳ ۱۹ مکتوبات ۲/۴۲

سے بیان کیا کرتے تھے تو اور ہی حال وارد ہوتا تھا۔ گویا مرقومات (آپ کی تحریریں) قال ہیں اور آپ کے ملفوظات حال ہیں ۔ وہ (مرقومات) معارف کا بیان ہے اور یہ (ملفوظات) نسبت کا القاء اور نعمت کا عطیہ ہے۔ یعنی معارف کو بیان کرتے ہوئے آپ خاموشی سے ایسا تصرف فرماتے کہ سامعین پر سُکر اور حضور غالب ہو جاتا اور ایسی لذت اور حال وارد ہوتا کہ وہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اور آپ اپنے تصرف سے جو حال ظاہر فرماتے اس سے طالبوں کو متحقق اور متصف فرما دیتے اور جب محرمانِ راز آپ کی خلوت گاہ اسرار سے باہر آتے تو خود کو مست اور متحیر پاتے اور جن لوگوں کو آپ اپنے محرمانِ اسرار میں قبول فرما لیتے وہ ہمیشہ اسی آرزو میں رہتے کہ دیکھیں اب کس دن پھر ان معارف کے بیان سننے کا موقع حاصل ہوتا ہے۔

حقائق کی تحریر و تقریر میں آپ کا طریقہ یہ تھا کہ جب تک ان علوم کے مأخذ سے مطلع نہ ہو جاتے آپ ان کا تذکرہ ہرگز نہ فرماتے اور جب تک کوئی بات (تحقیق کے ساتھ) منکشف نہ ہو جاتی اُسے بیان نہ فرماتے۔ چنانچہ بعض مخلصین آپ سے اکثر خضر و الیاس علیہما السلام کے متعلق دریافت کرتے تو آپ سکوت فرماتے۔ ایک مدت کے بعد جب ان دونوں برگزیدہ بزرگوں سے ملاقات ہو گئی تو اس وقت ان سوال کرنے والوں کو جوابات تحریر فرمائے۔ اسی طرح بعض احباب آپ سے حضرت یوسف کے ساتھ حضرت یعقوب (علیہما السلام) کی محبت کا سبب دریافت کیا کرتے تھے تو آپ خاموش رہتے اور معلومات بہم نہ پہنچاتے۔ لیکن جب اللہ پاک کی طرف سے اس معمّے کا حل معلوم ہو گیا تو آپ نے بیان فرمایا اور تحریر فرما دیا اور سائل کو بھی وہ اسرار لکھ بھیجے۔

بعض محرمانِ اسرار نے قصۂ النحل کے اسرار دریافت کیے جو ایک مکتوب میں درج ہیں اور جس فاضل کے نام وہ مکتوب لکھا گیا وہ دنیا والوں میں پھنسا ہوا ہے اور خوف تھا کہ بیمار دل والوں کی جماعت میں وہ بات باعثِ شورش نہ ہو جائے (تو آپ خاموش ہو گئے)۔ پھر آپ نے یہ شعر پڑھا:۔

یارب اس غنچۂ سُخنداں کو تو دل میں لے[1] کہیں حسّادِ چمن کی نہ نظر لگ جائے

---

[1] اسی سے ملتے جلتے مضمون کا ایک شعر علامہ اقبال نے ضربِ کلیم کے انتساب میں لکھا ہے کہ:
بگیر ایں ہمہ سرمایۂ بہار از من کہ گل بدستِ تو از شاخ تازہ تر ماند

ـــ آپ کی توجہ کی برکت سے اور اللہ پاک کی بارگاہ میں حوالہ کر دینے سے پھر اس معاملے نے سر نہ اٹھایا اور کوئی شخص نہ سمجھ سکا۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ بعض اکابر کے ایسے اقوال جو بظاہر موافق شریعت نہ ہوتے تھے اور ملحدانہ طینت والے لوگ ان اقوال کو تمسک کی دستاویز بنائے ہوئے تھے آپ زیر بحث لاتے اور ان کی صحیح تاویل، موافقت شریعت میں فرما دیتے۔ یا اگر توجہ میں ظاہر ہوتا کہ وہ قول، غلبۂ سکر و حال کی وجہ سے زبان سے نکل گیا تھا یا اس میں خطائے کشفی ہوئی ہے تو آپ اسی طرح کا اظہار فرما دیتے تھے لیکن آپ خطائے کشفی کو خطائے اجتہادی کی طرح قابل تقلید قرار نہیں دیتے تھے۔ اور اگر کم علم اور ناقص فہم والے لوگ اس کے اثبات میں شدت کرتے ہوتے تو پھر آپ حمیت اسلام اور غیرت دین اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال متابعت کی وجہ سے اس کا رد تحریر فرماتے تھے چنانچہ آپ نے ورائے[1] الفس و آفاق کے سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے وہ اسی نوعیت کا ہے اور اسی طرح کی وہ تحریر ہے جو آپ نے سید الطائفہ رح کے اس کلام کی تشریح میں لکھی ہے کہ "حادث جب قدیم سے متصل ہو جاتا ہے تو اس میں حدوث کا اثر باقی نہیں رہتا"[2]

شبۂ پنجم ـــ مخالفین کہتے ہیں کہ حضرت مجدد رح نے اکابر مشائخ کے کلام پر طعن فرمایا ہے۔

جواب :- عرض ہے کہ حضرت مجدد سراپا اکابر سلف و خلف کی محبت اور مدحت میں غرق تھے لیکن اگر ان بزرگوں کے کلام سے آپ نے اعراض فرمایا ہے تو وہ محض نیک نیتی اور حکمت اور الہام و اعلام پر مبنی تھا۔ اور اگر انصاف سے دیکھا جائے اور آپ کے حال و مقال کی بزرگی، آپ کے علوم و اعمال جو آپ کی تکمیل و کمال کے مظہر ہیں اور آپ کی متابعت سنت کے کمال پر نظر رکھی جائے تو بلا تامل اور بلا توقف یہ کہنا پڑے گا کہ بے شک آپ کو یہ حق پہنچتا ہے کہ آپ اپنے کشف و الہام کی بنا پر ان مکشوفات سے اعراض فرما سکتے ہیں۔ اور یہ بات تو شروع

---

[1] مکتوبات ۲/۴۴

[2] یہ قول سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہ کا ہے جس کی توجیہ و تاویل حضرت مجدد رح نے مکتوبات کے دفتر سوم کے مکتوب ۱۲۱ میں فرمائی ہے۔

سے چلی آرہی ہے کہ بعد کے انبیاء علیہم السلام کی شریعتیں پہلے والے انبیاء علیہم السلام کی بعض شریعتوں کی مخالف بلکہ ناسخ ہوتی آئی ہیں پس جب ایک وحی بھی دوسری وحی سے مخالف ثابت ہوتی ہے تو ایک الہام کو دوسرے الہام سے مخالف ثابت ہونا کیونکر نقصِ سابق کہلائے گا؟ اسی طرح صحابۂ کرام کی مشاجرت اور مخالفت بھی اجتہاد کا حکم رکھتی ہے اور علماء میں بھی ایسے اختلاف رہتے ہیں، نیز مشائخ میں بھی کشف کی وجہ سے ایسے اختلافات واقع ہوتے ہیں چنانچہ شیخ علاء الدولہ سمنانی کا اختلاف شیخ محی الدین ابن العربی سے وحدت الوجود کے مسئلے میں مشہور ہے[1]۔ حالانکہ علاء الدولہ نے اُن کو عارفِ سبحانی کہا ہے اور اپنی اکثر تصانیف میں ان کی عظمت کا اعتراف اور تعریف کی ہے اور یہی حال مجتہدین کا ہے کہ وہ آپس میں ایسا ہی کرتے ہیں کیونکہ شاگرد کو درجۂ اجتہاد پر پہنچنے کے بعد اپنی رائے کی متابعت واجب ہے۔ گو کہ استاد سے اعراض ہی کیوں نہ ہو — امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے صرف ایک مسئلہ خلقِ قرآن پر اپنے استاد امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے چھ ماہ تک بحث و مباحثہ کیا اور بہت سے مسائل میں امام اعظم کی رائے کے خلاف اُن کے شاگردوں (امام محمد اور امام ابو یوسف) کی رائے (کی موافقت میں) فتویٰ دیا گیا ہے۔ یہی حال عرفان اور ولایت والوں کا ہے۔ لیکن کم علم اور پست مرتبہ والے کو یہ حیثیت حاصل نہیں۔

حضرت مجدد (اس اختلافِ رائے کے باوجود) بزرگواروں کا ادب جیسا کہ چاہیے ملحوظ رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کے خاص مریدوں نے کتاب عوارف المعارف پڑھنی شروع کی۔ اور آپ سے استدعاء کی کہ اس کی شرح فرما دیں۔ چنانچہ آپ نے اس کتاب کے ایک جزو کی شرح نہایت فصیح و بلیغ عربی میں لکھی لیکن پھر فرمایا کہ ہم نے اب اس کتاب کی شرح لکھنی چھوڑ دی ہے۔ اس خوف سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی مقام پر ایسی بات آ جائے جس سے اس کے مصنف کا ادب ہاتھ سے جاتا رہے۔

شروع شروع میں حضرت مجدد نے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے حکم کے مطابق

---

[1] خود حضرت مجدد کو ابن العربی سے اختلاف ہے لیکن ان کی تعریف بھی فرمائی ہے۔ دیکھیں مکتوبات ۱/۲۶۶ (آٹھواں عقیدہ)۔ ۳/۸۹۔

اپنے معارف وحقائق اور اپنے مکاشفات ومعاینات (حضرت خواجہؒ کے استفسارات کے جواب میں) لکھنے شروع کیے تھے اور اُن کے حکم کے مطابق بزرگانِ سلسلۂ نقشبندیہ کے حالات بھی ازراہِ کشف لکھنے شروع[1] کیے تھے۔ چنانچہ جب رسالہ مکمل ہوا تو آپ نے حضرت خواجہؒ کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت خواجہؒ نے اس کے موصول ہونے پر بہت پسندیدگی کا اظہار فرمایا اور بہت تعریف اور تصدیق بھی فرمائی اور بعض بزرگواروں کے احوال کے متعلق بھی دریافت فرمایا تھا۔ چنانچہ حضرت خواجہؒ کے اس مکتوب کا ذکر آپ کے مکتوبات[2] میں واقع ہے۔ بلکہ اس رسالے کی اشاعت کا حکم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی اور اکابرِ سلف رض کی ارواحِ طیبہ کی پسندیدگی کے مطابق ہے۔ چنانچہ آپ نے ایک مکتوب[3] میں جو حضرت خواجہؒ کے نام ہے اس ایماء کا ذکر اس طرح کیا ہے:

"یہ رسالہ بعض احباب کی التماس پر لکھا گیا ہے۔ احباب نے خواہش کی تھی کہ ایسی نصیحتیں لکھ دی جائیں جو طریقت میں نافع ہوں اور اُن کے مطابق زندگی گزاری جائے۔ واقعی وہ رسالہ پسندیدہ اور کثیر البرکات ہے۔ اس کی تحریر کے بعد ایسا معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بہت سے مشائخ کے ساتھ تشریف رکھتے ہیں اور اس مبارک رسالے کو اپنے دستِ مبارک میں لیے ہوئے ہیں اور کمال کرم سے اسے بوسہ دیتے ہیں اور مشائخ کو فرماتے ہیں کہ اس قسم کے معتقدات حاصل کرنے چاہییں اور ان میں سے وہ لوگ جو ان علوم سے مشرف ہو چکے تھے وہ نورانی اور ممتاز اور عزیز الوجود تھے اور وہ سب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو کھڑے ہوئے تھے اور یہ قصہ بہت لمبا ہے اور اسی مجلس میں اس واقعے کی اشاعت کا حکم اس حقیر کو دیا گیا۔ ع: کریموں کے لیے مشکل نہیں کام۔"

---

[1] مکتوبات۔ ۱/۱۱ میں اس حکم کا ذکر ہے۔ دفتر اوّل کے مکتوب ۴ میں بھی اس حکم کا ذکر ہے۔ مکاشفاتِ عینیہ کے ابتدائی پانچ مکاشفات پر یہ رسالہ مشتمل معلوم ہوتا ہے۔

[2] مکتوبات ۱/۴-۵

[3] مکتوبات ۱/۱۶

حضرت مجدد کو ان کے جد بزرگوار فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی وراثت کے لحاظ سے کہ جن کی شان میں یہ حدیث وارد ہوئی ہے کہ "اللہ تعالیٰ عمرؓ کی زبان پر گفتگو فرماتا ہے اور ہر اُمت کے لیے ایک محدث ہوتا ہے اور اس اُمت کے محدث عمرؓ ہیں" آپ (حضرت مجدد) کو بھی محدث[1] بنایا گیا تھا۔ چنانچہ یہ تمام اسرار و دقائق اللہ پاک ہی کی طرف سے ہیں جو آپ کی زبان گوہر فشاں سے ظاہر ہوئے ہیں۔ جیسا کہ بیان کیا گیا۔

آپ نے بھی مکتوبات کے دفتر اول کے آخر میں[2] تحریر فرمایا ہے کہ:

"یہ معارف جو تحریر میں آگئے ہیں (اللہ پاک کی رحمت سے) اُمید ہے کہ سب الہامات رحمانی ہیں۔ کہ ان میں شیطانی وسوسوں کے شائبے کی بھی مطلق مجال نہیں۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ فقیر نے جب ان علوم کی تحریر کا ارادہ کیا تو میں نے بارگاہِ خداوندی میں التجا پیش کی۔ دیکھا کہ ملائکہ کرام (علی نبینا وعلیہم السلام) اس مقام سے شیطان کو دفع کر رہے ہیں اور اس کے قریب بھی اُن کو آنے کا موقع نہیں دیتے۔ چونکہ نعمتوں کا اظہار کرنا بھی بہت عظیم خوبیوں میں سے ہے اس لیے میں نے اس نعمت کے اظہار کی جرأت کی۔ اللہ پاک سے امید کرتا ہوں کہ یہ چیز عجب و تکبر سے دور رہے اور عجب کی گنجائش بھی نہ رہے کہ اللہ پاک کی عنایت سے اپنی برائی اور خامی ہر وقت پیش نظر رہے۔"

اور ان علوم و معارف کی تحریر کے مؤید دو عظیم امر بھی ہیں۔ یعنی:

(۱) ایک یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے خواب میں فرمایا کہ "تم علم کلام کے مجتہد ہو۔"

(۲) دوسرا یہ کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے واقعے میں آپ سے فرمایا کہ "میں آیا ہوں تاکہ تم کو علم سموات کی تعلیم دوں۔"[3]

---

[1] مکتوبات ۲/۵۱

[2] مکتوبات کا دفتر اول یار محمد الجدید البدخشی الطالقانی نے جمع کیا تھا۔ اس کے آخر میں حضرت مجدد نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ اب مجھے دستیاب نہیں۔

[3] آپ نے اپنے پیر بزرگوار کے نام ایک مکتوب (دفتر اول۔ ۷) میں اس واقعے کا ذکر کیا ہے۔

اور اس تحریر معارف) کا یہ بھی ایک سبب ہے کہ اس طرح بارِ وجود سے آرام پا سکیں گے (طبیعت بھی بہل جائے گی)۔ چنانچہ آپ نے لکھا بھی ہے ایک جماعت نے بارِ وجود سے تسکین کے لیے سماع و رقص کو اختیار کر لیا اور ایک جماعت نے خود کو تصانیف میں مصروف کر لیا اور اس طرح خود کا بار ہلکا کر لیا۔

اور ان اسرار کو قلم بند کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آپ پر ظاہر کر دیا گیا تھا کہ آپ کی مرقومات حضرت امام مہدی علیہ السلام کی نظر سے بھی گزریں گی اور اُن کے نزدیک بھی مقبول ہوں گی۔ اس لیے آپ نے بہت لکھا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"علوم و معارف (الہامیہ) بہت عظیم نشانیوں میں سے ہیں اور خوارق میں بہت بلند مقام رکھتے ہیں۔ اسی لیے معجزۂ قرآنی تمام معجزات سے زیادہ قوی اور پائیدار ہوا۔ آنکھیں کھول کر دیکھو کہ یہ تمام علوم و معارف جو ابرِ نیساں کی طرح برس رہے ہیں وہ کہاں سے آتے ہیں؟ — یہ علوم جو اس کثرت سے ہیں اور بال برابر بھی علومِ شرعیہ سے انحراف کی گنجائش نہیں رکھتے اپنے اندر صحت کی خاص نشانی رکھتے ہیں۔ ہمارے حضرت خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہ نے لکھا ہے کہ تمہارے تمام علوم صحیح ہیں۔" [۱]

آپ نے اس مکتوب کی تتمیم کے بعد طریقے کا ذکر بھی کیا ہے کہ:

"یہ ہے وہ طریقہ جس سے حق سبحانہ نے اس فقیر کو ممتاز فرمایا ہے بدایت سے نہایت تک اور اس طریقے کی بنیاد نسبت نقشبندیہ ہے جس میں نہایت درج ہے بدایت میں — اسی بنیاد پر عمارتیں بنائی گئی ہیں اور محل بنا لیے گئے ہیں۔ اگر یہی بنیاد نہ ہوتی تو معاملہ یہاں تک نہ بڑھتا۔ تخم تو بخارا اور سمرقند سے لایا گیا [۳] اور سرہند کی زمین میں بویا گیا جس کا خمیر حرمین شریفین سے ہے اور اللہ پاک

---

[۱] دفتر اوّل۔ ۲۳۴ [۲] دفتر اوّل۔ ۱۰۷

[۳] مولانا جامیؒ فرماتے ہیں: سکہ کہ در یثرب و بطحا زدند۔ نوبت آخر بہ بخارا زدند
از خطِ آں سکہ نہ شد بہرہ مند۔ جز دلِ بے نقش شہ نقشبند
زبدۃ المقامات (۱۵۶) میں یہ واقعہ درج ہے۔

کے فضل کے پانی سے اس زمین کو برسوں سیراب کیا گیا اور احسان (سلوک) کی تربیت سے اس کی پرورش کی گئی۔ جب وہ کھیتی کمال کو پہنچی تو ان علوم معارف کے پھل حاصل ہوئے۔"

قدسیہ — "اگر علوم و معارف کے بیان کرنے میں کہ وہ احوال و مواجید کے ترجمان ہیں، کہیں کوئی تناقض یا اختلاف معلوم ہو تو اسے اوقات کے مختلف ہونے اور حالات و کیفیات کے جداگانہ ہونے پر محمول کرنا چاہیے کیونکہ ہر وقت احوال و مواجید بھی مختلف ہوتے ہیں اور ہر مقام میں علوم و معارف بھی جدا ہوا کرتے ہیں۔ پس صحیح یہ ہے کہ ان میں تناقض یا اختلاف نہیں ہوتا۔ اس کی مثال، احکام شرعیہ کی طرح ہے کہ وہ منسوخ اور تبدیل ہونے کے بعد متناقض نظر آتے ہیں۔ لیکن جب اوقات اور حالات کے اختلاف پر نظر کی جاتی ہے تو وہ تناقض اور اختلاف رفع ہو جاتا ہے۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ پس شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔" لہ

لہ مبدأ و معاد (۹۱ منہا)

حضرت ہشتم

(ملفوظاتِ حضرت مجددؒ)

ملفوظ ۱: ایک مبارک رات میں (کہ شبِ قدر بھی اُس سے قدر و منزلت کا استفادہ کرے اور شبِ براءت بھی رفعتِ درجات کا حصّہ اس سے حاصل کرے) آپ جیسے صاحبِ کمال کو جب کہ وقت اور حال خوب حاصل تھا حضرت رومی کے یہ دو شعر وردِ زبان تھے (ترجمہ):

عشق معشوق چھپا رہتا ہے | عشقِ عاشق تو مچاتا ہے شور
عشق معشوق کو کر دے فربہ | اور عاشق کو بنا دے کمزور

پھر فرمایا کہ معشوق کے عشق کو اپنے درجے کی بلندی کے باوجود عاشقوں کے عشق سے کسی طرح مناسبت نہیں ہے۔ کیونکہ معشوقوں کے عشق کا تعلق اسی ایک ذات عاشق سے ہے، عاشق کی صفات سے نہیں ہے۔ لیکن عاشق کے عشق کا تعلق معشوق کی صفات سے ہوتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ایک وقت گزر جانے کے بعد عشق کا غلبہ معشوق کی صفات سے گزر کر معشوق کی ذات تک پہنچا دیتا ہے۔ اس وقت اس کی محبت ذاتی ہو جاتی ہے اور معشوق کی محبت کو عاشق سے مناسبت پیدا ہو جاتی ہے (یعنی معشوق کی صفات خود عاشق میں جلوہ گر ہو جاتی ہیں)۔ چنانچہ یہی بات مجنونِ عامری کے آخری حالات میں بیان کی جاتی ہے۔ ورنہ ہوتا یہ ہے کہ عاشق کے عشق کی ابتداء اور درمیانی حالت میں معشوق کی صفات ہی ملحوظ رہتی ہیں۔ جیسا کہ عشق مجازی میں ہوتا ہے کہ رخسار کی صباحت، قد کی آراستگی، مسکراہٹ کی ملاحت، گفتگو کی مٹھاس، غمزوں کا ناز و انداز، پیشانی خم ابرو اور زلف، پرشکن گیسو، غبغب کے خطوط، چاہِ ذقن وغیرہ (عاشق کے لیے کشش

کے ذریعے ہیں)۔ لیکن معشوقوں کو اپنے عشق میں عاشق کی ایسی کوئی صفت ملحوظ نہیں ہوتی۔ پھر فرمایا کہ صفات کے عشق میں بے آرامی اور تلوّن لازمی ہے اس لیے عاشق کا عشق ڈھول باجوں کے ساتھ ہوتا ہے (یعنی ظاہر ہو جاتا ہے) لیکن ذات کے عشق میں آرام اور تمکین کا حصول ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عاشق کو زاری و نزاری اور معشوق کو فربہی اور صحت ہوتی ہے اور وہ جو رومی نے فرمایا ہے کہ عشقِ معشوق چھپا رہتا ہے۔ تو وہ ذات کے عشق کی طرف اشارہ ہے (صفات کی طرف نہیں) کیونکہ صفات کے مقابلے میں ذات پوشیدہ بھی ہے اور دقیق بھی۔ گویا اس طرح آپ نے ارشاد باری تعالیٰ یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهٗ (اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں) کی تفسیر فرما دی ہے۔

ملفوظ ۲: ایک دن ایک صالح درویش نے عرض کیا کہ غوثِ ربانی شیخ ابوالحسن خرقانی قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ ہر چیز میں رحمت ہے مگر محبت میں رحمت نہیں ہے کہ اس میں قتل بھی کر دیتے ہیں اور مقتول ہی سے خون بہا مانگتے ہیں۔ اس کے کیا معنی ہیں؟ آپ تھوڑی دیر متوجہ اور مراقب رہے، پھر حاضرین کی طرف رُخ کر کے فرمایا کہ:

اس کلام سے زوالِ عین و اثر کا پتا چلتا ہے۔ چنانچہ ایسے حال والا ایسی بات کرتا ہے اگرچہ اس کے حق میں قطعی رحمت ہی رحمت نازل ہو رہی ہو۔ لیکن وہ بیچارہ اپنے محبوب سے ملنے اور اس سے واسطہ رکھنے کے لیے جو بے حد بے قرار ہے کسی اور چیز کو رحمت نہیں سمجھتا۔ اُسے تو ایسے موقع پر کہ وہ اپنے محبوب سے دور ہے محبوب کا نام، وطن اور مسکن وغیرہ کا حال سننے سے بھی رحمت (فرحت) حاصل ہوتی ہے کیونکہ وہ دیدارِ محبوب ہی کو رحمت جانتا ہے۔ لیکن جب وہ محبوب کی مہربانی سے بُعد سے قرب میں آگیا تو اس کی بیقراری کیلئے وہ قرب بھی رحمت کی محرومی بن گیا۔ یعنی جب محبوب کی عنایت سے اس سے ہم آغوش ہوا تو محبت کی پیاس کی وجہ سے وہ اسے بھی غیرِ رحمت جاننے لگا اور اسے عینِ معشوق بننے ہی میں رحمت معلوم ہوئی۔ اور جب وہ معشوق کی عنایت سے اس کا عین بھی بن گیا تو اس عینیت میں بھی جو بہت سے مراتب پنہاں ہیں اس کی تشنگی ان کو بھی رحمت نہیں جانتی۔ ناچار وہ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ کہتا ہوا اُن مراتب و مدارج کا طالب بھی ہو جاتا ہے۔ اور

وہ بات کہ مقتول ہی سے خون بہا بھی لیا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عاشق اپنی دانست میں خود کو مقتول سمجھ رہا ہے اور جو مواخذہ اس سے ہو رہا ہے اُسے وہ بقایائے آثار کے نہ ہونے سے خون بہا سمجھ کر بڑی حیرت سے کہتا ہے جیسا کہ اس سے بن پڑتا ہے۔ مگر وہ نہیں جانتا کہ ان مراتب و مدارج کی راہ میں اس کا قتل ابھی مکمل نہیں ہوا اور ابھی زندگی کی رمق باقی ہے اور دوبارہ قتل کے بعد جب وہ رمق بھی نہ رہی تو ایک اور رمق جو قاتل کی نظر میں زیادہ دقیق ظاہر ہوتی ہے اس کے دفعیہ میں وہ مشغول ہوا۔ اسی طرح اور بھی سمجھنا چاہیے۔ ایسے موقع پر مقتول سے قاتل خوں بہا طلب کرے جب کہ مقتول نے کلی طور پر خود کو قاتل کے سپرد کر دیا تو جب تک بال برابر بھی مقتول کی رمق باقی ہے قاتل ضرور خون بہا کا مواخذہ کرتا رہے گا۔ مگر میں کیا کہوں کہ اس پر کیا گزرتی ہے اور وہ کیا دیکھتا ہے اور کیا دیتا ہے۔

ملفوظ ۳ ایک روز آپ فرما رہے تھے کہ شیخ علاؤالدولہ سمنانی رح فرماتے ہیں (رباعی):

ہے وہم نہیں تجھ میں دوئی باقی ہے | امکان و حدوث کی کمی باقی ہے
گر فضلِ الٰہی بھی رہے شاملِ حال | دم بھر کے لیے تجھ میں توئی باقی ہے

یہ رباعی زوالِ عین کی طرف اشارہ کرتی ہے اگرچہ قائل اس حال کو صرف ایک لمحے کے لیے جانتا ہے۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ بغیر تجلی ذاتی کے زوالِ عین ممکن نہیں اور وہ بھی قائل کو صرف برقی تجلی حاصل ہے۔ اسی لیے اس کا اثر دم بھر کے لیے ہوتا ہے۔ اور میرا کہنا کہ زوالِ عین بغیر ذاتی تجلی کے ممکن نہیں تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب تک کوئی اسم یا صفت ہی ملحوظ ہے عارف کا عینِ ثابتہ درمیان میں حائل رہتا ہے۔ اسی لیے اس کا زوالِ عین نہیں ہوتا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ صاحب فصوص الحکم (ابن العربی) قدس سرہ تو زوالِ عین کے مطلق قائل نہیں ہیں اور تجلی ذاتی کو صرف صورتِ متجلی لہٗ (جس پر وہ تجلی آئے) کے لیے ثابت کرتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے فصِ شیثی میں فرمایا ہے کہ "تجلی ذاتی صرف صورت متجلی لہٗ کے لیے ہوتی ہے۔ یعنی ایسا شخص مرآتِ حق میں اپنی صورت کو دیکھتا ہے۔" اور صاحب فصوص الحکم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "عین" (اصل) معلوماتِ الٰہیہ میں سے ہے۔ اگر وہ زائل ہو جائے تو حق تعالیٰ کا علم، جہل کی طرف منقلب ہونا لازم آئے گا اور یہ محال ہے

اور ایسا اعتقاد گمراہی ہے اور یہ بزرگوار تو زوالِ اثر کے بھی قائل نہیں ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ جب عین زائل نہیں ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ جب عین زائل نہیں ہوتا تو اثر کہاں چلا جائے گا؟ لیکن بعض دوسرے صوفیہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ عین تو زائل ہو جاتا ہے لیکن اثر نہیں جاتا۔

تاہم ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ عین اور اثر دونوں زوال پذیر ہیں جیسا کہ شیخ ابو سعید ابوالخیر قدس سرہ کے کلام سے اس بات کی صراحت ہوتی ہے۔ اور جس شخص نے زوالِ عین کا ذکر کیا اور زوالِ اثر کا ذکر نہیں کیا تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کو زوالِ عین بھی متحقق نہیں ہوا تھا، کیونکہ اثر تو عرض کے حکم میں ہے اور عین، جوہر کے حکم میں ہے۔ اسی لیے جب جوہر ہی نہیں رہا تو عرض کہاں سے رہے گا؟ عرض تو جوہر سے قائم ہے اور اس کا کوئی علیحدہ وجود نہیں۔ ؏ سر نہیں ہے تو دردِ سر کیسا؟ پھر حضرت مجدد نے حضرت ابو سعید ابوالخیر قدس سرہ کی وہ رباعی[1] جو انھوں نے اثر کے زائل ہونے کے سلسلے میں سائل کے جواب میں لکھی تھی، پڑھی اور اس کے چوتھے مصرع کی تکرار کر کے فرمایا کہ ہم عین اور اثر دونوں کے زوال کے معاملے میں شیخ بزرگوار کے ہم خیال ہیں لیکن ہم اس مصرع سے متفق نہیں کہ ؏:

چوں من ہمہ معشوق شدم عاشق کیست؟ (معشوق جوہر جا ہے تو پھر عاشق کون؟)

ہم تو شیخ علاؤالدولہ سمنانیؒ کی طرح کہتے ہیں کہ "توئی اٹھ جاتی ہے لیکن دوئی نہیں جاتی۔" لیکن شیخ سمنانیؒ اس کو "دم بھر کے لیے" کہتے ہیں اور ہم اس کی ہمیشگی کے قائل ہیں کیونکہ ہمارے نزدیک تجلی دائمی ہوتی ہے، برقی نہیں ہوتی۔

حضرت مجدد نے یہ بھی فرمایا کہ عین اور اثر کے زوال کے لیے دوئی کا اٹھ جانا لازم نہیں بلکہ نہیں چاہیے۔ کیونکہ ظل تو اصل کی ودیعت ہے کہ وہ (ظل) خود کو دیکھ رہی تھی اور جب اصل کو دیکھ لیا تو اس کی توئی (یعنی وہ خود) جو اصل ہی کی ماہیت ودیعت شدہ تھی اٹھ گئی

---

[1] وہ رباعی یہ ہے:

چشم ہمہ اشک گشت چشمم نگریست ۔۔۔ در عشق تو بے جسم ہمی باید زیست
از من اثرے نماند ایں گریہ ز چیست ۔۔۔ چوں من ہمہ معشوق شدم عاشق کیست

لیکن دوئی قائم رہتی ہے کیونکہ ظل تو اصل نہیں ہو سکتا۔ (پس سمجھا جس نے سمجھا) اس مقام پر آپ نے اس قدر دقائق اور حقائق بیان فرمائے کہ ہماری قوتِ مدرکہ کو ان کے احاطہ کرنے کی طاقت نہ رہی۔ اسی اثناء میں فرمایا کہ :

چونکہ صاحب فتوحات (ابن العربیؒ) نے حق کو وجود مطلق کہا ہے اس لیے شیخ علاؤ الدولہ سمنانیؒ نے اس کے مقابلے میں شدّ و مد کے ساتھ کہا ہے کہ کلی دراصل مقید اور مطلق میں منحصر ہے اور علاوہ خاص اور عام کے وہ اس کو قسمِ ثالث نہیں سمجھتے اور صحیح بات تو یہ ہے کہ قانونِ منطق کے لحاظ سے بھی اسی طرح ہے۔ مگر ابن العربیؒ نے اسے مطلق کہا ہے اور ایسا مطلق جو قیدِ اطلاق سے بھی بالاتر ہے۔ اور یہی قسم ثالث ہے جو ان کی (ابن العربیؒ کی) خاص اصطلاح ہے اور اصطلاح میں کسی کو کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اس صورت میں کوئی نزاع نہیں سوائے لفظی نزاع کے۔

ملفوظ ۴ : جس طرح ذات ہمارے ادراک اور تصور میں نہیں آسکتی اسی طرح صفات بھی نہیں آسکتے۔ کیونکہ صفات میں سے جو بھی سالک کے ادراک میں آسکتے ہیں وہ ظلالِ صفات ہیں۔ ہمارا مسلک یہ ہے کہ مطابق آیت اُذْکُرُوْنِیْ اپنا تمام وقت اس کی یاد میں مستغرق رکھیں تاکہ حق تعالیٰ بھی بحکم اَذْکُرْکُمْ تم کو اپنے کرم سے یاد کرے جیسا کہ اس نے یاد کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور اللہ کا ذکر حصولِ احوال و مکاشفات کی غرض سے نہ کریں اور (دنیوی) غرض کو ذہن میں جگہ نہ دیں۔ بلکہ بغیر کسی غرض کے بلکہ اپنی جان پر احسان اٹھا کر ذکر اور بندگی میں مشغول رہیں۔ اگر وہ قبول فرمالے تو جس طرح چاہے نوازے اور وہ اہلِ سنت و جماعت کے معتقدات کے مطابق شَکَرَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ سَعْیَہُمْ (اللہ تعالیٰ انہیں ان کی کوشش کا پورا بدلہ دے گا) ہو تو اس پر اعتماد کریں اور شکر بجالا کر ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ کہتے رہیں۔ اور اگر یہ بات پیدا نہ ہو تو وہ اعتبار کے لائق نہیں۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ کمالاتِ ذاتیہ کے حصول کے باوجود اس کی تنزیہِ پاک کی مراعات سے اس کی صفات کے مراقبات میں اور

اس کے تصورات میں خوف و حیرت ہوتی ہے۔ بعض مشائخ کے متعلق ہم سنتے ہیں کہ وہ مبتدیوں کو مراقبۂ ذات کی تعلیم دیتے ہیں اور اُس کو وہ نورِ بے رنگ و بے چیز کہتے ہیں جو سارے عالَم کو احاطہ کیے ہوئے ہے اور ایسے مراقبہ والوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے تخیّل میں اس نور کو بسیط و عریض قرار دیتے ہیں لیکن حق تعالیٰ اُن کے اس خیال سے پاک ہے۔ وہ بسیطِ حقیقی ایسا ہے کہ اس میں بسط و طول و عرض اور اسی قسم کے تخیلات کی گنجائش نہیں ہے۔

ملفوظ ۵ : (آپ نے فرمایا) جس دن میں نے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرّہ سے تعلیم (روحانی) حاصل کی مجھے یقین ہو گیا تھا کہ عنقریب اللہ تعالیٰ محض اپنے کرم سے مجھے اس راہ کی انتہا تک پہنچا دے گا اور ہر چند اپنے حال اور اعمال کی خامی کو دیکھ کر اس یقین کی نفی کرتا تھا مجھے اس نفی میں کامیابی نہ ہوئی تھی اور یہ شعر اکثر میرے وردِ زبان رہتا تھا:

ترے انوار سے دل ہے منوّر بالآخر تجھ کو پا لوں گا یقیناً

ملفوظ ۶ : حضرت خواجۂ احرار قدس سرّہ کے پاس کوئی نسبت ان کی خاص نسبتوں میں سے ایسی نہ تھی جو آپ نے ہمارے خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کو (نسبتِ اویسیہ سے) عطا نہ فرمائی ہو اور اُن خاص نسبتوں میں سے ایسی کوئی نسبت نہ تھی جو حضرت خواجہؒ نے ہم کو عنایت نہ فرمائی ہو۔ مگر ایک نسبتِ عالیہ جو حضرت خواجۂ احرار قدس سرّہٗ کے عطیات میں سے باقی رہ گئی تھی۔ ہمارے حضرت خواجہؒ نے اپنے انتقال کے بعد جب کہ میں اُن کے روضہ کی زیارت کو گیا تھا مجھے مرحمت فرمائی۔

ملفوظ ۷ : (فرماتے تھے کہ) حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرّہ اسی وقت تک مریدوں کی تربیت میں پیش پیش تھے جب تک کہ میری تعلیم مکمل نہیں ہوئی تھی۔ جب وہ میری تعلیم سے فارغ ہوئے تو معلوم ہوا کہ انھوں نے خود کو اب مشیخت کے کام سے علیحدہ کر لیا ہے۔ انھوں نے مریدوں کو میرے حوالے فرما دیا اور میرے متعلق فرمایا کہ "یہ بیج ہم بخارا اور سمرقند سے لائے ہیں اور ہندوستان کی مبارک سرزمین میں

اسے بویا ہے۔"

ملفوظ ۸ : کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی برکت اور عظمت اس کے قائل کے درجات کے مطابق حاصل ہوتی ہے یعنی جس قدر اس کا قائل عظیم ہوگا اس کی برکت اور عظمت بھی زیادہ ہوگی۔ پھر آپ نے ایک مصرع (عربی کا) پڑھا :۔ ع

حسن بھی بڑھتا گیا جتنا کہ میں دیکھا کیا

اور آپ ہمیشہ فرماتے تھے کہ معلوم نہیں، دنیا میں اس آرزو سے بھی بڑھ کر کوئی آرزو ہے کہ انسان ایک گوشے میں بیٹھ کر اس کلمۂ طیبہ کی تکرار کی لذت حاصل کرتا رہے۔ لیکن کیا کیا جائے کہ تمام آرزوئیں پوری نہیں ہوتیں۔

ملفوظ ۹ : وہ امور جو عارف کو ملکیت سے بشریت کی طرف لے آتے ہیں ان میں کھانا کھانے جیسی چیز کوئی نہیں۔ کبھی کبھی تہجد کے وقت کھانے کی کدورتوں کی ظاہری صورتیں نظر آجاتی ہیں۔

ملفوظ ۱۰ : جو کچھ ہم کو عطا فرمایا گیا ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔ اگر اس کرم کے لیے کوئی ذریعہ بنا ہے تو وہ صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہے جس پر ہمارے معاملے کا دارومدار ہے۔ چنانچہ جو کچھ ہم کو دیا گیا ہے وہ اسی پیروی اور غلامی کی بدولت ہے اور جو کچھ ہم کو نہیں دیا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ حکیم شریعت کی پیروی میں ہمارے اندر کوئی خامی رہ گئی ہوگی۔

اسی سلسلے میں آپ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ بھول کر میں نے بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت پہلے سیدھا پاؤں رکھ دیا۔ اس روز مجھ پر حالات کے دروازے بند ہوگئے۔ لیکن ندامت اور توبہ کے بعد حالات معمول پر آگئے۔

ملفوظ ۱۱ : ایک روز پیشاب کا تقاضا غالب ہوا تو میں جلدی سے طہارت خانہ میں داخل ہوگیا۔ میری نظر ایک ناخن پر پڑی۔ دیکھا کہ قلم سے گرا ہوا سیاہی کا ایک نقطہ اس پر پڑا ہوا تھا۔ چونکہ وہ نقطۂ سیاہی جو حروفِ قرآنی کی کتابت کے اسباب میں سے ہے اس کے ساتھ وہاں بیٹھنا میں نے خلافِ ادب سمجھا، اس لیے تیزی کے ساتھ

میں بیت الخلار سے باہر نکل آیا اور اس نقطہ سیاہی کو دھویا۔ اس کے بعد میں استنجار کے لیے گیا۔ حالانکہ مجھے پیشاب کا سخت تقاضا تھا لیکن میں نے اسے روکنے کی تکلیف گوارا کی اور ادب کو ترک کرنا پسند نہیں کیا۔

ملفوظ ۱۲ : ایک بار آپ نفلی روزے رکھ رہے تھے کسی نے دریافت کیا کہ آپ یہ روزے کس لیے رکھ رہے ہیں ؟ آپ نے فرمایا کہ احتیاط کے طور پر قضا روزے رکھ رہا ہوں کیونکہ ماہِ رمضان میں دن کے وقت استنجا کرنے کا اتفاق ہوا تھا۔ تو اس خیال سے کہ پانی استعمال کرنا پڑا تھا تو احتیاط کے طور پر قضا روزے رکھ رہا ہوں۔

ملفوظ ۱۳ : آپ ہمیشہ اپنے مریدوں کو کثرتِ ذکر، دوامِ حضور اور مراقبہ کی پابندی کے لیے ترغیب دلایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ دنیا دارِ عمل ہے اور کھیتی بونے اور اس کے لیے کام کرنے کی جگہ ہے۔ اس لیے حضورِ باطن کو ظاہری آداب و اعمال کے ساتھ اپنے کام میں لگائے رکھو۔

ملفوظ ۱۴ : کچھ لوگوں نے خواجگانِ نقشبندیہ قدس اللہ اسرارھم کے رسالوں سے قلتِ عمل کا مطلب نکال لیا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ ان بزرگوار ولی نے اتباعِ نبوی ہی کو اپنا معمول بنایا ہے اور اسی پر پورا بھروسا کیا ہے (یعنی وظیفے وغیرہ پڑھنے پر زور نہیں دیا) اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو مرادیت اور محبوبیت حاصل تھی لیکن اس قدر لمبی نمازیں پڑھتے تھے کہ آپ کے پاؤں متورّم ہو جاتے تھے اور طریقۂ نقشبندیہ میں شروع اور وسط کے حالات میں جذبات سے تعلق ہوتا ہے۔ اس لیے کثرتِ شکر اور استغراق کی وجہ سے وہ کثرتِ نوافل میں عمل نہیں رکھتے بلکہ دوامِ حضور کو فرائض اور واجبات اور سننِ مؤکدہ کے ادا کے ساتھ جمع کرتے ہیں اور اسی پر اکتفا کرتے ہیں اسی کے ساتھ وہ عزیمت کو بہت اہم سمجھتے ہیں کہ وہ عظیم ریاضتوں میں سے ہے اور بالخصوص (شروع اور وسط والے) جذبات اور غلبات کے ساتھ وہ اور بھی اہم ہو جاتی ہے۔ لیکن پھر جب عنایتِ الٰہی سے ان کے حالات (آگے چل کر) تلوین سے تمکین میں آ جاتے ہیں تو پھر وہ کثرتِ طاعات میں لگ جاتے ہیں اور اس وقت ان کی

ترقیوں کا دارومدار کثرتِ اعمال ہی پر ہوتا ہے۔

ملفوظ ۱۵ : لوگ سمجھتے ہیں کہ ریاضت کے معنی بھوکا رہنا اور روزہ رکھنا ہے۔ لیکن (حقیقت یہ ہے کہ) کھانے میں توسط (اور توازن) رکھنا دوام روزہ سے زیادہ مفید ہے جب لذیذ کھانا سامنے رکھا ہوا ہو تو آدھی بھوک تک کھانا اور پھر کھانے سے ہاتھ کھینچ لینا بہت بڑی ریاضت ہے اور اُن لوگوں کی ریاضتوں سے بدرجہا بہتر ہے۔ کیونکہ اُن لوگوں نے تو وہ کھانا دیکھا ہی نہیں اور کھانے سے باز رہے اور یہ لوگ تو اُس میں سے کچھ چکھ کر باز رہے ہیں۔

ملفوظ ۱۶ : شرم آتی ہے کہ انفرادی نماز میں قوت اور استطاعت کے باوجود رکوع اور سجود میں کم تسبیحات پڑھی جائیں۔

ملفوظ ۱۷ : لوگ ریاضتوں اور مجاہدوں کی ہوس کرتے ہیں لیکن آدابِ شریعت کی رعایت کے برابر کوئی ریاضت اور مجاہدہ نہیں ہے بخصوصاً فرض، واجب اور سنّت نمازیں اور ان کے ادا کرنے کا طریقہ جیسا کہ حکم دیا گیا ہے بہت دشوار ہے۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ (اور وہ نماز بھاری ہے مگر ڈرنے والوں پر) [1]

ملفوظ ۱۸ : نماز میں التحیات پڑھتے وقت شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا اگرچہ بعض ظاہر احادیث کے موافق ہے اور مجتہدانِ حنفیہ کی بعض روایات اس کے جواز میں پر موجود ہیں۔ لیکن تحقیق سے معلوم ہوا کہ احتیاط اور بہتری اسی میں ہے کہ یہ اشارہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ بہت سے علماء نے اسے حرام اور مکروہ کہا ہے اور جب کسی چیز کے حلال اور حرام ہونے میں اختلاف ہو اس کا ترک کرنا ہی بہتر ہوگا۔

ملفوظ ۱۹ : احوال، شریعت کے تابع ہیں، شریعت، احوال کی تابع نہیں۔ کیونکہ شریعت

---

[1] جناب عرفان احمد انصاری کے ترجمہ میں ملفوظ ۱۶ کے بعد یہ ملفوظ بھی ہے جو فارسی متن میں نہیں ہے:
نماز میں سنن و مندوبات و آداب کی رعایت، حضورِ قلبی کا کام کرتے ہیں کیونکہ یہ تمام رعایتیں ذکر (میں شامل) ہیں۔ یاد کرو اس کا امر اور اس کی طرف توجّہِ خالصہ۔

بالکل قطعی اور وحی الٰہی سے ثابت ہے ۔ اور احوال ، ظنی ہیں جو کشف اور الہام سے ثابت ہوتے ہیں۔

ملفوظ ۲۰ : بڑا تعجب (اور افسوس) ہے کہ بعض ناقص اور خام قسم کے درویش اپنے کشف پر اعتماد کر کے شریعت بیضا کے انکار اور مخالفت کی جرأت کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پاتے تو ان کے لیے بھی سوائے اس روشن شریعت کی پیروی کے اور کوئی چارہ نہ ہوتا ۔ تو پھر ایسے کور باطن درویش کی کیا حیثیت ہے؟

ملفوظ ۲۱ : ماتریدیہ[۲] کے متعلق آپ فرماتے تھے کہ یہ حضرات علوم فلسفہ کی آمیزش سے زیادہ دور ہیں اور انوار نبوت کے حصول سے زیادہ قریب ہیں۔

ملفوظ ۲۲ : حضرت خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہ فرماتے تھے کہ " ہماری نسبت تمام نسبتوں سے بلند ہے "۔ چونکہ حضرات نقشبندیہ[۱] کا طریقہ ، سنت کے اتباع اور عزیمت کی رعایت کے لحاظ سے دوسرے طریقوں سے زیادہ قوی اور بلند ہے اس لیے ان کی نسبت بھی تمام نسبتوں کے افضل ہے ۔

ملفوظ ۲۳ : عمل صالح کو تکبر اس طرح تباہ کر دیتا ہے جس طرح لکڑی کو آگ کر دیتی ہے ۔ تکبر کا معاملہ یہ ہے کہ اس کے عامل کو اپنا عمل بہت اچھا معلوم ہوتا ہے (حالانکہ اُسے) چاہیے کہ وہ اپنی پوشیدہ برائیوں اور خامیوں کو یاد کرتا رہے اور اپنی نیکیوں پر پردہ ڈالے بلکہ اپنی عبادتوں کے ادا کرنے سے شرمندہ ہو ۔

ملفوظ ۲۴ : جب تک کوئی شخص علم ظاہری میں پوری مہارت نہ رکھتا ہو اُس وقت تک وہ صوفیہ کی باتوں کے اسرار سے مستفید نہیں ہو سکتا ۔

ملفوظ ۲۵ : موہوم اور موجود میں تمیز کرنا ادراک ہے اور تمیز ہو جانا اور ہے ۔

---

[۱] معارف لدنیہ میں (خسران مخالفین کے ذیل میں) بھی یہ مضمون ہے ۔

[۲] شیخ ابو منصور محمد بن محمد بن محمود الحنفی المتکلم الماتریدی سمرقندی ؒ سے ماتریدیہ جماعت کی بنا پڑی۔ یہ جماعت راسخ العقیدہ سُنی تھی اور معتزلہ وغیرہ آزاد خیال فرقوں کے مقابلے میں وجود میں آئی تھی۔ شیخ ابو منصور ۳۳۳ھ میں سمرقند میں فوت ہوئے ۔

ملفوظ ۲۶: نفی اور انتفاء میں[1] فرق بہت نفیس ہے۔ یعنی نفی کا تعلق بدایت (ابتداء) اور وسط سے ہے اور انتفاء کا تعلق نہایت (انتہا) سے ہے۔

ملفوظ ۲۷: حضرات خواجگانِ نقشبندیہ قدس اللہ اسرارھم کے طریقے میں اسم ذات کا سیکھنا سکھانا اور نفی و اثبات کی تعلیم بھی ہے یعنی دونوں طریقے ہیں۔ اور جو ہم کو (کشف سے) معلوم کرایا گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اسم ذات کو جذبہ سے زیادہ مناسبت ہے اور نفی و اثبات کو سلوک سے ہے۔ اور چونکہ اس طریقے میں ابتداء ہی میں جذبہ کا مقدم ہونا مبتدی کے حال کے زیادہ مناسب ہے۔ اس لیے اس طریقے کے مبتدی کو اسم ذات کی تکرار ہی بہتر ہے اور جب وہ سلوک میں قدم رکھے تو اس وقت نفی و اثبات اس کے حال کے مطابق ہوتا ہے۔

ملفوظ ۲۸: آپ سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ اس بات میں کیا راز ہے کہ میں محفلوں، مجلسوں، بازاروں اور ارباب تفرقہ کی صحبتوں میں نسبت کا ظہور اور حضور زیادہ پاتا ہوں اور خلوتوں میں، حجروں میں اور اصحاب جمعیت کی صحبتوں میں کم پاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ ایک شخص نے حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ سے بھی یہی سوال کیا تھا تو انھوں نے یہ جواب دیا تھا کہ ہمارے بزرگوں کی نسبت محبوب جیسی ہے کہ جب محبوب کو خلوت میں بلاتے ہیں تو اسے حیا آتی ہے لیکن حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ کا یہ جواب حسنِ ادا اور لطافت والا ہے اور اس معمے کا حل یہ ہے کہ ظاہر کو باطن کے ساتھ الفت اور محبت ہوتی ہے ایسی جیسی کہ ایک ساتھ بیٹھنے اٹھنے والوں کو ہوتی ہے۔ مظاہر اور باطن میں سے ہر ایک اپنے کام میں لگا رہتا ہے۔ لیکن سالک کا ظاہر جب محفلوں اور مجلسوں میں صحبتِ خلق کی وجہ سے باطن کی صحبت کو ترک کر دیتا ہے تو وہ باطن اپنے ظاہر کے بغیر اپنے کام میں لگ جاتا ہے اسی لیے اس وقت حالات اور حضور زیادہ ہوتا ہے لیکن جب سالک خلوت میں جاتا ہے تو اس کا ظاہر، محفلوں کے مشاغل سے ہٹ کر باطن کی صحبت اور موانست کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور اس کا باطن بھی ظاہر کے ساتھ مجالست اختیار کر لیتا ہے۔ اس لیے حضور میں کمی ہو جاتی ہے۔ لیکن بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو خلوتوں اور حجروں میں محفلوں اور اجتماعات کے مقابلے میں زیادہ جمعیت حاصل ہوتی ہے اور اس کی

---

[1] مکتوبات ۳/۹۰ (نفی - انتفاء) — (موہوم و موجود)

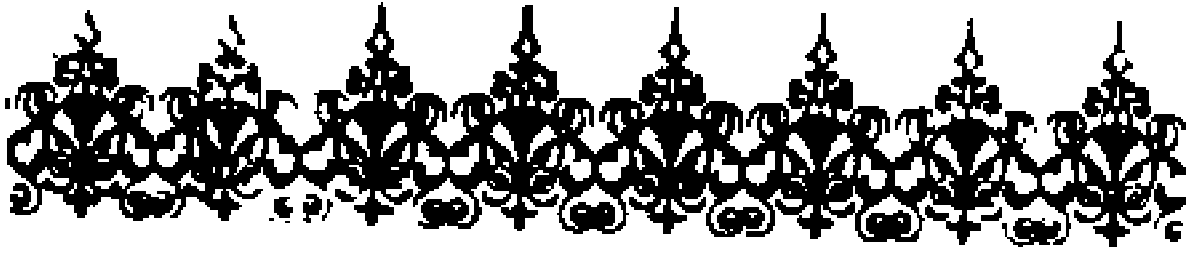
وجہ یہ ہے کہ ان کا باطن قوت حاصل کر کے ظاہر پر غالب ہو گیا ہے اور اس نے ظاہر کو اپنا تابع بنا کر اپنا ہم رنگ کر لیا ہے۔ پس اس طرح ظاہر اور باطن کے مل جانے سے نسبت میں اضافہ ہو گیا ہے۔

ملفوظ ۲۹ : ایک دن آپ نے فرمایا کہ اگرچہ دینِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو صوفیہ کی وجہ سے بہت سے فائدہ حاصل ہوئے ہیں کہ اس اُمّت کے بہت سے گناہ گار لوگ ان بزرگوں کے افاضات و برکات کی بدولت درجۂ کمالات کو پہنچ گئے ہیں اور ان بزرگوں کے انوارِ صحبت سے اُن کی ظلمت بدعت دور ہو گئی ہے اور قرآن و سُنّت کے بہت سے اسرار ان بزرگوں کے مکشوفات سے ظہور میں آئے ہیں لیکن صوفیہ کے اربابِ سُکر کی وجہ سے اس دینِ متین کو نقصانات بھی پہنچے ہیں۔ اور (غیر محتاط) بے باک ناقص لوگوں کے لیے وہ ہدف بن گئے ہیں اور ان کے سُکر آمیز اقوال اور خلافِ شریعت کلام سے بہت لوگوں کو گمراہی ہوئی ہے۔

(لیکن) اللہ تعالیٰ نے ان کے ایسے کلمات کے ظہور میں حکمتیں اور مصلحتیں رکھی ہیں بلکہ (حق یہ ہے کہ) تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ (اللہ تعالیٰ کی عادات کو اپناؤ) کے حکم کے مطابق ان بزرگواروں نے اپنی زبان سنّتِ الٰہیہ کے لیے کھولی ہے۔ کیونکہ قرآن پاک میں بھی جو متشابہات آتے ہیں جیسے ید، اِسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ، ساق وغیرہ تو ایک جماعت نے اللہ تعالیٰ کے لیے جسم ثابت کر کے گمراہی مول لی۔ اور اللہ تعالیٰ ان الفاظ سے اُن کے گمراہ ہونے کو خوب جانتا ہے گو کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی بھی ان بزرگواروں نے کی جیسا کہ حدیثوں میں آتا ہے کہ :

(۱) خدا ہنسا (۲) خدا نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا (۳) میں نے اپنے رب کو بصورت امرد جوان، مدینے کی گلیوں میں چلتے پھرتے دیکھا۔ اور (۴) اس نے اپنا ہاتھ میرے کندھے پر رکھا تو میں نے اس کی خنکی پائی۔ یعنی ایسے کلمات حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بھی ادا ہوئے ہیں۔ حالانکہ انبیاء علیہم السلام اور خصوصاً حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تو کمال صحو میں تھے۔ پس ان صوفیہ سے ایسے کلماتِ سُکر اور خلافِ

شرع الفاظ کا ادا ہونا بھی موجب طعن ولعن نہیں ہے۔
اس کے بعد حضرت مجددؒ نے فرمایا کہ ہم نے خود کو شریعت میں ڈال دیا ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی روشن سنت کی خدمت میں ہم قائم ہیں۔ اب اگر ہمارے قلم کی زبان سے بھی بعض شکر آمیز کلمات صادر ہوئے ہیں تو ظاہر بیں لوگوں کو ان سے کیا ملے گا؟



حضرت نہم

(حضرت مجددؒ کا حلیہ، تصرفات اور کرامات)

سب سے پہلے آپ کا حلیۂ مبارک بیان کیا جاتا ہے تاکہ سالکانِ راہِ طریقت اور مسافرانِ منازلِ حقیقت اس کو اپنے وصول کا ایک ذریعہ سمجھ کر اس حلیۂ مبارک والے کے تصور کی طرف راغب ہوں اور اس رابطے سے فیوض و برکات حاصل کریں۔ ع

سایۂ رہبر کو ذکرِ حق سے بہتر جانیے

اگرچہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور شغل موجبِ ترقیات ہے لیکن شیخ سے رابطہ رکھنا سب طریقوں سے زیادہ قریب کا راستہ ہے۔ اور راہِ نقب بھی ہے ؎

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار ہیں جو
قافلے کو رہِ پنہاں سے حرم پہنچا دیں

حضرت مجددؒ گندمی رنگ لیکن مائل بہ سپیدی تھے اور کشادہ پیشانی تھے اور آپ جیسے سردارِ کبار کی پیشانی اور چہرے سے ایک ایسا نور چمکتا تھا کہ آنکھیں اس کے مشاہدے سے خیرہ ہو جاتی تھیں۔ آپ کشادہ ابرو تھے اور ابرو ایسے تھے جیسے ایک منحنی کمان یعنی لمبے اور سیاہ اور باریک بھی۔ اور آپ کی آنکھیں کشادہ اور بڑی بڑی تھیں۔ ان کی سیاہی زیادہ سیاہ تھی اور سفیدی بھی بہت سفید تھی۔ آپ کی ناک بلند اور باریک تھی۔ لب سرخ اور باریک تھے۔ منہ نہ لمبا تھا اور نہ بہت چھوٹا۔ آپ کے دانت ایک دوسرے سے ملے ہوئے اور چمکدار تھے۔ ایسے جیسے لعلِ بدخشاں اور آپ کی ریش مبارک خوب گھنی، رعب دار، دراز اور مربع تھی۔ اور آپ کے رخساروں پر آپ کی ریش مبارک کے بال تجاوز نہیں کرتے تھے۔ آپ دراز قد اور نازک اندام تھے اور کبھی آپ کے بدن پر مکھی نہ بیٹھتی تھی۔ آپ کے

پاؤں کی ایڑیاں ایسی صاف اور چمکدار تھیں جیسے چین وچگل کے محبوبوں کی ہوتی ہیں۔ اور آپ کے پسینے سے کبھی ناگوار بُو نہیں آتی تھی جیسی کہ موسم گرما میں ہو جاتی ہے۔ غرض کہ آپ کا حسن، یوسف علیہ السلام کے حسن کی یاد تازہ کر دیتا تھا اور آپ کی وجاہت ابراہیم علیہ السلام کی وجاہت کی یاد دلاتی تھی۔ جو شخص بھی آپ کو دیکھتا بے اختیار کہہ اٹھتا کہ "یہ انسان نہیں، یہ کوئی بزرگ فرشتہ ہیں۔" اور بلا تامل ہر شخص کی زبان پر اس طرح جاری ہو جاتا کہ سبحان اللہ اور یہی اللہ کے ولی ہیں۔ گویا یہ حدیث کہ "اولیاء اللہ کے دیکھنے سے خدا یاد آتا ہے۔" آپ ہی کی شان میں وارد ہوئی تھی۔

اسلام کے ضعف اور کفر کے غلبے کے باوجود ہزاروں کافر آپ جیسے قبلۂ ابرار کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے اور فاسقوں اور فاجروں کی کثیر جماعت آپ کے اطوار و اخلاق کو دیکھ کر تائب ہوئے اور صلاح و تقویٰ اور خدا پرستی کی طرف آ گئے۔ اسی طرح دنیا کے گوشے گوشے سے لوگ آپ کو واقعات اور خوابوں میں دیکھ کر اور رابطہ حاصل کر کے آپ کی خدمت میں پہنچتے تھے اور جیسا کہ وہ واقعے میں دیکھتے تھے ٹھیک اسی طرح آپ کو حاضر ہو کر دیکھتے تھے۔ بہت سے علماء، صلحاء، درویشوں اور امیروں نے آپ کو خواب میں دیکھ کر آپ سے ذکر و شغل کا طریقہ سیکھا اور اُن کا دل بھی اس ذکر سے ذاکر بن گیا۔ پھر پورے اشتیاق کے ساتھ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تعلیم طریقہ حاصل کی اور اسے ویسا ہی پایا جیسا کہ خواب میں حاصل کیا تھا۔ اور آپ کی کرامات میں سے یہ بات بھی تھی کہ کثرت سے مرید حاضر خدمت ہوتے اور ہر فرد پر آپ توجہ فرماتے اور احوال و کیفیات وارد فرماتے، پھر ان کیفیات سے گزار کر دوسری کیفیات وارد فرماتے۔ اسی طرح اور اسی طرح جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا۔

پھر یہ بات بھی تھی کہ ہر شخص کے ساتھ آپ کا معاملہ مختلف تھا اور ہر فرد کے لیے اسرار بھی جدا تھے اور لطف یہ ہے کہ مریدوں اور ملازموں میں سے ہر ایک یہی سمجھتا تھا کہ جتنی شفقت اور عنایت مجھ پر ہے، دوسرے پر نہیں ہے ــ آپ کا معاملہ مریدوں کے ساتھ مرید کرنے کے اور تعلیم شروع کرانے کے دن سے لے کر درجۂ ولایت کو پہنچانے تک ہر روز ایسا ہی رہتا تھا۔ یہ فقیر (یعنی بدرالدین سرہندی) اپنا حال جانتا ہے کہ آپ ہر روز کم و بیش

دس مرتبہ میرے باطنی احوال دریافت فرمایا کرتے تھے۔ اور جو کیفیت میں آپ سے عرض کرتا تھا اسی لحظہ آپ کی توجہ سے وہ کیفیت دور ہو جاتی تھی اور اس سے کہیں بلند تر کیفیت طاری ہو جاتی تھی اور کبھی کبھی دو کیفیتوں کے درمیان کچھ انقباض پیدا ہوتا تو اس کے بعد ہی آپ کی توجہ سے دوسرا حال وارد ہو جاتا تھا۔ اس حقیر کا یہ ایسا تجربہ ہے کہ کبھی اس کے خلاف نہ ہوتا تھا۔ اور آپ بھی کبھی کبھی فرماتے تھے کہ تمہارا حال اب ایسا ہے۔ اور اس کے بعد دوسری کیفیت تم پر وارد ہوگی اور آپ جیسا فرماتے ویسا ہی ہوتا۔ بلکہ بعض حضرات جو ولایت اور خلافت حاصل کرنے کے بعد چلے جاتے تھے ان پر بھی آپ غائبانہ توجہ فرماتے تھے اور احوالِ خلفاء کے بھی ولایت کے کم درجات کو کمالاتِ وراثتِ نبوّت تک واصل فرما دیتے تھے۔ اسی طرح آپ کسی کے لیے چاہتے کہ اُسے ولایتِ موسوی سے ولایتِ محمّدی کے مقام تک پہنچا دیں تو آپ کمال تصرّف سے جزِ ثقیل کر کے اس کو اس مقام سے واصل فرما دیتے تھے۔ اور علم روحانیت والا سالک بھی اپنے اندر محسوس کر لیتا کہ میں کہاں سے کہاں آ گیا ہوں۔ جیسا کہ حضرت مخدوم زادۂ کلاں (یعنی خواجہ محمد صادق علیہ الرحمہ) اور حضرت میر محمد نعمان علیہ الرحمہ کے حالات میں معلوم ہوگا۔ طالبوں کے حالات کا معلوم ہو جانا اور ان کے آنے والے حالات کی خبر ہو جانا اور پھر اسی کے مطابق ان کا وقوع ہونا آپ سے بے شمار مرتبہ واقع ہوا ہے۔ آپ کے مریدوں کی تعداد لاکھوں سے زیادہ تھی۔ اگر ہر مرید کے سلسلے میں آپ کی ایک ہی کرامت اور کشف کا شمار کیا جائے تو آپ کے خوارق و کرامات لاکھوں کی تعداد میں ہو جائیں گے۔

یہ فقیر (مؤلف) سترہ سال آپ کی خدمت میں رہا۔ اگر اُسی زمانے سے آپ کے مکشوفات اور کرامات اور آپ کے مقامات اور درجات کی تحریر کا ارادہ کیا ہوتا اور ہر روز کے واقعات لکھ لیے جاتے (کیونکہ آپ سے ہر ساعت اور ہر لمحہ خوارق کا ظہور ہوتا تھا) تو اگر کم سے کم ہر روز کی ایک ہی کرامت فرض کر لی جائے تو قریب تین ہزار کرامتیں میری خدمت کے زمانے میں لکھ لی جاتیں اور اب تو آپ کے وصال کے بعد کئی سال تک یہ ارادہ پختگی پاتا رہا۔ آپ کے خلفاء رشد و ہدایت دینے کے لیے شہروں میں گئے ہوئے ہیں اور بہت سے

مریدبھی باہر ہیں۔ تاہم اس تحریر کے وقت جو کچھ مجھے یاد رہا یا لبقیہ حضرات سے میں نے سُنا، وہ تحریر میں لے آیا ہوں اور کیا ہو سکتا ہے ؟ جس کا سب کا سب حاصل نہ ہو سکتا ہو تو اس کے کچھ کو بھی نہیں چھوڑ سکتے۔ کیونکہ قلیل، کثیر پر اور قطرہ، بڑے دریا پر دلالت کرتا ہے۔

اس حقیر مؤلف نے حضرت مجددؒ کی حیات بابرکات کی بابت ایک مرتبہ پہلے بھی حالات کا مسودہ تیار کر لیا تھا اور اس کا نام سیر احمدی رکھا تھا۔ اور حضرتؒ کی نظر کیمیا اثر میں پیش بھی کیا تھا۔ جب آپ اس قصہ تک پہنچے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ نے مولانا خواجگی امکنگی قدس سرہ کے فرمانے پر استخارہ میں ایک طوطی کو دیکھا جو درخت کی شاخ سے اڑ کر حضرت خواجہؒ کے دست مبارک پر بیٹھ گئی ...... الخ۔، اس فقیر نے غالباً طوطی کو طائرِ ہندی لکھ دیا تھا۔ حضرت مجددؒ نے طائرِ ہندی کا لفظ کاٹ دیا اور لفظ طوطی لکھ دیا، اور خوش طبعی کے طور پر فرمایا کہ " سبحان اللہ تمہاری پہلی تصنیف ہمارے احوال کے متعلق مرتب ہوئی "۔ یعنی آپ نے کشف سے معلوم فرما لیا تھا کہ (یہ پہلی تصنیف ہے یعنی) مختلف دوسری تصانیف وجود میں آئیں گی (انشاء اللہ)۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ میں نے حضرت مجددؒ کی وفات کے بعد (۱) کرامات الاولیاء (موت کے بعد اولیاء کی کرامات پر) لکھی۔ (۲) حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کی فتوح الغیب کا فارسی ترجمہ کیا (۳) روائح بھی لکھی جو صوفیہ کی اصطلاحات اور قادریہ و نقشبندیہ کے اشغال کے متعلق ہے (۴) سنوات الاتقیاء بھی لکھی جس میں آدم علیہ السلام سے لے کر اپنے زمانے کے اکابر کی وفات کی تاریخیں اور ان کے احوال ہیں۔ لیکن جیسا کہ یہ صحیح ہے کہ ہر کام اپنے وقت پر ہوتا ہے میری کتاب سیر احمدی جو حضرت مجددؒ کے حالات پر تھی میرے سامان کے ساتھ چوری ہو گئی۔ اس کے ضائع ہونے کا مجھے بہت غم ہوا اور طبیعت سرد ہو گئی حتیٰ کہ ۱۰۲۹ھ میں حضرت مجددؒ کے مناقب میں لکھنا شروع کیا اور اس کا کچھ حصہ لکھ لیا تھا کہ مجھے پریشانیاں لاحق ہو گئیں اور ان پریشانیوں ہی کے عالم میں اس کتاب کے مسودات جمع کر کے درجات الابرار ۱۰۴۴ھ کے تاریخی نام سے

۱۰۴۳ھ میں انھیں مرتب کیا۔ پھر میں نے چاہا کہ ان مسودات کو صاف کروں کہ ایک شیعہ دوست نے جو سرہند میں دس سال تک تحصیل دار رہ چکے تھے مجھ سے فرمائش کی کہ احوالِ اولیاء پر کتاب لکھوں۔ چنانچہ میں نے ۱۰۴۴ھ کے اختتام تک اس کتاب سے فراغت پائی اور اس کا نام مجمع الاولیاء[۱] رکھا۔ اس میں ڈیڑھ ہزار اولیاء کے حالات ہیں اور اس کا تاریخی نام منازلِ شیوخ ہے۔ اس کے بعد پھر حضرت مجدد کے مقامات لکھنے پر آمادہ ہوا اور اس کا کچھ حصہ جمع کر لیا کہ اتنے میں اس تحصیل دار نے پھر مجمع الاولیاء (۱۰۴۴ھ) کی تصحیح اور مقابلے کے لیے مجھے مجبور کیا۔ خیر، میں نے اس طرح صوفیہ کی کتابوں اور رسالوں کی مدد سے جمع کی۔ لیکن بعض بے دین طلبہ نے اس تحصیل دار کو خوش کرنے کے لیے صحابۂ کرام کی مشاجرات شامل کر کے اس کتاب کو پایۂ اعتبار سے گرا دیا۔ ۱۰۴۷ھ میں اس کتاب (مجمع الاولیاء) کی تصحیح اور مقابلے سے فراغت کے بعد ہی حضرت مجدد کے مناقب والی کتاب کے لیے کاموں سے وقت بچا بچا کر شب و روز محنت شروع کی۔ لیکن ڈرتا رہا کہ کہیں پھر یہاں وہاں سے کوئی موانعات پیش نہ آجائیں اور کتاب کے کام میں دیر نہ ہو جائے۔ کیونکہ عموماً ہوا چلتی ہے کشتی کے مخالف۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ارشاد عَرَفْتُ رَبِّيْ بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ (میں نے اپنے رب کو اپنے ارادوں کے فسخ ہو جانے سے پہچانا) کے بموجب ایسا ہوا کہ اسی زمانے میں ولی عہد شاہزادہ سلطان محمد دارا شکوہ نے حضرت غوث اعظم شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کے مناقب پر عربی کتاب بهجۃ الاسرار (فارسی میں) ترجمہ کرنے کے لیے میرے حوالے کی چنانچہ ان کے حکم کی تعمیل میں اس کا ترجمہ کیا اور اس کا نام مقاماتِ غوث الثقلین رکھا۔ شاہزادہ موصوف نے اس کا ملاحظہ کیا اور درجۂ قبولیت بخشا۔ اس کے بعد انھوں نے کتاب روضۃ النواظر بھی مجھے دی۔ یہ بھی حضرت غوث اعظم قدس سرہٗ کے مناقب میں ہے۔ میں نے اس کا بھی ترجمہ کر دیا۔ پھر انھوں

---

[۱] مجمع الاولیاء کا مخطوطہ نمبر ۶۴۵۔ لندن کے انڈیا آفس میں موجود ہے جو علی اکبر حسینی اردستانی کی تصنیف کہا گیا ہے۔ ۲۰ ربیع الاول ۱۰۴۳ھ کو پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ شاہجہاں کے نام اس کا انتساب ہے صحابۂ کرام کی مشاجرات کو اس میں شامل کیا ہے اور جگہ جگہ قلمزد کیا ہوا ہے۔

نے مجھے تفسیر عرائس البیان بھی ترجمہ کرنے کو دی۔ یہ شیخ روزبہان بقلی رح کی ہے۔ میں نے اس کا جو تہائی حصہ ترجمہ کرلیا ہے۔ انشاء اللہ کتاب حضرات القدس کی تکمیل کے بعد اس تفسیر کے بقیہ حصہ کا ترجمہ کروں گا۔ خدا کا بڑا شکر و احسان ہے۔

بہرحال، بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ مقصد یہ نہ تھا کہ اپنی دوسری تصانیف کی وجہ سے حضرات القدس کے صاف کرنے میں جو تاخیر واقع ہوئی ہے اس کو بیان کیا جائے بلکہ یہ مطلب تھا کہ حضرت مجدد رح کے خوارق کا بیان اور کرامتوں کی تشریح کر کے کام آگے بڑھایا جائے۔ ہمارے قلم کے سیاہ گھوڑے نے شاہراہ مقصود سے بند کوچے کی طرف باگ بڑھادی۔ نہیں نہیں (ایسا نہیں ہے بلکہ) ہمارے عنبریں قلم نے اپنی نظر کو اپنے مطلوب کی طرف متوجہ کر دیا ہے اور وہ صرف کھلے ہوئے کوچے کی طرف چل پڑا ہے، اس نے اصل مقصد کو نہیں چھوڑا اور وہ اصل مطلب ہی کی طرف متوجہ ہے کیونکہ مقصد تو یہ عرض کرنا تھا کہ حضرت مجدد رح نے سیر احمدی کے مطالعے پر فرمایا تھا اور خوش دلی سے فرمایا تھا کہ "بحمد اللہ تمہاری پہلی تصنیف ہمارے احوال کے متعلق مرتب ہوئی۔" اس ارشاد سے اشارہ ملا کہ انشاء اللہ اس فقیر سے (اس پہلی تصنیف کے علاوہ) دوسری تصانیف بھی وجود میں آئیں گی اور ان تصانیف کا ذکر ہمارے سحر کار قلم نے محض اثبات مطلب کے لیے استدلال کے طور پر کر دیا ہے۔ اللہ اکبر۔ اب میں اس طول کلامی سے بچ کر حضرت مجدد رح کے بعض خوارق اور کرامات کا ذکر کرتا ہوں۔ ان سب کا جمع کرنا اس علم کے احاطہ کرنے سے باہر ہے، پھر کاغذ کے صفحات اس کے متحمل کس طرح ہو سکتے ہیں؟ بہرحال، ارباب تصنیف نے جس طرح سلف کے اکابر کے حالات اور مقامات لکھے ہیں ہم بھی ان کے مطابق حضرت مجدد رح کی بے پایاں تصرفات اور کرامات میں سے کچھ کچھ زبان قلم سے نکالتے ہیں۔ آپ جیسے قطب اقطاب کے رشد و ہدایت کا قریہ بقریہ اور شہر بشہر جاری و ساری ہونا اور آپ کی ہدایات کا تمام دنیا والوں تک پہنچ جانا اور آپ کے تقویٰ اور فلاح کا سارے لوگوں کو محیط ہو جانا اور ان دقائق و حقائق کا ظہور کرنا جو اولیائے سابقین کے قلم ان کے مماثل تحریروں سے قاصر رہے اور بہت گہرے اسرار کا اظہار فرمانا کہ متقدمین کی زبانیں ان کی صراحت سے عاجز رہیں اور خواص و عوام میں آپ کا

مقبول ہونا، اور اولیائے کرام کا آپ پر گرویدہ ہونا، پھر اربابِ ارادت میں آپ کے تصرفات کا عام ہونا ہی آپ کے عظیم خوارق میں سے ہیں۔ آپ نے لکھا ہے :۔

قدسیہ ——— (مکتوبات - ۱/۲۹۳) :

" خوارقِ عادات دو قسم کے ہوتے ہیں۔ نوعِ اوّل وہ علوم و معارف الٰہی ہیں جو حق تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ نظر و عقل سے پرے ہوتے ہیں اور متعارف و معتاد کے برخلاف ہیں کہ حق تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کو ان کے ساتھ ممتاز فرمایا ہے اور اہلِ حق اور اربابِ خیر سے اسے مخصوص کیا ہے۔ نوع دوم وہ جو عالمِ کون سے متعلق ہے اور سچے اور جھوٹے دونوں کو شامل ہے۔ کیونکہ استدراج والوں کو بھی یہ نوع دوم حاصل ہے۔ نوعِ اوّل کو اللہ پاک نے شرافت بخشی ہے۔ کیونکہ اس کو اپنے اولیاء (دوستوں) کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور دشمنوں کو اس میں شریک نہیں کیا۔ اور نوع دوم، عوام میں زیادہ شہرت رکھتی ہے۔ اور اُن لوگوں کی نظروں میں عزت و احترام رکھتی ہے اور یہ چیز جب اہلِ استدراج سے ظاہر ہوتی ہے تو بعید نہیں کہ لوگ نادانی سے اس کی پرستش کرنے لگیں بلکہ ایسے نادان لوگ تو نوعِ اوّل کو خوارق ہی میں شمار نہیں کرتے۔ یہ کیسے بے عقل ہیں! وہ علم جو حاضر یا غائب مخلوقات کے احوال سے تعلق رکھتا ہے اس میں کون سی شرافت (اور فضیلت) ہے۔ بلکہ ایسا علم اس لائق ہے کہ وہ جہالت بنا دیا جائے تاکہ مخلوقات اور اُن کے احوال سے نسیان ہی ہو جائے۔ اللہ پاک کی معرفت ہی اصل شرافت اور بزرگی کی سزاوار ہے اور وہی عزت اور احترام کے شایاں ہے ؎

پری چھپی ہو مگر دیو ناز دکھلائے　　عجب مذاق ہے یہ جس سے عقل حیراں ہے"[۱]

۱؎ یہاں تک دفتر اوّل کے مکتوبات ۲۹۳ کی عبارتیں ہیں۔ لیکن اصل مکتوب سے کچھ کم عبارتیں یہاں نقل ہوئی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ متقدمین میں سے مثلاً حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ کی شاید صرف دس[1] کرامتیں منقول ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے کلیم موسیٰ علیہ السلام کے حال سے اس طرح خبر دی ہے کہ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيَاتٍ بَيِّنَاتٍ[1] (اور ہم نے موسیٰ کو نو کھلی نشانیاں دیں)۔ چنانچہ بہت سی کراماتوں سے بزرگی نہیں بڑھ جاتی، اسی طرح کم کراماتوں سے بزرگی گھٹ نہیں جاتی۔ پھر خوارق کا ظہور ولایت کی ماہیت میں داخل نہیں اور نہ اس کے لیے لازم ہے۔ اور بہت مرتبہ تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ بزرگ سے کرامت ظاہر ہوجاتی ہے اور خود اس کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ حضرت مجدد رح نے یوں بھی لکھا ہے کہ :

قدسیہ — "الہامی علوم و معارف بہت بڑی نشانیاں اور بلند کرامتیں ہیں جیسے قرآن پاک کا معجزہ تمام معجزات سے زیادہ قوی اور مستحکم ہے۔"[2]

قدسیہ — رشد و ہدایت کے لیے یہ کرامت ضروری ہے کہ مریدان رشید کو ایک مقام سے دوسرے مقام کو لے جائے اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف گزارے۔ اسی طرح سعادت مند مرید کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر دم اپنے مرشد سے کرامات اور خوارق کا مشاہدہ کرتا ہے (یعنی شریعت سے رغبت) اور اپنے اندر اس کے تصرفات کے آثار معائنہ کرتا ہے۔ اولیاء اللہ کے لیے لازم نہیں ہے کہ عام لوگوں پر اپنے خوارق کا کسی طرح اظہار کریں بلکہ ولایت کا معاملہ تو پوشیدہ رکھنے کے لائق ہے۔ حدیث قدسی ہے اَوْلِيَائِيْ تَحْتَ قَبَائِيْ لَا يَعْرِفُهُمْ غَيْرِيْ (میرے اولیاء میری قبا کے نیچے چھپے ہوئے ہیں۔ کوئی ان کو میرے سوا نہیں جانتا)۔ اس حدیث سے اس مقصد کی دلیل ملتی ہے — اور کہا گیا ہے کہ "انبیاء کے لیے عقوبت یہ ہے کہ وحی بند ہو جائے اور اولیاء کے لیے عقوبت یہ ہے کہ ان کی کرامات ظاہر ہو جائیں اور مومنوں کے لیے عقوبت یہ ہے کہ ان کی عبادت میں کمی واقع ہو جائے۔"

قدسیہ — قیامت جس قدر قریب ہوگی دین کا ضعف بڑھے گا۔ اسی لیے وہ کرامات جو دین

---

[1] یہ مضمون دفتر اوّل کے مکتوب ۲۹۴ میں ہے۔

[2] یہ عبارت بھی دفتر اوّل کے مکتوب ۲۹۴ سے لی ہے۔

کے رواج کے لیے تھیں اُن کا ظہور کم ہوگیا اور اولیاء ان باتوں کے صدور کے لیے مامور نہیں ہے۔ اور چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کو ہزار سال گزر چکے ہیں اور اسی لیے اتنی مدت کا گزر جانا امورِ دین میں تغیر اور ملتِ مبین میں ضعف کا سبب ہے اس لیے اولیائے عزلت کی طرح اولیائے عشرت بھی خوارق کے اظہار سے روک دیے گئے ہیں۔ کیونکہ خوارق کا ظہور اسم الہادی کا مقتضا ہے جو خلق اللہ کے رشد و ہدایت سے متعلق ہے اور آخر زمانہ اسم المضل کا مقتضا ہے جس سے بدعت اور گمراہی متعلق ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

"قیامت کے قریب ایسے فتنے ہوں گے جیسے اندھیری رات کا ٹکڑا۔ پس صبح کو جو شخص مومن ہوگا وہ شام کو کافر ہو جائے گا اور وہ شخص شام کو مومن ہوگا وہ صبح کو کافر ہو جائے گا۔"

قدسیہ — حضرت مجددؒ نے بعض مکتوبات میں اس طرح لکھا ہے کہ:

"اولیاء اللہ کیا متقدم ہوں کیا متاخر ہر وقت خوارق کا ظہور فرماتے ہیں۔ خواہ مخالف اس بات کو جانے یا نہ جانے ع سورج کا کیا قصور اگر کوئی کور ہے"

مشائخ کی اکثر کرامتیں اُن کے خاص مرید اور خصوصی ہم نشین حضرات دیکھ لیتے ہیں اور وقت گزر جانے پر لوگوں کی زبانوں اور تحریروں سے اُن کی شہرت ہوتی ہے۔

قدسیہ — آپ فرماتے تھے کہ:

"اس نعمت کا حصول اور اس میں شمول یعنی اس طریقے کے طالبوں کا شروع ہی میں دل سے ذاکر ہو جانا اور جذب کو حاصل کر لینا ہمارے حضرت خواجہ (باقی باللہ قدس سرہ) کے مبارک الہامات کا فیض ہے۔ اگرچہ سابق اکابر کا بھی یہی معمول رہا ہے لیکن شروع ہی میں ایسی کیفیت کا پیدا ہو جانا پہلے کا معمول نہ تھا۔ ایک روز میں نے اس حصول اور شمول کا راز حضرت خواجہؒ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ پہلے زمانے کے مقابلے میں اب کے مریدوں میں طلب اور شوق کی بہت کمی اور خامی ہو گئی ہے اور اُن میں حوصلہ بھی نہیں رہا۔ اس لیے شفقت کا تقاضا یہ ہے کہ بغیر مجاہدہ اور بغیر کوشش و تردد کے اُن کو مقصود کی طرف پہنچا دیا جائے تاکہ

اُن کی برودت، حرارت (اور جوش) میں مبتدل ہو جائے۔ اللہ پاک حضرتؒ کو ہم سب کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

قدسیہ — آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی کمال عنایت مجھ کمترین کے حق میں یہ ہے کہ اس راہ کا کوئی کوچہ ایسا نہیں ہے جس پر مجھے عبور نہ کرایا گیا ہو۔ اور جس مرید نے اپنی استعداد کے مطابق جس طریقے پر چلنا چاہا اسی کے مطابق مجھ پر وہ طریق کھول دیا گیا اور مرید کو اسی طرح کمال تکمیل تک پہنچا دیا گیا۔

قدسیہ — (آپ فرماتے تھے کہ) اللہ تعالیٰ نے اپنی بے انتہا عنایت سے اس فقیر کو اتنی قدرت عطا فرمائی ہے کہ اگر ایک خشک لکڑی پر توجہ دوں تو ایک عالم اس سے منور ہو جائے گا لیکن اس آخر زمانے میں اس طرح کی توجہ کے اظہار کے لیے اللہ تعالیٰ کی مرضی نہیں ہے۔

تصرف (۱)۔ مولانا محمد یوسف[۱] اپنے وقت کے بڑے عالموں میں سے تھے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ نے اُن کی تربیت حضرت مجدد کے حوالے فرما دی تھی۔ سلوک طے کرنے کے زمانے میں اُن کی موت کا وقت آ گیا اور وہ جان کنی کے عالم میں تھے کہ حضرت مجددؒ اُن کے سرہانے پہنچ گئے اور اُن کے سلوک کی تکمیل کے لیے توجہ فرمائی اور اُن کو اس معاملے میں اطلاع بھی دے دی اور ہر لمحہ اُن کا حال بھی دریافت فرما رہے تھے اور وہ بھی اپنی ترقیات اور تلقیات جو آپ کی توجہ سے حاصل ہو رہی تھیں آپ سے عرض کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کے تصرف سے اُن کا کام تکمیل کو پہنچ گیا اور انھوں نے بھی اپنے کمال کے حصول اور سلوک کی تکمیل کی خبر بھی دے دی۔ بس اسی دم اُن کا انتقال ہو گیا۔ (مجھ حقیر مؤلف کو) فخر حاصل ہے کہ آپ نے برسوں کا کام ایک آن میں (اس شخص کے لیے) مکمل کر دیا ع کریموں پر نہیں کچھ کام مشکل

کرم ہو آپ کا اک لحظہ بھی تو بہتر ہے
ہزار سال کی تسبیح اور نوافل سے

---

[۱] یہ مولانا محمد یوسف سمرقندی تھے جن کی تربیت حضرت خواجہ باقی باللہؒ نے حضرت مجددؒ کے سپرد فرمائی تھی۔ آپ کی تاریخ وفات معلوم نہیں۔

کرامت (۲) — وجد و حال والے ایک درویش نے بیان کیا کہ جب حضرت مجددؒ کے مناقب اور حالات تمام دنیا اور دنیا والوں میں پھیل گئے اور مشہور ہو گئے تو میں آپ کے دیدار فائض الانوار کے لیے سرہند آیا۔ اور رات کا چوتھائی حصہ ختم ہوا ہو گا کہ میں شہر میں داخل ہوا اور ایک مسجد میں چلا گیا۔ مسجد کا ایک ہمسایہ مجھے اپنے گھر لے گیا اور مجھ پر مہربانی کی۔ اسی دوران میں اس سے میں نے حضرت مجددؒ کے حالات دریافت کیے۔ وہ طعن اور اعتراض کرنے لگا۔ میں رنجیدہ ہوا اور اپنے باطن میں آپ کی طرف متوجہ ہوا۔ ناگاہ دیکھا کہ آپ تشریف لے آئے اور آپ کے ہاتھ میں برہنہ تلوار ہے۔ اور آپ نے اس طعنہ کرنے والے کے ٹکڑے کر دیئے۔ اور باہر تشریف لے گئے۔ میں نے یہ حال دیکھا تو مجھ پر دہشت طاری ہوئی اور میں اضطراب کے عالم میں آپ کے پیچھے دوڑا لیکن آپ کو نہ پایا۔ صبح کو جب میں آپ کی خدمت میں پہنچا تو مجھے خوف اور رعشہ ہو رہا تھا۔ آپ نے مجھے لپٹا لیا اور مسکرا کر کان میں فرمایا "جو کچھ رات میں واقعہ گزرا دن میں اس کا ذکر نہیں کرتے"۔ اس کے بعد اس محلہ میں جب میں گیا تو دیکھا کہ ایک شور برپا ہے کہ اس شخص کو کسی نے قتل کیا اور چلا گیا۔

تصرف (۳) — ایک درویش نے کہ جس میں جذبہ کے آثار، بےنفسی کی علامات اور آزادی و بےنیازی کی نشانیاں موجود تھیں۔ بیان کیا کہ میں بنگال سے اکبر آباد (آگرہ) آیا ہوا تھا اور حضرت مجددؒ اس وقت اس شہر میں تشریف رکھتے تھے۔ ایک رات آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور التماس کی کہ مجھے تعلیم ذکر فرما دیں۔ آپ نے قبول فرما لیا۔ (لیکن) اسی وقت مجھ پر ایسا جذب طاری ہوا کہ رات ہی کو میں دیوانہ وار وہاں سے باہر نکلا اور دشت و صحرا میں چلا گیا اور مدت تک کوہ و بیابان میں پھرتا رہا۔ اور مجھے سونے کھانے اور آرام کرنے کی خبر نہ رہی۔ کیا کہوں کہ اس زمانے میں کیا کیا میں نے دیکھا اور کیا کیا حاصل کیا۔

تصرف (۴) ایک سید صاحب جو بظاہر تاجر تھے لیکن حقیقت میں اہل دل تھے، بیان کرتے تھے کہ میں بہت سے مشائخ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور ہر ایک سے ذکر و مراقبہ کا طریقہ سیکھا ہے۔ لیکن جب میں سرہند پہنچا اور حضرت مجددؒ کے آستانے پر عشاء کے وقت حاضر ہوا اور موردِ الطاف ہو کر آپ سے (ذکر حاصل کرنے کا) اظہار کیا تو آپ نے فرمایا کہ تم کو ذکر کا

طریقہ بتایا جائے گا (انشاء اللہ)۔ میں نے بہت تنگ دلی سے عرض کیا کہ میں نے بہت سے مشائخ سے اذکار حاصل کیے ہیں لیکن ان کے ثمرات اور برکات کی اُمید آپ کی بارگاہ سے ہے۔ آپ مراقب ہو گئے اور اپنی خاص توجہ سے مجھے نوازا۔ پھر تو استغراق اور وارفتگی نے بہت زیادہ مجھ پر غلبہ کیا۔ یہاں تک کہ صبح کے وقت تک مجھے اپنا ہوش نہ رہا۔ آخر کار علی الصباح جب مجھے افاقہ ہُوا تو میں نے آپ سے ترک و تجرید کے لیے التماس کی۔ آپ نے فرمایا کہ "تجارت تو لقمۂ حلال اور نفقۂ عیال کا وسیلہ ہے اُسے نہ چھوڑو اور جو کچھ کہ (ابھی) تم کو پہنچا ہے اُسے مضبوطی سے پکڑو" پھر آپ نے یہ آیت پڑھی " رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ" (اللہ کے نیک بندوں کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی) اور مجھے رخصت فرمایا۔

کرامت (۵)۔ ایک سید صاحب جو صحیح النسب اور سعید تھے اور حضرت مجددؒ کی خدمت میں اُن کا حال یہاں تک پہنچ چکا تھا کہ زمین و آسمان کے طبقات اُن پر کھل گئے تھے اور عجیب و غریب واردات اُن پر ہوا کرتے تھے، بیان کرتے تھے کہ ایک دن مجھے خیال آیا کہ ان دنوں میں تو حضرت مجددؒ سے کوئی کرامت ظہور میں نہیں آئی محض اس خیال کے آتے ہی میرے احوال میں انقباض ہو گیا اور میں سمجھ گیا کہ اس انقباض کا سبب وہی بُرا خیال ہے۔ پس معافی مانگنے کے لیے اپنی دستار کو گردن میں ڈال کر خود کو حضرتؒ کے قدموں میں ڈال دیا اور تضرع اور زاری کی۔ مگر اس خیال کو ظاہر نہیں کیا اور اپنی زبان سے وہ بات نہیں بتائی۔ حضرتؒ نے ایک لمحے کے بعد میرا سر اوپر کیا اور فرمایا کہ " سید صاحب نے کرامات طلب کی ہیں اور یہ بُرا خیال فلاں کی صحبت سے پیدا ہُوا تھا" اور آپ نے اس شخص کا نام بھی بتایا جس کے ساتھ بیٹھنے کی وجہ سے ایسا خیال پیدا ہُوا تھا۔

کرامت (۶)۔ ایک مرتبہ حضرت مجددؒ کو کمزوری لاحق ہو گئی تھی اور اس بیماری کے زمانے میں آپ نے دس پندرہ دانے منقّے کے طلب فرمائے تھے کہ تناول فرمائیں خادم نے وہ دانے پیش کیے۔ حضرتؒ نے متوجہ ہو کر مراقبہ فرمایا کہ اُن دانوں کا کھانا مفید ہے یا نہیں؟ کچھ دیر کے بعد مراقبے سے سر اٹھایا اور فرمایا کہ عجیب بات ظاہر ہوئی کہ ان دانوں نے بارگاہِ الٰہی

میں مناجات کی اور دعا مانگی کہ اے اللہ، چونکہ تیرے دست نے اپنے استعمال کے لیے ہم کو طلب کیا ہے تو ہمارے اندر نفع اور صحت کا اثر پیدا فرمادے کہ جو شخص ایک دانہ ہم میں سے کھائے اس کا ہر قسم کا مرض صحیح ہو جائے۔ اور حضرت حق سبحانہٗ نے ان دانوں کی مناجات اور دعا منظور فرمالی اور یہ بات محسوس بھی ہوئی اور نظر بھی آئی۔ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ چنانچہ آپ نے چند دانے تناول فرمائے تو فوراً آپ کی تکلیف دور ہو گئی۔ اس کے بعد ہر بیمار نے جونہی ان دانوں میں سے ایک دانہ کھایا اس کی بیماری، عافیت سے تبدیل ہو گئی۔ آپ فرماتے تھے کہ کاش یہ دانے زیادہ ہوتے تو زیادہ لوگوں کی صحت کا موجب بن جاتے۔

کرامت (۷) ایک سید صاحب جو صحیح النسب تھے اور حضرتؒ کے قدیم مریدوں میں سے تھے بیان فرماتے تھے کہ حضرت مجددؒ کے ایک حقیقی بھائی سرونج (مالوہ) میں تھے۔ آپ نے ان کے بلانے کے لیے دو کلمے لکھے اور مجھے فرمایا کہ تم خود جاؤ اور ان کو لے آؤ۔ اس حکم کی تعمیل میں وہاں جانے کا میں نے عزم کیا۔ آپ نے فاتحۂ رخصت پڑھ کر فرمایا کہ راستے میں لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ خوب پڑھنا تاکہ خطرات سے محفوظ رہو اور کسی چیز کی حاجت نہ رہے۔ اور اگر کوئی مشکل درپیش ہو تو مجھے یاد کرنا۔ میں نے آپ کے قدموں پر ہاتھ رکھے (قدم بوسی کی) اور روانہ ہو گیا۔ اتفاق سے ایک جماعت اس سفر میں میرے ساتھ ہو گئی۔ جب سرونج دو تین منزل رہ گیا تو وہاں ایک ہیبت ناک جنگل نظر آیا۔ وہاں گھانس دو قد آدم تھی۔ میں وہاں قضائے حاجت کے لیے گیا اور ساتھی وہاں کھڑے رہے۔ فراغت اور طہارت کے بعد وضو کر کے میں نے دو رکعت تحیۃ الوضو پڑھی۔ اسی اثناء میں گھانس ہلنے لگی اور میں نے دیکھا کہ ایک دھاڑنے والا شیر آپہنچا اور میرے سامنے کھڑا ہو گیا۔ میں نے بے اختیار حضرت مجددؒ کو یاد کیا اور کہا کہ "آپ نے فرمایا تھا کہ کوئی مشکل تمہیں درپیش ہو تو مجھے یاد کر لینا۔ (چنانچہ) اب مدد کا وقت ہے اور مجھے اس دھاڑنے والے اور پھاڑ کھانے والے شیر کے چنگل سے نجات دلوائیے"۔ ابھی میری یہ بات پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ حضرت مجددؒ ظاہر ہوئے اور اس شیر سے اشارے سے فرمایا کہ دور ہو۔ شیر پلٹا اور بھاگ گیا۔ پھر جو میں نے نگاہ اٹھائی تو حضرت مجددؒ

میری نگاہ سے غائب ہو چکے تھے۔ میرے ساتھیوں نے بھی یہ واقعہ دیکھا اور مجھ سے دریافت کیا کہ وہ کون بزرگ تھے جنھوں نے ایسے وقت میں تمہاری امداد فرمائی؟ میں نے آپ کا اسم مبارک بتایا تو وہ سب کے سب جان و دل سے آپ کے معتقد ہو گئے۔

کرامت (۸) ۔ ایک معتبر سید صاحب علیہ الرحمۃ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت مجددؒ سے سنا تھا کہ "بتوں اور بتوں کی پرستش کرنے والوں کو جس قدر ایک مسلمان کے ہاتھوں اہانت ہو سکے کوتاہی نہ کی جائے کہ اُسے اللہ کی راہ کے غازیوں کا ثواب ملے گا۔"

میں دو تین درویشوں کے ساتھ ملکِ دکن کے اطراف کے ایک صحرا میں گیا ہوا تھا کہ وہاں ایک بُت خانہ نظر آیا اور اس کے اطراف میں کوئی شخص موجود نہ تھا۔ دل میں خیال گزرا کہ حضرت مجدد کی نصیحت کے مطابق اس بت خانے کو ڈھا دینا چاہیے۔ چنانچہ ہم لوگ وہاں پہنچے اور بُت کو توڑ دیا اور اس بُت خانے کو ڈھا دینے کا بھی ارادہ کیا ہم بعض مورتیوں کو توڑ چکے تھے کہ قریب ایک ہزار بُت پرست لاٹھیاں، پتھر اور تیر و تفنگ لے کر پہنچ گئے۔ مجھے اور ساتھیوں کو دہشت پیدا ہوئی اور بھاگنے کی کوئی صورت نہ تھی سوائے اس کے کہ سب قتل ہو جائیں۔ اتنے میں مجھے حضرت مجددؒ کی یاد آئی۔ میں نے حضرتؒ کو حاضر تصور کر کے تضرع اور نیاز مندی سے عرض کیا کہ اسے بزرگِ دین، ہم نے آپ کی نصیحت پر بھروسا کر کے یہ کام کیا ہے۔ ہم کو ان کفارِ اشرار سے نجات دلائیے۔ اس تضرع و زاری کی حالت میں حضرت مجددؒ کی آواز میرے کان میں آئی کہ اطمینان رکھو کہ ہم تمہاری مدد کے لیے اہلِ اسلام کا ایک لشکر بھیج رہے ہیں۔ میں نے ساتھیوں کو اس بات سے مطلع کر دیا۔ کفار بالکل قریب ایک تیر اندازی کے فاصلے پر پہنچ چکے تھے کہ یکایک ایک بلندی سے چالیس سوار ظاہر ہوئے اور تیزی سے گھوڑوں کو دوڑا کر پہنچ گئے اور کافروں کی جماعت پر حملہ کر دیا اور ہم لوگوں کو اپنے ساتھ لے لیا۔ جب وہ کفار نظروں سے غائب ہو گئے تو (اُن سواروں نے) ہم کو رخصت کیا۔

کرامت (۹) ایک مرتبہ حضرت مجددؒ سیر و تفریح کے ارادے سے دشت و بیاباں کی طرف متوجہ ہوئے۔ راستے میں گرم ہوا اور گرد و غبار بہت زیادہ ہو گیا۔ جو حضرات ساتھ تھے اور پیادہ تھے اُن پر پیاس اور گرمی اور تھکاوٹ نے غلبہ کیا۔ لیکن آپ کے جلال اور رعب کی وجہ سے

جو سب کے دلوں پر متمکن تھا آپ سے عرض حال کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ یہ خطرات ان حضرات کے دلوں میں جاری تھے کہ حضرت رحؒ نے مولانا یوسف سمرقندی رحؒ سے کہ اُن کی وفات کا ذکر عنقریب آتا ہے مخاطب ہو کر فرمایا کہ۔ " سورج کی گرمی اور گرد و غبار کی شدت سے احباب کو تکلیف ہو رہی ہے۔" مولانا نے عرض کیا کہ " حضرت کو خود ہی معلوم ہے، ہم لوگوں کو عرض کرنے کی کیا ضرورت ہے؟" حضرت رحؒ مسکرائے اور آپ نے آسمان کی طرف نگاہ کر کے خاموشی سے کچھ پڑھا۔ چند قدم نہ چلے تھے کہ ابر کا ایک ٹکڑا نمودار ہوا اور اُس نے آپ پر اور آپ کے احباب پر سایہ کر لیا۔ اور صرف اسی قدر بارش ہوئی جتنی کہ گرد و غبار کے دفع کرنے کے لیے ضروری تھی اور بادِ شمال بہت اعتدال کے ساتھ چلنے لگی کہ سب سے راستے کی کوفت، ہوا کی گرمی اور گرد و غبار کی تکلیف دور ہوئی۔ حالانکہ وہ موسم بادل اور پانی کا نہیں تھا۔

کرامت (۱۰) ۔ ایک سید صاحب نے بتایا کہ مجھے حضرت امیر علی کرم اللہ وجہہ سے جنگ کرنے والوں سے اور بالخصوص امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہت اعتراض تھا۔ ایک رات حضرت مجدد رحؒ کے مکتوبات کا مطالعہ کر رہا تھا کہ اس میں یہ عبارت پڑھی: " امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امیر معاویہؓ کو بُرا کہنے کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بُرا کہنے کے برابر قرار دیا ہے۔" اس عبارت سے میں آزردہ ہو گیا اور میں نے مکتوبات کو زمین پر ڈال دیا اور سو گیا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت مجدد رحؒ بہت غصّے کی حالت میں تشریف لائے اور میرے دونوں کان اپنے ہاتھوں سے پکڑ کر فرمایا کہ اے طفلِ نادان، تو ہماری تحریر پر اعتراض کرتا ہے اور ہمارے کلام کو زمین پر پھینکتا ہے۔ اگر تو ہماری بات پر یقین نہیں رکھتا تو چل، تجھے حضرت امیر علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں لے چلوں۔ آپ پھر اسی طرح کشاں کشاں مجھے ایک باغ میں لے گئے۔ میں نے دیکھا کہ ایک بزرگ وہاں ایک عمارت میں تشریف رکھتے ہیں۔ حضرت مجدد رحؒ نے اس بزرگ کے آگے تواضع کی تو اس بزرگ نے بہت خوشی کا اظہار کیا۔ حضرت مجدد رحؒ نے میری بات اس بزرگ کو بتائی، پھر مجھ سے فرمایا کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف رکھتے ہیں۔ سنو کہ وہ کیا فرماتے ہیں۔ میں نے سلام کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: " خبردار، ہزار بار خبردار، کبھی بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ سے

اپنے دل میں بغض نہ رکھنا اور اُن کے عیب زبان پر مت لانا۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں اور ہمارے بھائی (صحابۂ کرام) بھی جانتے ہیں کہ ہم لوگ کس بات کو حق سمجھ کر اعتراض کر رہے تھے۔ پھر حضرت مجدد کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ان کی بات کا انکار مت کرنا۔"

اس خواب کے دیکھنے والے راوی (سید صاحب) نے بتایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس نصیحت کے باوجود میرا دل اُن بزرگوں کی بابت کدورت سے صاف نہیں ہوا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت مجدد سے فرمایا کہ اس شخص کا دل اب بھی صاف نہیں ہوا ہے۔ اس کو تھپڑ لگائیں۔ پھر حضرت مجدد نے پوری قوت سے میری گدی پر تھپڑ مارا۔ تو اُسی وقت میرا دل اس کدورت سے صاف ہو گیا اور مجھے حضرت مجدد اور اُن کے کلام سے عقیدت اور محبت پیدا ہو گئی۔

کرامت (۱۱) ۔ حاجی (شیخ) عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (اللہ پاک اُن کی مغفرت فرمائے)[1] جو ہندوستان کے بہت بڑے عالم اور بہت سی کتابوں کے مصنف تھے روایت کرتے تھے کہ ایک دن میں ایک عالم کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک موقع پر حضرت مجدد کا ذکر آ گیا۔ وہ عالم آپ پر طعن اور تعرض کرنے لگا۔ میں نے کہا کہ میں آپ کی صحبت میں بہت بیٹھا ہوں اور بہت سے دوسرے مشائخ کو بھی میں نے دیکھا ہے لیکن جو صفائے قلبی اور اتباع سنت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے یہاں دیکھی ہے وہ دوسروں کے یہاں نہیں دیکھی نہ کہیں سنی۔ وہ عالم پھر یہاں وہاں کی باتیں کرنے لگا۔ میں نے کہا کہ آپ ایسے ہم دونوں تازہ وضو کریں اور قرآن مجید کھولیں۔ جو آیت کریمہ نکلے ہم اُسے آپ (حضرت مجدد) کے حالات سے متعلق فال سمجھیں گے۔

اس عالم نے یہ بات پسند کی۔ ہم دونوں نے تازہ وضو کیا اور دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر اس عالم نے قرآن پاک ہاتھ میں لیا اور پورے خشوع و خضوع کے ساتھ اسے کھولا تو یہ آیت سامنے آئی، "رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ" (اللہ کے نیک بندوں کو تجارت اور

---

[1] ایک نسخے میں مولانا عبدالحق محدث دہلوی کو "غفران پناہ" لکھا ہے۔ یعنی اُن کی وفات (۱۰۵۲ھ ربیع الآخر) کے بعد حضرات القدس کی تکمیل ہوئی۔ راقم الحروف کا مقدمہ بھی دیکھیں۔

خریدوفروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی)۔ وہ عالم حیران رہ گیا اور اپنے کیے پر پشیمان ہوا اور میں نے اللہ پاک کا شکر ادا کیا۔

کرامت (۱۲)۔ ایک امیر نے جو حضرت مجددؒ کے مریدوں میں سے تھا ایک دن یہ سنا کہ آپ بادشاہ کے وزیر کے یہاں تشریف لے گئے ہیں۔ وہ دل تنگ ہو کر کہنے لگا کہ آپ کو زیبا نہیں کہ دنیا والوں کے گھر تشریف لے جائیں۔ وہاں آپ کے ایک مخلص بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ آپ کسی مسلمان کی حاجت روائی یا امورِ دین کی تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے ہوں گے اور یہ کہ اولیا پر اعتراض کا نتیجہ اچھا نہیں ہوتا۔ اس امیر نے اسی رات خواب میں دیکھا کہ رجال الغیب کی ایک جماعت آئی ہے اور اس کو (امیر کو) مجرموں کی طرح کھینچ کر لے گئی ہے اور چھری نکال کر اس کی زبان قطع کرنا چاہتی ہے کہ تو نے آپ پر کیوں اعتراض کیا۔ اس امیر نے بہت کچھ توبہ اور استغفار کیا تو اسے چھوڑ دیا گیا۔ اس کے بعد اس امیر نے ہرگز آپ پر اعتراض نہیں کیا اور اس کی عقیدت اور محبت بہت بڑھ گئی۔

کرامت (۱۳)۔ حضرتؒ کے ابتدائی زمانے میں جب کہ آپ کی شہرت زیادہ نہ ہوئی تھی (قریب ہی) ایک بڑی چوری ہوئی۔ کوتوال نے آدمیوں کو بھیجا کہ پڑوسیوں کو پکڑ کر لے آئیں۔ وہ خدا کا خوف نہ رکھنے والے آئے اور آپ سے کہا کہ آپ کو کوتوال طلب کرتا ہے۔ آپ اسی وقت مکان سے باہر نکلے تھے اور جماعت کے لوگ بھی موجود نہ تھے۔ آپ اس کوتوال کے آدمیوں کے ساتھ پیدل ہو لیے۔ کوتوال نے جونہی آپ کو دیکھا تو لرزنے لگا اور فوراً آپ کو رخصت کر دیا۔ لیکن چونکہ تیر نشانے پر نکل چکا تھا اسی دن یا دوسرے دن اس کوتوال کی جنگ (تیر و تفنگ کے ساتھ) شہر والوں سے ہوئی اور ایک آگ غیب سے وہاں کی بارود میں لگ گئی اور وہ کوتوال اپنے بھائیوں اور بیٹوں سمیت جو اس جگہ تھے جل کر خاک ہو گیا کہ ان لوگوں کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔

کرامت (۱۴)۔ ایک امیرزادہ کو بادشاہ نے بہت غصّے کے ساتھ لاہور سے طلب کیا تھا کہ اس کے آتے ہی اس کو ہاتھی کے پیر میں روند دیا جائے کیونکہ اس نے سخت قصور کیا تھا۔ وہ امیرزادہ جب سرہند پہنچا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر نہایت عاجزی اور انکساری کے ساتھ

آپ کے آستانے میں جبہ سائی کرنے لگا تاکہ اس کی جان بخشی ہو جائے۔ آپ تھوڑی دیر کے لیے مُراقب ہوئے، پھر فرمایا کہ خاطر جمع رکھو کہ انشاءاللہ تم کو بادشاہ کی طرف سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی بلکہ شاہانہ الطاف سے سرفراز ہو گے۔ امیرزادہ سخت اضطرار کی وجہ سے عرض کرنے لگا کہ حضرت آپ لکھ کر دے دیں تاکہ میرے پریشان دل کو تسلی ہو سکے۔ آپ نے اس کی تسلی کے لیے لکھ دیا کہ "چونکہ فلاں شخص بادشاہ کے غضب کے خوف سے اللہ کے در کے فقیروں سے رجوع ہُوا ہے۔ اس لیے اس فقیر نے اس کو اپنی ضمانت میں لے لیا ہے اس لیے اس کو اس مصیبت سے رہائی دے دی ہے" چند دنوں کے بعد کسی نے خبر دی کہ بادشاہ اس امیرزادہ پر برہم ہوا اور ایسا ایسا ہُوا۔ آپ نے فرمایا کہ میری نظر میں صبح کی روشنی کی طرح واضح ہے کہ وہ امیرزادہ، بادشاہ کی طرف سے لطف اور عنایت حاصل کر رہا ہے اور وہ خبر صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ دو تین دن کے بعد حضرت کے ارشاد کے مطابق لگاتار خبریں آئیں کہ جب بادشاہ نے امیرزادہ کو دیکھا تو مسکرایا اور نصیحت کے طور پر چند باتیں کہیں اور نہایت مہربانی سے خلعتِ خاصہ پہنا کر تقرب خدمت پر روانہ کر دیا۔

کرامت (۱۵)۔ آپ کا ایک مخلص درویش ملتان سے آپ کی خدمت میں حاضر ہُوا اور عرض کیا کہ میری اہلیہ جو آپ کی مریدہ ہے کئی سال سے مختلف امراض میں مبتلا ہے اور اطباء اس کے علاج سے عاجز ہو چکے ہیں۔ اب حضرت کی توجہ سے امید رکھتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہم اس کی شفا کے لیے فاتحہ پڑھتے ہیں۔ فاتحہ پڑھی گئی۔ اس شخص نے بہت تضرع وزاری کی کہ حضرت اُسے اپنی ضمانت میں لے لیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس تکلیف (تیقد) کی کیا ضرورت ہے۔ ع کریموں پر نہیں مشکل کوئی کام

پھر اس شخص کی التجا اور تضرع بہت بڑھ گیا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ مطمئن رہو، ہم نے اُسے اپنی ضمانت میں لے لیا۔"

وہ شخص رخصت ہو کر اپنے وطن چلا گیا۔ وہاں سے اس نے عریضہ لکھا کہ میری اہلیہ اُسی دن اچھی ہو گئی جس دن حضرت نے فرمایا تھا کہ ہم نے اُسے اپنی ضمانت میں لے لیا۔ آپ نے یہ خط پڑھ کر کہا کہ الحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

کرامت (۱۶) - ایک دولت مند جو آپ کے خاندان عالیشان کا بزرگ زادہ تھا اور اپنی ماں کی طرف سے شاہی اولادیں سے بھی تھا مرض قولنج میں مبتلا ہوا اور بہت عرصہ ہو گیا لیکن اطبائے حاذق کے علاج سے بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ زندگی سے مایوس ہو کر پریشان تھا۔ تو حضرت کے ایک مخلص کے توسط سے اُس نے عرض کرایا۔ آپ نے فجر کے وقت اس کے حال پر توجہ فرمائی اور صبح کو اس مخلص سے فرمایا کہ جاؤ اس عزیز کو خوش خبری سناؤ۔ وہ مخلص حسب ارشاد وہاں گیا اور دیکھا کہ وہ تو بستر پر پڑا ہوا ہے۔ اس نے اس سے کہا کہ تم کو تو صحت ہو چکی ہے، پھر کیوں پڑے ہوئے ہو؟ — اس نے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ اس نے جواب دیا کہ حضرت نے رات تمہاری صحت کی خوشخبری سنا دی ہے۔ (یہ بات سن کر) وہ اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے اندر بیماری کا مطلق اثر نہ پایا۔

کرامت (۱۷) - مولانا محمد امین[1] کہ جو پہلے خواجہ دیوانہ سواتی کے مرید تھے سخت بیماری میں مبتلا تھے کہ دعا اور دوا کا ان پر کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔ انھوں نے ایک شخص کو آپ کی خدمت میں بھیجا اور بہت نیاز وانکسار کے ساتھ آپ کو عریضہ بھیجا اور توجہ کے لیے التماس کی۔ اور آپ کا کچھ کپڑا تبرک کے طور پر طلب کیا۔ حضرت کو ان پر رحم آیا۔ اور ان کے عریضے کے جواب میں تحریر فرمایا کہ ضعف کی شدت کی وجہ سے اندیشہ نہ کریں انشاءاللہ صحت ہوگی۔ اس معاملے میں مجھے اطمینان ہے اور آپ نے جو اس فقیر کا کپڑا طلب کیا ہے وہ بھیجا جاتا ہے۔ اسے پہنیں اور اس کے نتائج اور ثمرات سے امیدوار رہیں کہ وہ (انشاءاللہ) کثیر البرکت ہے ؎

قِصّہ، قِصّہ ہے توجّہ گر نہیں
ورنہ اس میں ہے سبق اہلِ دیں

انھوں نے حضرت کا پیراہن پہنا اور ان کا کئی سال کا مرض دور ہوا۔ پھر وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے بہت عقیدت مند مرید بن گئے اور تمام عمر آپ کی خدمت میں جمعیت اور استقامت کے ساتھ گزاری اور آپ کے فیوض وبرکات سے مستفیض ہوئے اور آپ کے خاص

---

[1] حضرت مجدد کے ایک مکتوب الیہ محمد امین کابلی تھے (دفتر اول ۔۱۶۹-۱۹۹) لیکن یہ محمد امین کوئی دوسرے بزرگ معلوم ہوتے ہیں۔

اصحاب میں شمار ہوئے۔ میرا خیال ہے کہ انھوں نے آپ ہی سے تعلیم طریقہ کی اجازت بھی حاصل کی ہوگی۔

کرامت (۱۸)۔ حضرت مجدد رح کے ایک دولت مند مخلص نے بیان کیا کہ ایک ضروری کام سے لاہور سے اکبر آباد (آگرہ) کے لیے روانہ ہوا۔ اور راستے میں سرہند میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اتفاق سے وہاں میں بیمار ہو گیا۔ اس لیے خیال ہوا کہ چند روز کے لیے سفر موقوف کر کے وہاں ٹھہر جاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ "جاؤ، اچھے ہو۔ ضروری کام درپیش ہے" میں اسی وقت بیماری سے شفایاب ہو گیا اور میں سفر کے لیے روانہ ہو گیا۔ تین دن تک تو اچھا رہا۔ لیکن چوتھے دن وہ بیماری پھر آ گئی۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ حضرت رح نے تو فرمایا تھا کہ "جاؤ۔ اچھے ہو" اور مجھے تو اب بخار غلبہ کر رہا ہے جو عجیب بات ہے۔ اسی اثنا میں حضرت رح (روحانی طور پر) تشریف لے آئے اور فرمایا کہ "جاؤ خاطر جمع رکھو کہ تمہاری بیماری میں نے اٹھالی ہے۔ اٹھو اور اپنی راہ لو" ۔ پھر تو اسی وقت ضعف کے آثار جاتے رہے اور میں نے پوری صحت حاصل کی اور روانہ ہو گیا۔

کرامت (۱۹)۔ نواب (عبدالرحیم) خانِ خاناں مرحوم [1]، صوبۂ دکن کے گورنر تھے اور اس بات پر مامور تھے کہ دکن کے علاقوں پر قبضہ اور تصرف کریں۔ اس کام میں ایک بڑی مدت گزر گئی۔ بادشاہ کے قریب والوں نے بادشاہ کے کان بھرے کہ خانِ خاناں نے دشمن سے پوشیدہ طور پر صلح کر لی ہے اور ظاہر میں جنگ کرتا ہے۔ بادشاہ نے غیظ و غضب میں آکر خانِ خاناں کو معزول کر دیا۔ اور یہ خیال بھی تھا کہ شاید اُسے قتل بھی کرا دے گا۔ خانِ خاناں،

---

[1] عبدالرحیم خانِ خاناں کی ولادت ۹۶۴ھ میں لاہور میں ہوئی۔ ۱۰۳۶ھ میں دہلی میں وفات پائی۔ ۱۰۱۷ھ میں وہ دکن کی صوبہ داری سے معزول ہوئے تھے۔ پھر میر محمد نعمان (م ۱۰۵۸ھ) کے توسل سے حضرت مجدد رح کی دعائیں حاصل کیں۔ حضرت مجدد رح کے متعدد مکتوبات (دفتر اول ۲۳ - ۶۷ - ۶۸ - ۶۹ - ۷۰ - ۱۹۱ - ۱۹۸ - ۲۱۴ - ۲۳۲ - ۲۴۰ — دفتر دوم ۸ - ۶۲ - ۶۶) اُن کے نام ہیں جو ظاہر ہے کہ ۱۰۱۷ھ کے بعد لکھے گئے ہوں گے۔

میر محمد نعمانؒ کی خدمت میں (جو حضرت مجددؒ کے خلیفہ تھے اور برہان پور رہتے تھے) حاضر ہوا۔ میر محمد نعمانؒ نے حضرت مجددؒ کی خدمت میں اس معاملے میں بہت التجا اور نیاز مندی کے ساتھ عریضہ لکھا۔ حضرت مجددؒ نے اس عریضے کے مطالعے کے بعد قلمدان منگوایا اور اس عریضے کے جواب میں تحریر فرمایا کہ "تمہارے خط کے مطالعے کے وقت خانِ خاناں بڑی قدر و منزلت والے نظر آئے۔ اس معاملے میں خاطر جمع رکھیں۔" میر نعمانؒ نے حضرتؒ کا یہ مکتوب بجنسہ خانِ خاناں کے پاس بھیج دیا۔ اُس نے کہا کہ "بزرگانِ علوشان کی توجہ سے یہ بات عجیب و غریب تو نہیں ہے لیکن بظاہر مشکل معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ بادشاہ بہت زیادہ بدگمان ہو چکا ہے اور حاسد لوگ زہر اگل رہے ہیں۔" لیکن حضرت مجددؒ کے مکتوب گرامی کے آنے کو ابھی دس بارہ دن بھی نہ گزرے تھے کہ بادشاہ کا دل خان خاناں سے صاف ہو گیا اور وہ پھر سے دکن کا گورنر بنا دیا گیا اور اس کے لیے خلعت خاصہ بھی عنایت ہوئی۔

کرامت (۲۰)۔ ایک درویش نے کہ ابھی وہ مجددؒ کی خدمت میں حاضر نہ ہوا تھا آپ کو عریضہ لکھا کہ صحابۂ کرامؓ جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف ایک صحبت کی وجہ سے بڑے سے بڑے اولیاء سے افضل ہیں تو اس کی کیا وجہ ہے۔ شاید پہلی ہی صحبت میں اُن کو وہ سب کچھ دے دیا جاتا ہو گا جو تمام اولیاء کے مقامات سے زیادہ ہو گا۔ حضرت مجددؒ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ "اس عقدے کا حل صحبت پر موقوف ہے۔" وہ درویش صفا کیش آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس پر پہلی ہی صحبت میں عجیب حالت طاری ہو گئی۔ آپ نے اُسی دن اس کو خلوت میں طلب فرما کر فرمایا کہ "آج ہی ہم نے تمہارا ورق لوٹ دیا ہے اور تمہارے احوال بدل گئے ہیں۔ تم بھی یہ بات سمجھے یا نہیں؟" اس درویش نے آپ کے قدموں میں سر رکھ دیا اور اپنے احوال جو وارد ہوئے تھے بیان کیے اور صحبت کی فضیلت کا معترف ہوا۔

کرامت (۲۱)۔ ایک درویش آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کا دل ایسا ذاکر تھا کہ اس کے قریب بیٹھنے والا بھی سن لیتا تھا اور بالخصوص جب وہ سوجاتا تھا تو دور سے سنائی دیتا تھا اور وہ کئی مشائخ سے خلافت حاصل کر چکا تھا اور آپ سے بھی اُسے یہی توقع تھی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ شخص صاحبِ استعداد ہے لیکن ذکر کے غلبے اور مشائخ کی خلافت نے

اُسے غرور اور خود پسندی میں مبتلا کر دیا ہے اور اسی وجہ سے اس کی ترقی مسدود ہو گئی ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ اس کی کیفیت سلب کر لی جائے۔ چنانچہ دو روز نہ گزرے ہوں گے کہ اس کی یہ کیفیت سلب کر دی گئی۔ وہ حیران ہو گیا، روتا تھا اور اس کی آنکھوں سے حسرت ٹپکتی تھی۔ آپ نے چند دنوں تک اس کے حال پر توجہ نہ فرمائی اور اس طرح اس کا غرور اور خود پسندی دُور ہو گئی۔ اس کے بعد اُس کو آپ نے خلوت میں طلب فرما کر معاملات اور مقامات سے نوازا کہ اس کا پہلا ذکران معاملات کے مقابلے میں پہلی سیڑھی کی حیثیت بھی نہیں رکھتا تھا۔ پھر وہ اپنی پہلی حالت کے نقص کا معترف ہوا۔

کرامت (۲۲)۔ جن دنوں میں حضرت مجددؒ اجمیر شریف[1] میں تشریف رکھتے تھے ماہ رمضان عین برسات کے موسم میں آیا۔ اور بارش کثرت سے تھی کہ دن رات میں فرصت نہیں ملتی تھی۔ آپ مسجد میں تراویح میں قرآن پاک پڑھتے تھے۔ ہوا کے تعفن اور گرمی کی زیادتی سے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو بہت تکلیف پہنچ رہی تھی۔ ایک رات تراویح سے فراغت کے بعد جب آپ مسجد سے باہر آرہے تھے تو آپ نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا کہ اگر تین ختم قرآن تک جو ہماری دائمی سُنّت ہے۔ بارش راتوں میں نہ ہوا کرے اور ہم تراویح مسجد کے صحن میں ادا کریں تو کیا اچھا ہو! (خدا کی شان کہ) ایسا ہی ہوا کہ ستائیسویں شب تک یہی ہوا (یعنی دن میں بارش اور رات میں کوئی بارش نہیں)۔ پھر ایک دم خوب بارش ہوئی۔ گویا ایک مَشک کا مُنہ بند کر دیا گیا تھا جو بعد میں کھول دیا گیا۔

کرامت (۲۳)۔ کہتے ہیں کہ اجمیر شریف کی مسجد کی جنوبی دیوار اپنی بنیاد میں کمزور ہو گئی تھی اور اُس کا ستون بھی جُھک گیا تھا اور ایسا لگتا تھا کہ آج کل میں وہ دیوار گر جائے گی۔

---

[1] ڈاکٹر سراج احمد خان نے اپنی کتاب کے باب چہارم میں تفصیل سے ذکر کیا ہے کہ حضرت مجددؒ جمعہ یکم رجب ۱۰۲۸ھ کو قید ہوئے اور جمعہ ۱۱ رجب ۱۰۲۹ھ کو رہا ہوئے لیکن بعض حاسدوں کی چغل خوری کی وجہ سے بادشاہ نے آپ کو لشکر میں رکھا۔ ۱۰۳۲ھ کے رمضان (۱۹ رجب ۱۶۲۳ء سے شروع ہوا) میں آپ اجمیر شریف میں تھے۔ دوسری تفصیلات بھی اسی باب چہارم میں ہیں۔

اور جو شخص بھی اس دیوار کے پاس سے گزرتا تھا جست کر کے گزر جاتا تھا۔ خود آپ کے اصحاب اس کے گر جانے کا اندیشہ برابر ظاہر کرتے تھے۔ ایک دن آپ نے خوش طبعی کے طور پر فرمایا کہ "جب تک ہم فقراء یہاں ہیں اُن کی رعایت کر کے یہ دیوار نہیں گرے گی (انشاء اللہ)"۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب تک آپ کے ہاں قیام پذیر رہے دیوار قائم رہی اور جس دن آپ نے وہاں سے کوچ کیا تو آپ کا اور آپ کے اصحاب کا وہاں سے آگے بڑھنا اور دیوار کا گرنا ایک ساتھ ہوا۔ حالانکہ وہ برسات کا زمانہ بھی نہ تھا۔ گویا کسی نے اس دیوار میں ایک کھمبا نصب کر دیا تھا کہ ایک دم اس کے نیچے سے ہٹا دیا۔

کرامت (۲۴)۔ خواجہ جمال الدین حسین جو خواجہ حسام الدین احمد[1] رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے ہیں اپنے والد صاحب کے حکم سے بڑی عقیدت اور ارادت مندی سے دہلی سے سرہند آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے کہتے تھے کہ میں آپ کی خدمت میں آیا۔ آپ نے ذکر کی تلقین فرمائی اور میرے حال پر توجہ فرمائی۔ تھوڑی دیر کے بعد فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کہ تیرے دل پر کسی عورت کا نقش قدم ایسا جما ہوا ہے جیسے مٹی کے اندر پتھر گڑ گیا ہو۔ سچ بتا کہ کیا معاملہ ہے؟ اور جب تک وہ اثر دور نہ ہوگا تو مستفید نہ ہو سکے گا۔ میں نے عرض کیا کہ میرا دل اپنی پھوپھی کی ایک کنیز پر آ گیا ہے اور اُس کا شیفتہ ہو گیا ہوں۔ پھر آپ نے توجہ فرمائی اور میرے دل سے اُس تعلق کو دُور کر دیا اور میرا دل اس کی محبت سے اس قدر سرد ہو گیا کہ گویا کبھی اس کی طرف میرا رجحان ہی نہ تھا۔

کرامت (۲۵)۔ آپ کے ایک قدیم مرید نے وبا کے غلبہ کے زمانے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہمارے محلے میں اور ہمارے گھر کے اطراف اور نواحی میں شدت کے ساتھ وبا پھیلی ہوئی ہے۔ آپ سے توجہ کی درخواست ہے کہ آپ کے تصرف کی برکت سے مریدوں اور مخلصوں کی جان بچ جائے اور وبا کی یہ کیفیت تھی کہ جس محلے میں

---

[1] حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے خاص خلفاء میں سے تھے۔ ۹۷۷ھ میں ولادت اور ۱۰۴۳ھ میں وفات ہوئی۔ اپنے پیر کے قریب دفن ہوئے۔ ابوالفضل کے بہنوئی تھے جو آپ کی دینداری کی وجہ سے آپ کو پریشان کرتا تھا۔

وہ وبا آجاتی تھی اگر ایک گھر میں کسی ایک کو بھی وہ وبا پکڑ لیتی تھی تو اس گھر میں شاید ہی کوئی اس سے محفوظ رہ سکتا تھا یعنی سبھی کو ہلاکت کا اندیشہ تھا۔ حضرت مجددؒ نے سر جھکایا اور مراقب ہوئے۔ تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر فرمایا کہ "خاطر جمع رکھو کہ تمھارے گھر والے سوائے ایک ملازمہ کے سب محفوظ رہیں گے (انشاء اللہ)" چنانچہ اسی طرح ہوا کہ ہمارے گھر سے صرف ایک ماما اس وبا میں مرگئی اور بقیہ سب لوگ اس سے محفوظ رہے۔

کرامت (۲۶)۔ آپ کے آستانۂ عالیہ کے معتقدین میں سے ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرا بیٹا بیمار ہے اور کچھ نذر بھی پیش کرنی چاہی بیٹے کی صحت کے لیے دعاء کی درخواست کی۔ آپ نے وہ نذر قبول نہیں فرمائی۔ انھوں نے بہت کچھ التجا کی لیکن وہ قبول نہ ہوئی حالانکہ آپ نذر قبول کر لیا کرتے تھے۔ تمام اصحاب کو یقین ہو گیا کہ نذر کا قبول نہ کرنا اس وجہ سے ہے کہ وہ لڑکا مر جائے گا۔ چنانچہ یہی ہوا اور اسی شام کو وہ فوت ہو گیا۔

کرامت (۲۷)۔ آپ کے مخلصوں میں سے ایک عالم نے بیان کیا کہ میرا ایک عزیز تھا جو بہت پیارا تھا وہ ایک سخت مرض میں مبتلا ہو گیا۔ طبیبوں کی دوائیں اور بہت احباب کی دعائیں کارگر ثابت نہ ہوئیں تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور توجہ کی درخواست کی۔ آپ نے دعاء کی اور تھوڑی دیر کے بعد مجھے یاد فرمایا۔ میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ "ہم نے اس کی مغفرت کے لیے فاتحہ پڑھ دی ہے" میں تعجب میں ہو گیا اور اس کے گھر کی طرف جو شہر سرہند سے کئی میل پر تھا روانہ ہوا تاکہ اس کی خیریت معلوم کروں۔ جب میں وہاں پہنچا تو لوگ اس شخص کے دفن سے فارغ بھی ہو چکے تھے۔

کرامت (۲۸)۔ ایک درویش صفا کیش نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ مجھے سنپات کی بیماری میں سخت اور صعوبت ہو گئی تھی۔ یہاں تک کہ طاقت اور حرکت بھی رک گئی تھی اور صحت کی امید نہ رہی تھی۔ اسی اثناء میں حضرت مجددؒ کی روح پر فتوح کی طرف متوجہ ہوا اور اس توجہ میں مجھے استغراق ہوا کہ خود سے غائب ہو گیا۔ حضرتؒ تشریف لے آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ "اٹھ جاؤ۔" بس آپ جیسے عیسیٰ دم کے فرماتے ہی میرا استغراق دور

اور مجھے آفاقہ ہوگیا اور میں نے عالم بیداری میں ایسی عظیم المرتبت ہستی کا دیدار حاصل کیا اور اپنے اندر قوت اور طاقت محسوس کر کے کھڑا ہوگیا۔ آپ نے فرمایا کہ "کیا (تحفہ) لائے ہو؟" میں نے عرض کیا کہ "اخلاص"۔ آپ نے فرمایا "بس تم سب کچھ لے آئے" پھر آپ نظر سے غائب ہوگئے۔ اب جو میں نے خود پر غور کیا تو اس بیماری کا کوئی اثر باقی نہیں تھا۔

کرامت (۲۹)۔ حضرت مجددؒ کے بھائی شیخ مسعود قندہار کے لیے روانہ ہوئے تھے۔ ایک دن صبح کے وقت آپ نے اپنے محرمانِ اسرار سے فرمایا کہ شیخ مسعود کو میں نے قندہار جانے والے قافلے میں تلاش کیا۔ پتا نہ چلا۔ قندہار میں بھی تلاش کیا۔ وہاں بھی دکھائی نہ دیا بلکہ سرہند سے قندہار تک ہر منزل کو دیکھا لیکن وہ بھائی نظر نہ آیا بلکہ تمام روئے زمین کو چھان مارا کہیں نہ پایا۔ شاید اس دنیا سے رخصت ہوگیا ہے۔ سامعین نے یہ تاریخ لکھ لی۔ پھر جب ایک عرصے کے بعد وہ قافلہ واپس آیا اور شیخ مسعود کے بارے میں پوچھا گیا تو ان لوگوں نے بتایا کہ فلاں روز، فلاں تاریخ اور فلاں ماہ میں انھوں نے انتقال کیا اور قندہار کے قرب جوار میں دفن ہوئے۔ (تصدیق ہوئی کہ) وہی دن، وہی تاریخ اور وہی مہینا تھا جیسا کہ حضرت مجددؒ نے فرمایا تھا۔

کرامت (۳۰)۔ ایک صوفی نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ مجھے حج کرنے کا ارادہ غالب ہوگیا تھا۔ میں نے حضرتؒ کی خدمت میں عرض کیا اور رخصت کے لیے اجازت چاہی۔ آپ تھوڑی دیر خاموش رہے۔ پھر مراقب ہوگئے۔ اس کے بعد فرمایا کہ "میں نے تم کو حج کے میدان میں نہیں دیکھا"۔ بیان کرنے والا کہتا ہے کہ اس ارشاد کو آج تیس سال گزر چکے ہیں، جب کبھی میں نے حج کا ارادہ کیا، عزیمت فسخ ہوگئی یا زادِ راہ مہیا نہ ہوسکا۔

کرامت (۳۱)۔ محمد حقیر کے چچا شیخ محمد بیان کرتے تھے کہ اصفہان کے سفر سے واپسی میں گھوڑے پر سے خرجین کہیں گر گئی۔ میں اس کی تلاش کے لیے سواری سے اتر پڑا اور اس جستجو اور بھاگ دوڑ میں بہت وقت گزر گیا اور قافلہ میری نظر سے غائب ہوگیا اور میں قافلے سے جدا ہوگیا۔ وہاں سوائے جنگل اور پہاڑ کے کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔ حیران و پریشان روتا ہوا ادھر ادھر بھاگ رہا تھا، کہیں بھی قافلے کے آثار نہ پا سکا اور میں

اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ (آخر) میں نے ایک چشمے کے کنارے بیٹھ کر وضو کیا اور بہت گریہ وزاری سے آپ قطب انام کی طرف متوجہ ہوا اور آپ سے مدد کا خواہاں ہوا۔ ناگاہ دیکھا کہ آپ ایک عراقی گھوڑے پر سوار ظاہر ہوئے اور میرے پاس کھڑے ہو کر فرمایا کہ "اپنا ہاتھ مجھے دو"۔ بس آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور اپنے پیچھے مجھے گھوڑے پر سوار کر لیا اور گھوڑے کو کوڑا مارا اور تیز دوڑایا اور تھوڑی دیر میں مجھے قافلے میں پہنچا دیا۔ جب قافلہ نظر آیا تو آپ نے مجھے گھوڑے سے اتار دیا اور فرمایا کہ جاؤ قافلے میں چلا گیا اور جب میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو آپ میری نظر سے غائب ہو گئے۔

کرامت (۳۲)۔ سرہند کے ایک قاضی زادے جو حضرت سے بیعت تھے سخت بیمار ہو گئے کہ حکیموں نے اُن کو لاعلاج قرار دیا۔ حالت مایوسی کی تھی۔ آپ کی خدمت میں نیاز نامہ بھیجا اور بہت عجز و انکسار کے ساتھ درخواست کی کہ ایسی توجہ اور امداد فرمائیے کہ آپ کا یہ مخلص صحت یاب ہو جائے۔ حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا کہ "ہم نے تم کو اپنی ضمانت میں لے لیا ہے۔ انشاء اللہ اس بیماری سے صحت پاؤ گے۔ خاطر جمع رکھو"۔ اللہ پاک کا ایسا کرم ہوا کہ حضرت کی توجہ اور بشارت سے وہ جوان اس مہلک بیماری سے فوراً اچھا ہو گیا۔ اور جب کبھی مجلسوں میں آپ کا ذکرِ خیر ہوتا ہے تو وہ اس واقعے کو بڑے آب و تاب، ذوق و شوق اور عقیدت سے بیان کرتا ہے اور حضرت کی وہ تحریر اس کے پاس تبرک کے طور پر ہے۔

کرامت (۳۳)۔ مرحوم نواب مرتضیٰ خان[1] جو سلطنت سلطانی کے معتمد اور اپنے وقت کے حاکم تھے قلعہ کانگڑہ کی فتح کے لیے متعین ہوئے۔ یہ قلعہ ہندوستان کے مشہور مضبوط قلعوں میں شمار ہوتا ہے۔ نواب مرحوم آپ کے خاص مخلصوں میں سے تھے۔ اس لیے

---

[1] یہ شیخ فرید، سیادت پناہ، شیخ جیو کے القاب سے مکتوبات شریف میں یاد کیے گئے ہیں یعنی دفتر اوّل - ۱۹ میں "نواب شیخ" بعد "شیخ جیو" ۴۳، ۴۴، ۵۴، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۱۰۳، ۱۵۲، ۱۶۳، ۱۶۵، ۱۹۳، ۲۱۳، ۲۳۳ لیکن ۲۶۹ میں ان کو مرتضیٰ خان کہا گیا ہے اور یہ وہ خطاب تھا جو جہانگیر نے اپنے پہلے سال جلوس یعنی ۱۰۱۴ھ میں اُن کو دیا تھا۔ ۱۰۲۵ھ میں انتقال ہوا۔

آپ کی خدمت میں نیاز نامہ لکھا کہ وقت امداد ہے، آپ توجہ فرمائیں کہ یہ مضبوط سنگین قلعہ میرے ہاتھوں فتح ہو جائے۔ اس خط کے وصول ہونے کے دوسرے دن آپ نے اپنے اصحاب کے درمیان فرمایا کہ پچھلی شب تہجد کے وقت میں نے توجہ کی تو معلوم ہوا کہ وہ قلعہ نواب مرتضیٰ خان کے ہاتھوں فتح نہ ہو گا۔ اُن کو آپ نے جواب لکھ دیا۔ چند روز نہ گزرے تھے کہ نواب مرحوم کی وفات کی خبر پہنچی اور وہ قلعہ اُن سے فتح نہ ہو سکا۔

کرامت (۳۴) ۔ سلطانِ وقت (جہانگیر) نے ایک معتمد بکرماجیت کو (نواب مرتضیٰ خان کے انتقال کی خبر کے بعد) قلعۂ کانگڑہ کی مہم پر بھیجا۔ جب وہ سرہند پہنچا تو آپ کی خدمت میں بہت نیازمندی اور عاجزی کے ساتھ حاضر ہوا۔ اور بہت عاجزی ظاہر کی اور بہت ادب کے ساتھ بیٹھا بلکہ اپنے باطنی طور پر مسلمان ہونے کے حالات بھی بیان کیے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص باطن میں مسلمان ہے اور ظاہر میں کفر و انکار کی علامات ظاہر کرتا ہے تو وہ کافر ہے، پھر اس نے عرض کیا کہ بادشاہ نے مجھے قلعہ کانگڑہ کی مہم کے لئے متعین کیا ہے جو بہت سخت مہم ہے کہ نواب مرتضیٰ خان جیسے شخص کو اس مہم پر بھیجا گیا تھا اور کوئی صورت فتح کی پیدا نہ ہو سکی۔ میں حیران ہوں کہ دارالحرب کے کفار پر کس طرح حملہ کروں۔ مگر آپ دستگیری فرمائیں اور بشارت دیں کہ وہ قلعہ میرے ہاتھوں فتح ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کہ دارالحرب کے کفار سے جنگ کرنا تمام مسلمانوں پر واجب ہے اور جب تم اس واجب کو ہماری گردنوں سے ساقط کرا رہے ہو (یعنی سب کی طرف سے تم ہی جنگ کر رہے ہو) تو ہم تمہارے لیے دُعا کیوں نہ کریں گے؟ جب اس (بکرماجیت) نے آپ کو اس معاملے میں مہربان پایا تو اس نے اور بھی زیادہ سے زیادہ عاجزی اور انکساری ظاہر کی اور عرض کیا کہ جب تک آپ فتح کی بشارت نہ دیں گے میں یہاں سے نہیں اٹھوں گا۔ آپ نے وہی بات دہرائی تو اس نے اور بھی زیادہ التجا اور زاری ظاہر کی۔ جب آپ نے دیکھا کہ اُسے کسی طرح تسلی نہیں ہوتی تو آپ مراقب ہوئے اور توجہ فرمائی۔ پھر سر اٹھا کر فرمایا کہ "(انشاء اللہ) تمہاری فتح ہو گی۔ خاطر جمع رکھو اور جاؤ۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا اور بہت تواضع اور انکسار ظاہر کیا اور چلا گیا۔ وہ قلعہ جس کو اگلے بادشاہوں میں سے کسی نے شاید ہی فتح کیا ہو حضرت مجددؒ کی تھوڑی سی توجہ سے فتح ہو گیا۔ [1]

---

[1] یہ قلعہ ۱۰۲۹ھ میں فتح ہوا۔ کسی کا شعر ہے: بشمشیر غزا ایں قلعہ را کشود، تاریخش
خرد گفتا [illegible] اقبال جہانگیری

کرامت (۳۵) - ایک صحیح النسب سیّد نے جو آپ کے مخلصین میں سے تھے بیان کیا کہ میں مُلکِ دکن کے شہر اُجّین میں لشکر کے ساتھ تھا - ایک دن مجھے انقباض ہوا تو میں تفریح کے لیے خیمے سے باہر آیا اور بازار میں ایک دکان پر بیٹھ گیا - اتنے میں ایک درویش نے کہ ریاضت کے آثار اور جذب کی علامات اُن سے ظاہر ہو رہی تھیں میری طرف التفات فرمایا اور سلام کیا - میں نے جواب دیا - وہ میرے قریب آ گئے اور بیٹھ کر کہنے لگے کہ میں یہاں پہاڑوں کے ایک گوشے میں رہا کرتا ہوں اور سب سے قطع تعلق، علیحدگی اور خلوت میں اپنا وقت گزارتا ہوں - میں اُس گوشے سے باہر آنے والا نہ تھا - لیکن میں حضرتؒ کا مرید ہوں - میں نے ان کا نامِ مبارک سُنا تو اُن کی خوشبو میرے مشامِ جان میں آنے لگی - میں اُس خوشبو کے پیچھے روانہ ہوا تو وہ خوشبو تم میں سے سونگھ رہا ہوں - میں نے کہا کہ صحیح ہے - میں بھی حضرتؒ کا مرید ہوں اور اسی نسبت نے تم کو یہاں کھینچ لیا ہے - پھر ہم دونوں دیر تک ساتھ بیٹھے رہے اور ہر معاملے میں بات کرتے رہے - اسی ضمن میں انھوں نے کہا کہ ایک مدّت تک حضرتؒ کی خدمت میں رہ چکا ہوں - ایک رات عشار کے بعد آپ اپنی خلوتِ خاص میں تشریف لے گئے - لیکن آپ کا ایک عزیز وہاں حاضر تھا - اس نے مجھ سے کہا کہ ماحضر تیار ہے - اگر آپ موافقت کریں تو ہم ساتھ ساتھ کھالیں - میں نے قبول کر لیا - اس شخص نے جو خدا کا خوف نہ رکھتا تھا آپ کے متعلق شکوہ و شکایت راستے ہی میں شروع کر دی - میں اس کی رفاقت سے بیزار ہو گیا - لیکن میں نے صبر کیا اور اس کے گھر پہنچ گیا - اس نے کھانے کا طباق میرے سامنے رکھ دیا اور میرے پہلو میں بیٹھ گیا - اتنے میں اس کے تمام اعضا آپ کی غیرت کی تلوار سے کٹ کر جُدا جُدا ہو گئے اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے - میں یہ دیکھ کر لرزنے لگا اور خوف کے مارے وہاں سے بھاگا - اور جب میں حضرتؒ کے دروازے پر پہنچا تو دیکھا کہ آپ خلافِ معمول اپنے دروازے پر کھڑے ہیں - آپؒ نے مجھ پر توجہ فرمائی اور میرا ہاتھ پکڑا اور روانہ ہوئے - یہاں تک کہ اُسی شخص کے گھر پہنچے - حضرت اس کے گھر کے اندر چلے گئے اور میں دروازے پر کھڑا رہا - تھوڑی دیر کے بعد آپ باہر تشریف لائے اور وہ شخص بھی آپ کے ساتھ تندرست اور سلامت آیا اور آپ سے مصافحہ کیا - آپ نے اُسے رخصت کیا اور اپنے مکان میں تشریف لے آئے - میں حیرت

ہیں تھا کہ ابھی تو اس شخص کو اس حال میں دیکھا تھا اور اب اُسے بغیر زخم کے زندہ دیکھ رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ "جو کچھ تم نے دیکھا ہے کسی نامحرم کو مت بتانا۔"

کرامت (۳۶)۔ ایک صوفی نے بیان کیا کہ معرفت کی طلب میں شروع شروع میں کمال طلب کی وجہ سے خود بخود پیچ و تاب کھاتا رہا اور اپنی ناکامی کی وجہ سے خود بخود ناراض ہوتا رہا۔ اس مقصد کے جوش و خروش نے میرے دل کو بے آرام اور بے خور و خواب کر دیا تھا۔ میں دیوانہ وار گھومتا تھا اور اپنی ناکامی پر ماتم کرتا تھا اور کسی طرح اس اضطراب سے سکون نہیں ملتا تھا۔ اگر جنگل میں جاتا تو میرا جنون اور بھی بڑھ جاتا اور اگر خلوت میں ہوتا تو کسی طرح آرام نہ ہوتا تھا۔ آخر میں حضرت مجددؒ کی خانقاہ کی طرف روانہ ہوا۔ اتفاق کی بات کہ آپ اپنے دروازے کے اندر کھڑے ہوئے تھے اور آپ کے اصحاب ایک حلقے میں دست بستہ اور ادب سے سر جھکائے ہوئے اس طرح کھڑے تھے کہ گویا ان کے بدن میں جان ہی نہیں تھی۔ میں ابھی آپ کے دروازے پر پہنچا نہیں تھا کہ آپ نے میرے پہنچنے پر متوجہ ہو کر اپنا سر مبارک دروازے سے نکال کر مجھے اشارہ فرمایا کہ " اے شخص آجا اور جلد پہنچ جا۔" میں تیزی سے آگے بڑھا اور آپ کے قریب ہو گیا۔ آپ نے کمال بندہ نوازی و سرفرازی سے اپنا ہاتھ میری گردن میں ڈالا اور میرا سر اپنی بغل میں لے کر فرمایا کہ " اے شخص جو نعمت تجھ کو حاصل ہوئی ہے تیرے معاصرین میں سے کسی کو نہیں ملی۔" حضرت کا یہ ارشاد گویا آبِ زلال تھا جس نے میری پیاس کی آگ کو بجھا دیا اور وہ بے قراری، بے دلی، بے آرامی اور جوش و خروش سب آرام و سکون سے بدل گیا۔

کرامت (۳۷)۔ ایک حافظ صاحب جو ہمیشہ تراویح میں قرآن پاک پڑھتے تھے اور حضرت مجددؒ کے قدیم اصحاب میں سے تھے، بیان کرتے تھے کہ آپ اپنی مشیخت کی ابتدا میں سیر کے لیے نکلے اور پہلے قصبۂ منگان تشریف لے گئے۔ پھر وہاں سے حضرت شاہ کمال (علیہ الرحمہ) کی زیارت کے لیے قصبۂ کیتھل تشریف لے گئے۔ وہاں سے واپسی میں اجراوڑ آئے اور شیخ احمد اجراوڑیؒ کی زیارت کے لیے ان کے گنبد میں تشریف لائے۔ میں چونکہ تمام راستے میں آپ کی رکاب میں دوڑتا ہوا آیا تھا اس لیے میرے اعضا

گرم ہو گئے تھے اور میں پسینے میں تر ہو گیا تھا اور ہوا بھی خشک تھی۔ پیاس کا غلبہ ہو گیا تھا۔ میں نے ٹھنڈا پانی مانگا اور پیا۔ اس پانی کے پیتے ہی میرا حال کچھ سے کچھ ہو گیا، میرے چہرے کا رنگ زرد ہو گیا اور دل کمزور ہو گیا اور جان پر بن گئی۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ گویا میری روح پاؤں کی طرف سے نکل کر میرے سینے تک پہنچ گئی ہے۔ لوگ میرے گرد جمع ہو گئے اور میری حالت مایوس کن ہو گئی۔ اتنے میں حضرتؒ گنبد سے باہر آئے اور مجھ سے فرمایا تمہارا کیا حال ہے؟ میں نے عرض کیا کہ چونکہ میں گرمی میں آیا تھا مجھ پر پیاس غالب ہو گئی تھی، اس لیے میں نے پانی پی لیا، تو میرے دل میں ضعف پیدا ہو گیا اور گویا اب جان نکل جا رہی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "ان کو ہماری پالکی میں بٹھا دو" اور آپ خود گھوڑے پر سوار ہو گئے اور احباب سے فرمایا کہ "ان کی جان نکلنے کو تھی، میں نے ان کو اپنی ضمانت میں لے لیا ہے اور وہ اب جلد ہی صحت یاب ہو جائیں گے (انشاء اللہ)۔ ابھی تھوڑا ہی راستہ طے ہوا تھا کہ میں نے اپنے اندر قوت اور صحت پائی۔ چنانچہ میں پالکی سے اتر گیا اور آپ کی رکاب میں پیدل چل کر منزل تک پہنچا۔

کرامت (۳۸) — یہی حافظ صاحب بیان کرتے تھے کہ میں نے بہت چھوٹی عمر میں قرآن حفظ کیا تھا۔ پھر چونکہ الہ آباد کا سفر درپیش آیا تو وہ تلاوت چھوٹ گئی اور میرے حفظ میں خلل پیدا ہو گیا۔ اور چند سال اسی طرح گزر گئے۔ ایک عرصے کے بعد میں اپنے وطن سرہند آیا تو اسی زمانے میں حضرت مجددؒ اپنے خواجہ باقی باللہ قدس سرہ سے رخصت ہو کر پہنچے تھے اور اپنے دروازے کے سامنے نئی مسجد بنوائی تھی اور وہ زمانہ رمضان المبارک کا تھا۔ میں جب آپ کی خدمت میں پہنچا تو فرمایا، حافظ صاحب، تراویح میں آپ ہم کو قرآن سنا دیجئے۔ میں نے عرض کیا کہ میرا حافظہ چھوٹ گیا ہے۔ آپ نے فرمایا (نہیں) سنا دیجئے۔ میں نے دو تین مرتبہ اسی طرح عرض کیا لیکن آپ نے وہی جواب دیا۔ مجبوراً آپ کے حکم کی تعمیل میں شروع کیا اور آپ کی برکت سے میں نے دو رکعتوں میں بائیس پارے پڑھے۔ صرف آپ ان رکعتوں میں کھڑے رہے اور کوئی دوسرا شخص کھڑا نہ رہ سکا۔ پھر میں نے دوسری رات میں قرآن ختم کر دیا اور بہت کم سہو واقع ہوا اور یہ بات خالص تصرف کی وجہ سے ہوئی۔ ورنہ میں

قرآن بھول چکا تھا۔

کرامت (۳۹)۔ یہی حافظ صاحب یہ بھی بیان کرتے تھے کہ ایک بار تراویح میں حضرت ؒ کی موجودگی میں قرآن پڑھ رہا تھا۔ اتفاق یہ ہوا کہ جب چھ پارے ختم ہوئے تو مجھے سخت بخار آگیا اور مجھے بخار نے اس قدر بے ہوش کر دیا کہ میری عصر کی نماز بھی قضا ہو گئی اور مجھے شام کو ہوش آیا۔ افطار کے بعد سخت نقاہت کے عالم میں آپ کی خدمت میں پہنچا۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارا کیا حال ہے؟ میں نے عرض کیا کہ بخار آگیا ہے آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ بخار سخت ہے، پھر کیا تم قرآن پڑھ سکو گے؟ میں نے عرض کیا کہ حال تو ایسا ہے۔ لیکن آپ کی توجہ اور مدد میری رفیق ہوئی تو میں پڑھوں گا۔ آپ نے فرمایا کہ "جلدی آؤ اور پڑھو کہ خیر ہے"۔ پھر جب میں تراویح میں قرآن پاک پڑھنے آیا تو مجھے پسینہ آگیا اور میرا بخار پوری طرح جاتا رہا اور حضرت ؒ کی برکت سے پوری عافیت اور صحت کے ساتھ میں نے کلام پاک اختتام کو پہنچایا۔

کرامت (۴۰)۔ خواجہ قاسم قلیچ خانی[1] جن کا لقب عقیدت خان تھا اور جو حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے مقبول اور منظورِ نظر تھے آپ (حضرت مجددؒ) سے بھی بہت عقیدت اور محبت رکھتے تھے۔ آپ کی خدمت میں انھوں نے عرض کیا کہ آپ توجہ فرمائیں کہ میں بڑے عہدے پر پہنچ جاؤں۔ آپ نے تھوڑی دیر کے لیے توجہ فرمائی اور پھر فرمایا کہ تمہارا منصب ہزاری تک نظر آتا ہے۔ وہ اٹھے اور آداب بجا لائے۔ اس وقت تو اُن کا کوئی عہدہ نہ تھا لیکن تھوڑے ہی عرصے میں منصب ہزاری مل گیا اور اسی منصب پر وہ قائم رہے۔

کرامت (۴۱)۔ محمد تراب جو طالقانی احباب میں سے تھے اور آپ سے اخلاص رکھتے تھے، بیان کرتے تھے کہ میرا بھائی سخت بیمار تھا۔ ایسا کہ لوگوں کو اس کی زندگی کی امید نہ

---

[1] قلیچ خان، حضرت باقی باللہ ؒ کی اہلیہ کے بھائی تھے۔ وہ اور ان کے کئی صاحبزادے بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے۔ ۱۰۲۳ھ میں انتقال ہوا۔

تھی، بلکہ اس کے لیے کفن بھی آگیا تھا۔ اسی اثناء میں اس نے آپ کی خدمت میں ایک گائے اور دس روپے بطور ہدیہ بھیجے۔ صبح کے وقت اس نے خواب میں دیکھا کہ آپ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اُسے کھڑا کر دیا، پھر فرمایا کہ "تجھے صحت ہو گی۔ گھبرا نہیں۔" وہ خواب سے بیدار ہوا اور اپنے اندر بڑی طاقت محسوس کی اور کھڑا ہو گیا، پھر کہنے لگا کہ میں بھوکا ہوں — جو لوگ موجود تھے انھوں نے کہا کہ یہ بکواس کر رہا ہے۔ اس نے کہا کہ بکواس نہیں ہے۔ پھر اس نے خواب میں حضرت مجددؒ کو دیکھنے کا واقعہ بیان کیا اور اپنی صحت کی بشارت کا ذکر کیا پھر تو اس کو شوربا دیا گیا۔ اور اس نے اُسی روز حضرتؒ کی توجہ سے کامل صحت حاصل کی اور اس میں بیماری کا کوئی اثر باقی نہ رہا۔

کرامت (۴۲)۔ آپ کے ایک قدیم مخلص نے بیان کیا کہ میرے وطن انبالہ کے حاکم نے میری زمین جو میری معاش کے لیے تھی ضبط کر لی اور ایک اور زمین کا ٹکڑا جو اس نے زبردستی سے لیا تھا اور ایک مرتبہ واپس بھی دے دیا تھا (دوبارہ) اس نے ظلم و تعدی کر کے لے لیا۔ ایک دن میں نے حضرتؒ سے اس ظالم حاکم کا ذکر کیا کہ اس نے میرے ساتھ ایسا ظلم کیا ہے اور مجھے ڈر ہے کہ سالانہ بندوبست کے ذیل بڑی رقم ضم نہ ہو جائے۔ حضرتؒ تھوڑی دیر مراقب رہے اور فرمایا کہ ایسا نہ ہوگا اور حاکم ذلیل ہوگا۔" دوسری فصل کے موقع پر اس زمین کے محصول کے لیے رقم حاصل کرنے کی کوشش ہو رہی تھی کہ ناگاہ اس حاکم کی معطلی کا حکم آگیا اور وہ قید میں اٹھارہ سال کے لیے ڈال دیا گیا۔ پھر وہ رقم دوسرے حاکم نے مجھ سے طلب نہیں کی

کرامت (۴۳)۔ ایک دن آپؒ کی زبانِ الہام ترجمان سے یہ بات نکلی کہ "دیکھا گیا ہے کہ شیخ مزملؒ ایک خطرناک مقام پر ایک گڑھے کے اندر گر گئے ہیں اور وہاں سے نکلنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ چند روز کے بعد خبر آئی کہ شیخ مزمل، سرہند کی بعض

لہ شیخ مزمل، حضرت مجددؒ کے خلفاء میں سے تھے۔ دفتر اوّل کے مکتوبات ۱۵۲ تا ۱۵۶ آپ کے نام ہیں، ۲۶ ربیع الآخر ۱۰۲۶ھ کو انتقال ہوا۔

پہاڑیوں میں سیر کے لیے گئے تھے کہ اتفاقاً ایک غار کے کنارے اُن کے پاؤں میں لغزش ہوئی اور وہ غار میں گر گئے۔ چنانچہ اس غار میں سے باہر آنا دشوار ہو گیا ہاتھ پاؤں مار رہے تھے کہ باہر آجائیں۔ اتنے میں ایک دہقان نے دور سے دیکھ لیا اور اس نے لوگوں کو خبر کر دی پھر وہ لوگ اس غار پر پہنچ گئے اور اُن کو رسّی کے ذریعے باہر کھینچ لیا۔ یہ شیخ مزمل، حضرت مجدد کے قدیم مُرید اور خلیفہ تھے۔

کرامت (۴۴)۔ علامہ میرک[1] جو شاہزادہ ولی عہد (شاہجہان) کے اُستاد اور بادشاہ کے مقرب تھے، بیان کرتے تھے کہ مجھے حضرت مجدد سے کدورت تھی۔ اس لیے کہ میں نے بعض لوگوں سے سنا تھا کہ آپ نے کہیں لکھا ہے کہ میرا مرتبہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے زیادہ ہے۔ اُسی زمانے میں میرا آنا ہندوستان میں ہُوا اور میں سرہند میں ٹھہرا۔ اتفاق سے میری ملاقات میرے ایک قدیم دوست سے ہوئی جو پہلے بالکل آزاد طبیعت کا تھا اور صلاح و تقویٰ سے کوئی تعلق نہ رکھتا تھا۔ لیکن اب شریعت اور تقویٰ کے لباس میں آراستہ ہے اور خدا طلبی اور حق پرستی اس کی پیشانی سے ٹپکتی ہے۔ میں نے اُس سے اس کا سبب پوچھا۔ اس نے بتایا کہ میں حضرت مجدد کا مرید ہو گیا ہوں اور اُن کی خدمت میں حاضری نصیب ہو گئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کی صحبت کی برکت سے یہ دولت مجھے عطا فرمائی ہے۔ میں نے کہا کہ انھوں نے تو ایسی ایسی بات لکھی ہے۔ اُن کی صحبت میں کیا اثر ہوگا؟ اس نے کہا، خبردار، ہزار بار خبردار۔ بے سمجھے ہوئے انکار مت کرو۔ وہ تو اس وقت قطبِ عالم (قطبِ مدار) ہیں۔ اگر تم اُن کو دیکھو اور ان کی صحبت میں بیٹھو تو تمھیں خود ہی حقیقت کا پتا چل جائے گا۔ مجھے چونکہ آپ سے سخت کدورت تھی اس لیے میں نے کہا کہ میں تو اُن کو نہیں دیکھ سکتا۔ وہ بہت بہت مُصر ہوا کہ ضرور دیکھ لو اور اپنے فاسد خیال سے باز آجاؤ۔ پھر تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ اچھا، اگر میری تین باتوں کا جواب (جو میرے دل میں ہیں) وہ دے دیں گے تو میں ان کا معتقد ہو جاؤں گا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ خود ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کریں اور میرے دل

---

[1] علامہ میرک کا انتقال ۱۰۳۲ھ میں ہُوا۔ محمد ہاشم کشمی نے "ھو سید الشیوخ" سے ان کی تاریخ وفات نکالی ہے۔

سے انکار کی کدورت کو دُور کر دیں۔ دوسرے یہ کہ میرے آباؤ اجداد کا ذکر چھیڑیں اور اُن کے حالات کسی قدر بتائیں۔ تیسرے یہ کہ خواجہ خاوند محمود کے احوال بھی بیان کریں۔ آخر کار میں اپنے اُس دوست کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جونہی میں نے اُن کو دُور سے دیکھا میرے تمام اعضاء میں رعشہ طاری ہوگیا اور میرے دل میں دہشت اور ہیبت پیدا ہو گئی۔ ڈرتا ہوا اور لرزتا ہوا میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے بیٹھنے کی اجازت دی۔ میرے بیٹھتے ہی آپ نے تکیے کے نیچے سے ایک تحریر نکالی اور میرے حوالے کی وہ وہی مکتوب تھا جس سے لوگوں نے یہ بدگمانی پیدا کرلی تھی کہ گویا آپ نے خود کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل کہا ہے۔ آپ نے یہ بات ایسی واضح فرمائی کہ پھر میرے دل میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش ہی نہ رہی۔ پھر فرمایا، اے مولانا میرکی، تمہارے والد کا نام ایسا ایسا تھا، تمہارے دادا ایسے تھے اور تمہارے پردادا یوں تھے۔ ہر ایک کا نام اور اُن کے فضائل بیان کیے حالانکہ میں کبھی اُن کی خدمت میں متعارف نہیں تھا۔ اس کے بعد آپ اٹھے اور چاہا کہ مجھے رخصت کریں۔ میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ آپ نے (تیسری بات یعنی) خواجہ خاوند محمود کا ذکر نہیں فرمایا۔ آپ نے پلٹ کر میری طرف روئے سخن کیا اور فرمایا کہ خواجہ خاوند محمود ہمارے پیرزادے ہیں اور موروثی جذبہ (روحانیت) رکھتے ہیں۔ راوی (یعنی شیخ میرک) کہتے ہیں کہ یہ تین کرامتیں ایک ہی مجلس میں حضرتؒ سے میں نے مشاہدہ کیں۔

تصرف (۴۵) — اُن دنوں میں جب کہ حضرتؒ لاہور تشریف لے گئے تھے عالمِ معنوی مولانا جمال تلویؒ[1] آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خلوت میں آپ سے عرض کیا کہ (بحمد اللہ) آج آپ جیسا جامع علومِ ظاہری و باطنی زمانے میں موجود نہیں آپ بتائیں کہ مسئلہ وحدت الوجود جو بظاہر شریعت کے مخالف ہے اور بہت سے اولیاء اُس

---

[1] مولانا جمال الدین لاہوری بہت بڑے عالم تھے۔ فیضی نے سواطع الالہام میں آپ سے استفادہ کیا تھا۔ مکتوبات میں دفتر اوّل کا ایک مکتوب نمبر ۱۳۰ آپ کے نام ہے۔

کے قائل ہیں آپ کے نزدیک کس طرح حل ہوگا؟ آپ نے توجہ اور تصرف فرما کر مولانا کو حل کر دیا اور کان میں بھی چند کلمات فرمائے۔ مولانا بے تاب ہوگئے اور ان کی آنکھوں سے آنسو اس طرح جاری ہوئے جیسے ابر نیساں اور سکر و وجد والوں کی طرح آپ کے بشرے سے عجیب تغیر ظاہر ہوا۔ پھر مولانا میں برداشت نہ رہی اور انھوں نے حضرتؒ کے قدم چومے اور نہایت تواضع اور انکسار کے ساتھ رخصت ہوئے۔ ع اس تصرف پہ فخر کیوں نہ کروں؟
مولانا جمال کو دلائل عقلیہ سے مطمئن کرنا دشوار تھا اس لیے ایک لمحے میں جان بخشی فرمائی گئی۔ اور اس مقام پر ہی پہنچا دیا جس کو وہ سمجھنا چاہتے تھے اور مولانا کے شک و شبہ کو اس حال کے وارد کرنے سے دور کر دیا۔

کرامت (۴۶) ۔ حضرت کے خادموں میں سے ایک درویش نے بیان کیا کہ میں قلعہ گوالیار میں آپ کی خدمت میں رہا کرتا تھا۔ ایک بزرگ کا وہاں سے گزر ہوا تو بہت افسوس و حیرت سے آپ کو کہلا بھیجا کہ اس جگہ سے آپ کی رہائی ممکن نہیں معلوم ہوتی، کیونکہ اس آزار کا سبب رافضی لوگ ہیں اور یہ قلعہ بالفعل انھی لوگوں سے تعلق رکھتا ہے اور یہ بھی کہلا بھیجا کہ اگر وہ لوگ قلعہ کے اوپر سے پھینک دیں تو کون روکنے والا ہے؟ آپ نے ان کے جواب میں کہلا بھیجا کہ میری رہائی (انشاء اللہ) ضرور ہونے والی ہے۔ کیونکہ بعض لوگ جن کا حصہ میرے پاس ہے ان کو وہ حصہ پہنچانا ابھی باقی ہے اور یہ کام میری رہائی کے بغیر ممکن نہیں۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد آپ کی رہائی اس قلعے سے واقع ہوئی اور آپ کا ارشاد جلد از جلد ظہور میں آیا۔

کرامت (۴۷) ۔ آپ کے مخلصین میں سے ایک نے بیان کیا کہ حضرتؒ کا یہ طریقہ تھا کہ ہر چھوٹے بڑے اور یگانہ و بیگانہ کو پہلے سلام کیا کرتے تھے۔ ایک دن میرے دل میں خیال آیا کہ آج میں حضرتؒ کی خدمت میں چلتا ہوں اور اچانک پہنچ کر پہلے سلام کروں گا۔ چنانچہ اس ارادے سے میں آپ کی خدمت میں روانہ ہوا اور آپ کے جماعت خانے کے قریب پہنچ گیا تھا کہ اگر دو تین قدم آگے بڑھتا تو بالکل آپ کے سامنے پہنچ جاتا لیکن ابھی آپ نے مجھے دیکھا بھی نہ تھا اور نہ میں نے آپ کو دیکھا تھا کہ جماعت خانے کے

اندر سے آپ نے آواز دی کہ اے فلاں السلام علیکم۔ ناچار میں نے قدم بڑھایا اور خود کو آپ کے سامنے پیش کر کے وعلیکم السلام عرض کیا اور آپ سے اپنے ارادے کا ذکر بھی کیا۔۔۔ کہ میں سلام کی ابتداء کرنا چاہتا تھا۔ آپ نے تبسم فرمایا۔

کرامت (۴۸)۔ ایک دن ایک طالب نے آپ سے نسبت قادریہ کے لیے التجا کی۔ آپ نے اس سلسلۂ عالیہ کا طریقہ ان کو تفویض فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ اکثر صحبت میں حاضر ہوا کرو۔ آپ نے اس شخص کی خاطر خود کو بھی دو تین روز تک نسبت قادریہ میں رکھا اور اس کی برکتیں اس پر تفویض فرمائیں اور وہ لوگ جو آپ سے انوارِ نقشبندیہ کا اقتباس کیا کرتے تھے اُن دنوں خود کو معطل اور بے کار پا رہے تھے اور اپنے معاملے میں انقباض دیکھ رہے تھے اور اصل حقیقت سے واقف نہ تھے۔ مجبوراً انھوں نے آپ سے عرض کیا آپ مسکرائے اور فرمایا کہ ہاں، دو تین دن سے میں نے خود کو آپ سے الگ کر کے نسبت قادریہ کی تحصیل کے لیے فلاں طالب کی طرف متوجہ ہوں، اسی لیے تمھاری نسبت میں انقباض ہو گیا ہے۔ اس کے بعد آپ اُن لوگوں کے حال پر متوجہ ہوئے اور ایامِ گزشتہ کی تلافی فرمادی اور وہ فیوض و برکات جو چلوں میں بلکہ سالوں میں بھی اُن کو حاصل نہ ہوتے وہ ان دنوں میں حاصل ہو گئے۔ سبحان اللہ، کیا تصرف تھا کہ اگر طالبوں کے معاملے میں تھوڑا سا خلل ایک توجہ میں پیدا ہوا تو نیم نگاہ میں شروع سے آخر تک کا تمام کام اُن کا مکمل کر دیا۔

کرامت (۴۹)۔ ایک صحیح النسب سید نے بیان کیا کہ میں اُجین میں تھا اور سوار گردوں کی ایک جماعت میرے پڑوس میں تھی۔ اُن میں سے ایک شخص جان محمد جالندھری تھا جو مجھ سے خصوصیت رکھتا تھا۔ اتفاقاً ایک دن یہ خبر ملی کہ حضرت مجددؒ کو بادشاہ سے ایذا پہنچی ہے اور آپ کو گوالیار بھیج دیا گیا ہے۔ میں بہت مغموم اور رنجیدہ تھا۔ دیکھا کہ جان محمد میرے پاس آیا اور مجھے رنجیدہ دیکھ کر سبب پوچھا۔ میں نے واقعہ بیان کیا۔ اس نے کہا کہ میں بھی اُن کا مرید ہوں۔ آج میں اُنھی سے تحقیق کر لیتا ہوں۔ وہ گیا اور آپ کی طرف متوجہ ہوا۔ قیلولہ کیا۔ حضرتؒ مراقبے میں تشریف لے آئے اور فرمایا کہ یہ خبر صحیح ہے لیکن بعض مقامات (سلوک کے) جلالی تربیت پر موقوف ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اُن کا حصول ممکن نہ تھا، دوستوں سے کہہ دو کہ

اس معاملے میں خاطر جمع رکھیں کہ اس معاملے کا راز یہی ہے۔

کرامت (۵۰) ۔ تاجر موصوف نے یہ بھی بتایا کہ میں حضرتؒ کی خدمت میں بہت رہا ہوں۔ میں جب بھی آپ کو دیکھتا تھا، آپ کی پیشانی اور دونوں رخساروں پر لفظ "اللہ" لکھا ہوا پاتا تھا۔

کرامت (۵۱) وہی شخص یہ بھی بتاتا ہے کہ ایک دن حضرتؒ نے شام سے پہلے مجھ سے فرمایا کہ میں ایک کام تم سے کہتا ہوں، تم کر دو گے؟ میں نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میں کیوں نہ کر سکوں گا! پھر آپ نے مجھے ایک اخروٹ میرے ہاتھ میں دیا اور فرمایا کہ باغ خاطر خنہ میں چند درویش ٹھہرے ہوئے ہیں، اُن کے پاس جاؤ۔ اُن میں ایک فقیر اُن سے الگ بیٹھا ہوا ہے جیچک رو، ہے۔ اس کے پاس جاؤ اور میری دعا کہو اور یہ اخروٹ اس کو دے دو اور اس کو بلا کر میرے پاس لاؤ۔ میں آپ کے حکم کی تعمیل میں وہاں گیا۔ دیکھا کہ قلندروں کی ایک جماعت بیٹھی ہے اور ایک چیچک رو، فقیر تھوڑے فاصلے پر بیٹھا ہے۔ جونہی اس نے مجھے دیکھا کہنے لگا، کیا تم کو حضرتؒ نے بھیجا ہے؟ میں نے کہا، جی ہاں ـــ پھر میں نے وہ اخروٹ اس کو دیا اور حضرتؒ کی دعا بھی عرض کی۔ اس نے کہا کہ ہم کو بلوایا ہے اور خود تشریف نہیں لائے۔ پھر وہ اٹھا اور میرے ساتھ روانہ ہو گیا۔ حضرتؒ محراب میں بیٹھے ہوئے تھے، وہ دوسری طرف آ کر بیٹھ گیا۔ اسی اثناء میں حضرتؒ نے مجھ سے فرمایا کہ قہوہ لاؤ۔ میں اس طرف کو دوڑتا ہوا گیا جہاں قہوہ تیار ہو رہا تھا۔ میں وہاں پہنچا اور قہوہ کا پیالہ لے کر آپ کی خدمت میں لایا۔ آپ نے فرمایا اُن کو پیش کرو۔ جب میں نے اُن کی طرف رُخ کیا تو دیکھا کہ وہ فقیر بھی حضرتؒ ہی تھے۔ فقیر نے کہا کہ یہ انہی کی طرف لے جاؤ۔ پھر جب میں نے اُن کی طرف رُخ کیا تو وہاں بھی حضرت ہی تھے۔

کرامت (۵۲) ۔ اس درویش نے حضرتؒ سے میرے حالات دریافت کیے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ شخص جالندھر کا ہے اور اس کا نام جان محمد ہے اور فلاں کا بیٹا ہے ـــ اس نے کہا کہ اس کا باپ میرا جاننے والا تھا۔ اس کو آپ نے کس سلسلے میں بیعت کیا ہے؟ آپؒ نے فرمایا کہ سلسلۂ قادریہ میں ـــ اس نے کہا کہ میں سفارش کرتا ہوں کہ اس کو حضرت غوث الثقلین سید محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کی خدمت میں پہنچا دیجیے۔ اتنے میں حضرتؒ اٹھے اور آفتابہ، نیز چند ڈھیلے مجھ سے منگوائے۔ میں لایا۔ آپ بیت الخلاء تشریف لے گئے۔ جب وہاں سے نکلے تو فرمایا، جان محمد، تم

قطب تارا جانتے ہو؟ دیکھو یہی ہے یا اور ہے؟ قطب کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ اچھی طرح دیکھو۔ میں نے دیکھا کہ قطب تارے کے اندر سے ایک بزرگ سیاہ خرقہ پہنے ہوئے باہر آئے اور تیر کی طرح تیزی سے ایک لمحے میں اسی جگہ پہنچ گئے۔ حضرت مجددؒ نے فرمایا کہ ان کو آداب بجا لاؤ۔ یہ حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ ہیں۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں اُن کو میں آداب بجالایا۔ اس کے بعد حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ رخصت ہوگئے اور پھر اسی قطب تارے کی طرف متوجہ ہو کر اُسی تارے کے اندر غائب ہو گئے۔ جب آپ وضو کر کے مسجد تشریف لے گئے تو اس درویش نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں۔

کرامت (۵۳)۔ سید صاحب موصوف نے کہا کہ میں نے جان محمد سے کہا کہ ایسے امور کے مشاہدے کے باوجود تم پھر سوداگری میں کیوں پڑ گئے؟ اس نے کہا کہ عجیب قصہ ہے میرے اقربا حضرت مجددؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر التماس کرنے لگے کہ اس شخص (جان محمد) کو ہمیں دے دیجیے تاکہ ہم اس کی شادی کر دیں۔ حضرتؒ نے فرمایا، جاؤ اور شادی کر لو لیکن میں نہیں گیا، تو وہ رشتہ دار پھر آئے۔ غرض کہ وہ رشتہ دار ہمیشہ حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر میرے آڑے آتے رہے اور حضرتؒ مجھ سے فرماتے رہتے تھے لیکن میں نہیں گیا۔ آخر کار ان رشتہ داروں کی وجہ سے آپ تنگ آ گئے۔ ایک دن آپ پان کھا رہے تھے۔ آپ نے اپنے دہن مبارک سے تھوڑا پان نکال کر مجھے دیا۔ اس کا کھانا اور میرے احوال کا سلب ہو جانا ایک ساتھ ہوا۔ گویا میں پہلے مست تھا اور اب دنیا کا کاروبار نظر آنے لگا۔ پھر میں نے اُن رشتہ داروں کی رفاقت اختیار کی اور میری شادی ہو گئی اور میں تجارت کرنے لگا۔ لیکن حضرتؒ سے محبت کی نسبت وہی ہے جو پہلے تھی۔ جب کبھی میں متوجہ ہوتا ہوں آپ کو دیکھ لیتا ہوں۔

کرامت (۵۴) حضرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی[1] نے بتایا کہ میں جو آپؒ سے مرید ہوا تو اس کا سبب یہ کرامت تھی کہ ایک رات میں نے حضرتؒ کو خواب میں دیکھا کہ آپ مجھے یہ آیت سنا

---

[1] علامۂ زماں عبدالحکیم سیالکوٹی بہت سی کتابوں کے مصنف تھے۔ سب سے پہلے آپ ہی نے حضرتؒ کو مجدد الفِ ثانی کہا تھا۔ ۱۰۶۸ھ میں انتقال ہوا۔

رہے ہیں "قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْهُمْ"[1] تلاوت کے دوران تصرف فرمایا۔ اور سینہ سے دل کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ چنانچہ میں نے اپنے دل کو ذاکر پایا۔

علامہ مذکور ایک عرصے تک اسی نسبت کے ساتھ حضرتؒ سے باطنی طور پر استفادہ کرتے رہے اور کہا کرتے تھے کہ میں شیخ احمد کا اویسی ہوں۔ پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ظاہری تعلیم ذکر بھی حاصل کی۔

کرامت (۵۵) حضرت کے مخلصین میں سے ایک صاحب نے بتایا کہ ایک دن حضرتؒ نے فرمایا کہ تم اور فلاں شخص دونوں کو ولایتِ ابراہیمی حاصل ہے۔ مجھے خیال ہوا کہ آپ کا فرما دینا بالکل کافی ہے لیکن اگر مجھے بھی اس بات کا علم ہو جائے تو بہتر ہوگا۔ اسی رات میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہت شان و شوکت کے ساتھ دیکھا اور وہاں حضرت مجدد بھی موجود تھے اور میں اور وہ دوسرا شخص (جس کو ولایتِ ابراہیمی حاصل ہوئی تھی) دونوں کھڑے ہوئے تھے۔ حضرت مجددؒ نے ہم دونوں کے ہاتھ پکڑے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں میں ڈال دیا۔ ہم دونوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قدم بوسی کی اور ہم اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے۔

وہ راوی بیان کرتا ہے کہ اس واقعے کو دیکھنے کے بعد جب میں حضرت مجددؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو قبل اس کے کہ میں یہ واقعہ عرض کروں، آپ نے فرمایا کہ "جو کچھ میں نے کہا تھا اس میں تردد کی گنجائش نہیں ہے اور تم کو معلوم نہیں کہ تمام سالکوں کو ان کے احوال کے دقائق اور ان کے مشربِ استعداد کی خبر نہیں دی جاتی بلکہ زیادہ تر زمانے ایسے ہیں کہ کسی ایک ہی کو خاص الخاص بزرگوں میں سے اس نعمتِ اعلیٰ اور دولتِ عظمیٰ سے نوازا جاتا ہے۔ شیخ نجم الدین کبریٰؒ جو اپنے وقت کے قطب تھے وہ نہیں جانتے تھے کہ کس نبی کے زیرِ قدم ہیں۔ اس کی تحقیق کے لیے انھوں نے اپنے ایک مرید کو ایک بزرگ کے پاس بھیجا جو اس علم سے بہرہ مند کیے گئے تھے۔ اس بزرگ نے دیکھتے ہی کہا کہ "وہ یہودی توجہ کر رہا ہے"۔ وہ مرید آزردہ خاطر ہو کر اپنے شیخ کے یہاں واپس پہنچا اور وہ ماجرا بیان کیا۔ شیخ بہت خوش ہوئے اور جھومنے لگے اور کہا کہ انھوں نے مجھے یہ بتایا ہے کہ تم

---

[1] ترجمہ: کہو اللہ پھر ان (لوگوں) کو چھوڑ دو۔ (سورۃ انعام ۹۲)

حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کے زیر قدم ہو۔

کرامت (۵۶) ایک روز آپ کے ایک مخلص کو خیال ہوا کہ آپ ہی ہمیشہ امامت فرماتے ہیں آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ اس خیال کو لے کر وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ابھی وہ اپنی بات زبان پر نہیں لایا تھا کہ آپ نے فرمایا کہ شافعیہ اور مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ سورۃ الفاتحہ کے بغیر کوئی نماز جائز نہیں۔ اس لیے مقتدی (امام کے پیچھے) بھی سورۃ الفاتحہ پڑھتا ہے اور صحیح احادیث سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔ لیکن امام اعظمؒ نے امام کی قرأت کو مقتدیوں کی قرأت قرار دیا ہے اور مقتدی کا سورۃ الفاتحہ پڑھنا جائز نہیں اور جمہور فقہائے حنفیہ کا مذہب یہی ہے۔ گو کہ بعض ضعیف روایتوں نے اس قرأت کو جائز کہا ہے۔ ہم حتی الامکان یہ کوشش کرتے ہیں کہ تمام ائمہ کے مذاہب جمع ہو جائیں تو اس معاملے میں جمع مذاہب نہیں ہوتا مگر جب تک کہ میں خود امامت نہ کروں۔

کرامت (۵۷)۔ وبائے طاعون کے غلبہ کے زمانے میں ایک صاحب کے متعلق لوگوں نے ناخوش واقعات دیکھے تو حضرتؒ کی خدمت میں عرض کیے۔ آپ نے فرمایا کہ حصن حصین کا ختم کیا جائے۔ اس شخص نے یہ ختم کیا اور عرض کیا۔ آپ نے فاتحہ (دعا) پڑھی اور پڑھنے کے بعد ان سے فرمایا کہ اس فاتحہ کے پڑھتے وقت میں نے تمہارے گرد ایک قلعہ دیکھا کہ قائم کر دیا گیا ہے۔ لیکن اس قلعہ کی بعض دیواریں صحیح نہیں ہیں۔ اس لیے ظاہر ہوتا ہے کہ اس ختم کے پڑھنے میں کوئی نقص واقع ہوا ہے۔ اس شخص نے عرض کیا کہ جی ہاں، حصن حصین کا وہ نسخہ بہت بدخط تھا۔ بعض مقامات پڑھے نہیں گئے اور غلط بھی تھا۔ وہ شخص چلا گیا اور دوبارہ ختم پڑھا اور پھر آکر عرض کیا۔ اب آپ نے فرمایا کہ یہ ختم درست ہوا اور پہلا ختم ایک دوسرے شخص کے لیے منتقل ہو گیا جو اس کے لیے درست ثابت ہوا۔ یعنی وہ شخص سخت مرض (طاعون) میں مبتلا تھا کہ اطباء اس کی بیماری سے مایوس ہو چکے تھے، وہ اب جلدی صحت یاب ہو گیا اور وہ پہلا شخص بھی عافیت سے رہا۔

کرامت (۵۸) ایک سفر میں حضرت ایک سرائے میں فروکش ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے دکھایا گیا ہے کہ آج اس سرائے میں آگ لگ جائے گی اور سامان کے ساتھ گھر جل جائیں گے۔ احباب ایک دوسرے کو اطلاع کر دیں کہ ہر شخص یہ دعاء بار بار پڑھے تاکہ وہ اور اس کا اسباب آگ سے محفوظ رہے۔ وہ دعا یہ ہے: اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّآمَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ط

ابھی تھوڑی دیر بھی نہ گزری تھی کہ اُس سرائے کے بعض گھروں میں آگ لگ گئی اور ایسی شدت کے ساتھ کہ اُس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ ایسے شعلے اٹھے کہ اُن کا بجھانا مشکل ہو گیا۔ لوگوں نے بہت بھاگ دوڑ کی لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ بہت سے گھر جل گئے اور بہت سا اسباب تباہ ہو گیا۔ لیکن احباب میں سے جس کسی نے وہ دُعا پڑھی وہ اور اس کا اسباب محفوظ رہا۔ مولانا عبدالمومن لاہوری جو بڑے فاضل تھے اور آپ کے مرید تھے اُن کا سامان جل گیا، کیونکہ اُن کو کسی نے خبر نہ دی تھی کہ حضرتؒ نے فلاں دُعا پڑھنے کے لیے ارشاد فرمایا ہے۔ پھر وہ خود بھی ہزار دقت سے آپ کی خدمت میں پہنچ سکے۔

کرامت (۵۹)۔ اس زمانے میں جب کہ حضرتؒ لاہور تشریف لے گئے تھے ایک رات عشاء کی نماز کے بعد اُس گھر کی ایک دیوار کے قریب جہاں کہ آپ ٹھہرے ہوئے تھے، کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ آج رات کوئی شخص اس دیوار کے قریب ہرگز نہ آئے اور نہ سوئے حالانکہ اُس وقت نہ بادل تھے اور نہ بارش تھی بعض لوگوں کو اس ارشاد سے تعجب ہوا کیونکہ دوسری دیواریں زیادہ شکستہ تھیں اور وہ دیوار تو سب سے زیادہ مضبوط تھی۔ (پھر تو یہ ہُوا کہ) اخیر کی تہائی رات میں وہ دیوار اللہ تعالیٰ کے حکم سے گر پڑی۔ ایک لونڈی اس دیوار کے نزدیک تھی اس پر چند ڈھیلے گرے حضرتؒ نے غصے سے فرمایا کہ میں نے رات کو نہیں کہا تھا کہ کوئی بھی اس دیوار کے قریب نہ رہے۔

کرامت (۶۰)۔ میرزا مظفر جو سرہند کا فوجدار تھا اور قصبہ جیت پور میں تھا، ارادہ کر رہا تھا کہ سرکش پہاڑ والوں پر حملہ کرے۔ وہ ایک درویش سے رجوع کر کے بشارت کا طالب ہوا۔ اُس درویش نے فتح کی بشارت دی۔ اس کے بعد اس کے دل میں تردد پیدا ہوا اور اس نے حضرت مجددؒ کی خدمت میں خط لکھا اور اس بشارت کے متعلق بھی آپ کو اطلاع دی۔ آپ نے جواب میں لکھا کہ اُس حملے میں فوجدار کو شکست ہوگی۔ بشارت دینے میں عجلت کی گئی۔ جب تک صبح کی سپیدی کی طرح کوئی بات صاف طور پر ظاہر نہ ہو جائے زبان پر نہیں لانا چاہیے۔" تین چار دن نہ گزرے ہوں گے کہ اس فوجدار کی جنگ اُن پہاڑ والوں سے چھڑ گئی اور اس کو شکست ہوئی اور اس کا عَلَم اور نقارہ بھی چھین لیا گیا۔ پھر وہ پریشانی اور حیرانی میں واپس ہوا۔

کرامت (۶۱)۔ حضرت کے ایک مرید نے بیان کیا کہ میں بیمار تھا اور تپ محرقہ میں مبتلا تھا۔ اس میں ایک عرصہ لگ گیا۔ اور ضعف و ناتوانی اس حد تک بڑھ گئی کہ زندگی کی امید نہ رہی! فرمایا نے

میری خاطر شب بیداری کی تاکہ نزع کے وقت حاضر رہیں۔ میں نے حضرتؒ کی طرف توجہ کی تو میں نے شدتِ مرض میں دیکھا کہ ایک شخص ظاہر ہوا۔ بہت سفید چادر اوڑھے ہوئے تھا جو سر سے پیر تک تھی اور چہرہ بھی ڈھکا ہوا تھا۔ میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ یہ چادر حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے قطبِ وقت شیخ احمد فاروقی نقشبندی کے لیے بھیجی تھی اور انھوں نے تمہارے لیے بھیجی ہے۔ میں وہ تم کو اوڑھاتا ہوں۔ اس کی برکت سے تم کو صحت حاصل ہوگی (انشاءاللہ)۔ اس نے مجھے سر سے پیر تک اُڑھا دی۔ جب میں نے اس چادر پر ہاتھ بڑھایا تو اس سے کچھ بھی میرے ہاتھ نہ آیا۔ اور میرے پیر کی طرف سے برودت مجھ میں سرایت کرگئی جو سر تک پہنچ گئی۔ جب میری بہن نے دیکھا کہ میرے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہوگئے ہیں تو وہ یہ سمجھی کہ میرا وقت آخر ہے۔ وہ دوڑی اور مجھے بغل میں لے کر رونا، چیخنا اور نالہ کرنا شروع کر دیا۔ میں اس کے شور و غل سے جاگ اٹھا اور اس سے کہا کہ میں اچھا ہوں، غم نہ کرو۔ میں نے شوربا منگوایا، پیا اور اچھا ہوگیا۔ چنانچہ میں نے صبح کی نماز کھڑے ہوکر پڑھی۔

کرامت (۶۲) یہ صاحب یہ بھی بیان کرتے تھے کہ میں نے اور میرے ایک دوست نے (جو حضرت کے مریدوں میں سے تھے) امساک کے لیے اپنے گھر میں دوا تیار کی۔ لیکن اس میں افیون شامل تھی! اور ہم دو کے علاوہ کوئی شخص اس بات سے واقف نہ تھا۔ ہم دونوں ظہر کی نماز کے حلقے میں حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے (اور خیال کیا) کہ وہاں سے واپسی پر وہ دوا کھائیں گے۔ آپ فراغت کے بعد چاہتے تھے کہ گھر میں تشریف لے جائیں۔ دروازے پر آپ کھڑے ہوگئے اور ہم دونوں کو قریب طلب فرما کر بہشت اور حور و قصور کا ذکر شروع فرمادیا، دنیوی لذتوں کی نفی فرمائی اور آخرت کی لذتوں کی ترغیب دلائی۔ پھر فرمایا کہ "وہ دوا جو افیون سے تم لوگوں نے تیار کی ہے کہ کھائیں، تو مت کھاؤ۔" ہم لوگ حیران ہوئے اور آپ کا حکم قبول کیا۔ اور اس دوا کو پانی میں ڈال دیا۔ یہ کرامت دیکھی تو آپ سے اور بھی زیادہ گرویدگی بڑھ گئی۔

کرامت (۶۳) وہی صاحب یہ بھی بتاتے تھے کہ اُن کی والدہ بیمار تھیں۔ میں حضرتؒ کی خدمت میں کچھ رقم حضرت بہاءالدین نقشبند قدس سرہٗ کی نذر کے لیے لے گیا اور آپ سے شفا کے لیے دُعا کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ نذر اپنے پاس رکھو اور اس خوبی کے ساتھ اُسے قبول

کرنے سے انکار کر دیا۔ میں نے رات کو خواب میں آپ کو دیکھا کہ آپ تشریف رکھتے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ "اے شخص، جاگ جا، اور اپنی والدہ کے نزع کے وقت اُن کے پاس پہنچ جا۔" میں خواب سے بیدار ہوا اور اُسی وقت بے تابی کے عالم میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ آپ تہجد کی نماز سے فارغ ہو چکے ہیں۔ میں نے سلام پیش کیا اور جو خواب دیکھا تھا آپ سے عرض کیا۔ آپ مراقب ہو گئے اور دیر تک اس حالت میں رہے۔ پھر فرمایا کہ اے شخص جلد جا کہ تیری والدہ کا وقت نزع کا ہے۔ میں روتا ہوا والدہ کے سرہانے آیا اور اُن کی نبض دیکھی کہ وہ ڈوب چکی تھی اور وہ تھوڑی دیر کے بعد فوت ہو گئی۔

کرامت (۶۴) حضرت کے ایک مرید نے بتایا کہ جن دنوں میں آپ کو بادشاہ کے ہاتھوں اور دین کے دشمنوں کی چغلخوری کی بنا پر گزند پہنچا تھا ایک شخص جو افسوں اور منتر سے واقف تھا مجھ سے کہنے لگا کہ میں ہندی میں چند اسم جانتا ہوں کہ ظہر کے وقت سے عصر کی نماز تک اگر وہ پڑھ لو، تو اسی دن دشمن ہلاک ہو جاتا ہے اور یہ چیز مجرب ہے۔ اس نے وہ اسم ایک کاغذ پر لکھ کر مجھے دیئے کہ مکان کی چھت کی لکڑی میں رکھ دو۔ میں نے اس سے وہ اسم سیکھ لیے اور وہ اسم والا کاغذ مکان کی چھت میں رکھ دیا۔ میں نے دل میں طے کیا کہ کل منگل کو وہ پڑھوں گا۔ ناگاہ میں نے رات کو حضرت کو خواب میں دیکھا کہ گویا آپ اپنے دانتوں میں کلمہ کی انگلی دبا کر فرما رہے ہیں کہ میرے مرید اور ایسا عمل کریں، بڑے تعجب کی بات ہے۔ ہرگز وہ عمل مت کرنا کہ وہ جادو ہے۔ پھر مجبوراً میں نے اُسے ترک کر دیا۔ اس کے بعد بادشاہ اس ایذا رسانی سے نادم اور شرمندہ ہوا اور آپ کو گوالیار سے بلوایا اور آپ اپنے وطن تشریف لے آئے۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ایک عالم آپ کے دیدار کو آ رہا تھا۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ اگر حضرت میرے سامنے مجھے اس عمل سے منع فرمائیں گے بغیر اس کے کہ میں اس کا اظہار کروں، تو میں اس عمل کو چھوڑ دوں گا، ورنہ ایک بار تو دشمن کے جگر پہ تیر ضرور ماروں گا۔ حضرت تین دن تک سرہند میں رہے اور میں تینوں دن حضرت کی خدمت میں اسی نیت سے گیا۔ تیسرے دن آپ مجمع خلائق سے رخصت ہو کر مکان میں تشریف لے جا رہے تھے کہ دروازے میں اندر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ فلاں شخص کو بلاؤ۔ میں حاضر ہوا تو فرمایا کہ وہ ہندی اسم مت پڑھنا کہ وہ جادو ہے۔ میں نے شرمندگی کی وجہ سے اس کا انکار کیا۔ آپ نے فرمایا کہ

"ایسی بات کیوں کہتے ہو؟ تم نے تو وہ اسم فلاں جادوگر سے سیکھے ہیں۔ (آپ نے اس جادوگر کا نام بتایا جس سے میں نے سیکھا تھا) اور وہ کاغذ جس پر اس نے وہ اسم لکھ کر دیئے تھے تم نے اپنے گھر کی چھت کی فلاں لکڑی میں رکھ دیئے ہیں۔ وہ عمل اپنی تاثیر میں ایسا ہی ہے جیسا کہ اس نے بتایا تھا لیکن جادو حرام ہے۔ جاؤ اور اس کو پھاڑ ڈالو" میں نے سر جھکا دیا۔ آپ نے فرمایا کہ "مجھ سے وعدہ کرو کہ اس کو پھاڑ ڈالو گے اور اس عمل کے قریب بھی نہ جاؤ گے۔" پھر آپ نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر مارا (وعدہ کرانے کو)۔ مجھے اس کرامت سے دہشت ہونے لگی اور میں حیرت میں گم ہو گیا، کیونکہ یہ بات میں نے کسی سے نہیں بتائی تھی۔ میں پھر فوراً گھر آیا اور اس کاغذ کو چاک کر دیا۔

کرامت (۶۵) حضرت کے ایک مرید نے بیان کیا کہ ایک مُلّا ایک خواجہ زادہ کے بیٹے کو تعلیم دیتا تھا اور وہ خواجہ زادہ باہر سفر میں تھا۔ اس مُلّا کو اندرونی دروازے کے قریب مکتب کے لیے جگہ دی گئی تھی۔ اس لیے کبھی کبھی اس بچے کے حالات پر نظر رکھنے کے لیے اس کی والدہ آکر کھڑی ہو جاتی تھی۔ اس طرح اتفاق سے مُلّا کی نظر اس پر پڑ جاتی تھی۔ مُلّا اپنا دل کھو بیٹھا اور خان و مال سے آوارہ ہو کر حیران و پریشان پھرنے لگا۔ کیونکہ جمال محبوب کا دیدار ہر وقت نہ ہو سکتا تھا اور اس جانکاہ درد کو اس کے بغیر تسکین نہ ہو سکتی تھی۔ وہ مجنون کی طرح دشت و بیاباں میں گھومتا تھا اور کسی طرح صبر نہ پاتا تھا۔

وہ شخص چونکہ راقم الحروف (بدرالدین سرہندیؒ) کا واقف تھا، اس لیے ایک دن میں نے اس سے کہا کہ صحیح بات تو بتاؤ کہ اس پریشانی کا سبب کیا ہے؟ اور اس سرگشتگی کا باعث کیا ہے؟ اس نے کہا کہ سلطانِ عشق نے بحکم اِنَّ الْمُلُوْکَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَۃً ..... (النمل۔۳۴) اس بیدل کے دل پر نزولِ اجلال فرما کر اسے تہ و بالا کر دیا ہے اور عقل کو جو اس دیار کے اعزہ میں سے ہے ذلیل کر کے معطل کر دیا ہے اور اس کی جگہ جنوں کو بٹھا دیا ہے۔ اگر تم سے ہو سکے تو میرا حال حضرتؒ کی خدمت میں عرض کر دو۔ میں نے کہا کہ تم لکھ دو۔ میں حضرتؒ کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔ اس نے حقیقت حال بے کم و کاست لکھ دی۔ میں نے وہ رقعہ عشاء کے وقت تنہائی میں حضرتؒ کی خدمت میں پیش کر دیا اور عرض کیا کہ وہ عورت حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کی اولاد میں سے ہے اور حضور کی توجہ کی ضرورت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "اس سے کہہ دو کہ کل فجر کی نماز کے بعد حلقۂ ذکر میں

میرے سامنے بیٹھے کہ توجہ کی جائے گی اور وہ بلا دفع ہوجائے گی۔ انشاء اللہ! میں نے یہ بات اس سے کہی اور وہ علی الصباح آپ کی خدمت میں آیا اور آپ ہی کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی۔ پھر آپ کے سامنے ہی حلقۂ ذکر میں بیٹھ گیا۔ آپ نے اس کے حال پر توجہ فرمائی اور اس محبتِ مجازی کا کانٹا اس کے دل سے نکال دیا۔ جب آپ حلقے سے اٹھے تو میں نے اس ملّا سے اس کی کیفیتِ حال دریافت کی۔ اس نے کہا کہ اللہ کی قسم، میرا دل اب اس عورت کے عشق سے سرد ہو گیا۔ چنانچہ اسی وقت اس نے اجازت لی کہ وطن جا رہا ہوں کہ میں حضرتؒ کی وجہ سے اس بلا اور آزمائش سے آزاد ہو گیا ہوں۔ پھر وہ چلا گیا۔

کرامت (۶۶) حضرت کے مخلصین میں سے ایک امیر تھا جو حضرتؒ کے قریب ملک احمد کی حویلی میں رہتا تھا۔ ایک روز آپ نے اُسے آگاہ فرمایا کہ اس حویلی سے نکل جاؤ۔ ورنہ تم پر ایک عظیم بلا نازل ہو جائے گی۔ اتفاق سے اس امیر کو اس کام کی توفیق نہ ہوئی اور وہ بادشاہی غضب اور دوسرے حوادث کا شکار ہوا۔

کرامت (۶۷) حضرت کے مخلصین میں سے ایک تاجر تھا۔ اس نے حضرتؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں جوانی سے گزر کر بڑھاپے میں آ گیا۔ لیکن کوئی فرزند پیدا نہ ہوا جو دنیا میں میری یادگار رہتا۔ آپ اس معاملے میں توجہ فرمائیں۔ حضرتؒ نے تھوڑی دیر کے لیے مراقبے میں سر جھکایا پھر فرمایا کہ "تجھے اس بیوی سے جو تو رکھتا ہے لوحِ محفوظ میں کوئی فرزند ثابت نہیں۔ اگر دوسری شادی کرو گے تو اس سے فرزند پیدا ہوں گے۔" اتفاق یہ ہوا کہ اس کی (پہلی) بیوی فوت ہو گئی، اس نے دوسری شادی کی اور اس سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی جو بعد میں اس کی یادگار رہے۔

کرامت (۶۸) حضرتؒ کے ایک رشتہ دار نے بتایا کہ مجھے ہمیشہ یہ جذبہ رہتا تھا کہ میں حضرتؒ سے طریقہ (ذکر) حاصل کروں۔ لیکن بعض موانع کی وجہ سے اس سعادت کے حصول میں تاخیر ہوتی گئی۔ ایک رات میں نے پکا ارادہ کیا کہ کل حضرتؒ کی خدمت میں جا کر التماس کروں گا کہ مجھے اپنے مریدوں کے حلقے میں شامل فرما لیں اور ذکر کی تعلیم فرما دیں۔ اسی رات میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک گہرا سمندر ہے اور میں اس کے اس کنارے پر کھڑا ہوں اور حضرتؒ دوسرے کنارے پر ہیں۔ اور میں کوشش میں ہوں کہ خود کو اس کنارے پر پہنچا دوں۔ اتفاق سے حضرتؒ کی نگاہ مجھ پر پڑی،

فرمایا کہ "اے شخص جلد آجا، جلد آجا۔ تو نے دیر کر دی۔"

آپ کا اس طرح فرمانا اور میرے دل میں ذکر کا شروع ہونا ساتھ ساتھ واقع ہوا۔ جب میں بیدار ہوا تو میرا دل ذاکر ہو چکا تھا۔ جیسا کہ طریقۂ نقشبندیہ ہے۔ حالانکہ میں نے کسی سے بھی نہ سنا تھا کہ آپ کے ذکر کا طریقہ کیا ہے۔ صبح کو جب میں آپ کی خدمت میں پہنچا اور گزشتہ شب کے تصرف اور کرامت کا تذکرہ کیا اور ذکر کا طریقہ جو رات سیکھا تھا وہ بھی عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہی ہمارا طریقہ ہے۔ اسی کو جاری رکھو۔

کرامت (۶۹)۔ مولانا مرتضیٰ نائب جو حضرتؒ کے مخلصین میں سے تھے کہ ایک بار میں لشکر میں گیا اور میں نے معاش کے لیے مہم شروع کر دی۔ اس زمانے میں یہ کام بہت مشکل سے ہوتا تھا اور بہت سے خدمت گزار بہت عرصے تک لشکر میں رہتے تھے اور ان کا کام نہ بنتا تھا۔ مجھے اس کام میں مایوسی ہوئی۔ تو ایک رات میں نے حضرتؒ کی طرف توجہ کی اور باطن میں اُن سے مدد چاہی۔ اسی رات میں نے حضرتؒ کو (خواب میں) دیکھا کہ آپ تشریف فرما ہیں اور میرے ہاتھ میں ایک کاغذ ہے۔ آپ نے وہ کاغذ میرے ہاتھ سے لیا اور اس پر اپنے قلم سے کچھ لکھ دیا اور میرے حوالے کر دیا۔ صبح کو میں نے اہلِ دفتر سے اپنے کام کے لیے رجوع کیا تو اسی روز میری درخواست منظور ہو گئی۔ سب خادموں کو حیرت ہوئی کہ تمہارا کام اتنی جلدی اور دو تین روز میں کس طرح ہو گیا؟ جب کہ ہم برسوں سے لشکر میں امیدوار ہیں اور ہمیں کامیابی نہیں ہوتی۔ میں نے یہ واقعہ بیان کیا تو سب لوگ آپ کی کرامت کے معتقد ہو گئے۔

کرامت (۷۰) وہی صاحب بیان کرتے تھے کہ میرے والد نے (انتقال کے وقت) وصیت کی تھی کہ میری نعش کو حضرتؒ کی خدمت میں لے جانا اور عرض کرنا کہ مجھے سلسلے میں داخل فرمالیں۔ آپ کا طریقہ بھی تھا کہ مُردوں کو بھی اپنی نسبت عطا فرما دیا کرتے تھے۔ میں نے والد صاحب کے انتقال کے بعد اُن کی وصیت پر عمل کیا۔ والد کا جنازہ آپ کی خدمت میں نمازِ جنازہ کے لیے لایا اور والد کی وہ التماس بھی عرض کی۔ فرمایا کہ کل حلقۂ ذکر میں معلوم کر لینا۔ چنانچہ دوسرے دن جب میں حلقۂ ذکر میں بیٹھا ہوا تھا مجھے استغراق ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ حضرتؒ تشریف فرما ہیں۔ اور میرے والد اُس حلقۂ ذکر میں حضرتؒ سے ایک آدمی کے فاصلے پر بیٹھے ہوئے ہیں اور ذکر میں

مشغول ہیں۔ میں شکرِ خدا بجا لایا۔

کرامت (۷۱)۔ وہی صاحب بیان کرتے تھے کہ اس زمانے میں جب کہ حضرتؒ قلعہ گوالیار میں یوسف علیہ السلام کی طرح محبوس تھے تو سرہند میں آپ کے انتقال کی خبر مشہور ہوگئی۔ میں بہت غمزدہ اور رنجیدہ ہوگیا۔ فاتحہ پڑھی۔ اسی رات (خواب میں) جب کہ میں گریہ کر رہا تھا، دیکھا کہ حضرتؒ چند درویشوں کے ساتھ حجرے میں بیٹھے ہوئے ہیں اور مجھ سے فرما رہے ہیں کہ "اے شخص! میرے انتقال کی خبر جو مشہور ہوگئی ہے جھوٹ ہے۔" جب میں بیدار ہوا تو میں اٹھا اور ہر طرف سے خبر معلوم کی۔ پے در پے اور تواتر سے لوگوں نے آپ کی عافیت کی خبر سنائی اور آپ اس کے بعد کئی سال تک حیات رہے۔

کرامت (۷۲)۔ مولانا محمد امین نے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے حضرتؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ نواب شیر خواجہ اپنے والد کی طرف سے سید ہے۔ لیکن والدہ کی طرف سے خواجہ زادہ ہے۔ اور اس کے آباؤ اجداد باہر سے بلند مرتبہ ہو کر آئے تھے۔ حضرت توجہ فرمادیں کہ اس شخص میں شراب نوشی اور فسق و فجور کی کثرت دامن گیر ہے۔ اسے آپ اس ورطۂ ہلاکت سے نکال دیں اور اصلاح فرمائیں کیونکہ وہ بڑے امیروں میں سے ہے۔ اگر وہ اصلاح پا جائے گا تو اس کے لشکریوں میں ایک کثیر جماعت اصلاح پا سکے گی۔ چونکہ اس کے حقوق میرے ذمے ہیں، اس لیے آپ سے یہ گزارش کرتا ہوں۔ حضرتؒ نے خاموشی اختیار کی۔ لیکن جب مولانا نے بار بار التماس کی اور بہت عاجزی (و) انکساری ظاہر کی تو آپ نے ایک دن توجہ فرمائی اور فرمایا کہ "مولانا۔ میں شیر خواجہ کے حال کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ وہ فسق و فجور کی دلدل میں پھنسا ہوا ہے۔ میں نے بہت توجہ کی کہ اسے وہاں سے باہر لے آؤں، بالفعل میرا قابو نہ چل سکا۔ لیکن (انشاء اللہ) آخر میں اس کو اپنی طرف کھینچ لاؤں گا۔" اس ارشاد کے بعد بہت عرصہ گزر گیا اور جب بادشاہِ دین پناہ صاحب قران شاہجہاں[1] سلمہ الرحمٰن کی سلطنت کا زمانہ آیا تو اللہ تعالیٰ نے شیر خواجہ کو توفیق بخشی کہ وہ تمام ممنوعات سے تائب ہوگیا اور اس نے خود کو طاعت اور عبادت میں مشغول کر لیا۔ اتفاق سے اسے صوبہ ٹھٹھہ کا حاکم بنا کر بھیجا گیا۔ لیکن جب وہ سرہند کے قریب پہنچا تو بیمار ہوگیا اور سرہند کے جوار میں فوت ہوگیا۔ اس کے بیٹے اس کا جنازہ حضرت مجددؒ کے روضۂ انور کے قریب لائے اور وہیں اسے دفن کر دیا۔ حضرت مجددؒ نے

---

[1] شاہجہاں کی تخت نشینی کی تاریخ "زینتِ شرع" (۱۰۳۷ھ) ہے۔

جو فرمایا تھا کہ "آخر میں اس کو اپنی طرف کھینچ لاؤں گا" وہ اس طرح ظاہر ہوا۔

کرامت (۴۳)۔ اکبر بادشاہ کی وفات کے وقت اور جہانگیر کی تخت نشینی[1] کے موقع پر میرزا شاہ رخ کے بیٹے میرزا فتح پوری نے بے اعتدالی (بغاوت) ظاہر کی تھی۔ اتفاقاً خواجہ کلاں نے عبداللہ خان کو اس کی بے اعتدالیوں کے متعلق لکھ بھیجا۔ خان موصوف نے اس پر حملہ کر دیا اور اسے گرفتار کر لیا! اور بادشاہ (جہانگیر) کے پاس لایا۔ بادشاہ نے اسے قید کرا دیا اور بہت عرصہ گزر گیا کہ وہ قید میں رہا اور جب کبھی کوئی شخص اس کا ذکر (رہائی کے لیے) بادشاہ سے کرتا تو بادشاہ ضامن طلب کرتا لیکن چونکہ وہ بہت سرکش تھا اس لیے کوئی شخص بھی اس کا ضامن نہ بنتا۔ اور اس کا معاملہ تعویق میں پڑ گیا۔ یہاں تک کہ حضرت مجددؒ سیر و سیاحت میں اکبر آباد (آگرہ) پہنچے اور کٹرہ مظفر خان میں قیام فرمایا، میرزا فتح پوری کو آپ کی تشریف آوری کی خبر ملی تو اس نے اپنا ایک وکیل بڑی نیازمندی کے ساتھ آپ کی خدمت میں بھیجا اور اپنی رہائی کے لیے عرض کرایا۔ حضرتؒ نے فرمایا "جاؤ۔ میرزا فتح پوری کو رہائی ہوگی"۔ اس نے عرض کیا کہ کب رہائی ہوگی۔ آپ نے فرمایا کہ کل ہوگی۔ جب دوسرا دن ہوا تو بادشاہ نے اسے یاد کیا اور بغیر اس کے کہ کوئی یاد دہانی کراتا اسے اپنے پاس طلب کیا اور رہا کر دیا اور کہا کہ "میں ہی تمہارا ضامن ہوں"۔

کرامت (۴۴)۔ خواجہ حسام الدین احمد دہلویؒ نے حضرت مجددؒ کو رقعہ لکھا کہ زیارت حرمین شریفین کا ارادہ مصمم ہو گیا ہے اور چاہتا ہوں کہ متعلقین کے ساتھ یہ مبارک سفر اختیار کروں اور حرمین شریفین میں سے کسی ایک جگہ قیام کروں اور دفن ہو جاؤں۔ اس معاملے میں آپ توجہ فرما کر بتائیں کہ یہ بات میسر ہوگی یا نہیں؟ اور اللہ کی مرضی ہے یا نہیں؟ حضرت مجددؒ نے ان کے جواب میں لکھا کہ "متعلقین کا سفر نظر نہیں آتا بلکہ ممانعت جیسی ظاہر ہوتی ہے۔ ہاں اگر آپ تنہا جائیں تو اچھا ہے۔ امید ہے کہ سلامتی کے ساتھ پہنچ جائیں"۔ لیکن چونکہ خواجہ حسام الدین احمد کا شوق کمال پر تھا۔ اس لیے انہوں نے بہت کوشش کی کہ اہل و عیال کے ساتھ سفر حجاز اختیار کریں۔ بلکہ بادشاہ (شاہجہان) سے بھی اس کا اظہار کیا۔ مگر اجازت نہ ملی اور اس وقت حضرت مجددؒ کی صداقت ظاہر ہوئی اور انہیں متعلقین

---

[1] جہانگیر کی تخت نشینی ۱۰۱۴ھ میں ہوئی۔ ۲۸ صفر ۱۰۳۷ھ کو انتقال ہوا۔

کے ساتھ جیسی کہ تمنا تھی حج میسر نہ ہوا اور وہ سرہند[1] میں ۱۰۴۳ھ میں فوت ہو گئے۔

کرامت (۵۷)۔ مولانا محمد حنیف کابلی[2] جو حضرت خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ سبحانہ کے جلیل القدر خلفاء میں سے ہیں اور جو کابل میں طالبوں کے رشد و ہدایت میں مصروف ہیں، بیان کرتے تھے کہ حضرت شیخ محمد صدیق (فرزند شیخ بادشاہ) کہ دراصل وہ کولاب (نزدیک قندہار) کے ہیں اور اب کابل میں متوطن ہیں، وہ بیان کرتے تھے کہ میں تجرید و تفرید کی وضع میں برہان پور کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں جب سرہند پہنچا تو میں نے حضرت مجددؒ کے اوصاف و مناقب جو پہلے سُنے تھے اُن سے بھی زیادہ سُنے۔ لوگوں نے بتایا کہ اگر تمام دنیا میں گھوم کر دیکھو گے تو جو کچھ حضرتؒ سے حاصل ہو سکتا ہے اس کا شمہ بھر بھی تمھیں کہیں نہیں مل سکے گا۔ یہ بات سُن کر میں بہت خوش ہوا اور بلا توقف آپ کے آستانۂ عالیہ کی طرف متوجہ ہوا۔ جب میں آپ کی خانقاہ میں پہنچا تو دیکھا کہ آپ ظہر کی نماز ادا کر کے اصحاب کے ساتھ مراقبے میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں ایک گوشے میں بیٹھ گیا۔ فراغت ہوئی تو میں نے سلام عرض کیا اور آپ کے قدموں میں گر پڑا۔ آپ نے میرا احوال (باطنی) پوچھا اور فرمایا کہ "اے درویش، جو کچھ تمھارے دل میں ہے مجھ سے کہو اور انکار کی راہ مت اختیار کرو۔" میں نے اپنے احوال کا انکار کیا اور عرض کیا کہ حضور، میرے تو کوئی احوال نہیں، پھر آپ نے میرے حالات ابتدا سے آخر تک کہ جہاں میرا عبور ہوا تھا پورا پورا بیان فرما دیا۔ اس کو سن کر مجھے سخت حیرت ہوئی۔ پھر آپ خلوت میں تشریف فرما ہوئے اور مجھ سے فرمایا کہ کل اشراق کے بعد آنا۔ دوسرے دن مقررہ وقت پر حاضر ہوا۔ اتفاق یہ ہوا کہ آپ نماز اشراق ادا کر کے خلوت میں تشریف لے گئے تھے۔ میں تھوڑی دیر کھڑا رہا۔ میں نے دیکھا کہ ایک صوفی مسجد میں بیٹھا ہوا ہے۔ اُس سے میں نے کہا کہ حضرتؒ جب تشریف لائیں تو اُن سے کہہ دیجئے گا کہ ایک درویش آپ سے ملنے آیا ہوا ہے۔ لیکن چونکہ آپ باہر تشریف نہ رکھتے تھے، اس لیے اس نے دعا کی درخواست کی اور برہان پور کے لیے روانہ ہو گیا۔ اس

---

[1] ابوالفضل کے بہنوئی اور حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے عزیز خلفاء میں سے تھے۔ بعد میں حضرت مجددؒ سے رجوع ہوئے۔ یکم صفر ۱۰۴۳ھ کو آگرہ میں انتقال ہوا۔ بعد میں حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے قریب دہلی میں دفن ہوئے۔

[2] مولانا محمد حنیف کو میر محمد نعمان نے ۱۰۳۰ھ میں خواجہ محمد معصومؒ سے بیعت کرایا تھا۔ ۱۰۹۵ھ میں وفات پائی۔

صوفی نے کہا کہ حضرتؒ نے مجھے آپ کے لیے یہاں بٹھا رکھا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر محمد صدیق نام کے درویش آئیں تو مجھے اطلاع کر دینا حالانکہ میں نے اپنا نام حضرت کی خدمت میں ظاہر نہیں کیا تھا۔ وہ صوفی حضرتؒ کی خلوت میں گیا اور میری درخواست دعا پہنچائی۔ آپ نے مجھے اندر بلوالیا اور خود اُٹھے، وضو کیا اور نماز تحیۃ الوضو ادا کرنے لگے۔ پھر مراقب ہو گئے۔ اس کے بعد فرمایا، یہاں آؤ۔ میں آگے بڑھا اور آپ کے قریب بیٹھ گیا۔ آپ پھر مراقب ہو گئے۔ اس کے بعد ذکر قلبی فرمایا اور متوجہ ہوئے اور میرے حالات ذرا ذرا سی دیر میں بدلتے رہے۔ اور ایک گھڑی میں اس قدر کیفیات عنایت فرمائیں کہ برسوں کی ریاضت میں اس کا شمہ بھر بھی حاصل نہ ہوتا۔ اور ہر حال جو مجھ پر وارد ہوتا آپ فرماتے کہ اب یہ حال تم پر وارد ہوا ہے۔ یہاں تک کہ میرے تمام حالات جو وارد ہوئے تھے بیان فرما دیئے۔ اس کے بعد آپ نے مجھے برہان پور کے لیے رخصت دے دی۔

کرامت (۷۶) - وہی مولانا (محمد حنیف کابلی) بیان کرتے تھے کہ ایک صفاکیش درویش نے مجھے بتایا کہ میں حرمین شریفین کے لیے عازم سفر ہوا۔ جب سرہند پہنچا تو حضرت کے آستانۂ عالیہ کی حاضری سے بھی مشرف ہوا۔ اس وقت حضرت نماز (عشاء) سے فارغ ہو چکے تھے اور خلوتگاہ میں تشریف لے جانا چاہتے تھے۔ اسی اثناء میں میں نے سلام عرض کیا اور حضرت کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ آپ نے خادم سے فرمایا کہ "اے درویش، وقت اچھا ہے۔ یہی روٹی تمہارے لیے مرشد کی حیثیت سے تمہاری تربیت کے لیے کافی ہے"۔ اس کے بعد میں آپ سے رخصت ہوا اور ہر گھڑی میری کیفیات بڑھتی گئیں اور ہر لحظہ میرے حالات میں تبدیلی پیدا ہوتی گئی۔ اور جو کچھ کہ میں نے ایک ساعت میں حاصل کیا بیس سال کی ریاضت میں جو میں نے کی تھی اس کی بو بھی نہ پائی تھی اور اس کا رنگ نہ دیکھا تھا۔

کرامت (۷۷) - حضرتؒ کے ایک عقیدت مند مخلص نے بیان کیا کہ مجھے ایک مرتبہ ایک فاحشہ سے تعلق اور شیفتگی پیدا ہو گئی تھی چنانچہ میں بے اختیار ہو گیا تھا۔ ایک دن میں نے اسے اپنے خلوت خانے میں طلب کر کے مجلس بزم آراستہ کی اور چاہا کہ اس سے قربت کروں۔ ناگاہ حضرتؒ صاف ظاہر ہوئے اور میرے منہ پر طمانچہ مارا اور میری نظر سے غائب ہو گئے۔ طمانچہ لگتے ہی میرے بدن میں رعشہ پیدا ہو گیا اور اس برے کام کے لیے طاقت ہی سلب ہو گئی اور

جو کام میں چاہتا تھا اس سے نادم اور تائب ہوا۔

کرامت (۷۸)۔ شیخ نور محمد تہاری[1] جو حضرت مجددؒ کے قدیم مریدوں میں سے ہیں اور آپ کے خلفاء میں سے ہیں اور آٹھ مرتبہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہو چکے ہیں۔ بیان کرتے تھے کہ ایک مکان میں ایک جن رہا کرتا تھا جو میرے بھائی سے ہمیشہ دشمنی رکھتا تھا بلکہ وہ اسی کی اذیت سے فوت ہوئے۔ میں بھی اسی گھر میں رہا کرتا تھا۔ بھائی کے انتقال کے بعد مجھے ہیبت ناک شکلیں دکھائی دینے لگیں اور مجھے پھولوں کی خوشبو ہمیشہ دماغ میں آتی رہتی تھی اور مجھے بھی ویسی (بھائی کی جیسی) حالت درپیش ہوئی۔ جب میرے عزیزوں اور قرابت داروں نے یہ بات سنی تو وہ میری زندگی سے مایوس ہو گئے۔ ایک رات میں اپنی اہلیہ کے ساتھ تھا اور ابھی نیند نہ آئی تھی کہ وہ جن یکایک ہم دونوں کو نظر آیا اور ہم لوگوں پر بیٹھ گیا اور اس قدر زور دکھایا کہ ہم لوگوں کو ہاتھ اٹھانے کی طاقت نہ رہی اور لحاف بھی پاؤں سے اٹھا نہ سکتے تھے۔ جب حالت اس طرح اضطراب اور اضطرار کی ہوئی تو حضرت مجدد ظاہر ہوئے اور آواز دی کہ اے نور محمد۔ کچھ خوف نہ کرنا۔ یہ جن ابھی بھاگ جائے گا۔ "اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطٰنِ کَانَ ضَعِیْفًا" (بیشک شیطان کا مکر کمزور ہے)۔ جن نے حضرت کی آواز سنتے ہی ہم کو چھوڑ دیا اور جب میں اٹھا تو حضرتؒ نظر سے غائب تھے۔ اس کے بعد ہمارے گھر والوں میں سے کسی کو جن کا خوف نہیں رہا اور تمام جنات وہاں سے دفع ہو گئے اور میں نے خود دیکھا کہ وہ اپنے سامان اور اسباب کے ساتھ کوچ کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ حضرتؒ نے ہم کو جلائے وطن کر دیا ہے اور ہم اب موضع شادی وال (سوڈی وال) جا رہے ہیں۔

کرامت (۷۹)۔ میر شرف الدین حسین[2] حسنی جن کا لقب ہمت خان تھا، بیان کرتے تھے کہ

---

[1] شیخ نور، نور محمد تہاری، نور محمد انبالوی ایک ہی ہیں۔ مکتوبات ان کے نام ہیں۔ دفتر اوّل میں ۷، ۱۴، ۱۸، ۱۷۰۔ دفتر دوم میں ۱۸، ۳۴، ۵۰، ۸۵۔ دفتر سوم میں ۱۱۱، ۱۴۳ دیکھیں۔ یہی نور محمد پٹنی بھی کہلاتے جو پٹنہ میں رشد و ہدایت کے لیے بھیجے گئے تھے۔

[2] شرف الدین حسین بدخشی تھے۔ بہت سے مکتوبات ان کے نام ہیں: دفتر اوّل میں ۴۶، ۱۵۹، ۱۸۹۔ دفتر دوم میں ۲۵، ۳۱، ۶۸، ۸۲۔ دفتر سوم میں ۵۹۔

ایک دن مجھے خیال گزرا کہ چند نفیس کپڑے سیلۂ دکن کی جنس کے جو میرے گھر میں تھے اور کچھ مصالحے کھانا پکانے کے، آپ کی خدمت میں بھیجوں۔ جب میں نے ان چیزوں کو نکال رکھا تو اپنے حقیقی بھائی اللہ یار کے ساتھ روانہ کیا۔ اتفاق سے ایک عورت جو میرے خسر کی طرف سے عزیز تھی اور میرے گھر مہمان تھی۔ کہنے لگی کہ اس قسم کے کپڑے درویش لوگ کیا کریں گے۔ وہ خود تو پہنیں گے نہیں ــــ میں نے اُس سے کہا کہ بالفرض اگر آپ نہ پہنیں گے تو آپ کے گھر میں اہل خانہ کے کسی در کام میں آسکیں گے، جب اللہ یار نے وہ کپڑے اور مصالحے حضرتؒ کی خدمت میں پیش کیے تو دیکھتے ہی آپ نے فرمایا کہ مصالحے لے لیے جائیں۔ اور کپڑوں کو دیکھ کر فرمایا کہ میر شرف الدین حسین سے کہو کہ یہ کپڑے نفیس ہیں۔ درویشوں کے کام کے نہیں ہیں اور بعض عورتیں جو تمہارے گھر میں ہیں اُن کو دیدو۔ تاکہ وہ پہن لیں کیونکہ اُن کے لائق ہیں۔ اس طرح آپ نے واپس بھیج دیئے۔ اس کرامت کے ظہور سے وہ عورت جس نے ویسا کہا تھا بہت شرمندہ ہوئی اور نادم و پشیمان ہو کر توبہ کی کہ آئندہ آپ کے متعلق ایسی بات کبھی نہ کہے گی۔

کرامت (۸۰)۔ میر مذکور یہ بھی بیان کرتے تھے کہ میرا بیٹا شمس الدین احمد جب دو سال کا تھا تو دہلی کے نواح میں عظیم وبا پھیلی۔ وہ بھی سخت بیمار ہو گیا اور دو تین دن تک اس نے دودھ نہ پیا اور ہوش کھو بیٹھا۔ جان کنی کے آثار ظاہر ہوئے اور ایسا لگتا تھا کہ اس کے پیروں سے جان نکل کر کمر تک آگئی اور کمر سے سینے تک پہنچ گئی۔ جو لوگ وہاں بیٹھے تھے وہ رونے لگے لیکن میں بارگاہِ الٰہی میں متوجہ ہو گیا اور نذر مانی کہ یہ بچہ جب پانچ چھ سال کا ہو گا تو اس کی دایہ کے ساتھ اُسے حضرت مجددؒ کی خدمت میں بھیجوں گا کہ وہیں بڑا ہو گا اور وہاں کی غلامی کرے گا اور عبادت میں مشغول رہے گا! اس نذر ماننے کے بعد ہی فوراً ایسا محسوس ہوا کہ اس کے بدن میں جان پھر آگئی۔ وہ حرکت کرنے لگا، آنکھیں کھولیں، دودھ مانگا اور اچھا ہو گیا۔

پھر بڑی کرامت یہ دیکھی کہ بچہ وہ چونکہ نذر کیا ہوا تھا اس لیے اس کے بعد جس کسی نے اُسے دنیاداری کی طرف کھینچنا چاہا اور اسے امیرانہ لباس پہنایا وہ شخص جانی اور مالی نقصان میں مبتلا ہوا۔ چنانچہ اس کے دادا اور نانا بڑی کوشش کرتے رہے کہ وہ درویش نہ بنے اور نہیں چاہتے تھے کہ میں اسے حضرتؒ کی غلامی میں بھیجوں، تو وہ دونوں جلد فوت ہو گئے اور اس کی ماں بھی اسی

کوشش میں تھی، وہ بھی اپنے غلام کے ہاتھوں قتل ہو گئی۔

کرامت (۸۱)۔ ایک دن حضرت تنہائی میں بیٹھے ہوئے تھے اور نومسلم عبدالمومن خدمت میں تھا۔ آپ نے فرمایا کہ "مانگ کیا مانگتا ہے؟ (انشاء اللہ) وہی ملے گا"۔ اس نے کہا کہ حضور میرا بھائی اور والدہ اپنے کفر میں بڑی شدت اور تعصب رکھتے ہیں۔ میں نے بہت کوشش کی مگر وہ مسلمان نہیں ہوتے۔ آپ توجہ فرمائیں کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ "کچھ اور بھی چاہیے؟" اس نے کہا کہ آپ کی توجہ سے سب بھلائی مجھے مل جائے گی، لیکن ابھی یہی آرزو ہے کہ وہ لوگ مسلمان ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا "بہت اچھا۔ (انشاء اللہ) وہ بہت جلد مسلمان ہو جائیں گے"۔ آپ کے فرمانے کے تیسرے دن اس کا بھائی اور والدہ دونوں سامانہ سے سرہند آئے اور اسلام سے مشرف ہوئے۔

کرامت (۸۲)۔ لوگ کہتے ہیں کہ شیخ حسین[1] اندجانی نقشبندی نے واقعے میں دیکھا کہ بہت بڑا فتنہ برپا ہوگا اور جہانگیر کی سلطنت میں فتور پیدا ہوگا۔ انھوں نے اپنا یہ کشف خان اعظم[2] سے بیان کیا اور یہ بات حضرت مجدد تک پہنچ گئی۔ آپ نے فرمایا کہ "ہاں، ایسا ہی تھا جیسا کہ شیخ حسین پر ظاہر ہوا تھا لیکن ہم نے اس فتنے کو ٹھنڈا کر دیا ہے"۔ چند روز گزرے تھے کہ شاہزادہ خسرو نے بغاوت کی اور اس کے ساتھ بہت سے امراء اور اغنیاء حامی ہو گئے اور ملک میں فتنہ برپا ہو گیا۔ بادشاہ (جہانگیر) نے اس کا پیچھا کیا۔ شاہزادہ نے گوبندوال کے نزدیک شکست کھائی اور دریائے چناب کے کنارے گرفتار ہوا اور اس طرح حضرت مجدد کے فرمانے کے مطابق وہ فتنہ فرو ہوا۔

کرامت (۸۳)۔ لوگ کہتے ہیں کہ جس زمانے میں شہزادہ خسرو نے بغاوت کی تھی بعض امراء نے بادشاہ سے کہا کہ اس نے مرتضیٰ خاں کے مشورہ سے ایسا کیا ہے اور وہ بادشاہ کے خاص معتمد[3]

---

[1] متن میں ان کا نام شیخ حسین جانی نقشبندی لکھا ہوا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ شرف الدین حسین بن عمادالدین محمد الحسنی الھروی اندجانی ہوں جن کا ذکر کرامت نمبر ۹۷ میں ہے۔ انھوں نے ۱۰۲۵ھ میں مکتوبات معصومیہ کا دفتر دوم مرتب کیا تھا۔

[2] خانِ اعظم مرزا عزیز کوکہ ۱۰۳۳ھ میں فوت ہوئے۔ اکبر کے ہم عمر اور رضاعی بھائی تھے جہانگیر نے ان کی بڑی قدر کی۔

میں سے تھا۔ بادشاہ نے کہا کہ مرتضیٰ خان ہی کو اس کے تعاقب میں بھیجنا چاہیے۔ یا تو وہ اس کو پکڑ کر لے آئے گا یا خود ہی مارا جائے گا۔ حضرت مجدد نے جب یہ بات سنی تو فرمایا کہ مرتضیٰ خان ہمارے خانوادہ سے محبت رکھتے ہیں اور اس سلسلے کے مروّج بھی ہیں اس لیے اُن کی مدد کرنی چاہیے۔ آپ متوجہ ہوئے۔ پھر فرمایا کہ مجھے معلوم کرایا گیا ہے کہ اس جنگ میں مرتضیٰ خان کی فتح ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

کرامت (۸۴) حضرت مجددؒ کے ایک عزیز کے یہاں بیٹا تو پیدا ہوتا تھا لیکن زندہ نہیں رہتا تھا اور چھوٹی عمر ہی میں فوت ہو جاتا تھا۔ اس لیے وہ عزیز حیران اور پریشان رہتے تھے۔ ایک مرتبہ جب اُن کے گھر بیٹا پیدا ہوا تو وہ اُسے لے کر حضرتؒ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ حضور، میں نے نذر مانی ہے کہ اگر یہ بچہ زندہ رہ کر بڑا ہو جائے گا تو اُسے آپ کی غلامی میں دے دوں گا۔ حضرتؒ نے توجہ فرمائی اور فرمایا کہ اس بچے کا نام عبدالحق رکھیے۔ انشاء اللہ زندہ رہے گا اور بڑی عمر پائے گا۔ لیکن ہر ماہ پانچ بہلولی (سکہ) حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری قدس سرہٗ کے نام نذر دیتے رہو۔ حضرت مجددؒ کے ارشاد کی برکت سے وہ بچہ بڑی عمر کو پہنچا۔

کرامت (۸۵) حضرتؒ کے ایک مرید نے بیان کیا کہ میں چھپ چھپ کر افیون کھایا کرتا تھا اور کسی کو بھی اس کی خبر نہ تھی۔ ایک دن حضرتؒ کے ساتھ جا رہا تھا، اتنے میں حضرتؒ نے مجھ پر نگاہ کی اور فرمایا کہ "اے شخص! میں تیرے دل میں تاریکی دیکھتا ہوں، کیا بات ہے؟" ناچار میں نے اقرار کیا کہ میں چھپ چھپ کر افیون کھاتا ہوں۔ لیکن اب تائب ہوتا ہوں۔

کرامت (۸۶) حضرت مجددؒ کی عمر گرامی جب پچاس سال کی ہوگئی تو آپ نے فرمایا کہ عمر کے پچاس اور ساٹھ سال کے درمیان مجھے اپنے اوپر ایک عظیم حادثہ ظاہر ہوتا ہے اور اس وقت میری رحلت سے متعلق قضائے معلق مشہود ہو رہی ہے۔ لیکن ساٹھ سال کے بعد جس کو اب بارہ سال باقی ہیں۔ اس دنیا سے قضائے مبرم اور قطعی محسوس ہوتی ہے۔ اور جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا۔ ویسا ہی ہوا۔ یعنی پچاس اور ساٹھ سال کی عمر کے مابین (جیسا کہ فرمایا تھا) بادشاہ کی طرف سے عظیم حادثہ پیش آیا۔ کیونکہ بعض اعدائے دین نے چغل خوری کی تھی اور آپ نے بادشاہ کو سجدۂ تعظیمی نہیں کیا تھا جو بادشاہوں کے لیے رائج تھا۔ اور یہ واقعہ مشہور ہے۔ اور جب آپ کی عمر گرامی تریسٹھ سال کی ہوئی تو جیسا کہ آپ نے مشاہدہ کیا تھا کہ ساٹھ سال کے بعد واقع ہوگی، تو ایسا ہی ہوا۔

کرامت (۸۷) ۔ ۱۰۳۴ھ میں حضرت مجدد جب اجمیر شریف میں تھے فرمایا کہ "میرے انتقال کا زمانہ قریب ہے۔" اور آپ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے بشارتیں اور کرامتیں حاصل کیں۔ جیسا کہ آپ نے صاحبزادوں کو لکھا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "وہ تم کو دنیا کے اجازت نامے کی بجائے آخرت کا اجازت نامہ دیا گیا اور مقام شفاعت عطا کیا گیا"۔ آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ "امہات المؤمنین (رضی اللہ عنھن) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں بعض خدمات کا اہتمام فرما رہی ہیں اور فرماتی ہیں کہ ہم تمہارا انتظار کر رہے تھے۔ ایسا اور ویسا کرنا چاہیے۔ اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت میرے لیے کوئی اجنبی نہیں۔"

اس کے بعد حضرت مجدد پوری پوری طرح سے آخرت کے کاموں میں لگ گئے اور گو کہ آپ کو ارشاد و تکمیل میں راحت حاصل ہوئی تھی لیکن چونکہ محبوب حقیقی کے وصال نے پرتو ڈال رکھا تھا آپ نے تنہائی اختیار کر لی تھی اور آپ کے مکتوب گرامی کے ملنے کے بعد صاحبزادوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا اور اجمیر شریف پہنچ گئے۔ آپ نے ان کو تنہائی میں ارشاد فرمایا کہ مجھے اب کسی طرح بھی اس دنیا سے وابستگی نہیں رہی ہے، مجھے دوسری دنیا میں جانا چاہیے۔ پھر آپ نے وصیتیں فرمائیں۔ پھر آپ اپنے وطن (سرہند) پہنچ گئے اور اپنے لیے الگ ایک خلوت خانہ متعین فرمایا، جہاں آپ رہتے تھے اور تھوڑے عرصے میں وہیں رحلت فرمائی۔

کرامت (۸۸) ۔ حضرت مجدد شعبان ۱۰۳۳ھ میں گوشہ نشین تھے اور شب برات تھی۔ آپ نے اس رات بیداری فرمائی اور دو حصہ رات گزر جانے کے بعد آپ گھر تشریف لائے۔ اس وقت مخدوم زادگان کی والدہ ماجدہ جو زہر لائے وقت تھیں اپنے مصلے پر بیٹھی ہوئی تسبیحات پڑھ رہی تھیں۔ ناگاہ محترمہ کی زبان سے نکلا کہ یہ رات تو ایسی ہے کہ لوگوں کی موت و حیات اور تقدیر مقرر ہوتی ہے۔ خدا جانے کس کا نام ورق ہستی سے مٹا دیا گیا ہے اور کس کا نام ثابت رکھا ہے۔ حضرت مجدد نے فرمایا کہ تم تو شبہ و شک اور تردد سے کہتی ہو لیکن اس شخص کا حال کیا ہوگا جو دیکھتا اور جانتا ہے کہ اس کا نام نامۂ وجود سے محو کر دیا گیا ہے۔ اور اشارہ اپنے متعلق فرمایا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس بات سے چھ ماہ بعد آپ نے رحلت فرمائی۔

کرامت (۸۹) ۔ ایک روز آپ اپنے گھر میں آرام فرما رہے تھے۔ فرمایا کہ "موسم سرما میں

اب اس گھر میں ہم نہ سوئیں گے۔" حاضرین نے عرض کیا کہ اس مکان میں تو آپ آرام فرمائیں گے جو آپ نے گوشہ نشینی کے لیے متعین فرمایا ہے۔ فرمایا کہ "اس جگہ بھی نہیں۔" انھوں نے عرض کیا، تو پھر کس جگہ آرام فرمائیں گے؟ فرمایا کہ "ان میں سے کسی بھی جگہ نہیں۔ اور تم دیکھ لوگے کہ کیا ظاہر ہوتا ہے۔" اس طرح آپ نے بات پوشیدہ رکھی اور دوستوں کو رنج سے بچانے کے لیے صراحت نہیں فرمائی۔ پھر موسم سرما میں آپ کا سایہ ہمارے سروں سے اٹھ گیا۔

کرامت (۹۰)۔ ایک دن فرمایا کہ میں اپنی عمر ترسیٹھ سال سے زیادہ نہیں پاتا۔ پس ایسا ہی ہوا کہ آپ کی عمر گرامی ترسیٹھ سال کی تھی جب رحلت فرمائی۔

کرامت (۹۱)۔ ایک روز آپ نے ایک صادق العقیدہ امیر کو کسی حاجت مند کی سفارش میں مکتوب لکھا اور اس میں یہ بھی لکھا کہ "چونکہ اس شہر میں ہر سال وبا آتی ہے، معلوم نہیں کہ اس سال میری زندگی وفا کرتی ہے یا نہیں۔ امید ہے کہ آپ اچھی طرح ہوں گے۔" اسی طرح آپ نے بات پوشیدہ رکھتے ہوئے اپنے انتقال کی خبر کر دی۔ پھر اسی سال آپ نے رحلت فرمائی۔

کرامت (۹۲)۔ ایک دوست[1] نے بتایا کہ اُس زمانے میں جب کہ حضرت مجددؒ قدس سرہٗ بیمار تھے، مجھے خیال آیا کہ چند روز کے لیے اجازت لے کر اپنے وطن ہو آؤں، پھر خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔ آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ مصمم ارادہ ہو گیا ہے کہ اپنے وطن جا کر (جلد) واپس خدمت میں پہنچوں۔ آپ نے فرمایا کہ چند روز ٹھہر جاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ خطرہ غالب ہے۔ آپ نے پھر فرمایا کہ چند روز صبر کر و۔ میں نے عرض کیا کہ عنقریب آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔ آخر آپ نے بادلِ ناخواستہ اجازت دے دی اور یہ مصرع پڑھا: ع

کجا تو، کجا ما، کجا نوبہار؟ (کہاں تم، کہاں ہم، کہاں نوبہار؟)

اس بات کے چند روز بعد آپ نے رحلت فرمائی۔

کرامت (۹۳)۔ ۱۲ر محرم الحرام ۱۰۳۴ھ کو آپ نے فرمایا کہ مجھے فرمایا گیا ہے کہ چالیس

---

[1] غالباً یہ دوست محمد ہاشم کشمیؒ (مصنف زبدۃ المقامات) تھے جو برہان پور جا رہے تھے اور حضرتؒ کی رحلت کے وقت سرہند میں موجود نہ تھے۔

پچاس دنوں کے اندر تمہارا انتقال ہو جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ۲۸ صفر کو رحلت فرمائی۔

کرامت (۹۴)۔ اپنی بیماری سے پہلے فرمایا تھا کہ دو روپے کے کوئلے انگیٹھی کے لیے لائیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک روپیہ ہی کے کافی ہیں کہ واعظِ الٰہی نے میرے دل میں (ابھی) کہا ہے کہ فرصت کہاں ہے کہ دو روپے کے کوئلے جلائیں جائیں۔ عرض کیا گیا کہ موسم سرما ہے اس لیے اندر (مکان میں) کام آجائیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ احباب طویل امید رکھتے ہیں، وقت کہاں ہے کہ ایسا کریں۔ جب دو روپیے کے لائے گئے تو اُن میں سے نصف اپنے لیے آپ نے جُدا کر لیے کہ بس اس قدر ہمارے لیے کافی ہیں اور بقیہ گھر میں بھیج دیئے اور جتنے کوئلے آپ نے اپنی انگیٹھی کے لیے جدا کر لیے تھے وہ آپ کے وصال کے وقت تک کافی ہوئے۔

کرامت (۹۵)۔ اپنی وفات سے بہت پہلے صاحبزادوں کی والدہ صاحبہ سے آپ نے فرمایا تھا کہ مجھ پر ظاہر کیا گیا ہے کہ تم سے پہلے میرا انتقال ہوگا۔ اس لیے تم اپنے مہر کی رقم میں سے جو کہ یقینی طور پر حلال ہے میری تکفین کرنا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ محترمہ سے پہلے آپ نے انتقال فرمایا۔

وفات کے بعد کی کرامتیں

کرامت[1] (۹۶)۔ حضرت مجدد نے منگل کی فجر کے وقت، ایک پہر دن چڑھنے کے بعد ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ کو اس دارِ فانی سے رحلت فرمائی۔ یہ حقیر حضرات القدس کا لکھنے والا آنحضرت کے غسل کے وقت موجود تھا۔ آپ کے بھتیجے شیخ بہاء الدین جو غسل دے رہے تھے اُن کو میں پانی دیتا جاتا تھا۔ میں نے

---

[1] وفات کے بعد کی یہ کرامتیں حضرت بدرالدین سرہندی نے علیحدہ ایک رسالہ "وصال احمدی" میں بھی تحریر فرمائی ہیں (یہ رسالہ اسلامی کتب خانہ سیالکوٹ سے شائع ہوا ہے) محمد ہاشم کشمی نے زبدۃ المقامات (ص ۲۷۳) میں لکھا ہے کہ دکن (برہان پور) میں بہت گرد برد تھی اس لیے وہ چاہتے تھے کہ اپنے متعلقین کو وہاں سے سرہند لے آئیں اسی لیے انھوں نے حضرت مجدد سے وہاں جانے کی اجازت چاہی تھی اور یہ کہ وفات سے سات ماہ پہلے وہاں کے لیے رخصت فرمایا تھا۔ چنانچہ انھوں نے اس وقت سے لے کر حضرت کے آخر وقت تک کے حالات شیخ بدرالدین سرہندی اور حضرت کے صاحبزادگان سے معلوم کر کے اپنی کتاب میں لکھے تھے۔

آپ کے پائے مبارک کو بوسہ دیا ہے اور اپنی آنکھوں پر مَلا ہے۔ جس وقت لوگوں نے چاہا کہ غسل کے لیے آپ کے کپڑے اتاریں اور آپ کے اوپر سے بالاپوش کو اٹھائیں۔ تو میں نے دیکھا کہ آپ نے دونوں ہاتھ ناف پر باندھے ہیں اور (داہنے ہاتھ کا) انگوٹھا چھنگلیا کے ساتھ حلقہ کیے ہے جیسا کہ نماز میں اس طرح کرنا مستحب ہے۔ حالانکہ انتقال کے وقت آپ کے ہاتھ پاؤں سیدھے کر دیئے گئے تھے جیسا کہ عام طریقہ ہے۔ حاضرین نے یہ دیکھنے کے لیے کہ یہ (نماز کی طرح ہاتھ باندھنا) اختیاری بات ہے یا اتفاقی ہے مکرر ہاتھوں کو کھول دیا۔ مگر پھر وہ اسی طرح باندھ لیے گئے۔ جب لوگ سمجھ گئے کہ یہی وضع آپ نے اختیار فرمائی ہے۔ اس لیے اسی وضع پر چھوڑ دیا گیا۔ اور لوگ تجہیز میں مشغول ہو گئے۔ اور جب غسل کے لیے کپڑے اتارے گئے اور دستار کو سر مبارک سے ہٹایا گیا اور غسل کے تختے پر آپ کو لٹایا گیا، تو میں نے دیکھا کہ آپ تبسم فرما رہے ہیں جیسا کہ زندگی میں آپ کا طریقہ مسکرانے کا تھا۔ اور جب تک آپ تختۂ غسل پہ تھے مسکراتے ہی رہے۔ حاضرین بہت ہی تعجب کر رہے تھے۔ اس کے بعد آپ کو وضو کرایا گیا اور آپ کے مبارک ہاتھوں کو پھر لمبا کیا گیا اور آپ کو بائیں پہلو پر لٹایا گیا۔ اتنے میں آپ نے پھر سیدھا ہاتھ اُلٹے ہاتھ پر باندھ لیا۔ ہاتھوں کو پھر لمبا کر کے تختہ پر لایا گیا اور تمام حاضرین نے دیکھا کہ سیدھا ہاتھ سیدھی طرف سے اور الٹا ہاتھ الٹی طرف سے دھیرے دھیرے چل کر ایک دوسرے سے مل گئے اور سیدھے ہاتھ نے اُلٹے ہاتھ کو پکڑ لیا۔ چنانچہ سیدھے ہاتھ کے انگوٹھے اور چھنگلیا نے الٹے ہاتھ کے پہنچے کو حلقہ کر لیا۔ اس غیر معمولی کرامت سے حاضرین نے بہت زور سے چیخ ماری اور سب نے بے اختیار ہو کر سبحان اللہ پڑھا۔ پھر چونکہ حضرت رح کی یہی مرضی دیکھی تو آپ کے ہاتھوں کو اسی طرح بند چھوڑ دیا اور ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا اور نہ لمبا کیا۔ آپ کے ہاتھوں کا اس طرح حلقہ کر لینا اور آپ کا (اس حالت میں) مسکرانا ایسے خوارق اور کرامات ہیں جو رحلت کے بعد ظاہر ہوئے۔ وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ (اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہے دیدے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے) اس کے بعد آپ کو اس قبۂ منورہ میں جو آپ نے اپنے بڑے صاحبزادے خواجہ محمد صادق علیہ الرحمۃ کے لیے تعمیر کرایا تھا رکھا گیا۔

کرامت (۹۷)۔ حضرتؒ کے انتقال کے دن آسمان کے تمام اطراف میں بہت زیادہ سُرخی

پھیلی ہوئی تھی۔ کہتے ہیں کہ آسمان کی سرخی اس (آسمان) کا گریہ ہے جو اللہ کے پیاروں کے لیے ہوتا ہے۔ چنانچہ شرح صدور[1] میں ہے کہ "وہ آسمان اور زمین مومن پر گریہ کرتے ہیں۔" اور اسی میں ہے کہ "آسمان کا رونا یہ ہے کہ اس کے اطراف سرخ ہو جاتے ہیں۔" سفیان ثوریؒ نے کہا ہے کہ: "آسمان کی جو سرخی ہے وہ آسمان میں آسمان کا رونا ہے مومن پر۔"

کرامت (۹۸) حضرتؒ کی رحلت کے بعد (تین چار روز میں) ایک مخلص نے بتایا کہ "آج ظہر کے وقت حضرتؒ کی مسجد میں نماز کے لیے میں حاضر ہوا۔ مؤذن نے اقامت کہی اور لوگ جماعت کے لیے کھڑے ہو گئے۔ میں امام کے پیچھے کھڑا ہوا تھا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت میرے پہلو میں کھڑے ہوئے ہیں اور انھوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر متصل کھڑا کر دیا تاکہ درمیان میں فاصلہ نہ رہے، یہی آپ کا طریقہ اپنی زندگی میں بھی تھا۔ نماز کے آخر تک میں آپ کو دیکھتا رہا۔ ایک چوغہ اور سفید شال میں تھے اور چمڑے کے موزے پاؤں میں تھے۔ جب میں نے نماز کا سلام پھیرا تو آپ میری نظر سے غائب ہو گئے۔"

کرامت (۹۹) حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید سلمہ اللہ المجید نے حضرتؒ کے انتقال پر غم کے زمانے میں فرمایا کہ میں آج رات حضرت کے روضۂ منورہ کے صحن کے حجرے میں تھا۔ بستر میں لیٹا ہوا تھا اور الم فراق اور درد اشتیاق کی حالت میں سو گیا تھا۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ صحن روضہ میں حضرتؒ ٹہل رہے ہیں۔ اتنے میں میں جاگ گیا تو دیکھا کہ آپ حجرے کے دروازے کی طرف ہو کر اندر آ گئے اور میرے بستر پر بیٹھ کر مجھے اچھی طرح گود میں دبا لیا اور دیر تک دبائے رکھا جیسا کہ مشائخ اپنے مریدوں کو نعمت باطنی عطا کرتے وقت کیا کرتے ہیں۔ مجھ پر ہیبت طاری ہو گئی اور تمام اعضاء لرزنے لگے۔ اس کے بعد آپ میری نظر سے غائب ہو گئے۔ میں جب تک اس حجرے میں رہا راتوں میں آپ کو روضہ کے صحن میں دیکھتا تھا کہ سیر کر رہے ہیں اور چونکہ میرا طبعی وجود یہ طاقت نہیں رکھتا تھا کہ میں عالم قدس میں رہنے والوں سے معانقہ کر سکوں اس لیے میں ڈر جاتا تھا اور میں نے آپ کو پھر اس طرح نہیں پایا جیسا کہ پہلی رات دیکھا تھا۔ صرف روحانی فیض پر اکتفا ہوتا رہا۔

---

[1] اصل میں شرح صدور ہوگا، کتابت کی غلطی سے واؤ نہیں لکھا گیا۔ یہ کتاب علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ کی تصنیف ہے۔ موت اور اور اہل قبور کے حالات پر عمدہ کتاب ہے۔ (اشرف)

کرامت (۱۰۰)۔ حضرتؒ کے ایک مخلص بیان کرتے تھے کہ میرا لڑکا بیمار ہوا اور اس بیماری میں اُسے ڈراؤنی صورتیں اور خوفناک شکلیں دکھائی دیتی تھیں۔ وہ ڈرتا تھا اور لرزتا تھا۔ میں نے کہا کہ اے بیٹے، تو نے حضرتؒ کو اپنی خوردسالی میں دیکھا تھا، کیا تجھے حضرتؒ کا کچھ حلیہ یاد ہے؟ اس نے کہا کہ حضرتؒ کی ڈاڑھی اور مونچھیں مجھے یاد ہیں۔ میں نے کہا کہ بس تو اتنی ہی بات یاد رکھ۔ پھر شیطانی وسوسے تیرے پاس نہیں آئیں گے اور حضرت کی صورتِ مبارکہ کی یاد کے طفیل میں تجھے صحت عطا ہوگی۔ اس نے حضرتؒ کے حُلیے کو ذہن میں رکھا۔ ناگاہ اُسے استغراق ہوگیا۔ افاقے کے بعد اُس نے بتایا کہ میں نے حضرتؒ کو دیکھا۔ وہ فرماتے تھے کہ "ہم خدا سے واصل ہیں اور ہم جنّت میں آ گئے ہیں سب سے پہلے ہم نے دایاں قدم جنّت میں رکھا اور اللہ تعالیٰ کے قدم پکڑ لیے۔" میں نے عرض کیا "اے حضرت مجھے بھی خدا سے ملا دیجیے۔ میں بھی اللہ تعالیٰ کے قدم پکڑ لوں۔" آپ نے فرمایا: "ابھی تمہارا اور میرے فرزندوں کا وقت نہیں آیا ہے۔" جب وہ لڑکا خواب سے بیدار ہوا تو پوری صحت حاصل کرچکا تھا، ضعف کا بھی کوئی اثر باقی نہ تھا اور وسوسے بھی پوری طرح دور ہو چکے تھے۔ (اُس مخلص نے بتایا کہ) اس واقعۂ صادقہ کے دیکھنے کے بعد ہمارے ممالک میں اطلاع پہنچی کہ حضرتؒ کا وصال ہوگیا ہے۔

حضرتؒ کی کرامات اور خوارق، احاطۂ شمار سے باہر ہیں اور اس مختصر میں ان سب کی گنجائش نہیں۔ اس لیے اسی قدر بر ضرورت کے مطابق اکتفا کیا گیا ہے اور آپ کی بڑی بڑی کرامتیں آپ کے خلفاء اور اصحاب کے ذکر کے ساتھ انشاء اللہ بیان ہوں گی کیونکہ یہی حضرات اُن کے راوی ہیں۔
آپ کے بعض احوال واقوال وکرامات جو رحلت سے قبل یا بعد رونما ہوئے تھے وہ میں نے ایک علیحدہ رسالہ "وصالِ احمدیؒ" میں لکھ دیے ہیں۔ اس میں ملاحظہ فرمائیں۔

لہ یہ رسالہ اسلامی کتب خانہ، اقبال روڈ سیالکوٹ سے مل سکتا ہے۔

حضرت دہم
(آپ کے وصال کی تاریخیں)

بعض دوستوں نے آپؒ کے وصال پر تاریخیں اور مرثیے کہے ہیں۔ اُن میں سے کچھ یہاں بیان کیے جاتے ہیں۔ خواجہ محمد ہاشم کشمی برہان پوریؒ جو کہ آپ کے خلیفہ ہیں اور شہر برہان پور میں مسندِ ارشاد و مشیخت پر متمکن ہیں فرماتے ہیں کہ یہ ۶۳ فقرے (تاریخ کے) آپؒ کی عمر گرامی کے مطابق ہیں اور ہر ایک سے آپ کی تاریخ وصال (۱۰۳۴ھ) نکلتی ہے۔ قدس اللہ تعالےٰ روحہ وَاَفَاضَ عَلَینا فتوحہ:

(۱) باسم فیاض لہا۔ (۲) قطب الاقطاب الا روزگار باشد۔ (۳) سراجِ وجود طرف لیست (۴) ماہِ محققین رفت (۵) خیر الاولیاء نماند۔ (۶) منور رحلت نمود۔ (۷) معرفت مُرد (۸) احمد زبدۂ مشائخ بود (۹) روحِ علماء راسخ بود (۱۰) ظلِ محمد بود۔ (۱۱) اد امرِ خلفائے احمد بود (۱۲) ہمہ آئینِ صحابہ سیدالثقلینؐ بود (۱۳) والۂ حبِ شیخینؓ بود (۱۴) مہرِ عثمانؓ و علیؓ بود (۱۵) ہمہ محبتِ اہلِ بیت نبوی بود (۱۶) اقتباسِ نبوت بود (۱۷) ابرِ نیسانِ رحمت بود (۱۸) شہسوارِ محبت بود (۱۹) خدیوِ عارفان بود (۲۰) فخرِ خاصان بود (۲۱) تکیہ گہہ ہمہ اتقیا بود (۲۲) سرورِ اہلِ تمکین بود (۲۳) منورِ آدابِ خواجہ بہاءالدینؒ بود (۲۴) رائے خواجہ علاءالدین بود۔ (۲۵) آنِ خواجہ محمد پارساؒ بود (۲۶) بزرگیہائے خواجہ عبیداللہؒ بود (۲۷) ادراکِ خواجہ باقی باللہؒ بود (۲۸) رواجِ محبتِ رسول اللہ بود (۲۹) راوی ذالجلال بود (۳۰) ہمہ امتثال بود (۳۱) وے شمسِ حقیقت (۳۲) شہبازِ طریقت (۳۳) جانِ شریعت (۳۴) ابجدِ تربیت بود (۳۵) رفیع المناقب[1] (۳۶) خیر المناقب (۳۷) مرآتِ جمالِ اللہ اکبر (۳۸) آیات من آیاتِ عزّوجل (۳۹) شگرفِ روزگار (۴۰) کاشفِ پروردگار

---

[1] فارسی متن میں "رفیع المرتبت" ہے جو سہو ہے اور اس کے اعداد زیادہ ہو جاتے ہیں۔

(۴۱) باعثِ نجات آمد (۴۲) سرچشمۂ حیات آمد (۴۳) بہارِ اسرارِ قرآنی (۴۴) ممتوزین بالفِ ثانی (۴۵) رونقِ چمن زارِ عشرت (۴۶) بل گلگونۂ عروسِ سعادت (۴۷) دولجۂ صباحت و ملاحت (۴۸) ہمہ محبّیت وہمہ محبوبیت (۴۹) ھو فخر النسب (۵۰) غازۂ وجہِ ادب (۵۱) اکمل الافاضل (۵۲) خیرِ اکابر (۵۳) شرفِ جنّات (۵۴) شمعِ عالی درجات (۵۵) عمرِ احمدی ہماں عمرِ پیامبر (۵۶) وصلِ محبِ اللہ سہ شنبہ صفر (۵۷) روزِ کوچ سہ شنبہ صفر (۵۸) عطّر اللہ عزّ و جلّ مثواہ (۵۹) وجعل دار الخلد مأواہ (۶۰) رزقنی اللہ توفیقہ (۶۱) بسط اللہ تعالیٰ دائمٌ طریقہ (۶۲) اکثر اللہ محبّیہ الیٰ یوم الدین (۶۳) بحقِ نبی اللہ و محبوبہ وآلہ واصحابہ والتابعین۔

(۱) ایک رباعی ایسی ہے کہ جس کے ہر مصرع کے نقطے والے حروف کے جمع کرنے سے تاریخ وصال نکلتی ہے اور ہر مصرع کے پہلے حروف جمع کرنے سے آپ کا اسمِ گرامی نکلتا ہے۔

آں مرشدِ رہ کہ بود او فخرِ کبار | حیرت زدہ از شہودِ او چشمِ ہزار
ن+ش+ب+ف+خ+ب=۱۰۳۴ھ | ی+ت+ز+ز+ش+ج+ش+ز=۱۰۳۴ھ
مہرِ فلکِ قربتِ بستانِ کمال | دریائے کرم، چراغِ بزمِ ابرار
ف+ق+ب+ت+ب+ت+ن=۱۰۳۴ھ | ی+ی+ج+غ+ب+ز+ب=۱۰۳۴ھ

(۲) یہ رباعی اوپر کی رباعی کے برعکس ہے (یعنی اس کے ہر مصرع کے بے نقطے والے حروف کو جمع کرنے سے تاریخ وصال نکلتی ہے) اور ہر مصرع کے پہلے حروف کو جمع کرنے سے حضرت کی تاریخِ ولادت (ا+خ+ش+ع = ۱۹۷۱ھ) نکلتی ہے:

او سرورِ ملکِ مہر و دریای شہود | خاکِ رہِ آں سرمۂ ابصارِ جنود
شاہِ اورنگِ معرفت، گوہرِ مہر | علّامۂ عصر، لوحِ اسرارِ وجود

(۳) اس رباعی کے ہر مصرع سے آپ کا سالِ وصال برآمد ہوتا ہے:

ایں قطبِ سراجِ عالمِ ہمت بود | شاہِ کل و دُرِ لجۂ وحدت بود
۱۰۳۴ھ | ۱۰۳۴ھ
دیں تازہ روے چون گلے از ابرِ بہار | وآں در عالمِ مایدۂ نعمت بود
۱۰۳۴ھ | ۱۰۳۴ھ

واضح ہو کہ ان تینوں رباعیوں کے شروع میں جو نثری عبارتیں[1] ہیں وہ بھی رباعی کے قاعدے کے مطابق

[1] یہ نثری عبارتیں دستیاب نہیں ہو سکیں ان سے تاریخ وصال ہی میسر نہیں۔

تاریخ وصال بن جاتی ہیں۔

(۴) ایک رباعی سے قاعدۂ توشیح کے مطابق لفظ "تخلد"[1] بن جاتا ہے جو حضرت کے وصال کا سال ہے: ۱۰۳۴ھ

تا رفت گل از باغ چمن زار بماند | بخت من و گلشن چو شب تار بماند
بالش ز چہنا چو شکیب از دل رفت | لخت دل بلبل سر ہر خار بماند

(۵) اس بغیر نقطے والی رباعی کے ہر مصرع سے بھی سال وصال برآمد ہوتا ہے اور ہر مصرع کے تیسرے حرف کے ملانے سے "احمد" آپ کا نام نامی بن جاتا ہے:

او اعلم اہل عصر و در علم علم | لوح الاسرار و لامع ملک کرم
او مہر کمال و سرور عالم علم | گرد رہ او سر مہ دہ اہل کرم

(۶) اس رباعی سے بطور تعمیہ[2] آپ کا سال وصال نکلتا ہے اور ہر مصرع کے دوسرے حرف کو جوڑنے سے لفظ "نائب" بن جاتا ہے جو آپ کی عمر کو ظاہر کرتا ہے۔

آں کو بخموشی سخن اموختہ مرا | تا رفت بدامان عزا دوختہ مرا
می جست بگریہ دل ز سال سفرش | ابر آمد و گفتا غم دل سوختہ مرا

(۷) اس رباعی[3] سے تاریخ وصال واضح ہے لیکن اسی کے ساتھ (یہ بات بھی ہے کہ) ہر مصرع کے دوسرے حرف کو جوڑنے سے حضرت کی عمر شریف کے عدد برآمد ہوتے ہیں:

بود مہر وماہ علم حال وقال | ہمچو عثمان مرحبا را زین بود
از خرد چوں سال عزمش جست دل | زیں دو معنی گفت ذو النورین بود ۱۰۳۴ھ

اب قطعات تاریخ ہیں:

---

[1] یعنی پہلے مصرع کا پہلا حرف ت ہے۔ دوسرے مصرع کا دوسرا حرف خ ہے۔ تیسرے مصرع کا تیسرا حرف ل ہے اور چوتھے مصرع کا چوتھا حرف د ہے۔

[2] یہاں فارسی متن میں "تعمیم" تھا۔ مرتب نے اسے "تعمیہ" بنا دیا۔ لیکن اس سے کوئی تاریخ نہیں نکلتی۔

[3] بود مہر وماہ .... کو رباعی کہا گیا ہے لیکن یہ رباعی نہیں ہے۔ ہر مصرع کے دوسرے حرف (و+م+ز+ی) کا مجموعہ ۶۳ بنتا ہے۔

قطعہ (۱)۔ اس قطعہ میں بھی تاریخ وصال ہے اور ہر مصرع کے پہلے حرف سے لفظ "حامز" بن جاتا ہے جو آپ کی خلافت کے آغاز کا سال ہے : ۱۰۱۹ھ

حبیبے کہ از حسنِ ذاتی خویش	الٰہش ہمی ساخت دربائے آن
ضمیرم زدل سالِ وصلش بجست	رقم زد "بہشت برین جائے آن"

۱۰۳۴ھ

قطعہ (۲) :

بہارِ باغِ عرفان ابرِ رحمت	کزین گلشن بتعجیل صبا رفت
مگر صبحِ قیامت سر برآورد	کہ از مشکوٰۃ دین شمعِ ہدیٰ رفت
درین مُلکِ فنا غرقِ لقا بود	ہم از عینِ بقا اندر لقا رفت
زیادش خانۂ دل آفتاب است	اگر از دیدہ چون نور و ضیا رفت
چو شاہِ اولیائے عہدِ خود بود	خرد گفتا کہ "شاہِ اولیا رفت"

۱۰۳۴ھ

قطعہ (۳) :

آنکہ بود از کلیدِ خامۂ او	قفلِ اشکالِ عارفان حل رفت
بود چون شمعِ جمعِ اہلِ کمال	عقل گفتا "سراجِ کمل رفت"

۱۰۳۴ھ

قطعہ (۴) :

بنمود یکے موج زدریائے حقیقت	ہم باز بدان بحرِ ازل بے سروپا رفت
چون جلوۂ او آبِ ریاضِ عرفا بود	تاریخِ سفر گوئی کہ "آبِ عرفا رفت"

۱۰۳۴ھ

قطعہ (۵) :

رفت آنکہ بود دیدۂ ادراکِ این و آن	خفاشِ آفتابِ ظہورِ کمالِ او
از نائب رسولِ خدا۔ ازنیست بادرت	"نائب" شمار و عمرِ نبی بین وسالِ او

۶۳

قطعہ (۶) :

سایہ زسرِ احمدِ مرسل نہفتہ بود	این احمد است سایۂ او ز امتثالِ او
ازبسکہ امتثالِ نبی بود جملگی	ہی جوے ز "امتثالِ نبی" انتقالِ او

۱۰۳۴ھ

قطعہ (۷) : (یہ بھی خواجہ محمد ہاشم کشمیؒ نے کہا ہے :-)

محمل کہ بست سوئے بیابان کہ کوہسار اسپندوش بمجمرِ صحرا بسوختہ ؟
فارس کہ بود از شررِ نعلِ توسنش از رہ روانِ بادیہ (پیما) بسوختہ ؟
خارے خلیدہ در جگرِ اشترانِ مست کز اشک گرمِ شان دلِ خار بسوختہ ؟
شبہائے غم چو بخت من آخر سیہ چراست این شعلہ گر نہ خانۂ شبہا بسوختہ
نبضِ کہ برگرفت کہ چوں شعلہ کا نزار از دوش باز دستِ مسیحا بسوختہ
روزِ وداعِ دلبرِ ما پرسدار کسے گو داغ دل تمام سراپا بسوختہ[1]

قطعہ (۸) : میر احمد[2] نے تاریخ بنائی اور خواجہ محمد ہاشم کشمیؒ نے اُسے نظم کیا :

شہِ ملکِ دیں، مہر اوجِ یقیں کز و دین و دل بود، آباد کو؟
چہ شد سروِ آزادِ بستانِ قرب؟ سرِ بندگانِ دل آزاد کو؟
بعہدِ فراقش سرِ جان کرا؟ بروزِ وداعش دل شاد کو؟
اگر سالِ عزمش بپرسد دلے بگو، "سرورِ اہلِ ارشاد کو"
۱۰۳۴ھ

قطعۂ عربیہ (۹) :

یا ایّہا الانام لقد سافر الامام من کان باب خدمتہ عروۃ القبول
العارف الذی وھب ربہ اللہ حال التی تحیر فی شانہا العقول
مات کانّ بدر یقین قد انطلق من مشرق الظہور الی مغرب الافول
لما اصاب ارث رسول بحقہ فاکتب لعام رحلتہ وارث الرسول
۱۰۳۴ھ

حضرت میر نعمان[3] رحمۃ اللہ نے یہ تاریخیں لکھی ہیں :

---

[1] داغ کا سراپا یعنی "دا" نکال دیں تو "غ" رہ جاتا ہے جس کے عدد ایک ہزار ہیں۔ اس میں "دل" (=۳۴) شامل کریں تو ۱۰۳۴ھ بن جاتا ہے۔

[2] غالباً یہ سید احمد بن محمد بن الیاس حسینی غرغشتی بجواڑی تھے۔ آپ کو افغانیوں میں بہت مقبولیت حاصل تھی آپ کو بھی جہانگیر نے ترکِ آداب کے جرم میں تین سال تک قلعۂ گوالیار میں قید کیا تھا۔

[3] میر محمد نعمان بخشی کشمیؒ حضرت مجددؒ کے مشہور خلیفہ ہیں۔ ۱۸ صفر ۱۰۵۸ھ کو آگرہ میں انتقال کیا۔

یہ تاریخی فقرے حضرت مجددؒ کی عمرِ گرامی کے مطابق حضرت میر محمد نعمان نے جو آپ کے سب سے بڑے خلفاء میں سے ہیں تحریر فرمائے تھے:

(۱) مرجعِ معارفت (۲) رہبرِ اہلِ ہدایت نماند (۳) عنقائے قافِ عزت نماند (۴) دُرِّ دریائے محبیت نماند (۵) آئینہ جمال نمائے محبت نماند (۶) نورِ مصباحِ عبودیت نماند (۷) فارسِ میدانِ صفوت بود (۸) آفتابِ جہانِ طاعت بود (۹) سندِ اربابِ قوت بود (۱۰) مرکزِ دائرۂ سعادت بود (۱۱) قافلہ سالارِ کعبۂ ہیبت بود (۱۲) سروشِ محبوبیت بود (۱۳) مرجعِ اصحابِ تجرد بود (۱۴) بدرِ منیرِ تقویٰ بود (۱۵) جانِ اربابِ خانقاہ (۱۶) باہلِ صلابت تکیہ گاہ بود (۲۰) اشرف العارفین بود (۲۱) کنزِ مخفیِ دارین بود (۲۲) مآلِ مشائخ بود (۲۳) نورِ حدقۂ کرامت (۲۴) عرشِ مجیدِ اجابت (۲۵) شجرۂ طیبۂ تکمیل (۲۶) گنجِ فضلِ الٰہیہ (۲۷) ہادیِ حضور (۲۸) مفتحِ ابوابِ فتوح (۲۹) ترجمانِ کلامِ لاریب (۳۰) منبعِ اخبارِ نبوی (۳۱) راستِ دِ ملکِ ابدی (۳۲) اکملِ آثارِ مصطفویہ (۳۳) صراطِ مستقیمِ وحدانیہ (۳۴) خدیوِ اجتہاد (۳۵) مہرِ سپہرِ حدیث (۳۶) سرمۂ دیدۂ اقتدار (۳۷) محرمِ رموز الاسرار (۳۸) آیاتِ برکات (۳۹) آرائشِ جمالِ ولایات (۴۰) اعتصام الناصرین (۴۱) شمسِ متعینین (۴۲) نور ابصارِ تفرد (۴۳) زادِ خاشعان (۴۴) سندِ ذکر (۴۵) اساسِ افضال (۴۶) خلاصۂ نورِ حمد (۴۷) بالِ رضا (۴۸) بابِ گنجینۂ فیاض (۴۹) نورِ ستائشِ ابد (۵۰) نورِ جہانِ طریقت (۵۱) ریاضِ احمدی (۵۲) فیضِ صمدی (۵۳) نقطۂ دائرۂ احترام (۵۴) جمالِ تجلیاتِ علوی (۵۵) گلِ گلشنِ تعزز (۵۶) معلمِ دبیرستانِ وصل (۵۷) مرشدِ شفیق (۵۸) بحرِ عمیقِ تصدیق (۵۹) گوشوارۂ صباحت (۶۰) اماماً داعیاً الی اللہ باذنہ (۶۱) بفردوس رفت (۶۲) بجانبِ خلیل شد [1]

---

[1] اردو ترجمے میں یہ فقرے بھی ہیں: خاطرِ حق پسند۔ معدلت دستگاہ۔ محفوظِ محفلِ قدسی گرفت۔ جو غالباً مترجم نے اضافہ کیے ہیں۔

لیکن فارسی متن میں صرف ۶۲ فقرے ہیں۔ یہ فقرے بھی ہو سکتے ہیں: اشرفِ جنت۔ کاشفِ اسرارِ معانی۔ فرخندہ انجام۔ زینتِ مکنوناتِ وغیرہ۔

ایسے اشعار بھی ہیں جن کا ہر مصرع تاریخی ہے:

او نورِ جہانِ مکرمت بود | او نورِ سپہرِ محمدت بود
سرمایۂ ہر فتوح بود او | درما ہمہ قوتِ روح بود او

او محرمِ راہِ کعبۂ وحدت بود | او منبعِ نورِ سیدِ عزت بود
ممدوحِ جواد و معدنِ نصرت بود | برہانِ کمال ہادیِ رحمت بود

قبلۂ عسکرِ سعادت بود | گوہرِ افسرِ محبت بود
آن گلِ گلستانِ انسانی | کاشفِ رمز و رازِ ایقانی

فضائل پناہ جناب محمد صادق کشمیری[1] نے یہ تاریخیں کہی ہیں:

فریاد ز گردشِ زمانہ | بیداد ز دستِ جورِ ایام
قطبِ ارشاد شیخ احمد | کہ بود بخلق فیضِ او عام
در ماہِ صفر بہ بست و ہشتم | بگذشت ز دہر بے سرانجام
از رفتنِ او ز بیدلاں رفت | یکبارہ قرار و صبر و آرام
شد روزِ وصالِ عاشقاں شب | شد صبحِ امیدِ طالباں شام
چون قلعۂ دین و برجِ ایماں | او بود بہ دہرِ پُر دد و دام
تاریخِ وفاتِ او برآمد | "افسوس فتادہ برجِ اسلام"
۴ ۳ ۰ ۱ ھ

انہی (محمد صادق کشمیری) نے یہ تاریخ بھی کہی ہے:

الولی لا یموت بل ینقل الی المنزل الابدی (۱۰۳۴ھ)

---

[1] اپنے وقت کے مشہور فاضل تھے۔ جہانگیر نے ملا حبیب اللہ شیعہ سے مناظرے کے لیے آپ کو طلب کیا تھا اور آپ نے اُسے خاموش کر دیا تھا۔ یہ مکتوبات آپ کے نام ہیں: دفتر اوّل ۱۰۶-۱۰۷۔ دفتر دوم ۲۲-۲۸ دفتر سوم ۳۹

یہ بھی انھی کی تاریخ ہے : الموت ہو جسر یوصل الحبیب الی الحبیب (۱۰۳۴ھ)

مخدوم زادہ خواجہ محمد عبید اللہ (پسر خورد[1] حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) نے یہ تاریخ ارتحال لکھی ہے : مات و لم یمت بل حی ابداً (۱۰۳۴ھ)

اور اُن کے بڑے بھائی خواجہ محمد عبد اللہ نے یہ تاریخ لکھی ہے : ماأتم صفا کیشان (۱۰۳۴ھ)

مُلا حیدر نے آپ کی یہ تاریخ کہی : کشاف حقائق و معارف بودہ (۱۰۳۴ھ)

مولانا عبد القادر انبالوی نے یہ تاریخ کہی : کجا شد خلیل اللہ (۱۰۳۴ھ)

انھوں نے یہ بھی تاریخ کہی ہے : اُدفنت الحکمۃ ؟ (۱۰۳۴ھ)

مولانا کریمی[2] جو حضرت مجددؒ کے مریدہیں اس طرح قطعۂ تاریخ لکھا :

شہ ملک ولایت شیخ احمد | کہ مثلش مادرِ ایام کم زاد
ازیں راہِ خطرناک و پُر آشوب | قدم در شاہراہِ خلد بنہاد
بپرسیدم ز ہاتف سالِ تاریخ | بگفتا "ساکنِ خلدِ بریں باد"
۱۰۳۴ھ

---

[1] بعض تذکروں میں خواجہ محمد عبید اللہ کو بڑا صاحبزادہ اور خواجہ محمد عبد اللہ کو چھوٹا صاحبزادہ کہا گیا ہے لیکن حضرات القدس میں صحیح لکھا ہے۔ مولانا نسیم احمد امروہوی نے اپنی کتاب خواجہ باقی باللہ میں اسی طرح لکھا ہے۔

[2] یہ شیخ کریم الدین ہوں گے جو حضرت مجدد کے خلیفہ تھے۔ ۲ محرم ۱۰۵۰ھ کو انتقال ہوا۔

حضرت یازدہم

(حضرت مجدّدؒ کے فرزندانِ گرامیؒ اور خلفائے سامیؒ)

حضرت خواجہ محمّد صادق قُدّسَ سِرُّہٗ

آپ حضرت مجددؒ کے سب سے بڑے صاحبزادے اور اپنے زمانے کے اولیاء میں سب سے اشرف تھے۔ آپ کی ولادت سنہ ۱۰۰۰ھ میں ہوئی۔ کم عمری ہی کے زمانے سے آپ جیسے رہبرِ راستین کی پیشانی سے بلند استعداد اور ہدایت وارشاد کی علامت ظاہر اور ہویدا تھی۔ چنانچہ بہت ہی چھوٹی عمر میں آپ کو آپ کے جدِامجد (حضرت خواجہ عبدالاحد علیہ الرحمہ) تعلیم دیا کرتے تھے اور حضرت مجددؒ سے فرمایا کرتے تھے کہ تمہارا یہ بیٹا ابھی سے مجھ سے حقیقتِ اشیاء اور اُن کی خلقت کی کیفیت سے متعلق عجیب غریب باتیں پوچھتا ہے کہ میں بمشکل اُسے جواب دے پاتا ہوں۔ اُس وقت جب کہ حضرت مجددؒ اپنے والد ماجد کے انتقال (۱۰۰۷ھ) کے ایک سال بعد (جمادی الاخریٰ ۱۰۰۸ھ میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی دولتِ صحبت سے مشرف ہوئے تو مخدوم زادہ بھی آٹھ سال کی عمر میں اپنے والد ماجد کے ساتھ حاضر ہوا۔ اور حضرت خواجہؒ کی نظرِ فیض اثر سے مستفید ہو کر اُن سے طریقہ سیکھا۔ حضرت خواجہؒ کی توجہاتِ عالیہ کی برکت سے اس آٹھ سال کی عمر ہی میں اس مخدوم زادہ پر عجیب غریب احوال اور واردات کا ورود ہوا۔ مختلف مکشوفات، اذواق اور استغراق بہت بلند مقامات کے ان پر ظہور کرتے تھے۔ لیکن ان غلبات اور جذبات و احوال کی وجہ سے برہنہ سر اور برہنہ پاؤں بھی باہر نکل جاتے اور اسباق کی کتابیں طاق ہی میں رکھی رہ جاتیں۔ جذبات کی کثرت اور تواتر کا غلبہ اس قدر بڑھ جاتا کہ اکثر اوقات حضرت خواجہ (باقی باللہؒ) فرماتے کہ محمد صادق کو بازار کا کھانا کھلاؤ تاکہ (اس کی ظلمت سے) وہ کیفیات کم ہو جائیں اور حضرت خواجہؒ جب ان کو

اس مستی اور کیفیت میں دیکھتے تو فرماتے کہ ہمارے مجذوب کو دیکھو کہ کس حال میں ہے ؟

آپ کے حالات اس قدر بلند تھے کہ ایک مرتبہ مشائخ وقت میں سے ایک صاحب حضرت خواجہ (باقی باللہؒ) کی خدمت میں آئے اور اپنے بلند حالات (واردات) اُن کی خدمت میں عرض کرنے لگے اور کہنے لگے کہ اگر آپ کی صحبت میں مجھے اس قسم کے احوال حاصل ہوں تو آپ کو تکلیف نہ دوں۔ لیکن اگر اس سے بلند احوال ہو جائیں تو آپ کی خدمت میں ہوں اور استفادہ کروں جضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ محمد صادق کو بلواؤ۔ اُن کو لایا گیا تو حضرت خواجہؒ نے اُن سے فرمایا کہ بابا اپنے احوال بیان کرو کہ یہ صاحب اپنے مہمان ہیں۔ تمہاری زبان سے سن لیں گے۔ مخدوم زادہ (محمد صادق) نے اپنے بلند واردات اور حالات بیان کرنے شروع کیے جو اُن صاحب کے احوال کے مطابق تھے اور جو انھوں نے پچاس سال کی ریاضت میں حاصل کیے تھے اُن سے بھی زیادہ بلند تھے۔ وہ صاحب اس بچے سے وہ حالات سن کر جس کو ابھی داخلِ سلسلہ ہوئے دو تین ماہ ہی ہوئے تھے حیران رہ گئے اور اُن کی خود بینی اور غرور اُن کے دماغ سے نکل گیا۔

حضرت خواجہؒ کی مرحمت اور شفقت اور اس مخدوم زادہ کی محبت اور عقیدت اس درجہ تھی کہ ایک مرتبہ حضرت خواجہؒ کو تپِ محرقہ ہوا۔ تو مخدوم زادہ کو بھی ہو گئی اور ان دونوں کے بخار کو ایک عرصہ گزر گیا۔ آخر ایک دن حضرت خواجہؒ نے حضرت مجددؒ سے فرمایا کہ ہم دونوں کی تپ انعکاسی ہے۔ جب تک محمد صادق یہاں ہے نہ اس کی تپ دفع ہو گی اور نہ میری دفع ہو گی۔ اس کو آپ سرہند لے جائیں تاکہ ہم دونوں کی تپ دفع ہو جائے۔ حضرت مجددؒ نے تعمیلِ حکم میں ایسا ہی کیا۔ چنانچہ جونہی وہ رخصت ہو کر پہلی منزل میں فروکش ہوئے کہ مخدوم زادہ کی تپ دفع ہو گئی اور خبر آئی کہ حضرت خواجہؒ کی تپ بھی دور ہو گئی۔

سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں ایسے واقعات بہت ہوئے ہیں۔ چنانچہ ایک بزرگ کو جو اسی سلسلے میں تھے ایک مرتبہ سردی کے غلبے سے لرزہ اور رعشہ پیدا ہو گیا۔ بہت کچھ لحاف اوڑھائے گئے، اُن کو تسکین نہ ہوئی۔ ناگاہ ایک خادم جو چکی کو بھیجا گیا تھا واپس آیا۔ وہ جگہ جگہ راستے میں پانی میں گرا تھا اور اُسے سخت سردی لگ گئی تھی۔ لرزہ اور رعشہ بھی بہت تھا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ اس خادم درویش کو کپڑے اور پوستین وغیرہ پہناؤ کیونکہ میری سردی اس سے انعکاسی ہے۔ جب اس کو

گرمی پہنچائی گئی تو اس بزرگ کی سردی اور لرزہ و رعشہ سب دور ہو گیا۔

اکثر اوقات حضرت خواجہ (باقی باللہ) اس مخدوم زادے سے کون و مکان کے حقائق، قبروں اور مردہ لوگوں کے احوال، گزرے ہوئے اور ہونے والے واقعات تنہائی میں بلوا کر پوچھا کرتے تھے اور یہ بلند مقام مخدوم زادہ تھوڑی سی توجہ کر کے حضرت خواجہؒ کی خدمت میں عرض کر دیتا تھا۔ اور اسی بیان کے مطابق کشف ہو جاتا تھا۔ اسی طرح بہت سے درویش اور دنیا والے بھی ان سے پوشیدہ حقائق کے متعلق پوچھا کرتے تھے اور جواب سنتے تھے۔ اور مخدوم زادہ کے کشف ہی کے مطابق وہ حقائق واقع ہوتے تھے۔ اس بلند مقام مخدوم زادے کے حالات کی تفصیل کے لیے بہت سے دفتر چاہییں۔ اس مختصر کتاب میں اجمال پر کفایت کی گئی ہے۔

حضرت خواجہؒ نے اس مخدوم زادہ کو رخصت کرنے کے بعد اس طرح لکھا:

"میری آنکھوں کی ٹھنڈک محمد صادق کو (اللہ تعالیٰ) ظاہر و باطن کے کمالات سے نوازے۔ اس کے احوال جیسے کہ ظاہر ہیں لائق شکر ہیں۔ اسی حضور پر وہ قائم رہے گا۔ اس کی غیبت و استغراق سے اندیشہ نہیں۔ انشاء اللہ وہ سکر سے صحو میں آجائے گا اور اس کی فنا شعور میں مندرج ہو جائے گی۔"

پھر دوسری بار حضرت مجددؒ کے مکتوب کے جواب میں حضرت خواجہؒ نے اس طرح لکھا۔ (اس مکتوب میں مخدوم زادہ کے احوال بھی تھے):-

"محمد صادق کے احوال بہت صحیح ہیں۔"

اس زمانے میں جب کہ حضرت خواجہؒ نے حضرت مجددؒ کو خلافت دے کر اپنے اصحاب کو ان کے حوالے کیا تھا اس مخدوم زادہ کی تربیت بھی حضرت مجددؒ کے سپرد کی تھی اور اس گلشن کمال کے نونہال نے اپنے والد ماجد کی خدمت میں رہ کر کسب کمالات کیا اور مرتبہ کمال حاصل کیا اور جیسے حضرت مجددؒ نے اس گلدستۂ کمال کے احوال اسی صغر سنی میں حضرت خواجہؒ کو اس طرح لکھے تھے:

"محمد صادق نے مقام حیرت میں غوطہ کھایا ہے اور اس مقام میں وہ مجھ فقیر سے پوری مناسبت رکھتا ہے۔" (۱۰۲۱ھ)

حضرت مجددؒ نے ان کو اکیس سال کی عمر میں خلعت خلافت سے مشرف فرمایا۔ روز جمعہ جمادی الثانی

تھا کہ حضرت مجددؒ نے اپنا خاص عبا اُن کو عنایت فرمایا۔ اس روز ایک جمِ غفیر اور جمع کثیر نے اس مخدوم زادہ سے مصافحہ کیا اور بیعت کی۔ اس وقت اس قدوۂ اہلِ تمکین کی پیشانی سے ایسا نور چمک رہا تھا کہ سورج بھی اس سے شرمندہ تھا اور اس زبدۂ اربابِ عرفان سے حیا، انکسار، عاجزی اور شکستگی اس قدر ٹپک رہی تھی کہ گفت و شنید میں نہیں آسکتی۔ تسلیم و سپردگی اور رضا بقضائے الٰہی درجۂ کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔

ایک روز مخدوم زادہ کے ایک مخلص نے بعض لوگوں کی ایذا رسانی کا ذکر آپ سے کیا اور کہا کہ آپ ان لوگوں کو تنبیہ اور تہدید کر دیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر ہم بھی دشمنی اور خصومت کرنے لگیں تو پھر ہم فقیروں اور ان مالداروں میں کیا فرق رہ جائیگا؟ اس مخلص نے بتایا کہ مخدوم زادہ نے یہ بات کچھ اس انداز سے کہی کہ میں اپنی بات سے شرمندہ ہوگیا اور ظالموں کے کینے سے میرا دل خالی ہوگیا۔ چنانچہ جو شخص بھی اس مخدوم زادہ کی صحبت بابرکت میں حاضر ہوتا اس کا دل، دنیا کی محبت سے سرد ہو جاتا۔

حضرت مخدوم زادہ علوم عقلیہ و نقلیہ کے جامع تھے اور اکثر علوم حضرت مجددؒ ہی سے حاصل کیے تھے۔ کچھ عربی علوم مولانا طاہر لاہوریؒ[1] سے اور کچھ علوم حکمت مولانا معصوم کابلی[2] سے حاصل کیے تھے اور اٹھارہ سال کی عمر میں تمام علوم ظاہری سے فارغ ہو چکے تھے بلکہ تمام علوم متداولہ بہت متانت اور گہرائی سے پڑھانے لگے تھے۔

اس حقیر (جامع حضرات القدس) نے مطول مع حاشیۂ میر، شرح عقائد مع حاشیۂ خیالی، تحریر اقلیدس اور شرح مطالع مع حاشیۂ میر حضرت مجددؒ اور مخدوم زادہ کی خدمت میں پڑھیں اور حضرت مخدوم زادہ کے انتقال (۱۰۲۵ھ) کے بعد شرح مواقف، تفسیر بیضاوی اور حاشیہ عضدی، حضرت مجدد سے پڑھی ہیں۔ وہ مخدوم زادہ، تشریح میں جہت دور تک جاتے تھے اور مختلف مطالب بیان کرتے تھے اور اپنی سلیم اور نکتہ رس طبیعت سے بڑی باریکیاں پیدا کرتے

---

[1] حضرت مجددؒ کے اکابر خلفاء میں سے تھے۔ لاہور میں ۲۰ محرم ۱۰۴۰ھ کو وفات پائی۔ حالات کی تفصیل آگے آئیگی۔

[2] مولانا معصوم کابلی بہت بڑے عالمِ حکمت تھے۔ ۱۰۲۶ھ میں وفات پائی۔

تھے اور کبھی کبھی کتابوں پر حاشیہ بھی تحریر فرماتے تھے۔

ایک دن ایک بہت بڑا عالم شیراز سے ہندوستان آیا۔ وہ معقولات میں اپنی نظیر نہ رکھتا تھا۔ اس سے آپ (مخدوم زادہ) نے علوم عقلیہ کے دقائق میں سے چند مشکلات کا ذکر کیا۔ وہ بہت متاثر ہوا اور آپ کی بڑی تعریف کی اور کہا کہ "مجھے یہ گمان نہ تھا کہ ہندوستان میں کوئی عالم ایسا ہے جو علوم عقلیہ کے ادراک کی اس قدر صلاحیت رکھتا ہو اور پھر اس کی لاجواب بحثوں میں اس قدر ندرت اور مہارت رکھتا ہو۔ لیکن جب میں نے اس جوان کو دیکھا تو مجھے یقین آیا کہ اس ملک میں بھی ایسے فضلاء موجود ہیں۔"

حضرت مجددؒ نے اس صاحب کمال (مخدوم زادہ) کے حالات سے متعلق جو چند کلمات تحریر فرمائے ہیں وہ ان کی اعلیٰ قدر و منزلت پر دلالت کرتے ہیں۔ ایک مکتوب میں اس مخدوم زادہ کو آپ نے لکھا ہے :-

"تمہارے مکتوب سے کہ جس میں احوال کی تشریح ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم کو ولایت خاصہ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) سے مناسبت پیدا ہو گئی ہے۔ پس تم اس معاملے میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ مدت سے اس دولت کی آرزو تھی کہ تم کو حاصل ہو جائے۔ پس اس وقت امیدوار ہو کر متوجہ ہوا ہوں کہ تم کو اس دولت کی طرف جذب کر دوں۔ اتفاق یہ ہوا کہ میں نے اس جستجو میں تم کو ولایت موسوی (علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام) میں پایا۔ تو میں نے وہاں سے کھینچ کر تم کو ولایت خاصہ میں داخل کر دیا۔ اللہ پاک کا بے حد شکر اور احسان ہے اس بات پر۔"

حضرت مجددؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ "میرا عزیز فرزند مجموعہ فقیر کے تمام معارف کا مجموعہ اور مقامات جذب و سلوک کا خزانہ ہے۔"

ایک جگہ آپ نے یوں بھی لکھا ہے کہ "میرا فرزند محرمانِ اسرار میں سے ہے اور (بحمد اللہ) خطا اور غلطی سے محفوظ ہے۔"

آپ نے ایسا بھی لکھا ہے کہ "یہ مقام اللہ پاک نے میرے فرزند ارشد کو عنایت فرمایا ہے اور ان کی ولایت میں داخل فرمایا ہے۔ یہ فقیر مسافروں کی طرح ان کی ولایت میں مقیم ہے۔"

یہ بھی آپ نے لکھا ہے کہ:

" فقیر کا استفادہ، ولایتِ موسوی سے اجمالی ہے اور میرے فرزندِ اکبر کا استفادہ اس ولایت سے تفصیلی ہے۔ فقیر کی ولایت جو ولایتِ موسوی سے مستفاد ہے ان مومن لوگوں کے مشابہ ہے جو آلِ فرعون میں سے تھے اور میرے فرزند کی ولایت اُن ساحرانِ فرعون کی ولایت کے مشابہ ہے جو ایمان لے آئے تھے۔"

آپ نے یوں بھی لکھا ہے کہ:

" میرا مرحوم فرزند (محمد صادق) آیاتِ الٰہی میں سے ایک آیت تھا اور رب العلمین کی رحمتوں میں سے ایک رحمت تھا۔ اس نے جو بیس سال کی عمر میں جو کچھ حاصل کیا بہت کم کسی کو حاصل ہوا ہے۔ اُس کی مولویت کا مقام اور علوم عقلیہ و نقلیہ کا درس حد کمال کو پہنچا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ اُس کے تلامذہ بھی بیضاوی اور شرح مواقف وغیرہ کا درس پوری قابلیت کے ساتھ دیتے تھے اور اُس کی معرفت و عرفان کی حکایتیں اور شہود و کشوف کی باتیں بیان سے باہر ہیں۔ آٹھ سال کی عمر میں وہ اس قدر مغلوب الحال تھا کہ ہمارے حضرت خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہ اس کے حال کی تسکین کے معالجے کے لیے بازار کا کھانا جو (ظلمات کی وجہ سے) مشکوک و مشتبہ ہوتا ہے اس کو کھلاتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھے محمد صادق سے جو محبت ہے وہ کسی اور سے نہیں اور اسی طرح جو محبت کہ اس کو مجھ سے ہے کسی اور سے نہیں۔ اس بات سے اس کی بزرگی کا پتا چلایا جا سکتا ہے۔ اُس نے ولایتِ موسوی کو نقطۂ آخر تک پہنچا دیا تھا اور وہ اس ولایت کے عجائب و غرائب بیان کرتا تھا۔ اور وہ ہمیشہ خضوع و خشوع، تضرع، انکسار اور عجز والا تھا اور کہتا تھا کہ ہر دلی نے اللہ تعالیٰ سے کچھ نہ کچھ چیز مانگی ہے اور میں نے اُس سے التجا و تضرع مانگا ہے۔"

اب اس خلاصۂ دودمانِ ارشاد (یعنی محمد صادق) کے وہ مکتوبات جو حضرت مجددؒ کے نام لکھے گئے ہیں پیش کیے جاتے ہیں:

قدسیہ ــــ " قبلہ گاہا۔ اب آرزو صرف یہ ہے کہ کوئی ساعت اور

کوئی لمحہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف نہ گزرے اور یہ بات اسی وقت میسر ہو سکتی ہے
جب کہ حضور کی توجہ میری مدد فرمائے اور میری دستگیری فرمائے ع

کریموں پر نہیں مشکل کوئی کام

اللہ پاک کا بے حد شکر اور احسان ہے کہ توجہ شریف کی برکت سے جو طریقہ کہ حضور نے فرمایا ہے استقامت قائم ہے اور اس میں کوئی فتور واقع نہیں ہوتا بلکہ روز بروز ترقی اور تزاید کا امیدوار ہوں۔ فجر و ظہر و عصر کے بعد حلقے میں بیٹھتا ہوں اور حافظ صاحب سے قرآن سنتا ہوں۔ بعض اوقات انقباض اور بعض اوقات انبساط ہوتا ہے۔ قبض و بسط، ذوق و آرام وغیرہ بدن سے تعلق رکھتے ہیں اور اُن سے تجاوز نہیں ہوتا۔ اور لطائفِ ستہ نہ تو زیادہ متوجہ ہیں اور نہ غافل ہیں۔ اور جب وہ متوجہ ہوتے ہیں تو اُن کی توجہ ایسی ہوتی ہے جیسی کہ علمِ حضوری کی ہوتی ہے بلکہ بالکل وہی ہوتی ہے۔ توجہ اور ذوق وغیرہ سب اصلِ ظلال ہے اور ظل سے وہ تجاوز نہیں کرتے۔ لطائف تو پہلے محض بدن سے تعلق رکھتے تھے اور بصیرت کی نگاہ میں وہ بدن سے ہٹ کر مفہوم نہیں ہوتے تھے۔ جیسا کہ میں نے آپ کی خدمت میں عرض بھی کیا تھا۔ لیکن اب وہ لطائف، بدن سے ممتاز نظر آتے ہیں اور میں اس مقام کو مقامِ بقا جانتا ہوں اور اس بقا کے بعد پھر فنائے لطائف کی ایک نوع ظاہر ہوئی۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ اس بقا کے بعد بغیر اس فنا کے پورا کام میسر نہیں ہوتا اب انقباض ظاہر ہوتا ہے لیکن ابھی تک دنیا کی طرف توجہ نہیں ہوئی ہے چونکہ احوال کا بیان کرنا ضروری تھا۔ اس لیے چند کلمات عرض کرنے کی جرأت کی گئی۔"

قدسیہ: "کمترین بندگان محمد صادق اپنی عرضداشت پیش کرتا ہے کہ یہ فقیر عرصے تک مقبوض و مہموم رہا۔ آخر کار محض عنایتِ خداوندی کی توجہ اقدس حاصل ہوئی تو ایک عظیم بسط ظاہر ہوا اور اس بسط میں معلوم ہوا کہ سابق میں جو یادداشت توجہ گویا اپنی طرف سے محسوس ہوتی تھی اور اب حق تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور خود اپنے اندر قبول کی قابلیت سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔ مثل اس آئینے کے کہ جس پر

آفتاب طلوع کرے۔ پس اس تابش سے بدن اور لطائف کی تمام ظلمت اور کدورت جل کر ختم ہو گئی اور حسبِ دلخواہ پورا پورا نور بھی حاصل ہو گیا اور برکت بھی ملی۔ پس سینہ میں انشراح اور قلب میں وسعت پیدا ہو گئی اور پورا بدن نور کی طرح ہو گیا کہ سابقہ روح اور سِر سے زیادہ لطیف ہو گیا اور لطائف میں سے لطیفۂ قلب میں تجلی اکمل پائی۔ اور جب میں نے قلب کے قلب میں نظر ڈالی تو ظاہر ہوا کہ اس کے اندر ایک اور قلب ہے جس پر تجلی ہے اور اسی طرح آخر تک ہے کہ جس کی انتہا نہیں اور قلب بسیط تو ظاہر نہیں ہوا مگر یہ کہ اس کے اندر ایک اور قلب تھا۔ لیکن اب ایسا وہم ہوتا ہے کہ یہ سلسلہ، قلبِ بسیط پر ختم ہوتا ہے۔ پھر بھی یقین نہیں اور یہ بھی سمجھ میں آیا کہ وہ حالات جو اس سابقہ حالت میں تھے موجودہ حالات کے سامنے محض تکلفات تھے اور اس مقام کا نام بھی میرے دل میں آتا ہے لیکن سوءِ ادب سمجھ کر تحریر نہیں کرتا۔“

قدسیہ: ”حضرت سلامت! ایک رات نمازِ تراویح میں حافظ قرآن پڑھ رہا تھا کہ ایک مقام بہت نورانی ظاہر ہوا، گویا وہ حقیقتِ قرآنی کا مقام تھا۔ ہر چند عرض کرنے کی جرأت نہیں ہوتی لیکن ایسا معلوم ہوا کہ حقیقتِ محمدی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) اس مقام کا اجمالی مرکز ہے۔ گویا ایک دریائے عظیم کو کوزے میں جمع کر دیا ہے اور وہ مقام حقیقتِ محمدی کی تفصیل ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اکثر اولیاء کاملین اپنی استعداد کے مطابق اس مقام سے بہرہ مند ہوتے ہیں اور اس مقام سے پوری طرح صرف ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو حصول ہوا ہے کسی اور کے لیے معلوم نہیں ہوتا! اور اس کمترین کو بھی کچھ حصہ ملا ہے۔ حق تعالیٰ آپ کی توجہ سے پوری طرح مجھے حصہ عنایت فرما دے! اور ابھی تک وہ مقام خوب واضح بھی نہیں ہوا ہے۔۔۔! اور اس مقام میں بہت برکات سمجھ میں آ رہی ہیں۔“ (تمام ہوا) [1]

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے اس گراں منزلت فرزند کو جو مکتوبات تحریر فرمائے ہیں ان سب کا یہاں نقل کرنا طوالت سے خالی نہیں۔ مکتوبات ہی کے مجموعے سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔

---

[1] حضرت خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ کے یہ تمام عریضے حضرت مجدد کے مکتوبات کے دفتر اوّل کے آخر میں درج ہیں۔

کشف (۱) - چونکہ آپ کے وجد و حال کا شہرہ بچپن اور بہت چھوٹی عمر سے ہو گیا تھا اس لیے شیخ وجیہ الدین[1] (احمد آبادی) گجراتی کے مرید شیخ بایزید کمیر ادل جو اس دیار کے مشاہیر میں سے تھے آپ کی معرفت اور وجد و حال کا ذکر سن کر بڑے ذوق و شوق سے آپ کو دیکھنے کے لیے آئے حالانکہ وہ کہیں بھی آنا جانا ترک کر چکے تھے۔ اتفاق سے اس وقت آپ اپنے والد ماجد (حضرت مجدد) کے ساتھ بیٹھے تھے۔ شیخ مذکور نے ملاقات کے بعد آپ سے درخواست کی کہ آپ جو ٹوپی پہنے ہوئے ہیں مجھے عنایت فرما دیں تاکہ وہ تبرک کے طور پر میرے پاس رہے۔ آپ نے مراقبے میں اپنا سر جھکایا اور کہا کہ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری منع فرما رہے ہیں۔ حضرت مجدد نے فرمایا کہ "تم مجھ کو دے دو" آپ نے عرض کیا کہ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ تاکید سے منع فرما رہے ہیں۔ حضرت مجدد نے پھر فرمایا کہ "میں کہہ رہا ہوں کہ دیدو" پس حضرت والد بزرگوار کے حکم کی تعمیل میں آپ نے سر سے ٹوپی اتار کر شیخ مذکور کو دے دی اور شیخ رخصت لے کر روانہ ہو گئے۔

کرامت (۲) - آپ ابھی بچے ہی تھے کہ آپ کے چچا شیخ مسعود قندھار کے سفر کے لیے روانہ ہوئے۔ حضرت مجدد ان کے ساتھ شہر کے باہر تک تشریف لے گئے۔ مخدوم زادہ محمد صادق بھی ساتھ تھے۔ انھوں نے حضرت مجدد سے عرض کیا کہ دادا جان تشریف لائے ہوئے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ شیخ مسعود کو اس سفر سے منع کر دو لیکن چونکہ وہ سفر کی تیاری کر کے راستے میں تھے اس لیے منع نہ کیا جا سکا۔ آخر کار اس مخدوم زادے کے فرمانے کا اثر ظاہر ہوا کہ اس سفر میں شیخ مسعود نے رحلت فرمائی۔ (حضرت مجدد کی کرامات کے ذیل میں اس کا ذکر آچکا ہے)

کرامت (۳) - ایک روز حضرت مجدد نے وبا (طاعون) کے زمانے میں نماز چاشت کے وضو کے بعد (تقریباً ربیع الاول کو) فرمایا کہ میرے دل میں ایسا ظاہر ہو رہا ہے کہ بارہ ربیع الاول کے بعد طاعون جاتا رہے گا۔ حاضرین تعجب کرنے لگے کہ طاعون اس قدر غلبہ اور زور کے باوجود اتنی تھوڑی مدت میں کس طرح یکایک غائب ہو جائے گا۔ دوسرے دن یہ حقیر مؤلف (بدر الدین سرہندی)

---

[1] حضرت شیخ وجیہ الدین احمد آباد (گجرات) میں ۹۰۲ھ میں پیدا ہوئے اور وہیں ۹۹۷ھ میں وفات پائی۔ آپ کے ملفوظات پر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کا مضمون رسالہ معارف، اعظم گڑھ ۱۹۵۰ء دیکھیں۔

جب مخدوم زادہ سے حاشیۂ خیالی کا سبق پڑھ رہا تھا تو آپ سے حضرت مجددؒ کا قول عرض کیا آپ نے فرمایا کہ حضرتؒ کے قول کا مطلب ہے کہ وبا (طاعون) ان بارہ دنوں میں حضرتؒ کے مکان سے چلی جائے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس ماہ کی نویں تاریخ کو یہی مخدوم زادہ (محمد صادقؒ) وفات پا گئے اور اس سے ایک دن پہلے ایک ہی دن میں دو بھائی محمد فرخ اور محمد عیسیٰ اور ان کی بہن ام کلثوم نے رحلت فرمائی۔ یہ تمام حادثات ابھی بارہ دنوں میں پیش آئے۔ اس کے بعد وہ وبا آپ کے گھر سے چلی گئی۔

کرامت (۴)۔ طاعون کے بعض مریضوں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت مخدوم زادہ تشریف رکھتے ہیں اور ان مریضوں کو اس وبا کے موکلوں سے رہائی دلوا رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ جب اس بلا کو ہم نے اپنے اوپر لے لیا ہے تو پھر ان لوگوں سے تمہارا کیا واسطہ رہا اور ان کو ایذا پہنچانا کیسا ہے؟ اس خواب کے بعد ان لوگوں کی صحت ہو گئی۔

کرامت (۵)۔ ایک صالح شخص نے خواب میں دیکھا کہ جو شخص اس مخدوم زادہ کا نام لکھ کر اپنے پاس رکھے گا طاعون کی بلا سے محفوظ رہے گا۔ لوگوں نے آپ کے مزار پر انوار کی طرف ٹڈیوں اور چیونٹیوں کی طرح رجوع کیا اور ایک بڑی جماعت نے آپ کے نام نامی کو لکھنا شروع کیا۔ اور اب تک آنے والوں کی ایسی کثرت ہے کہ فاتحہ خوانی کی نوبت نہیں آتی جس شخص نے آپ کا نام نامی اپنے ساتھ (تعویذ وغیرہ میں) رکھا اس بلا سے محفوظ رہا اور اگر بیمار تھا تو صحت یاب ہوا۔

حضرت مجددؒ نے ایک بزرگ کو لکھا کہ "اس شہر میں قریب دو ماہ سے بلائے وبا (طاعون) نازل ہوئی ہے جو اس شہر کے رہنے والوں کی بد اعمالی کی وجہ سے ہے۔ کچھ لوگ فوت ہو گئے، کچھ بھاگ کھڑے ہوئے اور کچھ نیم مردہ ہیں اور خوف و دہشت سے مضطرب اور پریشان ہیں۔ آیت کریمہ وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ (جو مصیبت تم کو پہنچتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے ہے۔ اللہ بہت معاف کرتا ہے) بیانِ حال ہے[1]

"بتاریخ نہم ربیع الاول روز دوشنبہ (۱۰۲۵ھ) فرزند مرحوم خواجہ محمد صادقؒ جوار رحمت حق میں مل گئے اور خود کو انھوں نے عموم خلائق پر فدا کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کے فوت ہوتے

---

[1] مکتوبات دفتر اول (۱۰۱)۔ یہ مکتوب شیخ فرید بخاری کے نام ہے۔

ہی وبا میں کمی ہو گئی اور شہر کے لوگوں نے خواب میں دیکھا کہ میاں محمد صادقؒ فرماتے ہیں کہ یہ بلا میں نے اپنے اوپر لے لی ہے۔ دو روز سے شہر میں سکون ہے اور لوگ اس قدر اُن کی قبر پر جمع ہوتے ہیں کہ روزانہ وہاں فاتحہ پڑھنا بمشکل میسر ہوتا ہے اور جو مریض شفایاب ہوتے ہیں وہ نیاز لاتے ہیں۔ اور اُن کے دو چھوٹے بھائی محمد فرخ اور محمد عیسیٰ ان میں سے ایک دن پہلے انتقال کر گئے۔ محمد فرخ کے متعلق کیا لکھا جائے کہ گیارہ سال کی عمر میں طلبِ علم میں وہ کافیہ پڑھتے تھے اور سمجھ کر سبق پڑھتے تھے اور ہمیشہ عذابِ اُخروی سے لرزاں و ترساں ہو کر دعا کرتے تھے کہ بچپن ہی میں اس کمینی دنیا کو چھوڑ دیں تاکہ عذابِ اُخروی سے نجات مل سکے۔ جن احباب نے اُن کی تیمارداری کی اُن سے عجیب خوارق کا مشاہدہ کیا تھا۔ اور محمد عیسیٰ سے آٹھ سال کی عمر میں لوگوں نے جو کرامات دیکھی ہیں وہ کیا لکھی جائیں، مختصر یہ کہ وہ سب کے سب جواہرِ نفیسہ تھے جو امانت کے طور پر دیئے گئے تھے۔ للہ سبحانہ الحمد والمنۃ کہ ہم نے ان امانتوں کو بغیر رنج و اکراہ کے (اللہ تعالیٰ کے) حوالے کر دیا۔ اللھم لا تحرمنا اجرھم ولا تفتنا بعدھم بحرمۃ سید المرسلین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ و التسلیمات» (یہاں آپ کا کلام ختم ہوا) لہ

الحاصل حضرت مخدوم زادہ (محمد صادقؒ) محمد عیسیٰ کے جنازے کے ساتھ پیدل جنگل میں اپنے دادا جان کے مقبرے تک گئے تھے کہ واپسی پر اُن کی ران میں طاعون کا اثر ظاہر ہوا۔ گو مکان کے باہر حضرت مجددؒ کی خانقاہ کے حجرے میں سُلا دیا گیا۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے ان کے دیکھنے کا اشتیاق ظاہر کیا تو آپ بڑی رقت سے دو آدمیوں کی گردن میں ہاتھ رکھ کر زنانے کے اندر گئے اور اپنی والدہ ماجدہ اور تمام اعزا سے پوری رخصت حاصل کر کے واپس اسی حجرے میں آ گئے۔ لیٹتے وقت خود کو خطاب کر کے انھوں نے کہا کہ " ایسے سو جاؤ جیسے دولہا سوتا ہے" دوسرے دن پورے حضور اور استغراق کے ساتھ دنیا سے رخصت فرمائی۔ اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعون۔

حضرت مجددؒ نے اس پاکیزہ طینت کے لیے تین فاخرہ کپڑے (لفافہ قمیص در ازار)

لہ مکتوبات دفتر اوّل ۳۰۶۔ یہ مکتوب مولانا محمد صالح کے نام ہے لیکن شروع کے جملے اس میں نہیں ہیں۔

حسبِ عادت، تکفین کے لیے مہیا فرمائے اور دفن کے متعلق متردد تھے کہ آیا اپنے والد ماجد کے قریب جو شہر سے باہر ہیں دفن کیا جائے یا کسی دوسری جگہ۔ چنانچہ آپ نے استخارہ فرمایا اور اس طرح آپ کو حکم ہوا کہ اس حویلی کے صحن میں کہ جہاں وہ مخدوم زادہ رہا کرتے تھے دفن کیا جائے اور اس صحن میں بھی جگہ معین فرمادی (اور اس مقام کی بزرگی حضرت مجدد کے مکتوبات سے عنقریب نقل کروں گا۔ انشاء اللہ) اور ایک مدت تک اُن کی قبر خام رکھی گئی اور ایک احاطہ اُس کے گرد کر دیا گیا۔ اس کے بعد حضرت مجدد کا خیال ہوا کہ چونکہ میرے فرزند کی قبر، عمارتوں کے درمیان واقع ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ اس جگہ ایک گنبد بنا دیا جائے اور انبیاء علیہم السلام کی متابعت کی جائے اس بناء پر اس قرۃ العین کی قبر پر آپ ہی نے گنبد تعمیر کرایا چنانچہ اس مخدوم زادہ کی قبر اس کے وسط میں بلکہ مائل بہ قبلہ واقع ہوئی۔

کرامت — جب حضرت مجدد کا وصال ہوا تو آپ کی قبر شریف مخدوم زادہ (محمد صادق) کی قبر سے جانبِ قبلہ کھودی گئی اور وہاں آپ کو خزانہ کی طرح خاکِ پاک میں رکھا گیا اور قبر ٹھیک کی گئی۔ ہم نے خود دیکھا ہے کہ یکایک مخدوم زادہ کی قبر شریف اپنے والد ماجد اور پیرِ دستگیر کی تعظیم میں کسی قدر پیچھے ہٹ گئی ہے اور جانبِ مشرق آگئی ہے کہ وسطِ گنبد کا طاق دونوں قبروں کے درمیان آگیا۔ یہ واقعہ جس نے دیکھا وہ حیران ہو گیا۔ اور یہ ایک عظیم کرامت اس مخدوم زادہ کی ہے۔

اس طرح کی کرامات پہلے کے بزرگوں سے بھی صادر ہوئی ہیں — چنانچہ لکھتے ہیں کہ جب حضرت قاضی حمید الدین ناگوری پر نزع کا وقت آیا تو حضرت قطب الدین بختیار کاکی اوشی کی محبت کے غلبے سے انھوں نے یہ وصیت کی کہ مجھے حضرت خواجہ قطب الدین کے قدموں میں دفن کرنا (لیکن) جب قاضی صاحب کی قبر حضرت خواجہ قطب الدین کے قدموں کی طرف بنائی تو حضرت خواجہ کی قبر، قاضی صاحب کی تعظیم کے لیے کہ وہ استاد تھے ٹیڑھی ہو گئی اور قبر کی پائینتی کا حصہ دوسری طرف کو ہو گیا۔ وہاں کے دیکھنے والوں نے یہ واقعہ دیکھا ہے اور اب بھی دیکھتے ہیں اور اس حقیر نے بھی دیکھا ہے۔

یوں بھی منقول ہے کہ حضرت شیخ احمد جام کے ایک فرزند کا انتقال ہوا تو حضرت شیخ نے ایک درویش سے خواب میں فرمایا کہ ہمارے اس جگر گوشہ کو ہمارے سرہانے رکھیں کہ وہ ہمارے سر کا تاج ہے۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں اس کو حضرت شیخ کے سرہانے دفن کیا جانے لگا۔

لیکن جب اس کو قبر میں اتار کر لٹا دیا گیا تو اس نے اپنے جدِ امجد کی تعظیم کے لیے اپنے پاؤں کھینچ لیے اور زانو سینے سے لگا لیے۔ یہ بات حاضرین نے مشاہدہ کی۔

حضرت مجددؒ نے اپنے ایک مکتوب میں اس زمین کی شرافت جس میں وہ مخدوم زادہ آسودہ ہیں اس طرح بیان کی:

"اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی تصدیق کے مطابق، شہر سرہند گویا میری (ہمیشہ کی) زندگی کی سرزمین ہے کہ میرے لیے گھر کنویں پر کر کے بلند کیا گیا ہے اور اکثر شہروں اور مقامات پر اس کو بلندی عطا کی گئی ہے اور اس سرزمین میں ایک نور امانت رکھا گیا ہے جو (اللہ تعالیٰ کے) نور بے رنگ و بے کیف سے مقتبس ہے اور اس نور کے رنگ میں ہے جو بیت اللہ کی سرزمین سے درخشاں ہے۔ میرے سب سے بڑے فرزند مرحوم کے انتقال سے چند ماہ پہلے یہ نور مجھ پر ظاہر کیا گیا اور اس فقیر کی جائے سکونت کے ایک گوشے کی اس میں نشاندہی کر کے ایک بلند نور اس طرح دکھایا گیا کہ صفت نشان کی گرد اس کو نہ لگی تھی اور وہ کیفیات سے منزہ و مبرا تھا۔ اس وقت مجھے آرزو پیدا ہوئی کہ میں اس زمین میں دفن کیا جاؤں اور وہ نور میری قبر میں چمکتا رہے۔ یہ بات میں نے اپنے فرزند اعظم پر ظاہر کی جو صاحب اسرار تھا اور اس سے میں نے اس نور اور اپنی آرزو کے متعلق بھی بتایا۔ اتفاق یہ ہوا کہ میرا فرزند مرحوم اس دولت میں سبقت لے گیا اور خاک کے پردے میں اس نور کے دریا میں مستغرق ہو گیا۔

مبارک منعموں کو اپنی دولت مبارک عاشقوں کو سخت کلفت

اس سرزمین کی شرافت یہی ہے کہ یہاں میرا فرزند اعظم جو اکابر اولیاء میں سے ہے آسودہ ہے۔ ایک مدت کے بعد ظاہر ہوا کہ وہ نور اس فقیر کے انوار قلبیہ کا ایک لمعہ ہے جو اس سے مقتبس ہو کر اس زمین میں روشن کیا گیا ہے جس طرح کہ چراغ کو مشعل سے روشن کیا جاتا ہے۔ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللَّهِ کہہ دو کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔ اللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ......"[1]

---

[1] مکتوبات۔ دفتر دوم۔ ۲۲

اس صاحبِ کمال کے انتقال کا دن، ماہ اور سال "روزِ دوشنبہ نہم ربیع الاول" (۱۰۲۵ھ) سے ظاہر اور ہویدا ہے۔

حضرت مجددؒ نے اپنے رفقاء درویشوں کے ساتھ صبح کو اس فرزندِ بزرگوار کے مزارِ مبارک پر حلقہ فرمایا ــــ لیکن اس دن مزار کو اس مبارک روح سے خالی پایا تو آپ نے دوشنبہ کی صبح کو حلقے کے لیے منتخب فرمایا اور اس قرۃ العینؒ کی ترقی درجات کے لیے آپ توجہات فرماتے تھے اور اس طرح اس جگر گوشہ کو نہایت النہایہ کی بلندی تک پہنچا دیا اور حالاتِ عجیبہ اور مشاہداتِ غریبہ اس فرزندِ گرامی کے احوال سے متعلق جو برزخِ صغریٰ (قبر) سے معلوم ہوتے تھے۔ آپ بیان فرمایا کرتے تھے اور آپ یوں بھی اظہار فرماتے تھے کہ یہ فرزند ہر لحظہ عجیب انوار و آثار کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے اور محبت الٰہی سے متعلق اسرار و رموز خوش خوش بیان کرتا ہے۔ اللہ پاک اُن کو اپنی رحمت میں چھپائے اور ہم کو اُن کی برکتوں سے مستفیض فرمائے۔ آمین [1]

(۲) حضرت خواجہ محمد سعید سلمہ المجید [2]

آپ حضرت مجددؒ کے دوسرے فرزند ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت ماہ شوال ۱۰۰۵ھ میں ہوئی۔ چھوٹی عمر ہی سے آثارِ ہدایت و کرامت آپ کی پیشانی سے ظاہر تھے اور بچپن ہی سے اطوارِ ولایت و ہدایت آپ کے چہرۂ مبارک سے ہویدا تھے۔ چنانچہ حضرت مجددؒ فرماتے تھے کہ محمد سعید چار یا پانچ سال کے تھے کہ بیمار ہوئے۔ اس بیماری کی حالت میں ایک روز میں نے اُن سے دریافت کیا کہ کیا چاہتے ہو؟ بے اختیار اس کی زبان سے نکلا کہ میں حضرت خواجہ (باقی باللہؒ) کو چاہتا ہوں میں نے یہ واقعہ حضرت خواجہ قدس سرہٗ کی خدمت میں عرض کیا تو فرمایا کہ تمہارے محمد سعید نے رندی اور حریفی سے … ہم سے نسبت حاصل کر لی ہے۔

… پ گہوارے سے اسرار … سعید آپ اپنی ماں کے پیٹ سے تھے

---

[1] مکتوبات … دفتر اول میں ۵ مکتوبات آپ کے نام ہیں: ۱۸، ۲۰۸، ۲۳۴، ۲۳۰، ۲۶۰

[2] خواجہ محمد سعید کا لقب خازن الرحمۃ ہوا۔ آپ کی ایک کتاب تحقیقات … مدینہ منورہ کے مکتبہ عارف حکمت میں محفوظ ہے … مشتمل بر تصوف و فقہ … ہیں۔

حضرت خواجہؒ جو مکتوبات حضرت مجددؒ کو تحریر فرماتے تھے اُن میں اپنی شفقت اور عنایت سے اس مخدوم زادہ کے لیے بھی دعا لکھتے تھے۔ اور حضرت خواجہؒ نے اپنے ایک مخلص کو اس طرح لکھا تھا کہ: "ان کے (حضرت مجددؒ کے) فرزند جو کہ ابھی بچے ہیں، اسرارِ الٰہی ہیں۔ عجیب استعداد رکھتے ہیں۔ مختصر یہ کہ شجرۂ طیبہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کو اچھی طرح تر و تازہ رکھے۔"

(یہ مکتوب حضرت مجددؒ کے درجات کے بیان میں اوپر آچکا ہے)۔

جب آپ سنِ شعور کو پہنچے تو علومِ ظاہری کی تحصیل میں مشغول ہوئے اور اکثر علوم حضرت مجددؒ کی خدمت میں حاصل کیے اور کچھ مولانا محمد طاہر لاہوریؒ سے اور کچھ اپنے بڑے بھائی خواجہ محمد صادق قدس سرہٗ سے پڑھے۔ اور سترہ سال کی عمر میں تمام علومِ متداولہ (عقلیہ اور نقلیہ) مکمل کر لیے۔ پھر کتب مغلقہ جیسے شرح حکمۃ العین، عضدی اور بیضاوی کا درس دینے لگے۔ آپ نے کئی کتابیں بھی تصنیف کی ہیں۔ چنانچہ مشکوٰۃ پر حاشیہ لکھا ہے اور مذہب حنفیہ کی تائید بہت لطافت اور متانت سے کی ہے۔ حاشیہ خیالی پر بھی حاشیہ لکھا ہے جو بہت متین ہے۔ اس میں اپنے خاص دقائق بھی درج کیے ہیں۔ اُن کے مطالعے سے علمائے وقت آپ کی علمیت کے بہت معتقد اور معترف ہوئے ہیں۔ ایک رسالہ آپ نے رفع سبابہ (تشہد میں) کی ممانعت میں بھی بہت متانت سے لکھا ہے۔

مناظرہ پر آپ کو پوری قدرت حاصل تھی کہ اکثر اکابر علماء معتبر سے آپ کا مباحثہ ہوا اور آپ غالب رہے اور اُن کو خاموش کر دیا۔ ناچار بعض علماء نے آپ کی تعریف و تحسین کی اور اپنی کوتاہی اور عجز کو آپ کی مدحت کے پردے میں چھپایا۔ علامہ افضل خان نے جو علوم عقلیہ میں پوری قدرت رکھتے تھے بعض قوی اعتراضات جن کو وہ ناقابلِ جواب سمجھتے تھے آپ کے سامنے رکھے، تو آپ نے عنایت خداوندی سے فوراً اور بلا تکلف نہایت صحت کے ساتھ اُن کی تشفی فرما دی۔ چنانچہ اُسی وقت وہ بادشاہ (شاہجہان) کے پاس آئے اور آپ کی تعریف اور توصیف کی اور کہا کہ شیخ محمد سعید جو حضرت مجددؒ کے فرزند ہیں وہ علم و فضل میں اپنے والد کی طرح ہیں۔ اور جب کبھی آپ بادشاہ کے یہاں کسی تقریب کے سلسلے میں جاتے ہیں تو بادشاہ آپ کے علاوہ کسی سے مسائل کا استفسار نہیں کرتا حالانکہ ہمیشہ اس کے دربار میں علماء اور فضلاء موجود رہتے ہیں۔

حضرت مخدوم زادہ (محمد سعید) اپنے والد ماجد کی طرح کمال تشریع اور تقویٰ سے آراستہ ہیں اور سنت سنیہ کی متابعت اور عمل بہ عزیمت سے پیراستہ ہیں، حسن اخلاق، انکساری، کلام کی نرمی، مخلوق کی دلجوئی، اپنی بے نفسی اور سخاوت آپ کے عام فضائل ہیں۔ قرآن پاک بھی آپ نے سند تجوید کے ساتھ پڑھا ہے اور حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں سند جید رکھتے ہیں۔ اسی طرح فقہ میں بھی کامل دستگاہ حاصل ہے۔ حضرت مجددؒ کو اگر کسی مسئلے کی تحقیق مطلوب ہوتی اور کبھی کتابوں کی تلاش کرنے کا موقع نہ ہوتا تو آپ سے اس کی تشریح چاہتے۔

آپ نے علوم ظاہری کی طرح کمالات نبوی بھی اپنے والد ماجد سے حاصل کیے ہیں اور بہ تکمیل کو کمال کے درجے تک پہنچایا ہے۔ بلکہ حضرت مجددؒ کی موجودگی میں اُن کی خلافت کے تحت آپ نے طریقے کی تعلیم بھی دی ہے اور طالبوں کی تربیت اور ہدایت بھی کی ہے۔ بلکہ حضرت مجددؒ نے آخر عمر میں تعلیم طریقہ بہت کم فرمائی ہے اور طالبوں کو آپ کے اور مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم کے سپرد کر دیا تھا اور ان دونوں مخدوم زادوں کے متعلق فرمایا تھا کہ "ہر قطب کے دو امام ہوتے ہیں اور تم دونوں امام ہو۔ محمد سعید نے انکسار کے طور پر اس بشارت کو محمد معصوم پر منطبق کر دیا اور خود کو صاحب یسار کہا۔[1]"

حضرت مجددؒ یہ بھی فرماتے تھے کہ "میں عروج و نزول کے کسی مقام پر محمد سعید کے بغیر نہیں گیا۔"

آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ "جب میرا نزول حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کے مقام میں واقع ہوا تو میں نے دیکھا کہ محمد سعید میرے ہمراہ تھے۔"

آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ "میں تم دونوں کو (محمد سعید اور محمد معصومؒ کو) ولایت احمدی میں پاتا ہوں اور بس۔"

مخدوم زادہ کلاں محمد صادقؒ فرماتے تھے کہ "میں نے حضرت مجددؒ سے محمد سعیدؒ کے لیے بہت

---

[1] فارسی متن میں ہے کہ "...... محمد سعید تواضع کردہ یسار را بہ محمد معصوم گزاشتہ خود صاحب یمین شد" (مولانا محبوب الٰہی) نے حاشیے میں لکھا ہے یسار اور یمین کے لکھنے میں کاتب نے مؤخر کو مقدم کر دیا ہے۔ راقم الحروف نے مولانا عرفان احمد صاحب کے ترجمے کو ترجیح دی ہے)

سی بشارتیں سنی ہیں۔ اُن میں سے ایک یہ ہے کہ جب آپ علمائے راسخین کے کمالات بیان فرما رہے تھے تو اس ضمن میں فرمایا کہ محمد سعید، علمائے راسخین میں سے ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ محمد سعید سابقین میں سے ہیں۔" اور اس مخدوم زادے نے اس نسبت کے حصول کے متعلق اپنے مکتوبات میں ذکر بھی کیا ہے۔

ایک روز حضرت مجددؒ نے فرمایا کہ:

"مجھ پر قیامت اور مریدوں کا پُل صراط سے گزرنا مکشوف ہوا۔ تو میں نے دیکھا کہ محمد سعید ہمارے آگے آگے جاتا ہے اور اپنے دستِ راست (یمین) میں اعمالنامہ رکھے ہوئے ہے۔ پھر ہم سب بہشت میں داخل ہوئے۔"

ایک روز آپ نے فرمایا کہ:

قیامت میں افاضۂ رحمتِ رحمانی مجھے (بھی) حوالے کریں گے اور اس کی تقسیم محمد سعید کے ذریعے (بھی) ہوگی۔"

حضرتؒ کی یہ بشارتیں محمد سعیدؒ کے حق میں سب سے بڑی عنایات میں سے ہے اور یہ بشارت اس بات کو بھی روشن کرتی ہے جو اس مخدوم زادہ کے خاص محرموں میں سے ایک نے بتائی تھی کہ (انھوں نے کہا تھا کہ) "میری سند کے بغیر کسی شخص کا داخلہ نہ ہوگا۔ اِلّا ماشاءاللہ۔"

ایک دن حضرت مجددؒ نے فرمایا کہ" اے محمد سعید، تم نے دائرہ نفیِ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قطع کرلیا ہے اور اب اس کے اثبات میں میرے ساتھ ہو۔"

مخدوم زادہ (محمد سعید) بیان کرتے تھے کہ ایک دن حضرت مجددؒ نے اپنے انتقال سے کم و بیش دو ماہ قبل فرمایا کہ" اکثر اوقات اسرارِ خاصہ مجھ پر ظاہر ہوتے رہتے ہیں میں کس سے بتاؤں کہ تم لوگ بعض اوقات حاضر نہیں ہوتے۔" میں نے اس روز سے درس و تدریس ترک کیا اور خدمت میں ہر وقت حاضر رہنا اور خدمت کرنا اپنے اوپر لازم کرلیا۔ (چنانچہ) حضورِ عالی میں ہر وقت مختلف عنایات اور بخششوں کا امیدوار رہنے لگا۔ اور ان دنوں میں اس قدر فیض اور مشاہدات نصیب ہوئے کہ ان کے مقابلے میں سابق عنایات کچھ بھی نسبت نہیں رکھتیں اور آپ نے خاص اسرار کے حرم میں مجھے بھی داخلے کی بشارت دی گئی کہ اس کی تفصیل بیان نہیں کی جا سکتی۔[1]

[1] فارسی متن میں یہ عبارت اس طرح ہے: "در حرم محترم اسرارِ خاصہ خویش، نوید محرمیت دادند کہ تفصیل آں گنجائش بیان نمی دارد۔ لیکن مولانا عرفان احمد انصاری کے ترجمے میں اس طرح ہے: "دو حرم محترم میں اپنے اسرارِ خاصہ کی محرمیت کی بشارت دی۔"

ایک روز فرمایا کہ "اے محمد سعید، تم میرے ضمن میں ہو اور تم ضمن میں ہونے سے گراں خاطر مت ہونا کیونکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں تھے۔"

اور یہ بھی حضرت قدس سرہ ارباب کمال (محمد سعیدؒ) فرماتے تھے کہ جب حضرت مجددؒ نے اپنے مرض آخر میں نماز کی امامت مجھے تفویض فرمائی تو اس زمانے میں نماز سے متعلق بڑے بڑے کمالات اور مقامات جو اسرار کی قسم میں تھے اور جو پوشیدہ رکھنے چاہئیں آپ پر ظاہر ہوتے تھے اور آپ فرماتے تھے کہ اے محمد سعید، چونکہ یہ تمام کمالات نمازوں کے نتائج ہیں اور تم نے امامت اس کی، کی ہے اس لیے ان مواہب عالیہ اور اسرار غامضہ میں تم کو بھی پورا پورا حصہ اور کامل حظ مرحمت ہوا ہے۔ الحمد للہ علی ذلک حمداً کثیراً

اور اس خلاصۂ خاندان ہدایت (محمد سعیدؒ) نے بتایا کہ چونکہ وبا (طاعون) کے زمانے میں حضرتؒ کو بہت سے حادثے پیش آئے کہ تین دن کے اندر بڑے بھائی خواجہ محمد صادقؒ اور چھوٹے بھائی محمد فرخ، اور محمد عیسیٰؒ اور دوسرے رشتہ دار رحلت کر گئے اور امراض کی شدت کی وجہ سے میری زندگی کی طرف سے بھی مایوسی تھی اس وجہ سے حضرتؒ کی خاطر مبارک میں بہت تشویش پیدا ہو گئی تھی اسی اثناء میں ایک رات آپ پر خاص الخاص تجلی اور مخصوص ظہور بارگاہِ الٰہی کی طرف سے وارد ہوا اور معلوم ہوا کہ یہ خردل اعلال آپ کی تسلی اور تسکین کے لیے ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ان عنایات اور الطاف کریمانہ کے ضمن میں (بارگاہِ خداوندی سے) حکم اقدس ہوا کہ محمد سعید اور محمد معصوم کو لائیں۔ وہ دونوں میرے زانو پر بٹھا دیے گئے۔ دونوں عمر رسیدہ اور سفید ریش تھے اور یہ حکم ہوا کہ یہ دونوں بیٹے تم کو عطا کیے گئے۔ دونوں بڑی عمر والے ہوں گے۔ پھر حضرت مجددؒ بہت خوش خوش اٹھے اور (سب کو) یہ خوشخبری سنائی۔ حالانکہ ان دونوں کی اس وقت عمریں بیس سال کی بھی نہ ہوئی تھیں۔

اور حضرت مجددؒ نے ان دونوں مخدوم زادوں کے بارے میں یہ بھی فرمایا کہ "تمہاری دنیا کو آخرت بنا دیا گیا۔" الغرض حضرت مجددؒ کو اس مخدوم زادہ (محمد سعیدؒ) پر بڑی شفقت، عنایت اور محبت رہی ہے اور خلوتوں اور جلوتوں میں اپنا دمساز ساتھی بنایا ہے اور باطنی حقائق اور خاص اسرار میں اپنا محرم راز کیا ہے۔ وہ ظاہری معاملات میں امانت دار، اچھے مشیر اور وکیل مطلق رہے ہیں۔

اور طاعات (عبادات) کی اعانت میں خدمت کرتے رہتے ہیں۔ اور تمام ضروری خدمتیں اور مناسب کارروائیاں جو معاش و معاد اور روایت و درایت سے متعلق تھیں اسی بلند مرتبہ فرزند سے سرانجام ہوتی رہیں اور حضرت مجددؒ نے ہمیشہ آپ کے حق میں اپنی زبان مبارک سے دعائیں دیں اور آپ کی مدح و توصیف کی۔ اسی طرح مختلف بشارتوں اور عنایتوں سے نوازا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مخدوم زادہ والا نژاد نے مسند ارشاد پر ظاہری اور باطنی استقامت کے ساتھ قدم رکھا ہے اور اپنے اوقات اس طرح تقسیم کیے ہیں:۔ فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد اور اس وقت کے وظائف ماثورہ سے فارغ ہو کر آپ حلقۂ ذکر میں بیٹھتے ہیں۔ اس کے بعد نماز اشراق ادا کر کے آپ موسم گرما میں شب بیداری کی کلفت دور کرنے کے لیے دو تین گھڑی آرام فرما کر آپ بیدار ہوتے ہیں اور وضو فرما کر نماز چاشت ادا کرتے ہیں اور پھر درس دینے لگ جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ زوال آفتاب کا وقت قریب آ جاتا ہے۔ پھر اول وقت میں نماز ظہر ادا کرتے ہیں اور پھر حلقے میں بیٹھ جاتے ہیں اور حافظ سے قرآن پاک سنتے ہیں۔ اس سے فارغ ہو کر پھر خود بھی آپ قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں اور کبھی آپ نماز ظہر سے پہلے قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں اور اس کے بعد پھر درس و تدریس میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وقت عصر آ جاتا ہے۔ پھر آپ تازہ وضو کر کے نماز عصر پڑھ کر وعظ فرماتے ہیں۔ بعض اوقات آپ نماز عصر کے بعد خلوت میں شام تک ہوتے ہیں اور مغرب کی نماز اول وقت میں ادا کر کے (یعنی فرض کے بعد) فوراً ساتھ ہی دو رکعت سنت ادا کرتے ہیں اور مغرب کا وظیفہ اور پھر اوابین ادا کرتے ہیں لیکن لمبی قراءت کے ساتھ۔ یہاں تک کہ عشاء کا وقت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مطابق، شروع ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد نماز عشاء ادا کر کے موسم گرما میں محل میں تشریف لے جاتے ہیں لیکن موسم سرما میں آپ تہائی رات گزرنے کے قریب نماز عشاء ادا کرتے ہیں اور اکثر اوقات آپ محل کے اندر عورتوں کو بھی وعظ فرماتے ہیں اور آخر شب میں تہجد کے لیے اٹھتے ہیں اور اس نماز میں لمبی لمبی سورتیں جہر کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اکثر اوقات تہجد کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے ہیں۔ ہر وقت کے وظائف اور اوراد ماثورہ پابندی سے پڑھتے ہیں اور آپ ادعیۂ غیر موقتہ کے بھی پابند ہیں۔ اس کے باوجود ہر روز پانچ ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ بھی پڑھتے ہیں۔ غرضیکہ اس قدر عبادت اور اوقات کی ایسی پابندی احاطۂ بشری میں (عموماً) نہیں آ سکتی۔ اس کے ساتھ آپ طالبوں کے ارشاد اور احباب

کے افاضے میں بھی مشغول رہتے ہیں اور طالبوں پر رشد و ہدایت کے آثار اور فیوض و برکات کے وصول کی علامات آپ جیسے خدا آگاہ کی توجہ کی برکت سے ظاہر و باہر رہتی ہیں۔ دور دور سے اس طریقے کے طالب لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی توفیق پاتے ہیں اور اعلیٰ کمالات و مقامات پر پہنچتے ہیں اور آپ جیسے خلاصئہ دودمانِ عرفان کی تصانیف میں سے آپ کے مکتوبات ہیں جو حقائق کا سمندر اور معارف کے موتیوں کا دریا ہے۔ ان مقالات (مکتوبات) میں سے چند کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے کہ قطرہ، دریائے زخار کی خبر دیتا ہے۔

قدسیہ ۔ حضرت حق تعالیٰ نے کثرتِ موہومہ کو وحدتِ حقیقہ کے شہود کا دریچہ بنا کر ہر خس و خاشاک کو جمالِ مطلق کے دیکھنے کے لیے ایک شاہراہ بنایا ہے تاکہ اُس کے لمعاتِ جلال کے کسی لمعے کے پرتو سے باصرۂ بصیرت میں غیر و غیریت کا کوئی نام و نشان اور کسی طرح کا اثر اور عین باقی نہ رہے اور اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ (بے شک میں متوجہ کرتا ہوں اپنا رُخ اس خالق کی طرف جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس طرح کہ اس کے غیر سے روگردانی کرتا ہوں اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں) کہتا ہوا اس مقصد کا متلاشی ہوا کہ اس کی عزت و کبریائی کا دامن خیال اور اوہام کی تراش سے بلند ہے اور ہماری عقلیں اُس کے کمال کے پردوں کے گرد حیران ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اصل الاصول کا ظل تمام گھر سے نکل کر اپنے آپ پر ظہور کرے اور ہم کو (بغیر ہمارے) اس میں سے کچھ حصہ مل جائے اور وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ (اور یہ بات اللہ کے لیے دشوار نہیں) [1]

قدسیہ ۔ (عربی کا ترجمہ) ۔ کیا تم نے نہیں دیکھا اے محمدؐ۔ خدائی مظہر اور وجوب و امکان کا جامع خط کا نام "اللہ" ہے جو اُس کی ذاتی اور اضافی شانوں کی طرف ہدایت فرماتا ہے۔ اس نے کس طرح اپنی شانوں کے سایے کو حقائق کو نیہ پر پھیلایا اور اُن کو خلعتِ وجود سے موجود بنا دیا۔ حالانکہ وہ اُس کے حضور محض عدم تھے پس عدمِ محض اس کے ارادے اور قدرت کے کمالات سے متعجب ہوا کہ وہ عدمِ محض سے وجودِ محض کیونکر بن گیا اور اس پر وجود کے احکام و آثار قائم ہوئے۔ وہ کیسی پاک ذات ہے جس نے برف میں آگ اور پانی کو جمع کر کے دکھایا۔ اور اگر وہ چاہتا ہے تو اُن لوگوں کا

---

[1] مکتوباتِ سعیدیہ۔ نمبر ۱۳

قول غلط ہو جاتا ہے جو شیونات الٰہی کے ظہور کے قائل ہیں۔ پھر سایہ کے پھیلانے کے بعد ہم نے سورج کو اس کے رب کی ذات عالیہ کے لیے راہ نما بنا دیا کہ اس نے دن کو ظاہر کر دیا اور عدم کی ظلمت کو دور کر دیا ؎

سورج اپنے وجود کی ہے دلیل   نفی کی کیا کہیں ملی ہے دلیل

پاک ہے وہ ذات جو اپنے ظہور کی کثرت کی وجہ سے مخفی اور نوری دونوں قسموں کے پردوں میں نہاں ہے اور اس مقام پر لفظ شمس غالباً اس مناسبت سے اختیار فرمایا ہے کہ اس کی کبریائی اور عزت و جلال کا تصور، شمس کی روشنی اور شعاعوں سے اس طرح ہے کہ شمس اپنی ذات اور اشیاء کے ظہور کی طرف رہنمائی کرتا ہے بعد اس کے کہ وہ (سورج) اس کے لیے دلیل بنے اور وہ راہ بھی دکھائے۔ ہم نے اس سایہ کو آسانی سے اپنی طرف سمیٹ لیا تاکہ وہ درجہ بدرجہ عروج کرے اور ترقی پائے [1] قدسیہ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اس مبارک کلام سے جو کلام مجید کے (ہر سورہ) شروع میں واقع ہے بہت سے اسرار متعلق ہیں۔ ان میں سے یہ بھی ہے کہ وہ مستعد طالبوں کے لیے تعلیم سلوک ہے اور منتہی عارفوں کے لئے تنبیہ ہے۔ گویا حرف با جو سلوک کی ابتدا کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور اس سے وجود سلوک ہے یہ بتاتا ہے کہ جب تک سالک پوری طرح اپنی خودی سے باہر نہیں آتا اور اپنے مطلوب میں فنا نہیں ہوتا اور مثل اس حرف کے نہیں ہو جاتا کہ اس کے ذاتی معنی کچھ نہیں سوائے دوسرے معنی کے اظہار کے اور اپنے وجود اور اس کے توابع (عرض) سے باہر نہیں آ جاتا کہ عرض اپنے وجود سے پہلے اپنا وجود اپنے جوہر میں رکھتا ہے، اس کا کام نہیں بن سکتا۔ اور جب کہ سالک اسمائے الٰہی کے کسی اسم کا مظہر ہوتا ہے اس لیے لامحالہ سالک کے ظلی وجود کی فنا اسی اسم میں واقع ہو گی اور چونکہ اسم اپنے مسمیٰ کے مقابلے میں کوئی وجود نہیں رکھتا اور اس کی حیثیت اپنے مسمیٰ کے مقابلے میں ایک دلیل کی جیسی ہوتی ہے اس لیے اس کا کام مسمیٰ میں منتج ہوتا ہے اور سالک کا معاملہ جو اس اسم سے ہے وہ اس کے مسمیٰ سے نسبت پیدا کر لے گا۔ اس وقت وہ جمع الجمع کی وسعت میں کہ اس سے الوہیت مراد ہے مستغرق ہو جائے گا۔ اور تجلی ذات جو کہ صوفیہ کی اصطلاح ہے سے مشرف ہو جائے گا اور بموجب اس حدیث کے کہ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ (جو اللہ کے لیے جھکتا ہے اللہ اس کو بلندی عطا کرتا ہے)

---

[1] ایضاً نمبر ۱۶

اُسے ہر مقام میں اس مقام کی مناسبت سے ایک وجود متحقق ہوتا ہے اور وہاں وہ بقا حاصل کرتا ہے اور چونکہ یہ مرتبہ بھی شیونِ الہٰی کی ایک جامع شان ہے اور حضرتِ اطلاق کا ایک پورا تعین ہے اس لیے اس مقام میں اس کا نصیب سوائے شان کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ ہر چند وہ اس کو ذات تصور کرلیتا ہے اور کثرت کو دور کرنے اور وحدت کو حقیقۃ الحقائق میں معتبر کرنے کے لیے کہ بموجب آیت اَلَا اِلَی اللّٰہِ تَصِیْرُ الْاُمُوْرُ (تمام امور اسی اللہ کی طرف پھر جاتے ہیں) وہ ایک مزہ ہے جو صرف اطلاق کو تصور کرتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تین۳ مبارک اسموں (اللہ، رحمٰن، رحیم) کی تکرار اس بات کو ظاہر کرتی ہو کہ ذات کبھی دائرۂ اعتبار سے باہر نہیں آتی۔ خصوصاً لفظ رحیم کے لانے سے اس بات کی صراحت ہوتی ہے، کیونکہ شرع کے دو اسم (اللہ۔ رحمٰن) کے لیے یہ شہرت ہے کہ وہ دونوں اسمِ ذات ہیں۔ ہاں ایسے ہیں لیکن مطلقاً نہیں۔ بلکہ وہ حضرتِ ذات کے قربِ خاص کے دوسرے اسماء سے نسبت رکھتے ہیں۔ آیہ کریمہ قُلِ ادْعُوا اللّٰہَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی[1] (آپ فرمادیں کہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو جو کہہ کر پکارو سب اسی کے اچھے نام ہیں) سے اس طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔ معلوم ہو کہ ایک عارف ان اسماء الحسنیٰ کی حقیقت میں وصول کے وقت یہ گمان کرتا ہے کہ اُسے اس کا مطلوب مطلقاً حاصل ہو گیا۔ لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ وہ مطلوب اپنے دائرۂ اسماء سے جو کہ حضرتِ ذات کے لیے دلیل ہیں ایک قدم باہر نہیں آیا ہے۔ الّا یہ کہ میرا رب ہی چاہے) اور وہی بہتر جاننے والا ہے (تمام امور کی حقیقتوں کو)[2]

قدسیہ۔ رباعی:

زلفش بکشی شب دراز آید ازو | چوں بگذاری چنگل باز آید ازو
دریک گرہ ز پیچ خمش بکشائی | عالم عالم مشک طراز آید ازو

کہا جاتا ہے کہ شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ (المتوفی سنہ ۴۴۰ھ) نے یہ رباعی قضا و قدر کے بیان میں کہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اسی وجہ سے اس سے آثارِ مغلق (مشکل) ظاہر ہوتے ہیں۔ جو کچھ میری ناقص سمجھ میں اس کا حل آیا ہے وہ یہ ہے کہ زلف سے مراد وحدتِ مطلق پر سے عالمِ تقیدات کی روپوشی ہے یعنی جب میرے وہ تعین قیود کو جو کہ ذات کے احکام و آثارِ اعیان کے ساتھ متجلی ہونے سے پیدا ہوتا ہے ہستیِ مطلق کے ظاہر پر آپ ڈال دیں اور مطلق کو آپ پوشیدہ کر دیں تو اس سے لمبی رات آجائے گی کیونکہ وحدت

---

[1] سورہ بنی اسرائیل - ۱۱۰   [2] مکتوباتِ سعیدیہ - ۱۷

کے پردوں میں آفتابِ احدیت کے روپوش ہونے کے بعد اعیان کے کواکب کا طلوع ہونا ضروری ہے اور جب آپ اُسے چھوڑ دیں (یعنی یگذاری) اور مطلق کو مطلق رکھیں اور قیود کو صرف اطلاق میں شامل کردیں تو ذاتِ حق جو جمیل مطلق ہے متجلی ہو جائے گی۔ باز کا چنگل (چنگلِ باز) حضرت محبوب علی الاطلاق کے شیدائیوں کے دلوں کے شکار کے لیے کہا گیا ہے ؎

(ذات میری ہے بس تجلّی ذات ‎ ‎ ‎ ذات نے روک دی ہے راہ صفات)

جو ظاہر ہوتا ہے اور تمام انفس و آفاق اور اعیان و آثار و افعال کا مرجع صرف ذاتِ احدیت کو پاتا ہے اور اَلَا اِلَی اللّٰہِ تَصِیْرُ الْاُمُوْرُ کی شراب سے حظ حاصل کرتا ہے پھر قضا و قدر کا راز ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ اُس کے تمام افعال صرف ذات وحدۃ الوجود کے ہوتے ہیں۔ اسی لیے وہ باعتبارِ اطلاق کے بسیطِ حقیقی ہے اور باعتبارِ تجلّی ثانی کے وہ خود کا مقتضی ہے اور باعتبارِ تجلّی ثالث کے وہ مقتضی ہے کہ خود بخود روپوش ہو کر خلق کو خود سے دور رکھتا ہے۔ ورنہ کون فاعل اور کس کا فعل؟ کہ وہ عینیت کو یاد کرے اور دورائیت کو اجاگر کرے ؎

خود کو چھپا کے خود کو ظاہر بھی کر دیا ہے
جس کے طلسم میں سب سرگشتہ ہو گئے ہیں

(رباعی کا ایک مصرع ہے)۔ دریک گرہ از پیچ و خمش بکشائی۔ یعنی اس کے مطلق ہونے میں جو عقدے پڑے ہوئے ہیں اُن میں سے اگر ایک عقدے کو تم کھول دو تو پھر ساری دنیا مشک سے معطر ہو جائے گی یعنی اعیان ظہور کے لیے جو مختلف الوان ہوتے ہیں وہ مشکل ہو گئے تو پھر مشک طرازی (کہ جس سے وہ سیاہی مراد ہے جو ذات کی بے رنگی سے عبارت ہے ظہور میں آئی) عجز اندھیرے میں ہوتا ہے آبِ حیات۔ اور جمالِ بے کیفی کے عطر سے تمام مشتاق لوگ محظوظ اور مدہوش ہو گئے واللہ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلَ (اور اللہ ہی حق کہتا ہے اور وہی صحیح راستے کی ہدایت کرتا ہے۔)[1]

قدسیہ: اللہ تعالیٰ اپنے جذب کی کمند ڈال کر ہم کو ہم سے رہائی عطا فرمائے اور اپنی حقیقت کی طرف رہنمائی فرمائے۔ جب تک محبوبِ مطلق تک پہنچنے کے لیے اختلافِ تعلقات اور تبدیلی اطوار حجاب نہ بن جائیں، دشواری اور سہولت، امیری اور غریبی، شدت اور نرمی، عنایت اور شفقت اس کے جمال اور جلال کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ شاید اس مطلع انوار کے لمعات میں سے ایک لمحہ بالشریت کے ظلال پر

---

[1] ایضاً۔ ۲۶

چمکے اور ہوّیت کا سورج، ظلال کے ٹیلوں کے پیچھے سے نمودار ہو، تو اس بے حس و حرکت جماد کے نام و نشان کو مٹا دے اور ایسے وجود کا شرف بخشے کہ جس کے پیچھے عدم نہ ہو اور جس زندگی کے بعد ... ت نہ ہو اور جس کے نور کے مقابل کوئی ظلمت نہ ہو۔" اور وہی ہے جو مینہ برساتا ہے بعد اس ... لوگ نا امید ہو جاتے ہیں اور اپنی رحمت کو پھیلاتا ہے اور وہی مالک حمد کے لائق ہے۔" [1]

قدسیہ: کبھی خیال آتا ہے کہ بعض صوفیہ محققین جو زوالِ عین کے قائل ہیں اور اثر کے قائل نہیں، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام عالَم، اسمائے الٰہی کا مظہر ہے اور اسی لیے کہا گیا ہے کہ "عالَم مجموعہ ہے چند اعراض کا جو عینِ واحد میں جمع ہو گئے ہیں۔" پس جب مستعد سالک اللہ تعالیٰ کی راہ میں قدم رکھتا ہے اور اُس پر ہدایت کا دریچہ کھل جاتا ہے تو یہ دقیقہ حل ہو جاتا ہے کہ حقیقت اس کی عدم کے سوا کچھ نہیں اور جسے وہ عین تصور کرتا ہے وہ محض پندار ہے۔ وہ کمالاتِ الٰہی ہیں جو اس میں جلوہ گر ہوئے ہیں اور وہ ان کو اپنی طرف سے سمجھتا تھا۔ جب سالک اپنی اصل کو پالے گا، تو پھر وہ اپنے عین کا نام و نشان بھی نہ پائے گا اور وہ تمام آثار کو اُن کے مالک کے سپرد کر دے گا اور اُن کمالات کی نفی کے کوئی معنی نہیں، کیونکہ کمالاتِ الٰہی کی نفی غلط ہے۔ (اب حال یہ ہوگا کہ) وہ نسبت جو اُسے موہوم خودی سے تھی وہ اب برطرف ہوئی اور اب وہ فضائے وجود میں سوائے اللہ پاک کے کمالات اور شیونات کے کوئی اور چیز نہ دیکھے گا۔ اور چونکہ شیون، ذی شان کا عین ہیں اور اُن کی گنتی کرنا محض وہم ہے اس لیے وہ ذاتِ واحد کو ہر نسبت اور اعتبار سے معرّیٰ پائے گا۔ ع

دار میں دار و الا لیس وہ ہے

وہ ایسا کہتا ہوا توحید کے دریا میں مستہلک اور مستغرق ہو جائے گا اور کثرت میں وحدت کا شہود اس معنی میں کہ عالم کے رنگا رنگ کے تعینات کا اضمحلال محض وحدتِ حقیقہ کی بساطت میں ہو جائے گا اور تمام ذرات میں سے ہر ذرہ کا آئینہ اُس جمالِ بے کیف کے لیے مستعد ہو جائے گا۔ الخ یہ اس طریقے سے ہٹ کر ہے جو حضرت مجدد کا ہے اور وہ اس بات میں امتیاز رکھتے ہیں کہ اُن کے یہاں عین اور اثر دونوں کو زوال ہے، کیونکہ آپ کے نزدیک، اگرچہ عالَم، اسمائے الٰہی کے مظاہر کا مجموعہ ہے۔ لیکن مظہر اپنے ظاہر کا عین نہیں ہو سکتا بلکہ وہ ایک تشبیہ (تصویر) کی طرح ہے کہ اُسے مرتبۂ حس میں ایجاد کر کے محسوس کرا دیا ہے۔ ورنہ خارج میں اس کی حقیقت بے نام و نشان

---

[1] سورۃ الشوریٰ آیت ۲۸

ہے۔ پس عارف پر اس حقیقت کے ظاہر ہونے کے بعد اور وجودِ مطلق کے غلبے کے وارد ہونے پر کہ جس کی حقیقت کے شیون ظاہر ہوں اس ضعیف اور اس کے آثارِ ضعیفہ کے نام و نشان اور عین و اثر کو باقی نہ چھوڑیں گے نَارُ اللّٰہِ الْمُوْقَدَۃُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَۃِ ۝ (آگ ہے اللہ کی سلگائی ہوئی جو دلوں پر چڑھ آتی ہے) کَانَ اللّٰہُ وَلَمْ یَکُنْ مَعَہٗ شَیْءٌ وَالْاٰنَ کَمَا کَانَ (اللہ ہی تھا اور اس کے ساتھ اور کوئی چیز نہ تھی اور اب بھی وہ ویسا ہی ہے جیسا کہ پہلے تھا)۔ اور ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ سے عالم کا متحد ہو جانا اور اس کا عین حق ہو جانا کوئی معنی نہ رکھے گا۔ اور (اس وقت) فنائے بندگی کی حقیقت جو تمام اعیان و آثار سے باہر آنا اور وجودِ مطلق میں ان سب کو محو کر دینا سے عبارت ہے محقق ہو گی۔ بخلاف تعریفِ سابقہ کے کہ محض فنا تو خودی سے نسبت رکھتی ہے نہ اس کی فنا سے۔

کہاں وہ راہ ہے دیکھو، مگر یہ راہ کہاں ہے

قدسیہ: سوال یہ ہے کہ حضرت مجدد نے مکتوبات (دفتر دوم مکتوب ۱۵) میں تحریر فرمایا ہے:

"وہ مراتبِ عروج جب تک کہ ایک دوسرے سے متمیز ہیں ایک مقام کی اصل سے دوسرے مقام کی اصل تک جاتے ہیں اور یہ تمام کمالات دائرۂ ولایت میں داخل ہیں اور جب یہ تمیز جاتی رہتی ہے تو یہ تفصیل بھی باقی نہیں رہتی اور معاملہ، اجمال اور بساطتِ صرفہ سے متعلق ہو جاتا ہے جو مقاماتِ نبوت کا آغاز ہے۔"

ولایتِ صغریٰ جو صفات کے ظلال سے تعلق رکھتی ہے اس میں ایک ظل دوسرے ظل سے متمیز رہتا ہے اس لیے اس میں تفصیل ثابت ہے۔ لیکن ولایتِ کبریٰ کا تعلق اصول صفات سے ہے اور اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ "اس مقام میں علم، عین قدرت ہے اور قدرت عین ارادہ ہے۔" اس لیے اس میں تفصیل کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ اس میں تکثر صرف تعبیر کے طور پر ہے اور اسی طرح ولایتِ علیا میں کہ جس کا تعلق شیون ذاتیہ سے ہے جو عین ذات ہے، تفصیل بہت دور ہے اور اگر بے چونی کی وسعت ملحوظ ہو تو حضرتِ ذات میں بھی وہ ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ ارشاد ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۔ تو پھر یہ فرق کس طرح ہے؟

جواب: صفات میں تمیز نہ کرنا جیسا کہ ابن عربی کا مذہب ہے جو صفات کی زیادتی کو ثابت نہیں کرتے، ایک امر موجب ہے، بخلاف حضرت مجدد کے طریقے کے کہ وہ یہ ہے کہ

معاملہ شیونِ ذاتیہ یوں سمجھا جائے کہ وہ شیون باوجودیکہ عین ذات ہیں مگر چونکہ وہ اصل صفات ہیں اس لیے اُن میں تمیز اور تفصیل، اطلاقِ صرفہ کی نسبت سے (بالکل) ممکن ہے، بخلاف حضرت ذات جَلّ وَعلا کے کہ وہ تمیز و تعدد کے تعلق سے مبرا ہے۔ پس سمجھ لو۔

قدسیہ۔ (آپ نے ایک عزیز کو تحریر فرمایا ہے:-)

ہم اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام پر اس کی حمد اور شکر ادا کرتے ہیں اور درود و سلام بھیجتے ہیں سید الانبیاء اور اُن کے آل و اصحاب پر قیامت تک کے لیے۔ حق تعالیٰ آپ کی ذات بابرکات کو اپنی عنایات سے اپنی حضوری میں مسرور رکھے کہ غیبت اس کے بعد کبھی نہ ہونے پائے اور احدیت کا ایسا شہود عطا فرمائے کہ اس میں کثرتِ موہومہ مزاحم نہ ہو۔ ایسا حضور چونکہ ایک کیفیت کے ساتھ وارد ہوتا ہے کہ غیر کا وجود اس کا مزاحم نہیں ہوتا، اس لیے ہمارے خواجگان (قدس اللہ اسرارھم) کے طریقے میں وہ جذبہ کی ابتداء ہی میں واقع ہو جاتا ہے اور اس میں سالک کو ایک قسم کا استہلاک اور اضمحلال حاصل ہوتا ہے اور کبھی اس حصول کا سبب سالک کی بے تعلقی عالمِ امر اور عالمِ خلق کے اجزاء سے ہے۔ قبل اس کے کہ وہ اس کا رسوخ پیدا کرے اور اس میں اس کو ملکہ حاصل ہو۔ اس طریقے میں اس کو وجود عدم کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ کہ حضرت خواجۂ بزرگ (بہاء الدین نقشبند) قدس سرہ نے اس کے متعلق فرمایا ہے کہ " وجود عدم، وجودِ بشریت[1] کی طرف عود کرتا ہے (لیکن وجودِ فنا، وجودِ بشریت کی طرف عود نہیں کرتا)۔ اور دوسرے مشائخ نے اس مقام کو تجلّیِ صوری کہا ہے اور اسی مقام میں توحیدِ صوری ہوتی ہے کہ سالک وحدت کے خیال میں کثرت کا مشاہدہ کرتا ہے اور اس سالک کا وجود کونی و مکانی ابھی اپنے ہی مقام پر ہوتا ہے۔ اگرچہ کہ وہ اس مقام میں اَنَا الْحَق اور مَا اَعْظَمَ شَانِی و سُبْحَانِی کہنے لگتا ہے۔ ع

دار میں دار والا بس وہ ہے۔ بس یہی پاس کا لقدر وقت ہوتا ہے لیکن چونکہ وہ سالک فنائے حقیقی

---

[1] مولانا عرفان احمد انصاری کے ترجمے میں ہے کہ " وجودِ بشریت کی طرف عود نہیں کرتا۔" لیکن مولانا محبوب الٰہی نے فارسی متن میں لکھا ہے کہ " وجودِ عدم، بوجودِ بشریت عود کند" پھر مؤخر الذکر نے قوسین میں جو عبارت اضافہ کی ہے اس کا ترجمہ بھی یہاں اوپر قوسین میں کر دیا گیا ہے۔

سے مشرف نہیں ہوا ہے اس لیے اُسے حقیقتِ وحدت سے آگاہی نہیں ہوتی اور وہ دائرۂ نقص سے باہر نہیں ہوا ہوتا اور اس کے حلق میں شرابِ معرفت نہیں ٹپکائی گئی ہوتی۔ اگر اللہ پاک کی عنایت بے غایت اس کی مدد نہ فرمائے اور وہ مرشدِ کامل تک اُسے نہ پہنچا دے (کہ اس مرشد کی نظر دوا ہے اور اس کی توجہ شفا ہے) تو خسارہ ہی اس کا نقدِ وقت ہوگا کہ وہ گردابِ صورت میں گرفتار رہ کر معنی کے ساحل تک نہ پہنچے گا۔ مبتدیوں کے ایک جمِ غفیر کو دیکھتا ہوں کہ وہ اسی توحید (صوری) میں آسودہ ہیں اور اکابر اولیاء کو بھی اپنے ہی میزان میں تول کر اسے کمال الکمال سمجھے ہوئے ہیں اور یہ تجلی صوری جس میں خدائے لایزال کے جمال کا مشاہدہ، صورتوں اور شکلوں میں ہوتا ہے اس سے زیادہ عام ہے کہ وہ صورِ حسی کے لباس میں ہے یا عینی میں ہے اور وہ الوان کے پردہ میں ظاہر ہے یا انوار میں۔ پس تجلی نوری بھی اسی تجلی صوری میں داخل سمجھی جاتی ہے اور یقین کے تین مرتبوں میں سے (علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین کے مرتبوں میں سے) اس صاحبِ حال کو صرف پہلے مرتبہ (علم الیقین) سے نصیب ملتا ہے اور اس کی سیر، سیرِ آفاقی میں داخل ہے کہ جسے بُعد در بُعد کہا گیا ہے اور سیرِ مستطیل بھی نام دیا گیا ہے۔

اور وہ جو کہا ہے کہ اس وجودِ عدم کے مناسب جو مقام ہے وہ تجلی صوری ہے، عینی نہیں تو وہ اس وجہ سے کہ ہمارے خواجگان قدس اللہ اسرارھم کے طریقے میں چونکہ اندراجِ نہایت، بدایت میں ہے تو پہلے ہی حال میں اُن کی نظر، احدیتِ ذات میں ہوتی ہے اور ان بزرگوں کا پہلا قدم جو وجودِ عدم سے تعبیر کیا جاتا ہے دوسروں کے نہایت النہایت کے مقام کا ہوتا ہے اور تجلی معنوی کی چاشنی سے جو کہ تجلی صفات اور تجلی ذات کی چاشنی سے جو کہ آخری تجلی ہے وہ اپنے طالبوں کو پہلے پہلے ہی لذت آشنا کر کے تربیت فرماتے ہیں ع مرے گلستاں سے میری بہار کو سمجھو (ان بزرگوں نے) فرمایا ہے کہ یہ حضور جب راسخ ہو جاتا ہے اور پوری قوت پکڑ لیتا ہے تو اُسے مشاہدہ کہتے ہیں اور وہ الفاظ جو دوسرے لوگ اس موقع پر استعمال کرتے ہیں وہ حلول و اتحاد کا وہم پیدا کرا دیتے ہیں اور تنزل و تقید پیدا کراتے ہیں جو بظاہر مخالفت کرتے ہیں شریعت بیضا سے۔ (در اصل) مشاہدہ اُسی نسبتِ مذکورہ کو راسخ کرنے سے عبارت ہے۔ اسی طرح دوسرے مقامات کے بیان میں بھی جیتر دراصل حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورۃً اور معناً رعایت کرنے کا دوسرا

نام ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب صفت شاہدی و مشہودی سے وہ حضور متبرا ہو جائے تو اس کا فنائے حقیقی نام ہوگا اور سالک اس وقت کُلُّ شَیْئٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ کے راز سے مشرف ہوتا ہے اور اُسے حیرت، جہل، اضمحلال اور استہلاک سے واسطہ پڑتا ہے اور کفرِ حقیقی اور مقامِ جمع کو وہ یہیں سمجھ سکتا ہے اور علم الیقین سے وہ اب عین الیقین کو پہنچتا ہے اور اب وہ حسنِ اسلام اور قبحِ کفر کی تمیز سے باز رہتا ہے اور اس طرح کہتا ہے:

ذرا کفر و ایماں کو یکساں تو دیکھو
کہ دونوں ہیں بس ایک دیواں کے دفتر

اور وہ سیر آفاقی سے سیر انفسی میں اور سلوک سے جذب میں پہنچتا ہے اور کون و مکان کے دائرے کو قطع کر کے اسمِ الٰہی سے واصل ہو جاتا ہے جو کہ اس کے تعین کا مبدا ہے۔ وہ پھر مزاحمتِ تفرقہ سے اور ظلِ کثرت سے نجات حاصل کرتا ہے اور اُس کا معاملہ حضرتِ وجوب سے پیوست ہو جاتا ہے اور وہ رد و ارتداد سے بچ جاتا ہے اور بشریت کی طرف رجوع کرنے سے بھی محفوظ ہو جاتا ہے۔

اور ہمارے خواجگان قدس اللہ اسرارہم کے طریقے میں طالب کی یہ نسبت، الف بے تے کا حکم رکھتی ہے اور پیر مقتدا سے اذکار سیکھنا گویا سلوک میں قدم رکھنا ہے۔ اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ ان بزرگوں کی پیشگاہ کس قدر بلند ہے اور اُن کی بدایت کیونکر نہایت میں مندرج ہے۔

(البتہ) ہمارے اس بیان (مذکورہ) سے کوئی یہ گمان نہ کرے کہ حسنِ اسلام اور قبحِ کفر میں تمیز نہ کرنے سے کفر لازم آتا ہے کہ اس طرح تو شریعت کے دائرے سے باہر قدم رکھنا ہوا۔ اور مشائخ نے فرمایا ہے کہ "جس حقیقت کو شریعت نے رد کیا ہے وہ زندقہ ہے" لیکن بات یہ ہے کہ کفر کے دو اعتبار ہیں۔ ایک اعتبار کفر کا پیدا کرنا ہے جس کا تعلق خالق سے ہے اور دوسرا اس کا کسب کرنا ہے جس کا تعلق بندے سے ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ خلقِ کفر، قبیح نہیں اور وہ صاحبِ فنا جو مزاحمتِ کثرت سے خلاصی پالیتا ہے وہ جمع حقیقی میں پہنچ جاتا ہے۔ یقین ہے کہ اس کا مشہود ایسی حالت میں وہی اعتبارِ اوّل ہے۔ پس وہ اس کفر کے قبیح ہونے کا حکم کیونکر دے گا اور وہ اعتبار جو ملحوظ ہی نہیں ہے اس پر وہ کیونکر قبیح ہونے کا حکم دے گا۔ اور اُسے کس طرح متمیز کرے گا؟ اس کے بعد اگر سالک ہوش میں آجاتا ہے اور وہ حضور جو اس نے اپنے

وجود سے زائل کر دیا تھا حق تعالیٰ سے منسوب کر دیتا ہے اور جب وہ جان لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود بخود حاضر ہے تو وہ فنائے حقیقی سے مشرف ہو جاتا ہے اور حیرت و جہل سے گزر کر علم کے دائرے میں آجاتا ہے اور وہ جمع سے فرق بعد الجمع میں آنے کی سعادت حاصل کرتا ہے اور اس کی فنا اُسے بقاء کا ثمرہ بخشتی ہے اور علم اور عین کے سکر کی تنگی سے اُسے اب حق الیقین کی وسعت حاصل ہوتی ہے اور حقیقت اسلام سے آراستہ ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ: ع کفر و اسلام پہ مائل ہے یہ دل —— اس کے بعد کسی کو شہودِ احدیت سے کثرت میں پہنچا دیتے ہیں اور توحیدِ وجودی میں محفوظ رکھتے ہیں۔

ایسے لوگ کہتے ہیں کہ جو کچھ عرصۂ وجود میں ہے وہ خدا کی ہستی کے ساتھ اس کی عین ذات ہے اور وہ ذات واجب ہے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کی ہستی اس کی ذات کے علاوہ ہوتی تو وہ ذات غیر حق ہوتی کیونکہ یہ دو چیزیں ایک دوسرے کے مختلف ہوتی ہیں پس (اس طرح تو) ذاتِ الٰہی محتاج غیر کی ہوتی اور احتیاج، ممکن الوجود کی علامت ہے اور وہ محال ہے اور واجب الوجود کے ابطال کے لیے مستلزم ہے۔ اس لیے اس کی ہستی اس کی عین ذات ہو جائے گی۔ ممکن کا وجود چونکہ اس کی ذات سے نہیں ہے اس لیے اس کی ہستی اس کے علاوہ ہوگی (اس کی حقیقت پر زائد ہوگی) پس وہ زائد یا تو ممکن کا عارض ہے یا اس کا معروض۔ اصحابِ ذوق نے ازراہِ وجدان یہ معلوم کیا ہے کہ حقائقِ ممکنہ، عوارض ہیں اور وہ وجود جو کہ ہستی ہے معروض ہے کیونکہ وہ قائم بالذات ہے اور اس کا ماسوا اس کے ساتھ قائم ہے اسی لیے فرماتے ہیں کہ "عالم اعراض ہیں جو ایک ذات میں مجتمع ہیں۔" اس لیے ظاہر ہے کہ وجود چونکہ مبدء آثار ہے اس لیے ضرور موجود ہے اور اگر وہ ممکن میں عارض ہو تو وہ وجود کے ساتھ موجود ہوگا جو وجود کا عارض ہے۔ اسی طرح وجود الوجود ہوگا یعنی وجود الوجود کا بھی ایک وجود ہوگا اور اس طرح تسلسل لازم آئے گا اور یہ باطل ہے۔ پس وجود کی عارضیت بھی باطل ہوگی اور وہ (وجود) معروض ہوگا۔ اور وجود کے عارض ہونے کی صورت میں یا تو وجود کے بانی کا اثر نفسِ وجود میں ہوگا، یا مرتبۂ اتصاف میں ہوگا اور یہ دونوں صورتیں باطل ہیں۔ جیسا کہ کتبِ معقول میں اس کی صراحت ہے (مع اس کی اچھائی اور اس کے غیر کے)۔ اور جب وجود معروض ہوا تو ثابت ہو گیا کہ عرصۂ کائنات میں ذات موجودہ صرف حق تعالیٰ کی ہے اور اس کے علاوہ کوئی وجود نہیں ہے اور جو امور ہیں وہ حضرت وجود ہی سے نسبت رکھتے ہیں جو موجودِ حقیقی ہے اور اس کا وجود اس کی ذات سے ہے۔ کیونکہ اگر (ممکنات) موجودِ حقیقی ہوں تو اُن کا وجود عین ذات ہوگا یا عارض فی ذات

ہوگا اور یہ دونوں صورتیں ممتنع ہیں۔ اس لیے ممکنات کا وجود حضرتِ ذات ہی کی طرف منسوب ہوگا۔ اور اپنی ذات میں معدوم ہوگا۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ "یہ عوارض اسی وجودِ مطلق سے ظاہر ہوتے ہیں"۔ اور جب یہ اُس ہستی سے نشوونما پائے ہوئے ہیں تو اُن کے کمالات بھی اس میں مندرج ہوں گے۔ کیونکہ اُس کے بغیر اُن کا تحقق ہی نہیں ہے۔ پس وہ کمالات اسی میں مندرج ہوں گے کیونکہ مرتبۂ اطلاق میں اُن کی تمیز نہیں (یعنی متمیز نہیں ہیں) اور وہ تنزّلِ علمی میں متمیز ہو کر حقائقِ ممکنات بنے اور یہ حقائق جو متمیز علمیہ ہیں حضرتِ وجود یعنی ذاتِ واجب سے ایک مجہول الکیفیت نسبت پیدا کر کے ظاہر وجود کے آئینے میں منعکس ہوئے اور ہیئت نما آئینے کی طرح ظاہر ہوئے اور چونکہ یہ کمالات جو کہ حقائقِ ممکنات ہیں مرتبۂ اطلاق میں عینِ مطلق ہیں اور وہ مطلق، مرتبۂ تقیید میں اُن کا عین ہے۔ اس لیے عینیت کا حکم لگایا گیا اور کہا گیا ہے:

بتوں کی شکل میں جو رہزنِ عشاق ہے وہ ہے | نہیں بلکہ وہی جو مظہرِ آفاق ہے وہ ہے
ہر اک شے جو کہ اس دنیا میں ہے تقییدی وہ ہے | حقیقت میں جو سب کچھ از رہِ اطلاق ہے وہ ہے

کسی اور نے بھی کہا ہے:-

مٹ گیا غیر اس کی غیرت سے | اس لیے وہ ہر اک کا عین ہوا

(تاہم) اس بیان سے کوئی شخص یہ وہم نہ کرے کہ وحدت کے ساتھ کثرت متحد ہو گئی یا وحدت نے کثرت میں حلول کر لیا۔ کہ یہ باتیں متفقہ طور پر کفر میں داخل ہیں۔ کیونکہ حلول اور اتحاد دونوں اس وقت متصور ہو سکتے ہیں جب کہ وجود متکثر ہوں۔ اور وحدتِ وجود میں ایسے اوہام مرفوع و متروک ہو جائیں۔ قدوۃ الاحرار شیخ فریدالدین عطار قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

کفر ہے بے شک حلول و اتحاد | گو کہ وحدت سے ہے تکرار آشکار

چنانچہ زید کی صورت جب مختلف آئینوں میں ظہور کرتی ہے تو آئینوں کی شکلوں اور رنگوں کے اختلاف کی وجہ سے اس کی کئی صورتیں نظر آتی ہیں۔ حالانکہ موجودِ خارجی صرف زید کی ایک ذات ہے۔ جس کے عکس اور تخیل نے متعدد آئینوں میں ظہور کیا ہے اور زید کی ان خیالی صورتوں کی کثرت سے زید کی ذات میں کثرت لازم نہیں آتی اور حلول و اتحاد کا شائبہ بھی پیدا نہیں ہوتا۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (اور اللہ کی شان سب سے بلند ہے)۔ ہماری اس تقریر میں موجودِ خارجی صرف ذاتِ احدِ حقیقی ہے

جس میں کثرت کی کوئی گنجائش نہیں اور تعدد کو بھی وہاں دخل نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ آئینوں میں کمالات کے انعکاس سے اور صفات کے آئینوں میں ظہورِ ذات سے بطون میں سے شعبدۂ کثرت ظہور میں آیا ہے۔ عارف جامی قدس سرہ فرماتے ہیں : (ترجمہ)

ممکن تو لمنائے عدم سے نہیں الگ | واجب کا جلوہ گاہ عیاں میں نہیں ہے گام
حیرت میں ہوں کہ کیسا یہ نقشِ بدیع ہے | منظر میں آکے ہو گیا منظورِ خاص و عام
بادہ بھی اور جام بھی پوشیدہ ہے مگر | ہے عکسِ بادہ جام میں، بادہ میں رنگِ جام
جامی معاد و مبدأ میں وحدت سے جلوہ گر | کثرت میں ہم پڑے ہیں مگر آپ، والسلام

یعنی ذاتِ حق تعالیٰ نے ذاتِ ممکنات کی آئینہ داری کی ہے اور ممکنات کے حقائق نے ذاتِ واحد قہار کے آثار سے انعکاس قبول کیا ہے۔

سوال — جب کثرت، موہوم ہے تو پھر شریعت کہ جس کی بنا اس کثرت پر ہے کس طرح قائم ہوگی؟

جواب — کثرت اس معنی میں موہوم نہیں کہ وہ محض من گھڑت اور محض خیالی ہے کہ وہم کے اٹھتے ہی وہ بھی اٹھ جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مرتبۂ اطلاق میں اس کا نام و نشان نہیں اور مراتبِ تقییدات کا مرتبۂ اطلاق میں کوئی تحقق نہیں۔ لیکن چونکہ مراتبِ تنزلیہ[1] میں صنعتِ خداوندی سے وہ علمِ الٰہی سے متعلق ہے اس لیے وہ ارتفاعِ خیال کے زوال سے محفوظ ہے اور اس اعتبار سے اس عالم میں وہ مکلف ہونے کا مقام بنا اور دار القرار (آخرت) کے لیے ثواب و عذاب کا مدار قرار ہوا۔

مختصر یہ کہ ہمارے بزرگوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ مختلف مراتب میں مقتضاد احکام کے ساتھ ظاہر ہوا۔ مرتبۂ اطلاق کے احکام ایسے ہیں جو مرتبۂ تقیید میں گویا صحیح ثابت نہیں۔ اسی طرح مرتبۂ تقیید کے احکام بھی بارگاہِ اطلاق میں غیر صادق ہیں ؎

ہر مرتبہ، وجود کا رکھتا ہے حکم الگ | زندیقیت ہے حفظِ مراتب اگر نہیں

---

[1] مولانا عرفان احمد انصاری نے اس کو مراتبِ تنزیہیہ پڑھا ہے

مثلاً حقیقتِ انسانی جس کے مرتبۂ اطلاق میں اپنے الگ احکام ہیں وہ اپنی ذات میں احکام سے مبرا ہے۔ لیکن تقیید و تعیین کے مراتب میں قیودِ شخصیہ کی وجہ سے متضاد اور مختلف احکام رکھتی ہے اگر حقیقت میں وجود اُسی حقیقت کے لیے ہے اور اشخاص کا یہ اختلاف صرف عوارض[1] کی وجہ سے نہیں جو اُس کی حقیقت میں موجود نہیں۔ لیکن اسی ایک حقیقت کو بحیثیتِ اطلاق حقیقی اور تقییدات ذہنیہ و خارجیہ کے، بہت سے آثار اور احکام ایسے ہیں جو ظاہر بین لوگوں کے لیے اُن اشخاص کے اختلاف کے لیے سبب و وہم بنے۔ اس میں شک نہیں کہ جس طرح اشخاصِ حقیقت انسانیہ آپس میں تمیزِ عارضی رکھتے ہیں اور حقیقت میں متحد ہیں، اسی طرح افرادِ حیوان بھی حیوانیت میں (ایک دوسرے کے) شریک ہیں اور فی الحقیقت حقیقی وجود اُسی حقیقتِ حیوانیہ کا ہے اور اختلافِ انواع بوجہ عوارض و اعتبارات کے ہے۔ کیونکہ وجود تو صرف مطلق کا ہے اور تقیید صرف اعتباری ہے۔ اسی طرح افرادِ جسم میں وجود حقیقتِ جسمیہ کا ہے اور اختلافِ جسم صرف اعتباری ہے اور اس کی مثال ایسی ہے کہ جوہر وجود کی جس میں وجود تو حقیقتِ بسیط کا ہے اور مراتبِ متنزلہ کہ جوہر میں اور جسم و حیوان و انسان اور اختلافِ اجناس و انواع و اصناف و اشخاص صرف وہمی ہے اور اس کے احکام و آثار کی مزاحمت جو اختلافِ مراتب کی وجہ سے ہے بالکل صحیح ہے اور اس میں کوئی اشکال لازم نہیں آتا اور اس کے لیے شہادت یہ ہے کہ موجود ہی جنس الاجناس کی حقیقتِ مطلقہ ہے جو تمام موجودات میں سرایت کیے ہوئے ہیں اور بہت سے ناموں کے ساتھ ظہور فرما ہے اور اس کی تقییدات صرف اعتبارات ہیں نہ یہ کہ انسان جسم ہے اور قضیہ صادقہ ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ دو ذہنی مختلف صورتیں کہ جو صورتِ انسان اور صورتِ جسم ہیں اپنے وجودِ خارجی میں آپس میں متحد ہیں اور جب انسان جسم ہے اپنے وجود میں متحد ہوا اور امرِ زائد کا محتاج نہ ہوا تو فی الحقیقت وہی جسم موجود ہوا اور تقییدِ انسانیت بھی اس سے زیادہ نہیں۔ اور جس طرح جسم کو اس قضیہ میں انسان کے ساتھ اتحاد ہوا اور قضیہ الحجر میں جسم کو حجر کے ساتھ اتحاد کی نسبت تھی تو انسان کو بھی حجر کے ساتھ مرتبۂ جسم میں اتحاد ہے بالکل بدیہی۔ پس تمام مقیدات، مطلق کے ساتھ متحد ہو گئے۔ اور اسی طرح مرتبۂ مطلق میں بھی باہم

---

[1] مولانا عرفان احمد انصاری نے یہاں اس طرح ترجمہ کیا ہے: "اور یہ اختلافِ اشخاص، عوارض کی وجہ سے ہے جو اس کے اجزائے حقیقت ہیں" لیکن ہم نے فارسی متن کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔

ہو گئے۔ (اس طرح) حقیقت میں وجود اُسی مطلق کے لیئے ثابت ہوا اور اس کے مقیدات، امورِ اعتباری ہوئے جو مراتبِ تنزل میں تعدد اور تکثر پیدا کر کے میدانِ ظہور میں آ گئے ہیں۔

یہ ہے ایک اجمالی بیان مسئلہ وحدۃ الوجود کا جو متاخرین صوفیہ کے طریقے کے مطابق ہے اور جو فی الحقیقت اُن کے کشف اور وجدان سے متعلق ہے اور اس پر دلائل اور براہین بطور تنبیہات بر بدیہیات ہیں۔ ہمارے قطب المحققین حضرت مجدد کے اس مسئلے پر مقالات مفردہ ہیں جو تحقیقاتِ فائقہ اور تدقیقاتِ عجیبہ ہیں اور جو کتاب و سنت کے مطابق ہے اور اہل سنت والجماعت کے اعتقاد سے موافق ہیں۔ آپ فرماتے ہیں :-

"سیر و سلوک سے مقصد لوازمِ بندگی حاصل کرنا ہے۔ الوہیت اور خداوندی حاصل کرنا نہیں ہے۔ اور نفس کی معرفت یہ ہے کہ خود کو ذلت اور احتیاج میں سمجھے اور اللہ پاک کا پہچاننا یہ ہے کہ اُسے کمال بے نیاز اور کمال قدرت جانے۔ ایک خاکروب جو ذاتی گندگی رکھتا ہے اور طبعی ذمائم والا ہے۔ وہ کیونکر سلطان ذی شان کا عین ہو سکتا ہے۔ پس عینیت کا حکم کیونکر تسلیم کیا جائے گا؟ اور وحدت و اتحاد کا قضیہ کیونکر پسندیدہ ہو گا؟ ہاں، حالتِ سکر اور غلبۂ حال میں تو ہو سکتا ہے کیونکہ "سُکر والے معذور ہیں"، ورنہ صحو و تمیز والے لوگ گندگیوں اور فضلات کا اتحاد اُس خالقِ زمین و آسمان کے ساتھ ہرگز تجویز نہ کریں گے، کیونکہ اس کا ذاتی وصف تقدسی ہے اور اُس کا ظہور صفاتی ستوجی ہے۔ اسی طرح مراتبِ تنزیہ اور مقاماتِ تشبیہ میں فرقِ اعتباری پر بھی اکتفا نہیں کر سکتے اور نہ عبودیت کو ربوبیت کے ساتھ ٹکرا کر عقل کی روشنی (دولت) کو کھو سکتے ہیں۔ اور وہ جو وحدۃ الوجود کو ثابت کرنے والے (جو عینیت کے قائل ہیں) کہتے ہیں کہ حقیقتِ واجب تعالیٰ اور تقدس ہستیِ مطلق، وجودِ بحت ہے اور اسی پر وہ مسئلہ، وحدۃ الوجود کی بنیاد قائم کیے ہوئے ہیں (اور اسی پر تو اعتراض اور مداخلت ہے) تو جب یہ بات مسلّم ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ اپنے وجود کے ساتھ موجود ہے اور ہستی کے ساتھ کائن ہے تو پھر کیونکر کہا جا سکے گا کہ ہستیِ حق، عینِ ذاتِ حق ہے؟"

قطب العرفا، شیخ علاؤ الدولہ سمنانی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ عالم الوجود کے اوپر عالم الملک الودود ہے یعنی جس طرح مقامِ اطلاق میں تمام اعتبارات کی گنجائش نہیں ہے اسی طرح وجود کو بھی اپنے تمام کمالاتِ ذاتیہ اعتبار کے باوجود اس بارگاہِ عالی میں بار حاصل نہیں۔ نہ عینیت کے لحاظ سے اور نہ زیادتی کے اعتبار سے — حالانکہ ان بزرگوں کے نزدیک حیات، علم، سمع، بصر، قدرت، ارادت اور تکوین سب صفاتِ حقیقی ہیں اور ان صفات کا وجود ذاتِ مقدس کے وجود پر زائد نہیں ہے، تب بھی یہ بات نہیں کہی جا سکتی کہ حقیقتِ واجب تعالیٰ علم ہے یا قدرت ہے یعنی جب وجودِ باری تعالیٰ اس کی ذات کے علاوہ نہیں تو وہ کیونکر حقیقتِ واجب ہوگا؟ یہ بات ظاہر ہے کہ کُنہِ ذاتِ واجب تعالیٰ، مجہولِ مطلق ہے اور یہ کہنا کہ حقیقتِ الٰہی، وجود ہے اور ہستی مطلق اس کے منافی نہیں ہے۔ حالانکہ موضوع کا تعقل، حکم لگانے میں ضروری ہے اور جب ثابت ہو گیا کہ حقیقتِ واجب تعالیٰ وجود کے علاوہ ہے۔ پس اس کا وجود، اس کی مصنوعات کے اعتبار سے جو اس سے صادر ہیں۔ ثابت ہوتا ہے پس اس صورت میں جب کہ وہ حقائقِ ممکنات کے لیے معروض ہوا اور مقیدات کونیہ کے لیے عارض ہے تو باوجود ان ممکنات اور مقیدات کی غیریت کے، اُن پر واجب کے ساتھ عینیت کا حکم کیونکر متصور ہوگا؟ البتہ اتنا ضرور ہے کہ جو کچھ عرصہ ظہور میں آیا ہے وہ ایک پرتو کی طرح ہے کمالاتِ انوار کا اور ایک ظل ہے اس کے شیون و اعتبارات کا — اور یہ ممکنات محض اُس کے جمال و کمال کے مظاہر ہیں — چنانچہ ہمیشہ جمالِ لایزال کی نظر ان ظلال نور الانوار کے سوا کہیں اور نہیں اور مظاہر کے آئینے اُن کے شہود کے میدان سے ساقط ہیں۔ اور اس کی حقیقت کے انوار کے ظلال اُس نور سے ہیں جو مشرق و مغرب سے مخصوص نہیں۔ پس مشہود اور مقصود، کثرت کے پردے میں سوائے واحد علی الاطلاق کے کچھ نہیں۔ صوفیہ کے ایک فرقے کو ان آئینوں کی روپوشی اور اصل کے ساتھ ظل کے کامل اتحاد نے عینیت کا حکم لگانے پر دلیر کر دیا ہے اور وحدت و اتحاد کا قائل بنا دیا ہے۔ اسی لیے انھوں نے کہا ہے: ؎

لہ متن میں ہے ”ہستی مطلق منافی بہ آنست۔“

کتاب کون کا ہر صفحہ دیکھا ۔۔۔ بجز حق اور شیونِ حق نہیں کچھ[1]

نگران حضرات نے تشبیہ مطلق کے امتزاج سے چھٹکارا نہیں پایا اور حضرتِ اطلاق تک رسائی کے لیے جرأت نہیں کی۔ اسی لیے کہا گیا ہے:

اپنے گل رُخ سے کہا میں نے کہ اے غنچہ دہاں ۔۔۔ چہرہ اپنا نہ چھپا ہر گھڑی، جوں عشوہ زناں
ہنس کے بولا کہ میں خوبانِ جہاں کے برعکس ۔۔۔ خود کو در پردہ عیاں رکھتا ہوں بے پردہ نہاں[2]

اگر یہ حضرات، تنزیہ حقیقی کے مقدس باغوں کی سیر کیے ہوتے تو ان چیزوں سے جو داغِ چونی و چندی سے داغدار ہیں منہ پھیر لیتے اور بے چونی کی طرف آگے بڑھتے اور تشبیہ کو تنزیہ سے مخلوط نہ کرتے وہ کلمہ لا سے سب کی نفی کرتے اور ابتداء ہی میں انھیں معلوم ہو جاتا کہ مطلق نے اطلاق کی بلندی سے تنزل نہیں فرمایا اور مقید بھی اپنے تقید کی انتہائی پستی سے انتہائی بلندی تک نہیں پہنچ سکتا۔ ہر چیز جو متنزل ہے اور تعین میں ہے وہ مطلق سے کوسوں دور ہے۔ کہاں مٹی کہاں رب ارباب! اور اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے حضرت واجب تعالیٰ کے غنائے ذاتی (بے نیازی) کا کوئی آئینہ متحمل نہیں ہو سکتا اور کسی آئینے کو اس کے مقابل آنے کی تاب نہیں۔ کیونکہ "حادث جب قدیم سے ملایا جاتا ہے تو پھر اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔" چنانچہ وجود کو (جو کمالاتِ واجب کے سب سے زیادہ خصوصی کمال سے متعلق ہے اور مبدءِ خیر بھی ہے) ممکن کے ساتھ (جس کے لیے عدم ذاتی لوازم میں سے ہے اور وہ شر کا مادہ بھی ہے) ثابت کرنا مشکل ہے سوائے اس کے کہ استعارات اور مجازات کا طریقہ استعمال کیا جائے۔ پس عالم کا وجود نمائشی اور خیالی سے زیادہ کچھ نہیں اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے آئینے میں کوئی صورت منعکس ہو جائے۔ لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ ثبوتِ عالم اگرچہ مرتبۂ حس اور نظر میں ہے لیکن چونکہ قادرِ مطلق کی صنعت اسی مرتبے میں اس کے ساتھ متعلق ہو کر قرار پکڑ چکی ہے اس لیے عالم کا زوال، حس اور خیال کے زوال سے محفوظ ہو گیا ہے اور مورد احکام صادقہ ہو گیا ہے۔ چونکہ وجودِ واجب تعالیٰ

---

[1] یہاں فارسی رباعی تھی۔ لیکن ایک ہی شعر میں اس کا مضمون آگیا ہے رباعی مولانا جامی کی ہے۔
[2] یہ فارسی میں رباعی ہے۔ یہاں قطعے کے وزن میں منظوم ترجمہ کر دیا گیا ہے۔

مرتبۂ خارج میں تھا اور عالم کا وجود، مرتبۂ حس و نمائش میں ہے، اس لیے وجودِ عالم کی نمائش سے وجودِ واجب تعالیٰ کی تجدید لازم نہیں آتی۔ کیونکہ تجدید تو اتحادِ مرتبہ کی خواہاں ہے۔ یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ زید کی تصویر جو آئینے میں ہے زید کے اُس وجود سے مُصادم نہیں جو خارج میں موجود ہے۔ پس اس بیان سے وحدۃ الوجود جس سے اثباتِ قدم اور رفعِ حدث کے معنیٰ نکلتے ہیں واضح ہو گیا اور توحید کی حقیقت روشن ہو گئی کہ نفی ماسوائے حق تعالیٰ کی ہے اور فنا کی حقیقت یہ ہے کہ وہ سالک کا نام و نشان، ذات و صفت و فعل سے متعلق، باقی نہ رکھے۔ نہ محض انتساب کی نفی جو بطورِ مشربِ اوّل حاصل ہوا اور جو صورتِ فنا ہے۔

سوال — وحدۃ الوجود والے حضرات، جمع بین التشبیہ والتنزیہ کے قائل ہیں تو چاہیے کہ اُن کا شہود پورا پورا ہو اور اُن کا ایمان سب سے کامل ہو۔ کیونکہ یہ حضرات، تنزیہِ حقیقی کے مرتبے کو مسلّم قرار دیتے ہوئے تشبیہ پر بھی ایمان رکھتے ہیں کیونکہ وہ مراتبِ تعیّن میں سے ہے اور اُسے وہ کمالِ مطلق کا آئینہ جانتے ہیں۔

جواب — ہم یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ ہماری تحقیق میں تشبیہ سے انکار اور مشاہدۂ کمال لایزال سے اس کے ظلال میں اعراض ہے۔ اطلاق کے سلسلے میں اختلاف کی بات عینیت اور اتحاد کا لفظ ہے جو تشبیہ اور تنزیہ کی بحث کے درمیان آتا ہے۔ ہماری تحقیق میں عالم، مظہرِ کمالات ہے اور مظہر، عینِ ظاہر نہیں ہے۔ لیکن وحدۃ الوجود کے مشرب والوں کے نزدیک اتحاد، عالم اور حق میں ثابت ہے۔ اس تشبیہ کو تنزیہ کے ساتھ ملا دینے سے ان کی ہمت کے دامن کو اطلاقِ حقیقی تک پہنچنے سے روک دیا اور کارخانۂ سلوک کو مراتبِ تعیّنات نے معطل کر دیا۔ چونکہ اعیانِ ممکنات کی تحقیق میں بات لمبی ہو گئی ہے اس لیے سننے والوں کی تکلیف کے خوف سے اس کی مزید تشریح کسی دوسرے وقت پر موقوف رکھی جاتی ہے۔ اگر اللہ پاک کو منظور ہے تو اس میں سے کچھ حال تحریر کیا جائے گا۔ والسلام

کرامت — (حضرت محمد سعیدؒ فرماتے تھے کہ) ہر بات جو ہمارے درپیش ہوتی تھی (اِلّا ماشاء اللہ) آپ (حضرت مجددؒ) اس کے وقوع سے قبل اس کے خیر و شر کی خبر ہم کو دے دیا کرتے تھے اور وہ بات آپ کے ارشاد کے مطابق ہی واقع ہوتی تھی۔ حضرت کی کرامات اور خوارقِ عادات

جو میں نے عمر بھر دیکھی ہیں اُن کا شمار اور اُن کی تعداد کرنا بہت مشکل ہے۔ (یہاں چند کرامات عرض کرتا ہوں) :-

جب میری نئی نئی شادی ہوئی تھی میں بالاخانے میں رہا کرتا تھا۔ ایک رات تاریکی میں وہاں تنہا تھا کہ کسی نے بہت زور اور قوت سے دروازے پر آواز دی۔ میں حیرت میں تھا۔ ہر چند میں نے پکار کر پوچھا کہ کون ہے؟ کوئی جواب نہ آیا۔ دل میں خیال آیا کہ اٹھوں اور دروازے کو کھولوں۔ چنانچہ میں آیا اور دروازہ کی کنڈی کھولی۔ میں دروازے کے تختے کو اپنی جانب کھینچتا تھا اور وہ شخص اپنی طرف کھینچتا تھا۔ حضرت مجددؒ دوسرے مکان میں تھے۔ اس وقت آپ نے مولوی صاحب کی آواز کرکے فرمایا: "محمد سعید" حضرت کی اس آواز کے سنتے ہی دروازہ کھل گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہاں کوئی نہ تھا۔ پھر میں نے دروازہ بند کر لیا اور سو گیا۔ علی الصباح جب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو قبل اس کے کہ میں رات کا واقعہ عرض کروں، آپ نے فرمایا کہ محمد سعید! وہ جن تھا کہ تمہارے ساتھ مزاحمت کر رہا تھا۔ میں نے آواز دی اور تمہیں اس کے چنگل سے خلاصی دلوادی۔

کرامت:- آپ (محمد سعیدؒ) فرماتے تھے کہ اس زمانے میں جب کہ میری شادی ہوئی تھی، حضرت (مجددؒ) نے فرمایا تھا کہ اس شادی سے تمہارے بیٹے ہوں گے لیکن پہلا بیٹا چار سال کا نہ ہونے پائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور مجھے پانچ بیٹے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے جن میں سے پہلا بیٹا چار سال کا ہونے سے پہلے ہی فوت ہو گیا تھا۔

کرامت:- آپ (محمد سعیدؒ) یہ بھی فرماتے تھے کہ اس زمانے میں جب کہ سرہند میں وبا (طاعون) کا غلبہ تھا۔ میرے بھائی خواجہ محمد صادقؒ، محمد فرخؒ اور محمد عیسیٰؒ اور میری بہن ام کلثومؒ اس وبا میں فوت ہوئے۔ ایک دن حضرت مجددؒ نے مجھ سے اور برادر عزیز محمد معصومؒ سے خطاب کرکے فرمایا کہ آج سحر کے وقت بارگاہِ صمدیت نے نزولِ اجلال فرمایا اور تم دونوں کو میری گود میں بٹھا دیا، محمد سعید کو داہنے زانو پر اور محمد معصوم کو بائیں پر اور اس طرح الہام فرمایا کہ ان دونوں کو تمہیں بخشا گیا۔ یہ بڑی عمر کے ہوں گے اور بوڑھے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو کہ سرچشمۂ فیض و افضال ہیں وبا کی بلا سے عافیت عطا فرمائی اور بڑی عمر والا بنایا اور بڑھاپے تک پہنچایا کہ ایک عالم نے اُن کی صحبت سے فیض و برکات

حاصل کیں اور ہر طرف کے شہروں کے لوگ آپ کی فیض بخشی کا حال سن کر ایسے طریقت اور حقیقت والے مرشدوں کی دولت سرا کی طرف متوجہ ہوئے۔

کرامت ۔ آپ (محمد سعیدؒ) فرماتے تھے کہ جس زمانے میں حضرت مجددؒ بادشاہ کی طلبی پر اکبر آباد (آگرہ) تشریف لے گئے تھے، میرے بچوں کی والدہ امید سے تھیں۔ آپ نے فرمایا تھا کہ حق تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا ہے کہ محمد سعید کے یہاں اس مرتبہ ایک بچی پیدا ہو گی فاطمہ سلطانہ اس کا نام رکھنا۔ پھر آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ (بچی کی وجہ سے) رنجیدہ نہ ہونا۔ یہ عنایات ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

کرامت ۔ بعض قریبی تعلق والے (محرم اسرار) حضرات نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ (اب سے بہت پہلے) حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید سلمہ اللہ تعالیٰ، بہت زیادہ بیمار ہو گئے تھے اور اُن کی بیماری نے بہت طول کھینچا تھا اور کمزوری و ناتوانی بہت زیادہ ہو گئی تھی۔ چنانچہ اطباء ان کے علاج سے عاجز آ گئے تھے۔ ایک روز حضرت (مجددؒ) نے راستے میں ایک کاغذ پڑا ہوا دیکھا، اُسے آپ نے اٹھایا۔ تو اس میں اللہ پاک کا نام لکھا ہوا تھا۔ آپ نے اس کو بوسہ دیا اور اُسے ایک پاک جگہ رکھ دیا۔ اللہ پاک کی بارگاہ سے آپ کو الہام ہوا کہ تم نے ہمارے نام کی تعظیم کی ہے اس لیے ہم نے تم کو تمہارا فرزند بخش دیا اور اس کی بیماری کو عافیت سے بدل دیا۔ پھر اس مخدوم زادہ نے فوراً صحت پائی۔

کرامت ۔ اس حقیر (بدرالدین سرہندی) نے واقعے میں دیکھا کہ گویا حضرت خواجہ محمد سعید سلمہ، بادشاہ ہیں اور گزرے ہوئے اولیاء اپنی ارواح کے ساتھ اور زندہ اولیاء اپنے اجسام کے ساتھ، بادشاہی امراء کی طرح صبح و شام کو آپ کے سلام کے لیے حاضر ہوتے ہیں اور یہ حقیر بھی دو مرتبہ آپ کے سلام کے لیے حاضر ہوتا ہے۔ ایک روز جب سلام کے لیے میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ کی جگہ ایک اور صاحب شوخ کپڑے پہنے ہوئے بیٹھے ہیں اور کوئی شخص ان کے سلام کے لیے نہیں آیا۔ میں اس کا سبب معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کیا معاملہ ہے۔ اتنے میں وہ صاحب اٹھے اور جلدی سے چبوترے سے نیچے اتر گئے۔ انھوں نے جس طرف توجہ کی میں نے دیکھا کہ حضرت خواجہ محمد سعید، شاہانہ حشم کے ساتھ آ رہے ہیں۔ وہ صاحب آگے بڑھے اور اُن کو سلام کیا اور ان کا

استقبال کیا۔ آپ (محمد سعیدؒ) اس حجرے میں آکر بیٹھ گئے۔ پھر سب لوگ آپ کے سلام کے لیے آئے۔

غرض کہ حضرت مخدوم زادہ (محمد سعیدؒ) کے درجات، کرامات اور خوارق عادات حدِ شمار سے زیادہ ہیں۔ کشفِ صدور اور کشفِ قبور بدرجۂ کمال رکھتے ہیں اور جو بشارات آپ دیتے ہیں آپ کے فرمانے کے مطابق، واقع ہوتی ہیں۔ ان سب کی تفصیل بیان کرنا دشوار ہے اس لیے یہاں صرف چند باتیں لکھی جاتی ہیں:

درجہ۔ ایک واقعہ جو راقم سطور نے ان دنوں دیکھا ہے وہ لکھتا ہے۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک وسیع صحرا ہے جس میں اولیاء، صلحاء اور تمام لوگ جمع ہیں اور آپ (محمد سعیدؒ) ایک تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں اور وہ سب کے سب آپ کی طرف رجوع کیے ہیں اور آپ ہی ان سب کے پیشوا اور مقتدا ہیں اتنے میں یہ عاجز آپ کی خدمت میں سلام کے لیے حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ اے شخص، ہم تمہارے منتظر تھے۔ پھر آپ نے ایک بڑا ڈبا چاندی کا، مینا کاری کیا ہوا مجھے عنایت فرمایا اور یہ فرمایا کہ اس میں مفرح دوا یاقوتی ہے جو بہت اعلیٰ قسم کی ہے۔ وہ مجھے بادشاہ نے دی تھی۔ میں تم کو دیتا ہوں۔ کھاؤ اور لوگوں کو بھی دو۔ پھر آپ کھڑے ہوئے اور گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ میں نے وہ ڈبا کھولا تو اس کے اندر ایک اور ڈبا نکلا جو چاندی کا تھا اور اس میں مفرح یاقوتی بھری ہوئی تھی۔ مخدوم زادوں میں سے شیخ لطف اللہ اور محمد فرخ شاہ نے اس میں سے ایک ایک انگلی لے کر چکھی اور پھر آپ سے جا کر مل گئے۔ اس کے بعد تمام لوگ اس فقیر سے اس مفرح کی تمنا میں رجوع ہوئے۔ میں نے وہ سب کو تقسیم کر دی لیکن وہ ڈبا اسی طرح بھرا رہا۔

درجہ ـــــــ آپ کے ایک مرید خواجہ محمد زاہد بیان کرتے تھے کہ ماہِ رمضان ۱۰۵۰ھ کے اخیر عشرہ میں ایک دن میں نمازِ اشراق کے بعد سو گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک باغ ہے نہایت پر فضا اس میں پھولوں کی کیاریاں ہیں اور ایک حوض دَہ دردہ ہے اور اس کے ایک گوشے میں ایک بلند بالاخانہ ہے جس پر حضرت پیرِ دستگیر یعنی خواجہ محمد سعید اور ان کے بھائی خواجہ محمد معصوم بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور خلق اللہ کے اعمالنامے آپ کے سامنے رکھے ہوئے ہیں اور ایک جماعت آپ کے قریب کھڑی ہوئی آپ کے احکام کی منتظر ہے۔ جب میں نے غور کیا تو اس باغ کو میں نے

آپ ہی کی مسجد پایا جس میں حضرات اعتکاف میں بیٹھے تھے۔ اور حوض کے کنارے میں اس کے شمال کی جانب ایسے نورانی زینے زمین سے آسمان تک جس طرح کہ انھوں نے چاہے ہیں کھڑے کر دیئے ہیں۔ اور وہ لوگ جو وہاں صاحب اہتمام ہیں لوگوں کے نام کا غذوں پر لکھ کر ان حضرات کے دستخط کرائے ہیں اور جس کسی کی مغفرت کرانا چاہتے ہیں اس کا کاغذ اوپر لے جاکر مہر کرا کے لاتے ہیں۔ اور اس کو خاص حضرات کی جماعت میں داخل کراتے ہیں۔ اور جس کسی کو یہ حضرات قابلِ مغفرت نہیں سمجھتے اس کے کاغذ پر دستخط نہیں فرماتے۔ اتنے میں یہ فقیر بھی پہنچ گیا۔ اور ان حضرات سے عرض کیا کہ مجھے بھی داخلِ مغفرت فرما دیں۔ ان حضرات نے اور اہل اہتمام نے بھی فرمایا کہ تم کو اور محمد حنیف اور شیخ فیض کو جو تمہارا ہم خانہ ہے بخش دیا گیا۔ یہ حقیر نے عرض کیا کہ ان حضرات کے فرزندوں کے لیے کیا حکم ہوا ہے؟ ارباب اہتمام نے بتایا کہ ان کے فرزندوں کو مع متعلقین سب کو بخش دیا گیا۔ دوسرے اور تیسرے دن بھی یہی واقعہ رونما ہوا لیکن اب ارباب اہتمام نے یہ بھی کہا کہ تم ان حضرات سے ہماری طرف سے عرض کر دو کہ ہم نے آپ کی اس قدر خدمت کی ہے لیکن ہم کو کوئی تبرک عنایت نہیں ہوا۔ جب میں نے اپنے پیر دستگیر سے یہ بات عرض کی تو انھوں نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کے لیے فاتحہ ہی مفید ہے۔ پھر آپ نے فاتحہ پڑھی اور دوسرے دن میں آپ کے حلقے میں مراقب تھا تو وہ جماعت حاضر ہوئی اور کہا کہ ہم کو ہمارا حصہ پہنچ گیا ـــــ

کرامت ـــــ وزیر خان مرحوم (لاہوری) کی اہلیہ نے کہ جو آپ (محمد سعیدؒ) سے اخلاص اور اعتقاد رکھتی تھی، آپ کو عریضہ لکھا کہ میرے معاملے میں توجہ فرمائیں کہ اللہ پاک مجھے بیٹا عطا فرمائے۔ آپ نے توجہ فرمائی اور جواب میں اس پاک دامن کو لکھا کہ خاطر جمع رکھو کہ اللہ تعالیٰ عنقریب تم کو بیٹا دے گا۔ جب اس کا وقت پورا ہوا تو بیٹا پیدا ہوا اور اسی وقت لاہور سے اس نے خبر ولادت اور نیاز کے ساتھ قاصد کو بھیجا۔

کرامت ـ ایک روز آپ کے پاس خادم پان کا ایک بیڑا لایا جو ڈھاک کے پتے میں لپٹا ہوا تھا۔ آپ نے اسے کھولا اور پان نکال کر کھا لیا اور ڈھاک کے پتے کو اسی طرح لپیٹ کر میری طرف بڑھا دیا۔ مجھے خیال ہوا کہ پان کا بیڑا مجھے عنایت فرمایا ہے۔ میں نے اسے اٹھا کر دیکھا تو وہ خالی تھا۔

آپ کے چھوٹے بھائی خواجہ محمد یحییٰ سلمہٗ موجود تھے۔ وہ مسکرانے لگے اور میں دل میں شرمندہ ہوا لیکن میں نے شرمندگی کو چھپانے کے لیے اُسے فوراً اپنی پگڑی میں چھپا لیا تاکہ اہلِ مجلس کو یہ بات معلوم نہ ہو سکے۔ جب میں گھر آیا اور ہوا کی گرمی کی وجہ سے میں نے سر سے اپنی پگڑی اتاری تو میں نے خیال کیا کہ اُس پتے کو پھینک دوں۔ لیکن میں نے دیکھا کہ وہ تو پانوں اور مصالحوں سے پُر ہے۔ یہ بات دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی اور آپ کی کرامت کا پان کھالیا۔

کرامت ۔ ایک وقت میں بیمار ہوا اور ایسا کہ نا امیدی کی حالت پہنچ گئی۔ تینوں مخدوم زادے میری عیادت کے لیے تشریف لائے۔ چونکہ میری کمزوری حد درجہ پہنچ گئی تھی اس لیے خیال ہوا کہ ان سے التماس کروں کہ میرے خاتمہ بالخیر کے لیے دعا فرماویں۔ اس خیال کے آتے ہی آپ (محمد سعیدؒ) نے فرمایا کہ حدیث میں آیا ہے کہ یہ دعا اگر کوئی اپنی بیماری میں پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کو ایمان کے ساتھ اٹھاتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ اس کے لیے فاتحہ بھی پڑھ دیجیے۔ حضرت میاں محمد معصوم سلمہ اللہ نے فرمایا کہ ہم آپ کی صحت کے لیے فاتحہ (دعا) پڑھتے ہیں پس فاتحہ پڑھی تو اللہ تعالیٰ نے جلد ہی تکلیف کو صحت سے بدل دیا۔ آپ (محمد سعیدؒ) سے ایسی کرامتیں حد سے زیادہ دیکھی گئی ہیں اور دیکھی جاتی ہیں۔

کرامت ۔ آپ (محمد سعیدؒ) کے فرزند ارجمند شیخ لطف اللہ نے بتایا کہ ایک روز آپ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ بیان فرما رہے تھے جب اس مقام پر پہنچے کہ جبیر بن مطعم کے غلام وحشی نے ابوسفیان اور ان کی بیوی ہندہ کے اشارے سے آپ (حمزہؓ) کو شہید کر دیا اور ہندہ نے آپ کا جگر چبایا۔ میری زبان سے اس موقع پر ابوسفیان اور ہندہ پر لعن طعن نکلنے والا تھا کہ حضرت (محمد سعیدؒ) نے قطع کلام کر کے مجھ سے خطاب کر کے فرمایا کہ بیٹے، ابوسفیان اور اُن کی بیوی پر لعن طعن نہیں کرنا چاہیے کہ وہ دونوں اسلام لے آئے تھے اور اُن کا ایمان بارگاہِ رسالت پناہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں قبول کی سعادت حاصل کر چکا ہے۔ اور اس خطاب سے کہ مَنْ دَخَلَ دَارَ اَبِیْ سُفْیَانَ فَھُوَ اٰمِنٌ (جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوا وہ مامون ہے) وہ فتح مکہ کے بعد سرفراز ہوئے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں شامل ہوئے۔

کرامت ۔ یہ فقیر (مؤلف) ایک کام کے لیے لشکر میں گیا ہوا تھا۔ اتفاق سے، اس کام میں رکاوٹ پیدا ہوگئی اور دیوان نے دستخط نہیں کیے اور اس نے سختی دکھلائی۔ میں آپ (محمد سعیدؒ) سلمہ اللہ کی طرف متوجہ ہوا اور اسی غم اور پریشانی میں جیسا کہ ہوتا ہے، میں سوگیا۔ خواب میں دیکھا کہ ایک بہت بلند و بالا محل میں ہوں اور ایک حسین عورت مجھ سے چھیڑ کر رہی ہے اور آخر کار مجھ پر غالب ہوکر دشمنی سے میرے سینے پر چڑھ گئی۔ قریب تھا کہ وہ میرا گلا گھونٹ دے اور ہلاک کردے کہ اتنے میں آپ نماز کے لیے مسجد میں آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ ہاتھ میں عصا تھا اور وجاہت اور وقار کے ساتھ تھے۔ آپ کا تشریف لانا ہوا کہ وہ عورت فرار ہوگئی۔ اور میں نے اس کے شر سے خلاصی پائی۔ جب صبح ہوئی تو میرے دل میں خیال آیا کہ اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ مجھے اُس دیوان کے شر سے خلاصی دی گئی ہے۔ چنانچہ اب جو میں دیوان کے پاس گیا تو وہ بہت خوش ہوکر مجھ سے ملا اور کہنے لگا کہ خواجہ محمد سعید سلمہ اللہ کی خاطر تمھارا کام کیے دیتا ہوں کہ وہ تمہارے احوال پر متوجہ ہیں۔ معلوم ہوا کہ آپ نے اس سے خواب میں فرما دیا تھا۔ پس اس نے فوراً دستخط کر کے حکم میرے حوالے کردیا۔

(۳) خواجہ محمد معصوم (زالقیوم) سلمہ اللہ القیوم

آپ حضرت مجددؒ کے تیسرے صاحبزادے ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت سنہ ۱۰۰۹ھ[1] میں ہوئی۔ حضرت مجددؒ فرماتے تھے کہ وہ میرے فرزند محمد معصوم کی ولادت ہمارے لیے بہت مبارک ثابت ہوئی کہ ان کی ولادت کے چند ماہ بعد مجھے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضری نصیب ہوئی اور یہ تمام علوم و معارف حاصل ہوئے۔''

---

[1] حضرات القدس میں سنہ ۱۰۰۷ھ ہے لیکن زبدۃ المقامات میں گیارہ شوال سنہ ۱۰۰۹ھ ہے جو صحیح ہے۔ کیونکہ ان کی ولادت کے چند ماہ بعد حضرت مجددؒ ربیع الآخر سنہ ۱۰۰۸ھ میں خواجہ باقی باللہؒ کی خدمت میں دہلی تشریف لے گئے تھے جیسا کہ عبداحد و معارف کے شروع میں ذکر ہے۔

حضرت مجددؒ آپ کے بچپن ہی سے آپ کی عالی استعداد کی تعریف کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ "یہ فرزند ولایتِ محمدی کی استعداد رکھتا ہے اور محمدی المشرب ہے"۔ یہ بھی فرماتے تھے کہ "محمد معصوم نے تین سال کی عمر میں کلمہ توحید (جو تجلّیِ ذات اور وسعتِ استعداد رکھتا ہے) سے متعلق بات شروع کی اور در و دیوار اور گل و گلزار میں سے ہر چیز پر جب اس کی نظر پڑتی تھی تو کہتا تھا کہ "یہ میں ہوں اور وہ میں ہوں" اس بات کے بعد فرمایا کہ اس (انعام کے) معاملے میں چھوٹا بڑا، جوان بوڑھا، آزاد قیدی، عورت مرد، بڑی عمر والا چھوٹی عمر والا، ضعیف قوی اور زندہ مردہ سب برابر ہیں اور اصول میں مساوی ہیں۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔ اللہ بڑے فضل والا ہے)

آپ جیسے برگزیدہ اور عالی شان والے فرزند کے متعلق یہ بھی فرماتے تھے کہ " وہ محبوبوں میں سے ہے"۔ حضرت مجددؒ کے ایک خادم جو سفر و حضر میں ساتھ رہتے تھے مجھ سے فرماتے تھے کہ جس زمانے میں حضرت مجددؒ دہلی تشریف لے گئے تھے تو یہ مخدوم زادہ بھی ساتھ تھے۔ ایک روز حضرت، حلقے سے فارغ ہو کر حجرہ میں تشریف لائے تاکہ تھوڑی دیر آرام فرمائیں لیکن دیکھا کہ یہ فرزند آپ کے بستر پر سو رہے ہیں۔ آپ فوراً واپس ہو گئے۔ خادموں نے عرض کیا کہ حضرت کیوں واپس ہوئے۔ حکم ہو تو مخدوم زادہ کو بیدار کر دیا جائے تاکہ آپ لیٹ سکیں۔ آپ نے فرمایا کہ "میں غیرتِ خداوندی سے ڈرا اور لرز گیا اور بے چینی کے ساتھ واپس ہوا کہ خدا کا ایک دوست آرام کر رہا ہے، کہیں میرا جانا موجبِ ملال نہ ہو جائے"۔ پس آپ واپس تشریف لائے اور دھوپ میں بیٹھ گئے۔ ہوا بہت گرم تھی اور مسجد فیروزی (فیروز شاہ کوٹلہ۔ دہلی) کا فرش پتھر کا ہونے کی وجہ سے توے کی طرح گرم ہو رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ فرزند والا گہر خود ہی بیدار ہوئے اور دیکھا کہ حضرت مجددؒ فرش پر اور دھوپ میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ بے چین ہو کر اٹھے اور آپ کے لیے جگہ خالی کر دی۔

حضرت مجدد اس مخدوم زادہ کی بلندیِ استعداد، کمالِ فطرت اور بارگاہِ الٰہی سے شدتِ مناسبت کو دیکھتے ہوئے ہمیشہ ان کے کمالاتِ مخفیہ (جن کی خاص صلاحیت موجود تھی) کے دیکھنے کے منتظر رہتے تھے اور حصولِ عجائبِ غرائبِ امور کی خاص توقع کے پیشِ نظر ان سے فرماتے

رہتے تھے کہ تحصیل علوم ظاہری سے جلد فارغ ہو جاؤ کیونکہ ہم کو تم سے عظیم خدمات لینی ہیں۔ چنانچہ انھوں نے سولہ سال کی عمر میں علوم متداولہ سے فراغت حاصل کر لی اور اسی تحصیل و تعلیم کے زمانے میں گیارہ سال کی عمر میں انھوں نے طریقۂ نقشبندیہ کی بھی تحصیل شروع کر دی! اس طرح قال اور حال دونوں کی ساتھ ساتھ تحصیل و تکمیل ہونے لگی۔ موٗیت کے علوم کے حصول کے بعد درس و تدریس اور طلبہ کے افادہ میں بھی مشغول رہتے تھے۔ لیکن حال کا معاملہ قال پر غالب تھا اور انھوں نے پوری کوشش اور بھرپور کاوش اپنے والدِ بزرگوار کے بحرِ اسرار میں غواصی کرنے میں صرف کر دی اور حضرت مجدد رح بھی ان کی ترقی کے لیے برابر کوشاں رہتے تھے اور اپنی صحبت میں لازمی طور پر رکھتے ہوئے خلوتوں اور جلوتوں میں اپنا مونس اور دمساز بنا لیا تھا۔ تاکہ اپنے تمام کمالاتِ قصوی اور خصائصِ علیا سے ان کو نوازیں اور ان کی استعدادِ عالیہ کے جواہرات جو ودیعت ہیں جلوہ گر کرا سکیں۔ اسی لیے حضرت مجدد رح بہت زیادہ توجہات ان پر فرماتے تھے اور ان کے آثار ہر لحظہ اور ہر دم ظہور پذیر ہوتے تھے۔ پس حضرت رح کی موجودگی میں وارداتِ بلند اور مقامات و کمالات ارجمند جلوہ گر ہوئے اور اسرارِ خاصّہ اور معاملاتِ مخصوصہ کا حصول ہوا۔ چنانچہ اس بات کی شہادت اس واقعے سے ملتی ہے کہ ایک روز حضرت رح نے خلوت میں اپنے خاص اصحاب سے فرمایا کہ میرے فرزند محمد معصوم کا یومًا فیومًا ہماری نسبتوں کا حاصل کرنا شرح وقایہ والے کی طرح ہے جیسا کہ انھوں نے (صاحب شرح وقایہ نے) کتاب کے خطبے میں لکھا ہے کہ:

"میرے دادا کتاب وقایہ کو ایک ایک سبق کے مقدار تالیف کرتے جاتے اور میں ساتھ ہی ساتھ اس کو حفظ کرتا جاتا۔ یہاں تک کہ کتاب کی تکمیل کے ساتھ میرا حفظ بھی مکمل ہو گیا۔"

اس مخدوم زادہ کا انتہائی تیزی کے ساتھ سیر و سلوک اور مقاماتِ وصول کا طے کرنا جیسا کہ حضرت رح کے کلمات اور حضرت رح کے اصحاب کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے اور حضرت کے ملفوظات قسم قومات سے ہویدا ہے اگر سب کا سب بیان کر دیا جائے تو قریب والے گھبرا جائیں اور دُور والے اور دُور ہو جائیں۔ بہر حال، کتاب لکھنے والوں کے دستور کے مطابق یہاں اجمال کے ساتھ حضرت رح کی ان کے متعلق بشارتیں اور کسی قدر ان کے مقامات جو حاصل ہوئے ہیں، تحریر کیے جاتے ہیں:-

جب مخدوم زادۂ عالی منزلت نے عظیم احوال اور واردات، نیز اعلیٰ مقامات و کمالات تک رسائی حاصل کرلی تو حضرت مجدد رح نے اُن کو خلعتِ خلافت سے سرفراز اور ممتاز فرمایا۔ اب (ماشاء اللہ) یہ مخدوم زادۂ گرامی مرتبت پوری ظاہری اور باطنی استقامت کے ساتھ مسندِ ارشاد پر متمکن ہیں اور کمالِ شرع و تقویٰ سے آراستہ ہو کر اور سنتِ سنیہ کی متابعت اور عزیمتِ مرضیہ کے عمل سے پیراستہ ہو کر اخلاق و اوضاع، اقوال و اعمال اور صورت و معنی میں اپنے والد بزرگوار رح سے پوری مناسبت اور کمال متابعت کی رعایت رکھتے ہیں اور اس اہتمام میں رہتے ہیں کہ آدابِ سلوک میں اور اعمالِ صالحہ میں سنن اور مستحبات کے ادا کرنے میں اپنے والد ماجد رح کی پیروی میں سرِ مُو فرق نہ آنے پائے۔ اسی لیے ان کا عمل بعینہٖ حضرت مجدد رح کا عمل ہے اور ان کا طریقہ بھی وہی ہے جو حضرت مجدد کا ہے یعنی وظائفِ طاعات اور رعایتِ آداب عبادات بھی وہی ہے۔ اور ان کے اوقات (رات اور دن کے) ہر عمل صالح کے لیے تقسیم ہیں اور رات دن کی گھڑیاں اعمالِ حسنہ کے لیے پوری طرح مقرر ہیں اور ادعیۂ موقتہ کا التزام بھی ہے۔

فجر کی نماز کے بعد اور مقررہ وظائف سے فارغ ہو کر آپ حلقۂ ذکر میں اصحاب کے ساتھ بیٹھتے ہیں اور مراقبہ کرتے ہیں۔ اور ظہر کی نماز کے بعد حافظ صاحب سے کلام مجید سننے کے لیے بھی حلقہ فرماتے ہیں۔ اکثر اوقات ظہر کے حلقے کے بعد کتبِ متداولہ مثلاً بیضاوی، عضدی، تلویح، مشکوٰۃ اور ہدایہ کا درس دیتے ہیں۔ ایک دو سبق دیتے ہیں اور بہت باریکی اور متانت کے ساتھ تعلیم فرماتے ہیں۔ اور بعض اوقات ظہر کے حلقے کے بعد صحرا کی طرف چلے جاتے ہیں اور اطرافِ شہر کے گوشوں اور ویرانوں میں خلوت میں بیٹھتے ہیں اور کبھی کبھی ظہر کے بعد دوگانہ میں مشغول رہتے ہیں اور ایک ہی دوگانے میں عصر کا وقت ہو جاتا ہے اور فرماتے ہیں کہ حالتِ نماز میں تلاوتِ کلام مجید بہت لذت بخش ہے۔ آپ نے قرآن مجید سند (تجوید) کے ساتھ پڑھا ہے اور تین ماہ میں اس کا حفظ کر لیا ہے اور اس کی تلاوت میں مداومت رکھتے ہیں۔ تراویح میں رمضان المبارک میں ایک ختم قرآن آپ خود کرتے ہیں اور دو قرآن، حافظ سے سنتے ہیں۔ شہروں کے اطراف و اکناف سے اور دور دراز کے قریوں سے لوگ آپ کا کلام مجید سننے کی سعادت حاصل کرنے کے لیے اور آپ کی مجلسِ بہشت آئین میں شرکت کرنے کے لیے مور و ملخ کی طرح حاضر رہتے ہیں اور مسجد اپنی وسعت

کے باوجود لوگوں کے لیے ناکافی ہوتی ہے تو بعض لوگ افطار روزہ سے قبل ہی حاضر ہو جاتے ہیں۔
مریدوں کے احوال کی نگرانی، اُن کے منازلِ سلوک کی ترقی اور اُن کے مدارج قصویٰ کے وصول کے لیے آپ کی کوشش آپ کا طریقہ پسندیدہ ہے۔ طالبوں کی تربیت اور اُن کی تکمیل سنتِ سنیہ کے مطابق کرنا آپ کا خاص معمول ہے۔ اس لیے طالبانِ صادق کے حال پر آپ کی توجہات مصروف رہتی ہیں اور اُن کی ترقی کے لیے آپ کی ہمت (کوشش) مبذول ہے۔ چنانچہ ان طالبوں پر اثرات ظاہر ہوتے ہیں اور واردات وحالات، نیز وصول مقامات سے انھیں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ اُن کے حاصل کردہ احوال اور اُن کی آئندہ کی صلاحیتوں کی اطلاع بھی دیتے ہیں اور اُن کے مقاماتِ عروج کی نشان دہی فرما کر ان کی ولایت کی اطلاع بھی دیتے ہیں کہ فلاں شخص، فلاں ولایت میں ہے اور فلاں نے فلاں ولایت میں قدم رکھا ہے۔ اور آپ کے بہت سے مریدوں نے احوالِ سینہ اور اسرارِ خفیہ سے مشرف ہو کر اس مرکزِ دائرہ قطبیت سے خلافتِ طریقہ حاصل کی ہے اور اُنھیں اپنے اپنے ملکوں میں بڑی مقبولیت حاصل ہے اور لوگ ان کی صحبت میں بہت کچھ حاصل کر رہے ہیں بلکہ وہ لوگ جو آپ کے واسطے سے احوال و کمالات کا حصول کر کے خلافت بھی حاصل کر چکے ہیں وہ عجیب غریب حالات بیان کرتے ہیں اور ان کی صحبت (بھی) بہت اثر آفریں ہے۔ چنانچہ آپ نے اللہ پاک کی ان نعمتوں اور اس کے لامتناہی احسانات کا اظہار اس طرح فرمایا ہے اور یہ بات اس طرح لکھی ہے:

" محض اللہ پاک کے کرم سے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں، نیز میرے پیر دستگیر رح کی توجہ کی برکت سے سلوک اور اس کی تکمیل کا معاملہ بہت سہولت سے چل رہا ہے ـــ راہِ وصول بہت قریب ہو گئی ہے اور مدتوں کا کام دنوں اور مہینوں میں ہو رہا ہے۔ گو کہ مریدوں کی کمیت کے لحاظ سے یہ کام مختصر ہے کیونکہ اس کام کے لیے وقت درکار ہے۔ لیکن کیفیت کے لحاظ سے اس میں بیش از بیش ترقی ہے۔ ایک مرید نے ابتدائے تعلیم سے صرف سات دن کے اندر فنائے قلبی کا پتا دیا اور ایسی چیزیں بیان کیں کہ گویا وہ فنائے نفس کے حال میں پہنچ گیا۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝ (اور اللہ کے نزدیک یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے) اس فقیر کے

اکثر اجازت یافتہ لوگ جو، اپنے مریدوں کے احوال بتاتے ہیں اور سرعتِ وصول کے واقعات بیان کرتے ہیں تو عقل حیرت کرتی ہے۔ ؎

اگر بڑھیا کے در پر آئے سلطاں   تو اے خواجہ نہ ہو بالکل تو حیراں

جاننا چاہیے کہ اصل مربّی اللہ تعالیٰ ہے۔ ؏ ہمارا تمھارا بس اک ہے بہانہ

تنبیہ — باوجود ان تمام افاضۂ انوار اور افادۂ اسرار کے اس ناکارہ (یعنی راقم الحروف) کا معاملہ روز بروز ابتر ہے اور اس کا حاصل روزگار محض دوری اور محرومی ہے اور غفلت اور گناہوں کی تحصیل میں زیادتی ہے یہ دریائے حیرت میں ڈوبا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے ترساں و لرزاں ہے اور نہیں جانتا کہ کل اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا اور کس گروہ میں داخل کیا جائے گا۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ [1]

پوشیدہ نہ رہے کہ آپ اپنے والد بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ کے تمام اسرارِ خفیہ اور معارفِ مکنونہ سے کمالِ تمام واقف ہیں، خواہ وہ معارف و اسرار وہ ہوں جو مکتوبات قدسی آیات میں درج ہیں، خواہ وہ خاص اسرار جو آپ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خلوتوں میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زبانِ الہام ترجمان سے سنے ہوں اور بعض معارف ایسے بھی ہیں جو آپ نے اپنی خاص بیاض میں لکھ لیے ہیں۔ کچھ ایسے اسرارِ خفیہ اور معارفِ لدنیہ بھی ہیں جو صرف آپ جیسے گلستانِ ولایت کے نئے نئے پھول سے مخصوص ہیں کہ دوسرے لوگ ان سے واقف نہیں — چنانچہ بعض اسرارِ متشابہاتِ قرآنی اور مقطعاتِ فرقانی کہ جن کا ذکر صرف آپ ہی سے مخصوص تھا اور ان جیسے دوسرے اسرار جن سے آپ ہی کا تعلق تھا اور ان کا پوشیدہ رکھنا ضروری تھا، اسی لیے ان سے متعلق آپ نے کبھی لب کشائی نہیں کی۔ البتہ بعض ایسے معارف ضرور ہیں جو قابلِ اظہار ہیں اور وہ آپ کی تحریر میں آگئے ہیں اور وہ مقامات اور اسرار گو کہ پوشیدہ رکھنے کے تھے لیکن ان کا اظہار بھی کیا جا سکتا تھا۔ اس لیے

---

[1] مکتوبات معصومیہ۔ دفتر اوّل۔ ۲۳۵

آپ نے اپنے بعض مکتوبات میں ان کو تحریر کر دیا ہے۔

قدسیہ۔ اگر ایک شمہ ان بزرگوں کے حالات کی حقیقت کا بیان کیا جائے تو بعید نہیں کہ قریب والے دوری کے خواہاں ہوں گے اور اہلِ وصال، راہ فراق تلاش کریں گے۔ سننے والا ہوش کھو بیٹھے گا اور کہنے والے کو تاب نہ رہے گی ؎

فریادِ حافظ اینہمہ آخر بہرزہ نیست
ہم قصۂ غریب و حدیث عجیب ہے

وہ قصۂ غریب و حدیث عجیب ہے

فریادِ حافظ ایسی بلا وجہ تو نہیں

متشابہاتِ قرآنی انہی میں سے ایک رمز ہے اور مقطعاتِ فرقانی انہی کی طرف ایک اشارہ ہے۔ گو یہ دولت دراصل انبیاء علیہم السلام اور ان کے کامل وارثوں کو ان کی پیروی میں حاصل ہوتی ہے۔ گو شاذ و نادر سہی۔ پس خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وعلیہم والتسلیمات کی پیروی میں کوشش کریں تاکہ ان کی برکات حاصل کریں اور ان کے ذائقوں کو چکھیں اور ان کی شفاعت سے قیامت کی ہلاکتوں سے نجات پائیں[1]

وہ بشاراتِ عالیہ جو حضرت مجددؒ نے اس مخدوم زادہ (خواجہ محمد معصومؒ) کی سربلندی اور امتیازی شان سے متعلق بتائی تھیں ان میں سے بعض کا ذکر آ چکا ہے۔ وہ سب بشارتیں آپ پر ظاہر ہوئیں اور ان سب سے آپ متصف ہوئے۔ چنانچہ آپ نے ان کے حصول کے بعد اور دوسرے کمالات تک پہنچنے پر اپنے بعض رازدار مخلصوں کو ان کے متعلق لکھا بھی ہے۔

ایک روز آپ نے اپنے پدرِ بزرگوارؒ سے عرض کیا کہ "میں اپنے آپ کو ایک نور پاتا ہوں کہ جس سے تمام عالم منور ہے اور وہ نور تمام ذرات میں سرایت کیے ہوئے ہے جس طرح کہ آفتاب کا نور کہ جس سے تمام عالم منور ہے۔" حضرت مجددؒ نے فرمایا کہ "اے فرزند، تم اپنے وقت کے قطب ہو گے اور میری بات تم یاد کرو گے۔" چنانچہ آپ نے اپنے بعض مکتوبات میں ایسا لکھا ہے:۔

"میں عمر کے چودھویں سال میں تھا کہ آنحضرت (مجددؒ) نے قطبیت کی بشارت دی تھی اور اس قیومیت کی خلعت کے ملنے سے پہلے بحمد اللہ دس گیارہ سال کی عمر میں وعدہ پورا ہوا اور اس بشارت کے آثار بخوبی ظاہر ہوئے۔"[2]

---

[1] مکتوبات معصومیہ۔ دفتر اوّل ص ۱۳۴۔

[2] ایضاً مکتوبات معصومیہ۔ دفتر اوّل۔ ۸۹

آپ نے یوں بھی لکھا ہے :

" ایک روز حضرت مجددؒ اپنے طرزِ خاص میں اسرارِ فنا و بقا اور زوالِ عین و اثر بیان فرما رہے تھے اور کعبۂ مقصود کے حصول اور اس کے اثر کی علامت کا ذکر چھڑ گیا اور ایک ماہ سے زیادہ عرصے تک اسی قسم کے معارف بیان ہوتے رہے اور روز بروز اس کے غرائب اور دقائق کھلتے رہے ۔ اور یہ عاجز آنحضرتؒ کی توجہ شریف سے اس مقام کے حصول کے لیے ہاتھ پاؤں مارتا رہا اور حضرتؒ برابر اس حقیر کے حالات کی تبیین اور تفتیش میں رہتے تھے اور میری ترقی کے منتظر اور اس کے لیے متوجہ رہتے تھے اور دقائق کے بیان کے وقت مجھ حقیر کے حالات دریافت کر کے نوازشیں فرماتے رہتے تھے اور ان مقامات کے حصول سے متعلق بشارتیں دیتے رہتے تھے ۔ یہ شعر بھی اس سے متعلق اپنی زبانِ الہام ترجمان سے ادا فرماتے :

چیونٹی بھی آرزو رکھتی تھی کہ کعبے پہنچوں ۔۔۔ پاؤں میں پھر وہ کبوتر کے جھٹ کر پہنچی

اللہ پاک کا بے حد احسان ہے اس کرم پر اور تمام نعمتوں پر ۔" [1]

اور حضرت مجددؒ نے اس طرح تحریر فرمایا ہے کہ :

ایک روز فجر کی نماز کے بعد میں سکوت کی مجلس میں (مراقبے میں) تھا کہ ظاہر ہوا کہ جو خلعت میں پہنے ہوئے تھا وہ مجھ سے علیحدہ ہو گیا اور دوسرا خلعت میری طرف اس کی جگہ آیا ۔ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ میرا اترا ہوا خلعت کسی کو دیا جائے گا یا نہیں ۔ مجھے یہ آرزو ہوئی کہ وہ میرے فرزندِ ارجمند محمد معصوم کو دے دیں ۔ ایک لمحے کے بعد دیکھا کہ وہ میرے اسی فرزند کو مرحمت فرمایا گیا ۔ ان کو اہتمام سے پہنایا گیا ۔ وہ اترا ہوا خلعت اشارہ تھا ، مرتبۂ قیومیت کا ۔ جو تربیت اور تکمیل سے تعلق رکھتا ہے اور اس عرصۂ مجتمعہ کے ارتباط کے باعث وہی (فرزند) تھے اور اس خلعتِ جدیدہ کا معاملہ جب انجام کو پہنچے گا اور اس کے اتارے جانے کا وقت آئے گا تو اللہ تعالیٰ کی کمال بندہ نوازی سے امید ہے کہ وہ میرے عزیز فرزند محمد سعید کو عطا فرمایا جائے گا ۔ یہ فقیر بہت تضرع کے ساتھ یہ بات چاہتا ہے اور اس کے قبول ہونے کا اثر بھی سمجھ رہا ہے اور اپنے اس

---

[1] مکتوبات معصومیہ ۔ نمبر ۲۳۸

فرزند کو اس دولت کا مستحق پاتا ہے ع کریموں پر نہیں مشکل کوئی کام۔" دوستوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس خلعتِ جدیدہ سے مراد خلّت کے عطا کرنے کا جو وعدہ خواجہ محمد سعیدؒ کے لیے کیا گیا تھا وہ چند روز کے بعد ہی ظاہر ہو گیا اور وہ خلعت ان کو عطا فرما دیا گیا۔ الحمد للہ والمنۃ۔ چنانچہ یہ بات حضرت مجددؒ کے زمانے ہی میں طے ہو گئی تھی۔ اور حضرت مخدوم زادہ سوم (یعنی خواجہ محمد معصومؒ) نے اپنے حالات میں اپنے بعض مکتوبات میں لکھا بھی ہے کہ:۔

"اس زمانے میں جب کہ ایک درویش کو (یعنی خود محمد معصومؒ کو) خلعتِ قیومیت سے سرفراز فرمایا گیا تو آنحضرت (حضرت مجددؒ) نے اُس کو خلوت میں مخاطب فرمایا کہ اس مجمع سے ہمارے تعلق کا موجب یہی معاملۂ قیومیت تھا کہ وہ توجہات کے بعد تمہارے سپرد کر دیا۔ اب اسرارِ الٰہی، شوقِ تمام کے ساتھ تمہاری طرف رُخ کریں گے! اب اس دارِ فانی میں ہمارے رہنے کی کوئی وجہ نہیں۔ پھر آپ نے اپنے قربِ ارتحال کی خبر دی۔ وہ درویش اس بشارت کے سننے کے باوجود سخت غم و اندوہ اور شدید کلفت و ملال سے بے حال ہو گیا۔ نہ اس کو بولنے کی طاقت تھی اور نہ سننے کی ہمت تھی۔ جب آنحضرتؒ نے یہ حالت اس فقیر کی دیکھی تو نہایت بندہ نوازی کے ساتھ فرمایا کہ "غم نہ کرو۔ اللہ کی سنت یہی ہے کہ وہ ایک کو اپنے پاس بلاتا ہے اور دوسرے کو اس کی جگہ بٹھاتا ہے" پھر کمال شفقت کے ساتھ نفحات الانس میں سے جامیؒ کی یہ عبارت سنائی:۔

"جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھا لیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اُن کی جگہ بٹھا دیا۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بُلا لیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اُن کی جگہ دی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اٹھا لیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان کی جگہ بیٹھے اور جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلا لیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اُن کی جگہ بیٹھے۔"

جب حضرت مجددؒ نے اس فقیر کے غم کو زیادہ سے زیادہ بڑھتا ہوا دیکھا تو فرمایا کہ میرے انتقال کو ابھی وقت ہے۔ لیکن میں ابھی دیکھتا ہوں کہ کتنا تعلق درمیان میں ہے۔ چنانچہ حضرتؒ متوجہ اور مُراقب ہوئے اور ایک لمحے کے بعد فرمایا کہ:

"میرے انتقال کے وقت تک تمہارے قیام کا مدار مجھ پر ہے اور دنیا والوں کا قیام تم سے ہے۔" اس ارشاد سے کسی حد تک اس مسکین کو تسلی ہوئی۔ اور اس تقریر کے کچھ روز کم ایک سال تین ماہ کے بعد حضرت رح کے انتقال کا حادثہ واقع ہوا۔"

آپ (خواجہ محمد معصوم رح نے) تحریر فرمایا ہے کہ:

"کسی شخص کو جب تک اصالت حاصل نہ ہو نسبت قیومیت حاصل نہیں ہوتی۔ حضرت مجدد رح نے ایک درویش (یعنی خود خواجہ محمد معصوم رح) کو نسبت قیومیت کی بشارت بھی دی تھی اور اصالت کی ترقی کے قیام سے بھی سربلند فرمایا تھا اور یہ بھی فرمایا تھا کہ جس قدر تم کو اصالت حاصل ہے اسی قدر محبوبیت بھی تمہیں ودیعت کی گئی ہے یعنی محبوبیت ذاتی جس کا پتا اس درویش کے کمال انفعال سے ہوتا ہے وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝ (اور یہ بات اللہ کے نزدیک بڑی نہیں ہے)"[1]

آپ نے یوں بھی لکھا ہے:

"حضرت مجدد رح نے اپنے انتقال سے پہلے والی رات میں یا اس سے بھی پہلی رات میں جب کہ میرے مخدوم اور استاد میاں محمد سعید سلمہ بھی موجود تھے اور حضرت رح کا مرض شدت اختیار کر چکا تھا، فرمایا کہ مجھے بٹھا دو۔ اس عاجز نے آپ کو اپنے بازو میں بٹھا دیا۔ اس طرح کہ آپ کا بوجھ میں سہارے ہوئے تھا۔ اور اس بوجھ کی وجہ سے امید ہے کہ کس قدر خوشگوار بوجھ (ذمہ داری) مجھ خاکسار پر رکھا جائے گا اور کس قدر اسرار (جو پوشیدہ رکھنے کے ہیں) اس دلفگار کے سپرد ہوں گے۔ غرض کہ حضرت رح نے فرمایا کہ جب داعیِ وصال نے میرے باطن میں آواز دی کہ بادشاہ (اللہ تعالیٰ) نے تمہیں بلایا ہے۔ تو پھر میرے مرغ ہمت نے جو بلند پرواز ہے آشیانۂ لامکان کی طرف رخ کیا اور وہاں پہنچا کہ جہاں پہنچا تھا۔ لیکن اس بارگاہ عالی سے آواز سنی کہ بادشاہ گھر میں نہیں ہے۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ وہ حقیقت کعبۂ ربانی کا مقام ہے تو میں نے اس کے آگے رخ کیا اور عروج کیا تو میں صفات حقیقیہ کے

[1] مکتوبات معصومیہ۔ دفتر اول ص۸۶

مقام میں (جو وجودِ زائد میں موجود ہیں) پہنچا۔ یہ مقامِ صفات اُن صفات کی علمیہ صورتوں سے آگے ہیں جو مرتبۂ تعیّن وجودی میں تعین حُبّی ہیں۔ کیونکہ یہ دعوت اور یہ سیر، تعین حُبّی سے آگے ہیں جس کی تفصیل عنقریب بیان ہوگی۔ پھر میں اس مقام کے بھی اوپر کو گیا اور ان صفات کے اصول میں (کہ جو شیونِ ذاتیہ ہیں اور جو ذاتِ باری میں محض اعتبارات کا درجہ رکھتے ہیں) داخل ہوا۔ اور تم دونوں بھائی (محمد سعیدؒ اور محمد معصومؒ) ہر مقام میں میرے ساتھ تھے۔ پھر اس مقام سے بھی اوپر لے گئے اور ذاتِ بحت میں کہ جو نسب و اعتبارات سے الگ ہے پہنچا دیا گیا۔ اور حضرت مخدومی (محمد سعیدؒ) کو بہ سبب آنحضرتؐ کی نماز میں امامت کرنے کے، اس درجۂ عالیہ میں واصل ہونے کی آپ نے بشارت دی (کیونکہ آپ کی بیماری کے زمانے میں حضرت مخدومی ہی امامت فرماتے تھے) اور اس فقیر کو دوسرے طریقے سے اس وصول کے متعلق بشارت فرمائی۔ اور اسی مجلس یا دوسری مجلس میں اسی مرضِ موت میں فرمایا کہ اس درجۂ کمال کا حصول اور اس بلند مرتبے کا وصول حق تعالیٰ کے کلام مجید سے قوی تعلق پیدا کرنے سے وابستہ ہے۔ میں بھی قرآن کے طفیل میں اس مقام کے ساتھ ممتاز ہوا ہوں کہ قرآن مجید کے ہر حرف کو ایک دریا پاتا ہوں جو کعبۂ مقصود تک پہنچاتا ہے۔ اسی اثنا میں آپ نے وہ شعر پڑھا جس کے سنتے ہی شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ نے اس کے قائل کی ملاقات کے لیے دور دراز کا سفر اختیار کیا تھا۔ یعنی

اپنی غزل میں خود کو پوشیدہ رکھوں گا
پس وہ پڑھے جب اس کو پہنچوں میں اُن لبوں تک

آپ نے یہ شعر پڑھا اور محظوظ ہوئے لیکن فرمایا کہ ہمارے مناسب حال وہ شعر اس طرح ہونا چاہیے:

اس کے سخن میں خود کو پوشیدہ رکھوں گا
پس وہ پڑھے جب اُس کو پہنچوں میں اُن لبوں تک

عاشق کی بات معشوق کے لب تک کہاں پہنچ سکتی ہے؟ اس کا سخن ہی اُس کے قرب کا ذریعہ ہو سکتا ہے اور اُسی کے کلام کے ذریعے اس تک پہنچ سکتے ہیں، نہ کہ اپنے

سخن کے ذریعے۔ کیونکہ عاشق کا کلام ناقص اور کوتاہ ہے۔ یہ فقیر کہتا ہے نہ مَنْ عَرَفَ اللّٰہَ کَلَّ لِسَانُہٗ (جس نے اللہ کو پہچانا اس کی زبان گونگی ہو گئی) اس کے لیے گواہ ہے۔ ع بات لیکن مختصر ہو۔ والسلام [1]

آپ (خواجہ محمد معصومؒ) نے یہ بھی لکھا ہے کہ :

"حضرت مجددؒ اپنے مرض موت میں بیان فرماتے رہتے ہیں اسرار صلوٰۃ، حقیقت صلوٰۃ، بیان صلوٰۃ انبیاء (علیہم السلام) و اکمل اولیاء۔ اور وہ خصوصیت بھی جو انبیاء علیہم السلام کو دوسروں پر حاصل ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کی چار صفیں جنہوں نے (حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی) اقتدا کی تھی اور ان بزرگواروں کی صف بندی۔ اُن کے درجات کا فرق جو قرب منزلت کی وجہ سے ہے۔ ان برگزیدہ حضرات کی پہلی صف کونسی ہے؟ وہ انبیاء علیہم السلام جن کا ذکر قرآن پاک میں ہے وہ اجتماعی طور پر کیا خصوصیت رکھتے ہیں؟ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جو سرور دین و دنیا ہیں اُن کا خاص درجہ کیا ہے اور وہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے تمام مقامات میں کس قدر بزرگ و برتر ہیں۔ اس درجہ و مقام کی وسعت (سابقین کے مقابلے میں) اسی بات سے سمجھی جاتی ہے کہ صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اور تبعیت ہی سے اُن بزرگواروں کو اس مقام تک رسائی ہوئی ہے۔ آپ اپنے مقام کی تعیین بھی فرماتے تھے، اس کی خصوصیت بھی بتاتے تھے۔ وہ بھی جو میرے مخدوم و استاد (محمد سعیدؒ) کے حصول نعمت کے متعلق اور مجھ سیاہ کار کے لیے بشارت فرمائی تھی اور اسی کے مناسب حال باتیں بتاتے تھے کہ عقل و خیال اس کے سمجھنے سے قاصر تھے۔ چونکہ ان مذکورہ امور کی تفصیل اسرار سے تعلق رکھتی ہے جو پوشیدہ رکھنے چاہییں اس لیے صرف اجمالاً ان کا ذکر کیا گیا۔" [2]

ایک روز حضرت (مجددؒ) نے فرمایا کہ زمرۂ سابقین جن کے متعلق قرآن پاک میں ہے کہ ثُلَّۃٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ وَقَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ (اگلوں میں ایک گروہ اور پچھلوں میں تھوڑے ۵۶/۱۲) مجھے

---

[1] مکتوبات معصومیہ۔ ۱۹۳

[2] مکتوبات معصومیہ۔ دفتر اول، مکتوب ۱۸۰ دیکھیں۔

نظر آیا میں نے خود کو اس گروہ میں داخل دیکھا اور اپنے تعلق والوں میں سے ایک اور شخص کو (خواجہ محمد معصومؒ کو) وہاں اپنے ساتھ پایا۔

اسی طرح متشابہات کے اسرار کے متعلق بھی تحریر فرمایا ہے کہ:

"متشابہات سے مراد معاملات سے اور جائز ہے کہ ایک شخص کو ایک مرتبہ حاصل ہو اور اُسے اس کا علم نہ ہو۔ میں نے اپنے تعلق والے ایک شخص (محمد معصومؒ) میں یہ بات مشاہدہ کی ہے، دوسروں کا حال کیا ہوگا!

سعادتیں ہیں بہت غیب کے حجابوں میں
ذرا تو دیکھو کہ حاصل وہ کس کو ہوتی ہیں"

آپ (محمد معصومؒ) نے یہ بھی لکھا ہے:

"حضرت مجددؒ نے فرمایا کہ سرورِ دین و دنیا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلقت سراپا برکت (کے خمیر میں) سے جو کچھ باقی رہ گیا تھا، آپ کے اولش خوردوں میں سے آپ کی اُمّت کے ایک صاحب دولت فرد کو عطا فرمایا گیا اور اس کا خمیر اُسی مٹی میں سے تیار ہوا اور اس راہ میں اُس فرد کو نسبتِ اصالت سے بہرہ ور کیا گیا اور اس بقیہ میں سے اس فرد کی تخمیرِ طینت کے بعد جو بہت تھوڑی سے مٹی بچ رہی تھی اُس سے اسی فرد کے ایک منتسب کا خمیر کیا گیا اور اسی انداز سے اس نے بھی اصالت سے حصہ پایا ہے۔ اِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ (بیشک تیرا رب کھلی بخشش والا ہے) حضرت مہدی موعود علیہ الرضوان کو جو اصالت (حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے) نصیب ہوئی ہے وہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے واسطے سے ہے۔"[1]

حضرت مجددؒ نے حضرت خواجہ محمد سعیدؒ اور حضرت خواجہ محمد معصومؒ سے فرمایا تھا کہ میں نے تم دونوں کو دائرۂ غضب (جلال) سے باہر نکال دیا ہے۔ اب تم فوق (عروج) کے امیدوار رہو۔[2] اور انھی دونوں مخدوم زادوں کے لیے یہ بھی فرمایا کہ میں نے مجیب الدعوات کی بارگاہ میں عرض کیا ہے کہ

---

[1] مکتوباتِ معصومیہ۔ مکتوب ۱۹۲

[2] مکتوباتِ معصومیہ۔ دفتر اوّل۔ مکتوب ۵۴ دیکھیں

تم دونوں کو بادشاہ کی جانب سے صحبت و رفاقت کی کراہت واقع نہ ہو اور تم دونوں کو اُن کی مصاحبت میں نہ ڈالا جائے۔ یہ دعا مقبول ہوئی ہے۔ چنانچہ اسی طرح وقوع میں آیا۔

اب یہاں حضرت مخدوم زادہ (محمد معصومؒ) کے چند کلماتِ قدسیہ اور وارداتِ سنیہ لکھے جاتے ہیں۔ آپ کے وہ معاملات اور مقامات جو حضرت مجددؒ کی حیاتِ طیبہ میں گزرے ہیں اور وہ اسرار جو حضرتؒ کی خدمت میں عرض کیے گئے ہیں وہ آپ نے استتار کی وجہ سے بیان نہیں کیے لیکن بعض امور جو آپ نے حضرت قبلہ گاہؒ کو دوری کے وقت مکتوبات میں عرض کیے تھے (اور وہ مکتوبات تو ایسے ہیں کہ حقائق صوفیہ کے غوامض اُن کے مبادیات ہیں اور علماء و عرفاء کے دقائق ان کے مقدمات میں ہیں اور اُن کا ہر فقرہ، اسرارِ فقر کی انگوٹھی کا نگینہ ہے اور اُن کی ہر فصل، اسرارِ وصل کے جواہر کا خزینہ ہے) اُن میں سے کچھ حصہ یہاں تحریر کیا جاتا ہے:

قدسیہ (۱) کمترین بندگان محمد معصوم، حضور کے عتبۂ عالیہ میں ذرّہ بے مقدار کی طرح یہ عرضداشت پیش کرتا ہے کہ حضور کے گرامی نامے، معارف و اسرار سامی کے ساتھ، پے در پے وصول ہوئے اور میرے معاملے کو انتہائی پستی سے انتہائی بلندی پر لے گئے۔ وہ مکتوب جو تجلیاتِ ثلاثہ پر مشتمل ہے ان دنوں موصول ہوا۔ اپنی استعداد کے مطابق یہ عاجز اس سے مستفید ہوا اور محظوظ ہُوا۔ اس کے بعد وہ مکتوب جو معارفِ نورانی پر مشتمل ہے شرفِ صدور لایا۔ اس کے مطالعے سے اس نورِ صرفہ سے آگاہی حاصل ہوئی بلکہ فنا اور بقا بھی اُسی سے سمجھ میں آئی اور اس میں عرصے تک استغراق رہا۔

حضرت سلامت! اللہ تعالیٰ کی عنایات سے متعلق کیا لکھوں اور اس کے احسانات کس طرح بیان کروں؟ مجھے کھینچے ہوئے لیے جا رہے ہیں اور یہ عاجز نہیں جانتا کہ کہاں لے جا رہے ہیں۔ لیکن جو لذتیں اور جو کیفیتیں جو اس مقام میں حاصل ہو رہی ہیں وہ بیان نہیں ہو سکتیں۔ اُن کا تعلق ذوق سے ہے بیان میں نہیں آ سکتیں۔

بے اختیار ہو کر جاتا ہوں اُس کے پیچھے
دو عنبریں کمندیں کھینچے ہوئے ہیں مجھ کو

اللہ تعالیٰ، آپ کے توجہ عالی کے طفیل میں علم اور تمیزِ کامل عطا فرمائے۔ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْماً [1]

---

[1] مکتوباتِ معصومیہ۔ دفتر اوّل ۲۰

قدسیہ (۲) - تیسری شعبان سنہ ۱۰۴۱ھ کو عصر کی نماز میں ایک بسطِ عظیم ظاہر ہوا۔ اور منزلتِ عالیہ اور کیفیتِ عجیبہ وارد ہوئی کہ اس سے پہلے ہرگز ظاہر نہ ہوئی تھی بلکہ وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔ اور ایسے امور درمیان میں آئے کہ کہا جا سکتا ہے کہ "نہ آنکھ نے دیکھا تھا اور نہ کان نے سنا تھا" نہ زبان میں اُن کے بیان کرنے کی طاقت ہے اور نہ قلم میں اُن کے لکھنے کا حوصلہ ہے۔

فریادِ حافظ ایسی بلا وجہ تو نہیں
وہ قصۂ غریب و حدیثِ عجیب ہے

غالباً اس مقام کو راقم الحروف سے خصوصیت تھی کیونکہ اُس بارگاہ میں اس نے خود کو تنہا پایا۔ تا ایں کلمۂ طیبہ اور ذکر کے تمام الفاظ مثل تسبیح و تحمید و تکبیر اس مقدس بارگاہ میں گنجائش نہ رکھتے تھے۔ اگر گنجائش ہے تو قرآن پاک کی ہے اور نماز کو بھی قرآن پاک کے تعلق کی وجہ سے ہے۔ اور نماز اور قرآن کے علاوہ اُس نسبتِ عالیہ کے حضور میں کوئی مستعمل مفید نہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ (ان کے علاوہ) کوئی ریاضت اور مجاہدہ وہاں دخل نہیں رکھتا۔ وہاں صرف وہب اور عنایت ہے۔ وہاں سابقۂ عنایت ہی چاہیئے اور کچھ نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ریاضات و مجاہدات، ولایت کے قرب کے شروع میں عمل و دخل رکھتے ہیں اور اس وقت تک جب کہ اصول اور اصولِ اصول کی سیر ہوتی ہے اعمالِ صالحہ بہت مفید اور نتائج بخش ہوتے ہیں کہ ان کے ذریعے ایک سالک ترقیات کی طرف گامزن ہوتا ہے۔ اسی طرح کلمۂ طیبہ کا ورد (جو نفی و اثبات ہے) ظل سے اصل کی طرف لے جاتا ہے اور اصول سے اصول الاصول کی طرف عروج کرتا ہے۔ لیکن جو کچھ کہ اوپر ذکر کیا گیا وہ قربِ نبوت سے تعلق رکھتا ہے کہ وہاں اصل کو ظلال کی طرح راہ میں چھوڑ دینا چاہیے۔ اس کے لیے ریاضاتِ شاقہ سے کام نہیں چلتا۔ بلکہ اس مقام تک پہنچنے کے لیے محض وہب (بخشش) چاہیے یا محبتِ صرفہ کی ضرورت ہے۔ اس مقام میں جو خصوصیت ہے اور جس میں کسی کی بھی شرکت نہیں ہوتی، اس کے متعلق جب اور غور کیا تو دیکھا کہ اس راہ گزر سے جو شخص بھی گزر کر اس مقام تک پہنچا ہے اس کا اپنا ایک مقام ہے کہ دوسرے کو اصالت کے لحاظ سے اس میں دخل نہیں۔ اگرچہ اس مقام کے واصلین بہت ہی کم ہیں۔ انھی میں سے حضرت مجددؒ کو دیکھا کہ وہ بہت بڑی عظمت اور شان و شوکت والے نظر آئے۔ چنانچہ عقل اور وہم بھی اس کے ادراک سے حیران ہے اور قلم کی زبان اور زبان کا قلم دونوں اس کے بیان سے عاجز اور قاصر ہیں۔

جاننا چاہیے کہ عالم کو حضرت حق سبحانہٗ کا ظل جاننا یا اس کا آئینہ سمجھنا، اس کو موہوم دیکھنا، ظل کے کمالاتِ منعکسہ کو اصل کے سپرد کر دینا اور ظل کو خالی بلکہ معدوم سمجھنا، پھر اس کو کمالاتِ اصل سے متحقق پانا وغیرہ سب کو قربِ ولایات میں سے جانتا ہوں جو ظل سے اصل میں ملاتے ہیں۔ سالک بعد اس کے کہ اصل کو ظل کے رنگ میں راہ میں چھوڑ دیتا ہے اور وہ بارگاہِ قدس کے حوالی میں پہنچتا ہے تو ان امور سے اُسے کوئی واسطہ نہیں ہوتا اور نہ ان کا تصور ہوتا ہے وہاں ظل کو جاننے کے قابل نہیں سمجھنا چاہیے اور اوصاف کو اصل کے سپرد کر کے خود کو فانی اور مستہلک دیکھنا بھی نہیں ہوتا۔ وہاں بقا اور اس کا تحقق اصل کے ساتھ ہو جانا بھی مشہود نہیں۔ اس مقام تک پہنچنے کی راہ جُدا ہے اور اس راہ سے اس مقام تک پہنچنا دشوار ہے۔ وہاں جمال اور رضا کا بہت ظہور ہوتا ہے۔ اس لیے اگر اسے ضحک (میانِ راہ) سے تعبیر کیا جائے تو گنجائش ہے۔ وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ [1]

قدسیہ (۳)۔ خدمتِ عالی سے دُور افتادہ محمد معصوم، بارگاہِ عالی شان کے مقیموں کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ جو حسن و جمال، وہم و گمان میں آتا تھا وہ چونکہ بطور رعایت امانت تھا (اس لیے) اہلِ امانت کی طرف واپس ہو گیا اور اب عیب و نقص کے سوا کچھ بھی نہیں رہا۔ حضرت سلامت! اس تحریر کے دوران ایک حالت ظاہر ہوئی، دیکھا کہ وہ عدم جس کے علاوہ اور کوئی چیز ظاہر نہ تھی، پوشیدہ ہو گیا اور جو کمالات کہ اپنی اصل کی طرف رجوع کر گئے تھے وہ جلوہ گر ہونے لگے۔ اسی اثناء میں ایک غثیت رونما ہوئی۔ دیکھتا ہوں کہ خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہے (جس سے) طبیعت میں بے چینی پیدا ہو گئی ہے اور شدت کی قے ہونے لگی ہے۔ ایسا معلوم ہوا کہ ہر رگ و پوست سے حتیٰ کہ ناخنوں کی رگوں سے بھی مادہ کھینچا جا رہا ہے اور نکالا جا رہا ہے۔ جب افاقہ ہوا تو دیکھا کہ عدم کو پوری طرح نکال دیا گیا ہے اور اُن کمالات کے علاوہ جو کہ اپنی اصل کی طرف رجوع کرنے لگے اور اصل الاصل میں جا کر مل گئے اور انھوں نے اُس بارگاہ میں اصالت و حقیقت کے طور پر ظاہر ہو کر بے کیف، حقیقی اتصال حاصل کر لیا۔ اس وقت اَنا نے جو کہ عدم سے پوری طرح نکل کر اُن کمالات سے جا ملی تھی اس جگہ اطلاق پایا اور ظاہر کی مظہر کے ساتھ ایسی نسبت ظاہر ہوئی جیسی کہ نسبت، عالمِ خلق کو عالمِ امر کے ساتھ ہے۔ انفعالی کمالات کی نسبت اسی مقام میں ظاہر ہوتی ہے اور بعض دوسرے امور بھی ظاہر ہوئے جو لکھے

---

[1] مکتوباتِ معصومیہ۔ دفتر اول۔ ۱۹۴

نہیں جا سکتے۔ [1]

قدسیہ (۴)۔ بندۂ کمترین محمد معصوم، درگاہِ آسمان جاہ کے خاک نشینوں کے ذرہ عرض میں اس طرح لعرض پرداز ہے کہ اس فقیر کو اس کے بعد سے کہ اس عالم میں اس بارگاہ سے نیچے لایا گیا ہے۔ اُس نسبت کے نشان کو کہ جس کے ساتھ عروج کے وقت مشرف کیا گیا تھا اپنے اندر موجود پاتا ہے کہ یمین (دائیں) اور یسار (بائیں) سے بیگانہ ہے۔ یمین و یسار کو اس نسبت سے بہت کم حصہ حاصل ہے بلکہ وہ کچھ بھی مناسبت نہیں رکھتے۔ یہ نسبت سابقین کے ساتھ مخصوص ہے۔ اصحابِ یمین، اصحابِ یسار کی طرح اس کمال سے کیا حاصل کریں گے اور ظلال والے حضرات، عام مومنین کی طرح اس مقام سے کیا فائدہ پائیں گے؟ محبتِ ذاتیہ کہ جس میں محبوب کا رنج دینا اس کے انعام کی بہ نسبت، محبت میں اضافہ کرنے والا ہوتا ہے اس مقام میں متحقق ہوتی ہے اور جب وہ (سالک) اپنے ذوق اور وجدان کی طرف رجوع کرتا ہے تو وہ بلا تکلف معلوم کر لیتا ہے کہ وہ لذت و حلاوت بلکہ محبت میں اضافہ جو محبوب سے ستائے جانے کے وقت ہوتا ہے وہ اُس کے انعام کے وقت نہیں ہوتا۔ گویا محبوب کے ایذا رسانی کا تصور ایسا فرحت بخش ہوتا ہے کہ اس کے انعام دینے کے وقت نہیں ہوتا کیونکہ محبت ذاتیہ کی مسرت، شائبۂ نفس سے تبرا اور منزہ ہوتی ہے۔ اسی لیے وہ محبت زیادہ مکمل اور بھرپور ہوتی ہے۔ [2]

قدسیہ (۵)۔ جو مقصد ہمارے پیشِ نظر ہے وہ جذبہ اور سلوک کے علاوہ ہے۔ وہ انفس و آفاق سے باہر ہے۔ فنا و بقا کے سوا ہے۔ تجلیات اور ظہورات سے علیحدہ ہے۔ دخول و خروج سے ہٹ کر ہے۔ قرب و بعد، توحید و اتحاد، شہود و مشاہدات، لفظ و معنی، علم و جہل، کثرت و وحدت، اسم و صفت، قید و اطلاق، شیون و اعتبارات، موہومات و متخیلات و مکاشفات، تجلی افعال و صفاتِ حق تعالیٰ وغیرہ سب سے جُدا گانہ ہے۔ اصل، ظل کے مثل اس دولت سرا کی راہ میں رہ جاتا ہے اور وہ ذات پاک اس سے وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے۔ (لیکن) یہ ورائیت، قرب کی جانب محض وہم کی جولانگاہ ہے۔ اور قرب کی جانب اس کی ورائیت، دیدۂ عقل و ادراک اور وہم و خیال سے

---

[1] مکتوباتِ معصومیہ۔ دفتر اول ص۱۔ اس میں بعض جملے حضرات القدس کے اندراج سے زیادہ ہیں۔

[2] مکتوباتِ معصومیہ۔ دفتر اول ص۵

باہر ہے۔ کیونکہ فہم و وہم خود اپنے سے زیادہ نزدیک کا تصور نہیں کر سکتے۔ پس وہ حق تعالیٰ، وجود سے زیادہ قریب اور وجدان سے زیادہ دور ہے۔ (وجود میں زیادہ قریب اور پانے میں زیادہ دور ہے)۔ اور یہ کمال، انبیاء علیہم السلام کے کمالاتِ ولایت میں سے ہے۔ کیونکہ اولیاء کے کمالاتِ ولایت تو مراتبِ قرب میں منحصر ہیں۔ کیونکہ قرب کی غایت تو اتحاد اور دوئی کا اٹھ جانا ہے اور یہ اس ولایت کی نہایت ہے اور اقربیت کا معاملہ تو اتحاد سے زیادہ نازک ہے۔ اتحاد سے گزر جانا چاہیے تاکہ اقربیت کا معاملہ ظاہر ہو سکے۔ ع جب چکھی ہی نہیں، لذت تمہیں کیسے معلوم؟ ؎

قدسیہ (۶)۔ مطلوبِ حقیقی چونکہ تمام اوہام و افہام اور تفکر و تعقل سے بلند ہے۔ اس لیے اُس حریم اقدس کی معرفت محال ہے اور اس کا علم، جہل ہے۔ جب وہ جلوہ فرما ہوتا ہے تو مشتاق بیچارہ عدم ہو جاتا ہے ؎

میں مان بھی لوں یار مرا آج یہاں ہے
پر حوصلہ و طاقتِ دیدار کہاں ہے

اس لیے طالب کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ ہجر میں قرار پکڑے اور نا امیدی میں آرام حاصل کرے ؎

عاشقوں کے نصیب میں آں سے
بس تباہی و جاں گدازی ہے

اور اگر اس وجودِ موہوب کے بعد اس (طالب) کو علم و شعور دوبارہ دیا جائے تو وہ اپنی استعداد اور کوشش کے مطابق ہی اپنے مطلوب کو حاصل کر سکتا ہے اور اپنی طاقت اور حوصلے سے زیادہ کب دوڑ سکتا ہے؟ کیونکہ مقیّد اپنے گمان کے موجب، خود کو تمام قیدوں سے آزاد بھی کرالے تب بھی وہ مطلقِ حقیقی نہیں بن سکتا۔ پس محرومی ہر وقت اس کی دامنگیر ہے اور نا امیدی اس کے لیے حاصل ہے ؎

ہر روز وصل چاہوں لیکن ہو نا اُمیدی
محرومیوں کی شب کی کوئی سحر نہیں ہے

دردمند عاشق کے لیے آرام نہیں اور اُسے کسی طرح قرار نہیں۔ ہجر کی آگ سے اس کا سینہ ہمیشہ جلتا رہتا ہے اور فراق کے کانٹوں سے اس کا جگر ہمیشہ سِلا ہوا رہتا ہے۔ جب حبیبوں کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم ہی حزن و ملال میں مبتلا رہتے تھے تو پھر دوسروں کا کیا ذکر؟ ظلال و اعتبارات

؎ مکتوباتِ معصومیہ۔ ۲۰۵۔

کا آرام، آرام نہیں ہے۔ ذات کو چاہنے والا اس بات سے خوش نہیں ہوتا ؎

چلا بھی جاؤں چمن میں جو غم سے گھبرا کر
کوئی بھی سرو مرے دوست کی طرح تو نہیں[1]

قدسیہ (۷)۔ اس ذات (جل سلطانہ) کا مبارک نام "اللہ" ہے جو اپنے مسمّٰی کے عدم دریافت (نہ پائے جانے) کی طرف خود ہی اشارہ کر رہا ہے۔ معرفہ کا لام (ال) چونکہ الٰہ کے لام کے ساتھ مل کر اس میں مدغم اور لاشے ہو گیا ہے اور وہی الٰہ کا لام باقی رہ گیا ہے۔ شاید اس ضمن میں اس طرف اشارہ ہے کہ جب معرفت اس پاک ذات کے ساتھ منتہی ہو جاتی ہے اور فانی و مستہلک ہو جاتی ہے تو معروف (حق تعالیٰ) کے سوا بغیر کمی و بیشی کے کچھ باقی نہیں رہتا اور جب معرفت ہی نہ رہی تو عارف بھی عدم سے جا ملا۔ کیونکہ علم کو عالم کے ساتھ اتحاد ہے۔ اس اسم مبارک (اللہ) میں ایسی بزرگی ہے کہ اکابر علماء اس میں متحیر رہ گئے اور اس کی کنہ (حقیقت) تک نہیں پہنچ سکے، تو پھر اس کے مسمّٰی تک کیونکر پہنچ سکتے ہیں ؎ نام ایسا تو نام والا کیسا! کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ اسم (اللہ) سریانی (زبان کا لفظ) ہے اور کچھ یہ کہتے ہیں کہ یہ عربی لفظ ہے اور اس کے عربی ہونے کی صورت میں بعض کے نزدیک یہ لفظ جامد ہے بعض کہتے ہیں کہ مشتق ہے اور اگر مشتق ہے تو یہ تحقیق کے ساتھ معلوم نہیں کہ اس کا مادہ اَلَہ، لام کے زبر کے ساتھ ہے جو عَبَدَ کے معنی میں ہے یا اَلِہَ، لام کے زیر کے ساتھ ہے جس کے معنی تحیّر کے ہیں۔ یا اَلِھْتُ اِلٰی فُلَانٍ سے ہے۔ اَیْ سَکَنْتُ اِلَیْہِ (مجھے فلاں شخص سے سکون حاصل ہوا) یا اَلَہَ سے ہے جب کہ وہ کسی ایسے امر سے ڈرا جو اس کو پیش آیا۔ یا اَلِہَ الْفَصِیْلُ سے ہے۔ اِذَا اُوْلِعَ بِاُمِّہٖ (یعنی اونٹنی کا بچہ جو اپنی ماں سے جدا ہو گیا ہے جب کہ وہ اپنی ماں کا شیفتہ ہو جائے)۔ یا وَلَہَ سے ہے۔ جب کہ متحیر اور مخبوط (بدحواس) ہوا مشتق ہے۔ اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس کی اصل لَاہَ ہے۔ مصدر لَاہَ یَلِیْہِ لَیْھًا۔ جب کہ وہ پوشیدہ اور مرتفع (دور) ہو جائے اور بعض علماء اس پر ہیں کہ یہ اسم عَلَم ذات ہے اور بعض اس پر ہیں کہ اصل میں یہ صفت ہے جو ذات تعالیٰ پر غالب آگئی ہے اور اسم عَلَم کا حکم اختیار کر لیا ہے۔ جیسے اَلثُّرَیَّا۔ مختصر یہ کہ اس (اسم) کی بزرگی اور اس کی حقیقت کو نہ پانا اس کے

---

[1] مکتوبات معصومیہ۔ ۱/۱۳

مسمّٰی کی بزرگی اور اس کی عدم یافت کی دلیل ہے ؎

بگو اللہ چہ لفظ و یا چہ نام است
کہ او ورد زبان خاص و عام است[1]

قدسیہ (۸)۔ (بعد حمد و صلوٰۃ کے واضح ہو کہ) اس عاجز دل شکستہ کی چند نصیحتیں عاقل احباب کے لیے ہیں۔ اہلِ نظر اس سے عبرت پکڑیں۔ جاننا چاہیے کہ ان کی تخلیق کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کریں اور اس معرفت کے لیے استعداد کے مطابق الگ الگ مراتب ہیں بعض کو بعض پر فضیلت ہے اور ہر شخص نے اس معاملے میں اپنی معرفت کے مطابق گفتگو کی ہے۔ لیکن جو بات کہ اس جماعت کے نزدیک متفق علیہ اور قدرِ مشترک ہے اور مدارجِ قرب میں لازم ہے وہ یہ کہ معرفت بغیر فنا کے معروف میں پیدا نہیں ہوتی ؎

کوئی بھی جب تک نہ ہو گا بس فنا   پائے گا کیسے وہ بارِ کبریا

تو خود ہے حجاب یہ یقیں ہے   مسلک جو ہے متفق یہیں ہے
دیکھو تو اگر کہو نہیں ہے   وہ کر نہ رہو، مگر کہیں ہے؟

؏ تجھے دھوکا ہوا ہے، میں نہیں ہوں

پس اہلِ ہوش حضرات کے لیے ضروری ہے کہ اپنے حاصلِ کار اور نقدِ روزگار پر خوب غور کریں۔ جس کسی کو وہ معرفتِ مستورہ حاصل ہو اس کے لیے مبارک ہو اور بشارت ہے[2]۔ اُسے چاہیے کہ اس حاصل کو غیر حاصلہ امور میں صرف کرے اور اصل کو ظل کی طرح چھوڑ دے۔ پس جس کسی کو معرفت کی راہ نہیں دکھلائی گئی اس کو دردِ طلب اور اس دولت کے لیے بے چینی بھی نہیں دی گئی۔ پس اس کے لیے افسوس اور بہت افسوس ہے۔ گویا اس نے اپنی تخلیق کا مقصد ہی نہ جانا اور جو بات کہ اس سے مطلوب تھی وہی رہ گئی۔ اور اس نے دوسرے کاموں میں خود کو لگا لیا۔ اور اس نے اس چیز کی تعمیر کی

---

[1] مکتوباتِ معصومیہ۔ ۱۳/۱ (نمبر ۱ و ۲ یہ دونوں ایک ہی مکتوب میں سے ہیں)
[2] سورۃ الرعد (۲۹) کا مضمون ہے۔

کہ جس کی تخریب اس سے چاہی گئی تھی۔ اس نے عمرِ گرامی کا سرمایہ، لایعنی چیزوں کے حصول میں خرچ کر ڈالا اور اپنی استعداد کی زمین کو حصولِ اسباب کے باوجود بیکار چھوڑ دیا۔ بڑی شرم کی بات ہے کہ اس نے اپنے مطلوب کو بلائے جانے کے باوجود، اس تھوڑی سی مہلت (عمر) میں حاصل نہ کیا اور اس دعوت گاہ (دنیا) سے سامانِ سفر بھی باندھ لیا۔ کل کے دن وہ کس منہ سے بارگاہِ صمدیت میں حاضر ہوگا اور کس حیلے سے عذر کی زبان کھولے گا۔ دوری اور محرومی کا عذاب، دوزخ کے عذاب سے بدتر ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے قرب اور وصال کی لذت، جنتوں کی لذت سے زیادہ ہوتی ہے۔ پس بہت افسوس ہے اُس پر جس نے اللہ تعالیٰ سے اعراض کیا اور حسرت ہے اُس پر جو اللہ سے دور رہا۔ دوبارہ اس دنیا میں آنا نہیں ہے۔ جو یہاں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا[1] اور گم کردہ راہ ہوگا[2] ؎

ڈرتا ہوں یار کب تک نا آشنا رہے گا

کیا حشر تک یہی غم مجھ کو لگا رہے گا

میرے مخدوم، اس قدر خرابی اور تباہ کاری کے باوجود (یہ فقیر) اتنا جانتا ہے کہ ابتدا ہی سے اس مشتِ خاک کی طینت میں ایک معنی کو پوشیدہ رکھا گیا ہے اور ایک آن (معرفت) کو ودیعت کیا گیا ہے۔ وہ معنی، اللہ تعالیٰ کے خاص طور پر منظورِ نظر ہے اور اس معاملے میں اس کی عنایتِ خفی، شاملِ حال ہے۔ اس سے زیادہ اس کی تعبیر نہیں کی جا سکتی اور نہ اس کی تفصیل بیان کی جا سکتی۔ کیونکہ نہ تو متکلم میں اس کے بتانے کی طاقت ہے اور نہ سننے والے کو سننے کی تاب ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ اس بات کے ظہور سے پہلے، جذب و کشش معنوی اور عشق و محبتِ بے کیفی اپنے اندر پاتا تھا اور میری طبیعت، خلق سے گریزاں تھی اور تنہائی اور صحرا پسند تھا۔ اور میں اپنے دل سے کہا کرتا تھا کہ ؎

مجھے تنہائی سے رغبت ہے کیسی؟

یہاں حاصل ہے کیا؟ خلوت ہے کیسی؟

اور بالکل معلوم نہ تھا کہ اس محبت کا راز کیا ہے اور میں نہیں جانتا تھا کہ یہ عشق کہاں کا ہے اور یہ

---

[1] سورۃ بنی اسرائیل (۷۲) کی آیت ہے۔

[2] قدسیہ (۸) کا یہ مضمون مکتوبات معصومیہ۔ دفترِ اوّل کے مکتوبات نمبر ۶۴-۱۰۲-۱۷۶ میں بھی ملتا ہے۔ اس کے بعد اس کے مکتوب ۱۷۶ کا مضمون آتا ہے۔

کشش کس طرف سے جلائے گی۔

دیکھتا تھا اپنی آنکھوں میں غبار — خار آنکھوں میں چھپے تھے بے شمار
تھا نہ واقف گرد کس دامن کی ہے — وہ کلی کس خار کس گلشن کی ہے
کس نے جیبِ گل میں ڈالا یہ خسک — کس نے چشمِ دل میں ڈالا یہ نمک
سقفِ خانہ کو دیا کس نے جلا — اور یہ فتنہ کس کے دامن سے اٹھا
بے قراری سے جو بدلا ہے شکیب — کس کے جادو نے دیا ہے یہ فریب
عشق سے اک سوز اس کے سر میں ہے — تیغِ براں جو نہاں گوہر میں ہے
یہ جو اس کا غمزۂ خونخوار ہے — اس کا باطن پر ہمیشہ وار ہے
ہے کھپائی جان اس کے دھیان میں — آنکھ خوش منظر کے تھی ارمان میں
تھا وہ سرمستِ نظارہ سو بسو — سرخوشی سے رقص میں تھا مو بمو
آنکھ اس کے دیکھنے کی راہ میں — گوشِ شوق اس کی صدا کی چاہ میں
قافلے کی شاید آجائے صدا — سن سکے شاید کوئی بانگِ درا

اور بہت مدت تک یہ حالت غالب رہی اور یہ آرزو رہی کہ یہ عشق جس سے متعلق ہے وہ ظاہر ہو جائے اور اس بے تابی اور بے قراری کا تعلق جس کی وجہ سے ہے وہ نمودار ہو جائے۔ بہت کچھ ظاہری پسندیدگیوں کی طرف اس محبت کو متوجہ کیا جاتا۔ مگر اس حالت میں کوئی افاقہ نہ ہوتا تھا وہ ایک جنون آمیز سودا تھا اور آتش انگیز شوق تھا۔ اور معلوم نہ ہوتا تھا کہ اس جنون کو ہوا دینے والا کون ہے اور یہ آتش افروزی کس لیے ہے۔ حیران تھا اور زبانِ حال سے یہ اشعار پڑھتا تھا:۔

کس لیے ہے بال بال آزار میں — کس کے ناخن سے ہے جنبش تار میں
اس طرح سے زد میں تنہا دل نہیں — ہر بُنِ مو میں خلش ہے جاگزیں
کوندتی ہے کس لیے آنکھوں میں برق — کس کے شعلے سے ہے یہ خنجر بفرق
کس کے سوزِ غم سے بھڑکا یہ شرار — راستے سے کس کے اٹھا یہ غبار
ہر شرر پہ جلوہ گر ہے اک نگار — ہر نگہ میں بس رہی ہے اک بہار
کس کو ہے سینے میں اتنا اختیار — توڑ ڈالے آبگینے بے شمار

کس کے دامن سے چلی ہے یہ ہوا — اور دھنواں یہ کس کے خرمن سے اٹھا

کس کا طائر اڑ رہا ہے بام پر — کس کے بوسے کا ہے یہ پیغام بر

عشق جانے کس جگہ سے ہے اٹھا — ہر رگ و ریشہ مرا ہے مبتلا

خاک کو جس دن مری گوندھا گیا — سر میں سودائے جنوں لکھا گیا

جال پھینکا ایک بت نے زلف کا — کون ہے وہ، میں نہیں پہچانتا

عشق کس کا دے رہا ہے میرا ساتھ — اور کلائی پر مری ہے کس کا ہاتھ

کس کے ہنسنے سے ہے یہ تازہ بہار — ناز سے کس کے ہوا میں خار خار (دل فگار)

عاشقوں سے عشق کیوں ہوگا عجب — جانِ معشوق کا کب ہے ادب

ہے مبارک عشق! یوں آنا ترا — دل میں آکر بیٹھ رہے خانہ ترا

بیٹھ بیٹھ آخر نشیمن ہے ترا — جان و عقل و دل ترے۔ تن ہے ترا

دل ہے تیرا، رات کافی ہے مجھے — تخت تجھ کو، خاک وافی ہے مجھے

جاں بطورِ تحفہ لے اور بیٹھ جا — پھینکا اپنا کھول دے اور بیٹھ جا

بیٹھ جا اور عقل سے کر دور ہوش — سرد کر خونِ ہوس سے سب خروش

تیرے آنے سے کلی دل کی کھلی — جھولیاں بھر کر بہارِ نو ملی

گل کھلاتی ہے بہارِ بخت آج — پھول پر بچھوا دو میرا تخت آج

اب ہم اصل بات کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ایک مدت کے بعد اس پوشیدہ رمز کا احوال کھلا۔ اور قبل اس کے کہ پوری طرح ظاہر ہو، معلوم ہوا کہ اس محبت کا تعلق کس سے ہے اور انجذاب و کشش کہاں کو ہے؟ یعنی محبوب (حقیقی) ظاہر ہوا تو انتہائی حسن و خوبی اور بہت زیادہ رفعت و مرغوبی کے ساتھ کہ اس سے زیادہ حسن و جمال متصور نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس منزلت کی نزاکت اتنی ہے کہ حسن و جمال کا اطلاق بھی اس بارگاہ عالی کے لیے مناسب نہیں۔ گویا ہر کمال و جمال اس بارگاہ کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ (دنیا میں) جو کمال بھی ہے وہ اس کے کمال کا اثر ہے اور جہاں کہیں حسن و جمال نظر آئے وہ اسی کے حسن و جمال کا ایک نمونہ ہے۔ اس وقت یقین ہوا کہ محبوبی اسی کے لیے زیبا ہے اور مطلوبی کا وہی سزاوار ہے۔ پس ہر طرف سے منہ موڑ کر صرف اس کی

طرف خدمت کی باگ موڑی۔ اور کمر ہمت اُس کی خدمت میں چُستی سے باندھی کہ پھر وہاں سے کہیں کے لیے باگ نہ موڑی جا سکے۔ اور (حقیقت یہ ہے کہ) کوئی خدمت اس بارگاہ مقدس کے شایاں نہیں ہے بغیر اُس کے فضل کے کسی کوشش اور سعی کو کامیابی نہیں۔ صرف اس کی عنایت مقدم ہے اور بس۔ اور اُسی کی کشش درکار ہے۔ اور کچھ نہیں۔ چنانچہ ہر طرف سے ہٹ کر اپنا معاملہ اُسی پر چھوڑ دیا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

اگر میں توسنِ دل سے ہوں محرم
کمندِ زلف بھی چھوٹی نہیں ہے

اس کے بعد عنایتِ ازلی آپہنچی اور اس نے اپنی مہربانیوں سے اس ناکارہ کو نوازا اور اپنے فضل و کرم کو آگے بڑھا کر اس خاک افتادہ کو اپنی مقدس بارگاہ میں جگہ دی۔ (اب) وہ پوشیدہ رمز اور چھپا ہوا راز اس پُرنور بارگاہ میں ظاہر اور ہویدا ہوا اور محبت آب و تاب کے ساتھ گلزارِ امید کے صحن میں وہ دائمی رقص و نشاط میں ہے۔ ایک قدم ناز کے ساتھ اٹھاتا ہے اور دوسرا قدم نیاز کے ساتھ رکھتا ہے۔ نہایت خوشی و خرمی کے ساتھ لوٹے وصال سے ہم آغوش ہے اور زندہ ہونے کے باوجود وہ بادۂ لایزال میں سرمست ہے اور یہ ترانہ گا رہا ہے:

چلی جا واپس اب اے بادِ نو روز | کہ بوئے گل مجھے حاصل ہے امروز
مجھے اس مہر کی یاد اب مت دلانا | کہ میں مہوش سے اپنے ہوں یگانہ
رُلاتا تھا تو آنسو خشک تھے جب | ہنساتا ہے تو غائب نیند ہے اب

اگر اب وہ خود اپنا عشق ہو جائے تو اُسے زیب دیتا ہے کیونکہ محبوب نے اسے نوازا ہے اور اگر وہ اپنے حسن کا شیفتہ ہو جائے تو وہ بھی بجا ہے کیونکہ وہ اب اپنے مطلوب کا منظورِ نظر ہے (لیکن) اے عزیز، اس خوشبو دینے والے کو کہ جس سے بو معنبر ہوتی ہے، اس گندہ بدن سے کیا نسبت ہو سکتی ہے اور اُس بلند روحانیت کو اس پیکرِ خاکی سے (جو کہ آوارہ بیچارہ بھی ہے، الجھا ہوا اور مرجھایا ہوا بھی ہے۔ پردیسی مسکین بھی ہے، اپنے محبوب سے بچھڑ گیا ہے اور دشمنوں کے ملک میں گرفتار ہے) کیا برابری ہو سکتی ہے؟ یہ تو ایک پیکرِ عنصری ہے جو حیرت و حسرت کے جنگل میں پریشان و سرگشتہ ہے۔ جس کا دل پریشان اور بال الجھے ہوئے ہیں۔ فراق کی ہوا ہر طرف سے اس

کے منہ پر طمانچے مارتی ہے اور حجاب کی گرد نے اس کے پانچوں حواس کو ڈھانپ لیا ہے ؎

ہوا منہ پر طمانچے مارتی ہے
اور اُس پر خاک پیچھے جھاڑتی ہے

وہ کار او راز کار سے عاجز ہو کر اور جذب گرمی سے ہاتھ دھو کر بے ذوقی اور افسردگی کے گوشے میں پڑ گیا، ہمت کی باگ ہاتھ سے جاتی رہی اور خدمت کی کمر ٹوٹ گئی اور انتہائی حیرانی کی وجہ سے جمع کی طاقت بالکل نہ رہی اور سخت پریشانی کی وجہ سے کسی سے سوال بھی نہ کر سکا۔ اگرچہ وہ راز اسے حاصل تھا لیکن وہ ایک دلبر نے لے لیا۔ اس لیے وہ اس (طالب) سے کئی منزل دور ہو گیا اور دونوں کے درمیان بُعد المشرقین واقع ہو گیا۔

بو بادِ صبا سے تری جس دم پائی — دل نے مجھے چھوڑا، جستجو کی تیری
اب یاد بھی میری نہیں آتی اس کو — حاصل ہوئی بو تیری تو خو بھی تیری[1]

وہ محبوب، اُنس کے تختِ مرصع پر جلوہ فرما ہے اور یہ پیکرِ عنصری، خاکِ تیرہ کی وحشت میں گرفتار ہے۔ وہ اپنی مراد سے ہم کنار اور شاداں ہے۔ اور یہ حیرت کی وجہ سے حسرت زدہ ماتم کناں ہے۔ یہ اس قدر زاری اور عاجزی میں مبتلا ہے اور وہ استغنا اور ناز میں مشغول ہے۔ یہ ہزار آرزوؤں کے ساتھ راز محبوب کا جویاں اور وہ کمال بے نیازی کے ساتھ اپنے آپ سے راز گویاں ہے۔ اس لیے یہ پیکرِ سفلی اس معنیِ علوی سے کہتا ہے:

میں ہوں تجھ بن خاکِ رہ تکتا ہوا — لطف لیتا ہے تو خوابِ ناز کا
میں ادھر گلگونہ رُخ خونِ چشم سے — اور گلشن میں ہیں تیرے قہقہے
خون آلودہ میرا دامن ادھر — اور خراماں تو گلوں کے فرش پر
میں ادھر پامالِ خاکِ رنج پر — رقص اور پازیب کی جھنکار ادھر
میں ہوں تجھ بن رشتۂ پرپیچ و تاب — پاک تو رشتے سے جوں دُرِّ پرآب
میں ہوں تجھ بن سوزِ غم سے دلگداز — خود پہ عاشق تو ہے کیا حسن باز

---

[1] ابو سعید ابو الخیر کی اس رباعی کا ترجمہ مولوی مقصود احمد مجددی رام پوری کی کتاب "حقیقت کی سیر" سے لیا گیا ہے۔ (مطبوعہ دہلی ۱۹۳۱ء)

میں نے تجھ بن ترکِ ہستی کر لیا — تو نے خود کو محوِ ہستی کر لیا[1]

قدسیہ (۹)۔ جب ایک عارف، مقاماتِ وصول طے کر کے منتہائے عروج تک پہنچ جاتا ہے تو بعض وجوہ سے اُس کا وصول ذات تک ہو جائے گا۔ جو وہ عارف کے مبدأ تعین کی ایک اصل ہے اور اسم کی جامعیت کے مطابق اس میں بھی جامعیت ہوتی ہے اور جس قدر اسم جامع ہے وہ وجہ بھی اجمع ہوتی ہے۔ لیکن جمیع وجوہ سے وصول تک پہنچنا اور ہے اور ایک وجہ سے جو جامع وجوہ ہے بہرہ مند ہونا اور چیز ہے۔ جیسا کہ ہوشمند سے پوشیدہ نہیں۔

اگرچہ عارف کا معاملہ اصول سے اور اصولِ اصول سے آگے بھی بڑھ جائے۔ لیکن وہ اپنے اسم کے مطابق جو اُس کا مُربی ہے تقیید کو اپنے ساتھ لے جاتا ہے اور تمام فضیلتوں سے بہرہ مند نہیں ہوتا۔ اور گو کہ پہلے وصول کے موقع پر اُس وجہ کو تمام وجوہ میں فانی پا کر ممیتز نہ دیکھے گا۔ حالانکہ حقیقت میں وہ متمیز ہے۔ اور جب اس مقام میں استقرارِ تام پائے گا اور نظر میں وحدت ہوگی تو اس وقت اس تمیز کو سمجھ سکے گا۔ اور جب یہ معرفت حاصل ہو گئی تو ایک اور معرفت جو زیادہ عجیب اور دقیق ہے وہ یہ ہے کہ بعض کاملین ایسے ہیں کہ ان کو تمام وجوہ سے حصہ ملتا ہے تو اس کی وضاحت یوں ہے کہ اس وجہ (اسم والی) کو دوسری وجوہ کے ساتھ ایک طرح کا اشتراک ہے۔ اس لیے عارف اس وجہِ مشترک کے سبب سے تمام وجوہ سے حظ حاصل کرے گا۔ کیونکہ نوع کو اپنی جنس کے ساتھ بڑا تعلق ہے۔

سوال — جب ما بہ الاشتراک اور ما بہ الامتیاز کی ترکیب سے ماہیت کا وجود ہے اور ہر ایک کی خصوصیات الگ الگ ہیں تو کیا یہ ممکن ہے کہ عارف ما بہ الامتیازات کی بدولت تمام وجوہ سے حصہ لے سکے گا؟

جواب — چونکہ ما بہ الاشتراک کا ما بہ الامتیازات پر صادق آنا بطور عرض کے ہے کیونکہ جنس خاص اپنی انواع کی فصول کے لیے عرضِ عام (ہوتی) ہے، اس لیے وہ ما بہ الامتیازات سے بھی پورا حصہ لے گا۔ اور عرضِ عام کے ذریعے سے اس کے افراد کو پہنچ جائے گا اور ذات تعالیٰ کی تمام وجوہ سے

---

[1] قدسیہ (۸) کے ذیل میں جو فارسی اشعار ہیں۔ اُن کا منظوم اردو ترجمہ عزیز گرامی ڈاکٹر پروفیسر محمد اسلام نے کیا ہے۔ جو بعد شکریہ اوپر درج ہے۔

مفصل طور پر حصہ پائے گا اور اُن کمالات سے بھی حصہ پا سکے گا جو نوعِ بشر کے لیے ممکن الحصول ہیں لیکن بطفیل خاتم الانبیاء علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیم۔ یہ معرفت انبیاء علیہم السلام کے بعد حضرت مجدد الف ثانی قدس سرّہ کے خاص معارف اور مخصوص کمالات میں سے ہے۔ لہ

قدسیہ (۱۰) ۔ حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد عرض ہے کہ (جملہ) احوالِ موجودہ قابل شکر ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سبحانہ سے آپ کی عافیت و استقامت اور قرب کے مدارج میں ترقی درجات اور ولایاتِ ثلٰثہ کے مراتب تک، پھر اُن سے علوم وراثت تک پہنچنے کے لیے اور مرتبۂ نبوت کے کمالات سے حصہ پانے، پھر ان سے خاتم الانبیاء علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے مقام تک اطلاع پانے کے لیے دعا کی گئی ہے تاکہ نفس، کامل درجے کا اطمینان حاصل کرے اور سینے کو کماحقہٗ انشراح حاصل ہو جائے۔ اور مختلف عناصر میں اعتدال پیدا ہو جائے۔ پس وہ خلّت و محبتِ ذاتیہ سے حصہ اور اُن پوشیدہ اسرار سے بہرہ حاصل کرے جن کی طرف صحابی (ابوہریرہؓ رضی اللہ عنہ) کی زبان سے اشارہ کیا گیا ہے کہ "اگر میں اُن اسرار کو تم پر فاش کر دوں تو ضرور یہ گلا کاٹ دیا جائے"۔ ۲ہ

واضح ہو کہ ولایتِ صغریٰ کے کمالات حاصل کرنے کے لیے بڑی چیز مراقبہ اور اذکار طلبیہ یعنی اسمِ ذات اور نفی اثبات کا ذکر ہے اور آخری دونوں ولایتوں (ولایتِ کبریٰ اور ولایتِ علیا) کے حاصل کرنے کے لیے نفی اثبات کا زبان کے ساتھ ذکر کرنا (تہلیل لسانی) ہے اور جو کمالات، مرتبۂ نبوت کے ساتھ وابستہ ہیں اُن کے حصول میں مدد دینے والی چیز قرآن مجید کی تلاوت کرنا اور نمازیں پڑھنا، بالخصوص فرض نمازیں پڑھنا ہے۔ پھر اس کے بعد وہ مقام آتا ہے جہاں نہ کسی عمل کو دخل ہے اور نہ کسی اعتقاد کو۔ اس مقام کا حصول اور اس کی ترقی محض فضل و احسان پر ہے اور یہ مقام اصالت کے طور پر انبیائے مرسلین علیہم السلام والبرکۃ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور اُن کے تابع ہو کر دوسروں کے لیے

لہ قدسیہ (۹) کی عبارت مکتوبات معصومیہ۔ دفتر اوّل ص۱۹ کی ہے

۲ہ قَالَ (اَبُوْهُرَيْرَةُ) حَفِظْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وِعَائَيْنِ فَاَمَّا اَحَدُهُمَا فَبَثَثْتُهٗ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُهٗ قُطِعَ هٰذَا الْبُلْعُوْمُ (مجری الطعام) (رواہ البخاری، کتاب العلم، باب حفظ العلم)

بھی اس مقام سے حصہ ہے۔ اس کے بعد وہ کمال آتا ہے جس میں تفضل سے محبت کی طرف ترقی ہوتی ہے۔ بس اس کمال کے حصول میں ترقی کرنا محبتِ صرفہ (خالص محبت) پر موقوف ہے اور محبت میں بھی مُحبّیت اور محبوبیت دو کمال ہیں۔ پس مُحبّیتِ ذاتیہ کہ کمالات کا ظہور، اصالت کے طور پر کلیم (حضرت موسٰی) علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہے اور محبوبیتِ ذاتیہ کے کمالات پہلے تو حبیبِ خدا علیہ وعلیٰ آلہٖ افضل الصلوات واکمل التحیات کے ساتھ مخصوص ہیں اور پھر ان دونوں (کلیم وحبیب علیہما الصلوٰۃ والسلام) کے طفیل میں دوسروں کے لیے ان دونوں کمالوں کی امید ہے۔ والسلام۔[1]

قدسیہ (۱۱) - ایک عارف، فنائے اتم کے بعد جو کہ حقیقتِ عدمیہ کے جاتے رہنے سے متعلق ہے اور انا کا مورد ہے، جب اسمِ الٰہی جل شانہٗ کے ساتھ بقا پیدا کر لیتا ہے اور حقیقتِ عدمیہ کی جگہ حقیقتِ ثبوتیہ قائم ہو جاتی ہے تو وہ اسمِ الٰہی اس سالک میں مدبّر اور متصرف ہوگا اور وہ سالک اس اسم کے اوصاف سے متصف اور آراستہ ہو جائے گا۔ اور صفاتِ حیوٰۃ وعلم وسمع وبصر وکلام وارادہ وقدرت سے متصف ہو کر حیّ وعالم وقادر وسمیع وبصیر ومتکلم ہو جائے گا۔ کیونکہ ہر اسمِ الٰہی، اسماء وصفات کو مشتمل ہے اور وہ اسم دوسرے اسم کا ظِل ہے اور اس اسم کی جزئیات میں سے ایک جزئی ہے (اس لیے) ظل کی راہ سے وہ عارف، اصل کے ساتھ مل جائے گا اور اسمِ سابق کی طرح اسمِ لاحق کے اوصاف کے ساتھ متصف ہو جائے گا۔ پھر اس اصل سے اس (اصل) کی اصل کے ساتھ مل جائے گا۔ اسی طرح دوسری اصل سے تیسری اصل اور تیسری سے چوتھی اور پانچویں تک مل جائیگا۔ اور اس سے آگے جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہے گا متحقق ہو جائے گا۔ اور چونکہ ہر اسم کو دوسرے اسماء کے ساتھ ایک مشارکت ہے (اس لیے) مابہ الاشتراک (جزوِ مشترک) کی راہ سے دوسرے اسماء کے ساتھ بھی جو کہ اس (اسم) کے اصول سے مختلف ہیں، بقا حاصل کرے گا اور یہ تمام بے شمار اور لاتعداد اسماء، عارف کے اجزاء کی مانند ہو جائیں گے۔ یہاں تک کہ وہ حضرت ذات تعالیٰ تک پہنچ جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی عادت جاری ہے کہ صدیوں کے بعد ہزاروں میں سے کسی ایک کو بقائے ذات سے مشرف کرتے ہیں اور اس مرتبۂ مقدسہ سے اس عارف کو ایک ذات جو کہ بیچونی سے کچھ حصہ رکھتی ہے عطا فرماتے ہیں جو کہ عارف کی کُنہ (حقیقت، ماہیت) ہوتی ہے اور یہ تمام اوصاف اس ذات

---

[1] مکتوباتِ معصومیہ۔ ۱/۱۳۶، ۱۶ ب

کے ساتھ قائم ہوتے ہیں بلکہ افرادِ عالم بھی اس ذات کے ساتھ قائم ہوتے ہیں (کیونکہ افرادِ عالم اس کے بالمقابل ہیں)۔ چونکہ وہ (عالم کے افراد) اس کے اسماء و صفات کے مظاہر ہیں اور کوئی ذات اُن میں کائن (کارفرما) نہیں ہے۔ اس لیے وہ عارف بوجہ خلافت کے، قیومِ عالم ہو جاتا ہے اور وزیر کا مرتبہ حاصل کر لیتا ہے فَانْظُرْ اِلٰۤى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (پ ۲۱ ع ۸)۔

(پس تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی نشانیوں کو دیکھ کہ زمین کو وہ اُس کے مردہ ہو جانے کے بعد کس طرح زندہ کرتا ہے)

اس وقت وہ ذات، حقیقتِ ثبوتیہ کی جگہ قائم ہو جاتی ہے اور مدبر و متصرف ہو جاتی ہے۔ یہاں سے اس عارف کی جامعیت کو سمجھنا چاہیے کہ تمام افرادِ عالم اُس کے مقابلے میں حقیر جُزو کا حکم بھی نہیں رکھتے۔ قطرے کو دریا کے ساتھ ایک نسبت ہوتی ہے لیکن عالم کو اُس کے ساتھ یہ نسبت بھی نہیں ہوتی جس طرح کہ اوصاف کو ذات کے ساتھ لاشئ اور استہلاک کی نسبت ہوتی ہے (اسی طرح وہ ہے)۔ پس یہ عارفِ کامل، ذکر کرنے کے وقت گویا کئی ہزار زبانوں سے ذکر کرتا ہے۔ ہر ایک اسم اپنی زبان کے ساتھ ذاکر ہے اور عارف ان سب کے کل کی جگہ ہے۔ اور تحریمہ (نماز کی نیت) جب وہ باندھتا ہے تو گویا کئی ہزار اشخاص تحریمہ باندھتے ہیں۔ اس کے بعد یہ تمام اشخاص قرارت کرتے ہیں اور رکوع و سجود میں جاتے ہیں اور اس عالمِ امکان کے اکثر حقائق بھی ان امور میں اس عارف کے ساتھ شریک ہو جاتے ہیں۔ اور جو لوگ صرف زبان سے ذکر کرتے ہیں چونکہ وہ نفسِ امّارہ کی انانیت (میں پن) سے پاک نہیں ہیں اس لیے اُن کا ذکر لائقِ بارگاہِ اقدس نہیں ہو سکتا اور وہ انھی کی طرف واپس کر دیا جاتا ہے۔ اور یہ عارف چونکہ انانیت سے پاک ہے اس لیے ہزاروں زبانوں سے ذکر کر رہا ہے اور اس کی خودی کا کوئی جُزو درمیان میں حائل نہیں۔ ظاہر بین عوام ان دونوں کو ذاکر و عابد جانتے ہیں اور حقیقتِ فرق سے واقف نہیں ہیں۔ اور وہ عارف تو کامل طور پر حضور ہو چکا ہے اور وہ غفلت میں بھی حاضر ہے۔ کیونکہ علمِ حضوری میں کسی وقت بھی غفلت نہیں پائی جاتی اور غافل لوگ اس مرتبے سے ناواقف ہیں۔ پس وہ عارف، غفلت میں بھی حضور رکھتا ہے اور دوسرے لوگ تو عینِ حضور میں بھی غافل اور دور ہیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اُن کا حضور، حصول کی وجہ سے ہے اور حصول عینِ غفلت ہے لیکن عوام ان کو حاضر و ذاکر جانتے ہیں اور اُس عارف کو غافل سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو سیدھے

راستے کی ہدایت فرمائے۔

پری چھپی ہو مگر دیو ناز دکھلائے
یہ کیسی بوالعجبی ہے کہ عقل حیراں ہے

ایک اور نکتہ ہے گوشِ شوق کے لیے کہ جب عارف خود کو کلمۂ اَنا (مَیں پن) کے اطلاق سے پاک اور بری کر لیتا ہے اور نفسِ امّارہ کی انانیت سے پوری طرح رہائی حاصل کر لیتا ہے تو هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (احسان کی جزاء احسان کے سوا کچھ نہیں ہے؟) کے مصداق، خود محبوب کا احسان آپہنچتا ہے اور اس گم گشتہ کو اپنی اَنا میں جگہ دیتا ہے اور وہ عاشقِ صادق، غیر اور غیریت کی کشاکش سے رہائی پاکر محبوب کی اَنا کے خلوت خانے میں آرام حاصل کرتا ہے۔ اس گروہ کی ایک جماعت ایسی بھی ہے جو محبوب کو اپنی انا کے ویرانے میں جگہ دینا چاہتی ہے اور وہ اس خواہش میں خوش ہیں لیکن ایسے لوگ یہ نہیں جانتے کہ انھوں نے تو مطلوب کے ایک ہی ظل میں آرام حاصل کیا ہے اور اس بے پایاں سے ایک نمونے کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں کیا ؎

سمائے جب نہ خوبی سے جہاں میں
تو پھر آغوش میں کیونکر سمائے

اب ہم اصل بات کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ عارفِ کامل کو جو ذات بخشی گئی ہے وہ چونکہ بے چونی سے بہرہ مند ہے اس لیے اس کی جامعیت بادی النظر میں کیونکر سمجھ میں آسکے گی؟ لیکن وہ فی الحقیقت تمام اسماء و صفات۔ سے کہ جو عارف کے اجزاء کی مانند ہو گئے ہیں زیادہ جامع ہے بلکہ اس جامعیت کو اس جامعیت کے ساتھ کچھ بھی نسبت نہیں ہے اور اس کے مقابلے میں لاشئ ہونے کا حکم رکھتی ہے۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ۔ کیسی وسیع مملکت ایک حقیر انسان میں ودیعت کی گئی ہے اور ملک و ملکوت کے یہ سب خزانے ایک بے قدر و قیمت خرابے میں ڈال دیئے گئے ہیں۔ اور یہ تمام بے رنگ حسن و جمال اور بے کیف انوار و اسرار اس ظلمانی پیکر میں پنہاں کر دیئے گئے ہیں جو کہ ذلیل (گندے) پانی سے پیدا ہوا ہے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ (اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ مشکل نہیں)۔ اس اخفاء میں حکمت ابتلاء (آزمانا) اور اختبار (جانچنا) ہے حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ (قرآن) (تاکہ ناپاک کو پاک سے الگ کرے)۔ جس شخص کی نظر نے عارف

کے باطن اور حقیقت میں نفوذ کیا اس نے اس کی برکات سے خوب سیرابی حاصل کی اور جس نے صرف اُس کی صورت کو دیکھا اور اپنی بے حقیقت صورت پر اس کو قیاس کیا وہ اس کی برکات سے محروم رہا۔ اور ابدی خسارے کے ساتھ دا غدار ہُوا۔ اس نے نہیں جانا کہ یہ عارف کامل، مغز ہی مغز ہے کہ کوئی چھلکا درمیان میں حائل نہیں ہے۔ بلکہ اس کا پوست (چھلکا) بھی مغز میں تبدیل ہو گیا ہے۔ اور لوگ اُس کے مقابلے میں محض پوست ہیں جس میں مغز نہیں۔ لیکن چونکہ (اس عارف کے) تبدیل شدہ پوست کو پوست والے جسم پر باقی چھوڑ دیا گیا ہے (اس لیے) وہ ہر وقت ایک بے مغز پوست کے ساتھ ظاہری مشارکت رکھتا ہے اور اس ظاہری مشارکت کے ساتھ کہ جسمانی قید سے وابستہ ہے جو کہ جسم کے ٹوٹنے کے بعد باقی ہے محجوبوں کی آنکھ میں خاک ڈال کر ایسے دوستوں کو بے خبر رکھتا ہے۔ اَوْلِیَائِیْ تَحْتَ قَبَائِیْ لَا یَعْرِفُهُمْ غَیْرِیْ (میرے اولیاء میری قبا کے نیچے ہیں۔ اُن کو میرے سوا کوئی نہیں پہچانتا)

قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِیْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ
وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ[1]

(آپ فرما دیں کہ یہ میرا راستہ ہے میں اللہ کی طرف اس طرح پر دعوت دیتا ہوں کہ میں اور میری پیروی کرنے والے واضح دلیل پر ہیں اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں)

قدسیہ (۱۲) ۔ جو عارف کامل، تقلبِ ذاتی سے مشرف ہوا وہ جمالِ حق کو عالم کے آئینے میں مشاہدہ کرتا ہے اور اپنی ذات کو کُلی اور اجمالی طور پر دیکھتا ہے اور عالم کو اپنے مظاہر اور اپنے اجمال کی تفصیل پاتا ہے۔ اور تمام افرادِ عالم میں اپنی ذات کو ساری و جاری اور ایسا محیط دیکھتا ہے جیسے کل اپنے اجزاء کا احاطہ کیے ہوئے ہوتا ہے بلکہ جیسے ذات اپنی صفات کا احاطہ کرتی ہے۔ پس اس کے لیے ذات ہے اور اس کے ماسوا، صفات کے مظاہر ہیں اور یہ آخری قسم، کاملین میں سے بعض افراد کے ساتھ مخصوص ہے جو عنقاء کی طرح نایاب ہے۔ اگر ہزاروں سال کے بعد بھی ایک ایسا عارف پایا جائے تو بسا غنیمت ہے[2]۔

اگر شاہ آجائے بڑھیا کے گھر
تو اے خواجہ بالکل تو حیران نہ ہو

---

[1] سورۃ یوسف ۔ [illegible]
[2] [illegible] مکتوبات معصومیہ [illegible] کا مضمون ہے۔

قدسیہ (۱۳) - جو عنایاتِ الٰہی اس گناہ گار کے شاملِ حال ہیں ان کے متعلق کیا لکھا جائے۔ ع

قابلیت شرط کب ہے دادِ بخشش کے لیے

جو مقبول ہُوا بغیر سبب کے مقبول ہُوا۔ اگر اس (کرم کی) تفصیل لکھی جائے تو احتمال ہے کہ قلم اس کی تاب نہ لا سکے اور کاغذ جل جائے اور کہنے والا اور سننے والا ہوش کھو بیٹھے اور اس کے بعد کون کہے گا اور کون سنے گا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے: ؎

سراپا آگ ہو، کہہ دو کہ کوئی اور لے بھر دے

وگرنہ خود پیالہ جل اٹھے گا جب بھر دگے تم

اور اس کی لطافت اور رفعت بھی زبان کو تھام لیتی ہے۔ وَ يَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ[1] (اور میرا سینہ تنگ ہو جاتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی) ع

تیرے لب کی بات کہنے سے گرہ لب پر پڑی

پس سننے والے کو چاہیے کہ وہ کہنے والے کو معذور رکھے اور ہم جنس ہونے کی وجہ سے اس کی ذات کی طرف راہ ڈھونڈے تاکہ اُس کی ذاتِ بیچون سے اتصال اور انبساط حاصل کر سکے۔ اگرچہ متکلم کی ذات کو سننے والوں کی ذات سے کوئی جنسیت درمیان میں نہیں، کیونکہ اس نے ذاتِ بیچون سے حصہ پایا ہے اور ذاتِ حقیقی کے ساتھ ایک قسم کا اتصال اور ایک نسبتِ خاص پیدا کی ہے۔ پس وہ لوگ جو مرتبۂ ذات سے مطلقاً بے بہرہ ہیں وہ عارف کی ذات سے کیونکر واقف ہو سکیں گے۔ اور عارف کے خالق کی ذات تو اور بھی اُس کے ماوراء ہے۔ بہر حال کوشش کرنی چاہیے اور ہمیشہ اس طرح نغمہ زن ہونا چاہیے کہ: ؎

مفلس ہیں آپ کے کوچے میں آئے ہیں

للہ کچھ اپنے حسن کا صدقہ تو دیجیے

اے اللہ، تو میرے لیے اپنی محبت تمام چیزوں سے زیادہ محبوب بنا دے اور میرے لیے اپنا خوف تمام چیزوں کے خوف سے زیادہ کر دے اور اپنی ملاقات کے شوق کے ساتھ دنیا کی حاجات مجھ سے منقطع کر دے اور جب اہلِ دنیا کی آنکھیں اُن کی دنیا کے ساتھ ٹھنڈی ہوں تو میری آنکھوں کو اپنی عبادت

---

[1] سورۃ الشعراء (۱۳)۔

کے ساتھ ٹھنڈک پہنچا۔[1]

کرامت (۱) - اس فقیر (بدرالدین سرہندی) نے واقعے میں دیکھا کہ وہ معصوم مادر زاد تخت سلطنت پر بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ کے سر مبارک پر ایک بہت بڑا چتر سایہ کیے ہوئے ہے جس کو بہزاد نامی کا ایک خادم پکڑے ہوئے ہے۔ اس چتر کی وسعت کو کیا بیان کروں۔ گویا وہ ایک اور آسمان قائم ہو گیا تھا اور اس نے تمام عالم کا احاطہ کر لیا تھا۔ وہ چتر جواہر اور موتیوں سے جڑا ہوا تھا اور چاروں طرف بھی جواہرات لٹکے ہوئے ہیں۔ اس چتر کا حسن جمال بیان نہیں ہو سکتا۔

آپ کے خوارق، کرامات اور تصرفات کیا تحریر کروں۔ وہ تو خانہ زاد ہیں علیحدہ کتاب کی ضرورت ہے۔ مریدوں، مسترشدوں اور خلفاء کی زبانی بہت سے عجیب و غریب واقعات معلوم ہوتے ہیں اور کثرت خوارق آپ کی کرامات پر دلالت کرتے ہیں۔ یہاں اُن میں سے چند عرض کیے جاتے ہیں:

کرامت (۲) فضائل دستگاہ، حقائق آگاہ خواجہ محمد صدیق جو آپ کے خلیفہ ہیں اور پشاور میں مسند ہدایت کے لیے متمکن ہیں، بیان کرتے تھے کہ میں آپ کی خدمت میں حاضری کے لیے پشاور سے روانہ ہوا۔ خچر پر سوار تھا کہ یکایک وہ راستے سے بھاگا اور میں خانۂ زین سے جدا ہو گیا۔ لیکن میرا قدم رکاب بند میں تھا۔ خچر بھاگ رہا تھا اور مجھے گھسیٹ رہا تھا۔ ہر چند لوگ اس کے پکڑنے کو دوڑے لیکن کسی کا ہاتھ اس تک نہ پہنچا۔ اس اضطرار کی حالت میں پیر بزرگوار کی یاد میرے دل میں آئی۔ محض یاد آتے ہی میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ آپ نے آکر خچر کو روک لیا اور اسے کھڑا کر دیا چنانچہ میرا قدم، رکاب سے جدا ہو گیا۔ میں چاہتا تھا کہ اُن کے قدموں میں گر جاؤں لیکن وہ نظر سے غائب ہو گئے۔

کرامت (۳)- وہی (محمد صدیقؒ) یہ بھی بیان کرتے تھے کہ ایک مرتبہ آپ کی خدمت سے رخصت ہو کر وطن جا رہا تھا۔ راستے میں سلطان پور کے پل کے نیچے (ندی کے راستے میں) اپنا کپڑا پاک کر رہا تھا کہ میرا پاؤں لڑکھڑایا اور میں پانی میں سر تا پا غرق ہو گیا۔ میں تیرنا نہیں جانتا تھا اور پانی کبھی مجھے اوپر پھینکتا تھا اور کبھی تہہ میں لے جاتا تھا۔ مجھے زندگی کی امید نہ رہی۔ یکایک اس وقت حضرت تشریف لے آئے اور ہاتھ ڈال کر مجھے پانی سے باہر کھینچ لیا اور غائب ہو گئے۔

---

[1] مکتوبات معصومیہ - ۱/۱۶۳ - ۲۵ سائبان، بڑی چھتری

کرامت (۴) - وہی یہ بھی بیان کرتے تھے کہ غلبۂ حال میں ایک روز جنگل کی طرف چلا گیا اور ایسی جگہ پہنچ گیا جو آبادی سے بہت دُور تھی - پیاس بہت زور کی لگی ہوئی تھی کہ میں ہلاکت کے قریب تھا - اتنے میں آپ دُور سے آتے ہوئے دکھائی دیئے - میں انتہائی شوق میں آپ کی طرف دوڑا - جب میں وہاں پہنچا تو آپ وہاں نہیں دکھائی دیئے - لیکن وہاں میں نے پانی کا حوض پایا اور اس طرح خوب پانی پیا -

کرامت (۵) - وہی یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ "سلطان ذکر" کا مجھ پر غلبہ ہوا - تمام روز جنگل میں رہا کہ وہاں کسی کی رسائی نہ تھی - اُس وقت جہاں بھی نظر ڈالتا تھا آپ کا چہرۂ مبارک ہزاروں لاکھوں جگہوں پر دیکھتا تھا - بہت عرصے تک آپ مجھے نظر آتے رہے - پھر نظر سے غائب ہو گئے -

کرامت (۶) - وہی یہ بھی بیان کرتے تھے کہ میرا ایک مخلص نور روز بیگ جو آپ کے دیدار سے مشرف ہو چکا ہے بیان کرتا تھا کہ میں جلاؤ لکڑیاں بیل پر لاد کر لا رہا تھا کہ لکڑیوں کا گٹھا بیل پر سے زمین پر گر پڑا - اور وہاں کوئی شخص نہ تھا جو اُس گٹھے کو لادنے میں میری مدد کرتا - حیران و پریشان تھا اور اپنا کام نہ کر سکتا تھا - اتنے میں حضرت کو دیکھا کہ وہ تشریف لائے اور لکڑیوں کا گٹھا لاد دیا - اس کے بعد نظر سے غائب ہو گئے -

کرامت (۷) - آپ کے ایک خادم نے بتایا کہ (ایک مرتبہ) ایک ملازمہ مکان کے اندر سے آئی اور کہا کہ آپ حضرت مجددؒ کے روضۂ مبارکہ کے عقب میں بیٹھے ہوئے ہیں - اُن کو بُلا لاؤ - جب میں روضۂ منورہ کے احاطے میں آیا تو دیکھا کہ آپ کی جوتیاں دروازے پر رکھی ہوئی ہیں - میں روضۂ مبارکہ کے پیچھے کی طرف گیا تو آپ کو وہاں نہ پایا - سب طرف نظر دوڑائی لیکن نہ پایا - پھر روضۂ مبارکہ کے عقب میں آ کر دیکھا تو آپ مراقبہ میں تھے - میں سخت حیرت میں تھا -

کرامت (۸) آپ کے ایک مرید بیان کرتے تھے کہ آپ مسجد کے اندر کے حجرے میں بیٹھے ہوئے تھے اور مجھے ایک کام کے لیے بھیجا تھا جب میں واپس آیا تو دیکھا کہ حجرہ خالی ہے اور آپ وہاں مسجد میں نہیں ہیں - میں باہر آیا تو آپ نے حجرے میں سے آواز دی کہ اے فلاں یہاں آؤ - میں باہر آ جانے کی وجہ سے معذرت خواہ ہوا اور بڑی حیرت ہوئی -

کرامت (۹) - ایک دولت مند شخص جو آپ کا مرید ہو گیا تھا، بیان کرتا تھا کہ میں کچھ دنوں

تک اپنے گھر والوں سے الگ تھا۔ اُن دنوں میں جس جگہ کہ میں تھا ایک گانے والی بُری عورت بھی رہتی تھی۔ وہ بہت حسین جمیل، جوان اور دلکش تھی۔ ایک رات میں کمال مستی اور بیخودی میں آئی اور مجھے پکڑ لیا۔ اور مجھ پر اس قدر غالب ہوئی کہ میں حیلے کر کے دفع کر رہا تھا لیکن فائدہ نہ ہوا۔ ڈانٹ ڈپٹ سے بھی فائدہ نہ ہوا۔ جب اس کا اصرار بڑھا اور میرے نفس نے بھی غلبہ کیا اور میں نے بے لفتیا ہو کر اس کے قرب کا ارادہ کیا تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ آپ میرے اور اس کے درمیان حائل ہیں۔ اُسے نیند آگئی اور مجھ پر ہیبت طاری ہو گئی اور نفس کی سرکشی ختم ہو گئی۔ میں فی الفور اٹھ کھڑا ہوا اور توبہ کی۔

کرامت (۱۰)۔ آپ کے ایک نہایت مخلص مرید مولانا محمد محسن کابلی ہیں۔ وہ بتاتے تھے کہ آپ رمضان المبارک کے آخر عشرے میں اعتکاف میں تھے۔ ایک دن چاشت کے وقت میں آپ کی خدمت میں پہنچا تو آپ کو سوتا ہوا پایا۔ مجھے خیال ہوا کہ آج آپ معمول سے زیادہ سو رہے ہیں۔ اور یہ بھی گمان ہوا کہ یہ غفلت کی نیند ہے۔ اتنے میں آپ بیدار ہو گئے اور فرمایا: ؎

خواب میں وصل اس کا دیکھا ہے
خواب بہتر ہے یا کہ بیداری

میں بہت شرمندہ ہوا اور معذرت خواہ ہوا۔

کرامت (۱۱)۔ وہی یہ بھی بیان کرتے تھے کہ جس خلوت میں مجھے ذکر نفی واثبات کی تعلیم دی تھی آپ نے فرمایا تھا کہ کلمہ طیبہ لَآ اِلٰــہَ اِلَّا اللّٰہُ کو اپنے دل میں سے گزارو۔ اور اس کا طریقہ بھی سمجھایا تھا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ تحت اللفظ کو بھی خیال میں لایا کرو کہ "سوائے ذاتِ پاک کے میرا کوئی مقصود نہیں۔" میرے دل میں خیال گزرا کہ کلمے کے معنی تو یہ ہیں کہ وہ مقصود نہیں سوائے ذاتِ پاک کے۔ لفظ "کوئی" زیادہ ہے۔ یہ بات کئی مرتبہ میرے دل میں گزری لیکن عرض کرنا گستاخی سمجھتا تھا۔ (آخر) آپ کو میرے دل کا حال ظاہر ہوا تو فرمایا کہ "کیا تم نہیں جانتے کہ نکرہ کا نفی کے مقابل واقع ہونا عموم کا فائدہ دیتا ہے۔" آپ کے اس ارشاد سے وہ خطرہ میرے دل سے دُور ہوا اور میرا اعتقاد آپ پر پہلے سے دس گنا زیادہ ہو گیا۔

کرامت (۱۲)۔ حاجی نور الدین جو آپ کے مخلص ہیں اور سخت ریاضات اور مجاہدات والے

ہیں، بیان کرتے تھے کہ اس زمانے میں جب کہ میں بیت اللہ اور روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سفر پر تھا اور جہاز پر بیٹھا ہوا تھا کہ سخت اور تند لہروں کی وجہ سے جہاز غرق ہونے لگا۔ لوگ سخت پریشانی میں تھے اور ایک تہلکہ مچ گیا تھا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے اپنا سامان سمندر میں پھینک دیا تاکہ جہاز ہلکا ہو جائے اور غرق ہونے سے بچ جائے۔ اس اثنا میں میں نے مخدوم زادوں کا تصور کیا اور بہت تضرع کے ساتھ اُن سے التجا کی کہ مدد فرمائیے۔ بس تصور کرتے ہی دونوں صاحبزادے (محمد سعیدؒ اور محمد معصومؒ) تشریف لے آئے اور فرمایا کہ "خاطر جمع رکھو کہ ہم لوگ تمہاری امداد کے لیے پہنچ گئے ہیں اور انشاء اللہ یہ جہاز غرق نہ ہوگا۔" جب یہ خوشخبری میرے دل کو پہنچی میں نے اعلان کر کے لوگوں سے کہا کہ "آپ لوگ اپنا سامان سمندر میں نہ ڈالیں کہ انشاء اللہ یہ جہاز غرق نہیں ہوگا۔ میرے بزرگوں نے مجھے ایسی خوشخبری سنائی ہے۔" لیکن لوگوں کے خیال میں جہاز کا بچنا دشوار معلوم ہو رہا تھا، میری بات پر انھوں نے یقین نہیں کیا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر میں لہروں کا اٹھنا بند ہو گیا اور جہاز ٹھہر گیا۔ پھر تو وہ لوگ ہمارے حضرات کے معتقد ہو گئے اور مجھ کمترین سے خلوص فرمانے لگے۔ اور ہم سب لوگ وہاں سے خیر و عافیت کے ساتھ گزر گئے اور حج کے لیے پہنچ گئے۔

---

(۴) حضرت خواجہ محمد یحییٰ سلمہ اللہ تعالیٰ کے حالات

آپ حضرت مجددؒ کے فرزند ارجمند اور آخری اولاد ہیں۔ جب یہ بچے ہی تھے کہ حضرت مجددؒ نے رحلت فرمائی۔ اُس زمانے میں یہ حفظِ قرآن مجید کر رہے تھے اور حضرت مجددؒ اس نوعمر پر بڑی شفقت اور محبت فرماتے تھے۔ انھوں نے حفظِ قرآن مجید سے فارغ ہو کر علوم دینی کی طرف توجہ کی اور اکثر علوم عقلیہ و نقلیہ اپنے بڑے بھائیوں خواجہ محمد سعید اور محمد معصوم (سلمہما اللہ تعالیٰ) سے پڑھے۔ اور بیس سال کی عمر میں ان کی تکمیل کر لی۔ علمِ حدیث میں سندِ جید اور فقہ میں کامل دستگاہ حاصل کی۔ آج کل آپ بڑی بڑی کتابوں کا درس دینے میں مشغول ہیں اور نہایت قابلیت اور فطانت سے طلبہ کو مستفید فرماتے ہیں۔ آپ نے طریقۂ

عالیہ نقشبندیہ اپنے بڑے بھائی خواجہ محمد سعید سلمہ اللہ سے حاصل کیا اور علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد پورا سلوک اپنے بھائی خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ سے طے کیا۔ اور انہی سے وہ استفادہ کرتے رہتے ہیں اور ان کی توجہ کے طفیل میں واردات ومقامات و درجات وکمالات عالیہ پر پہنچ کرا نہیں، دونوں بھائیوں سے خلافت حاصل کی ہے اور طریقہ صلاح وتقویٰ نیز عبادات اور وظائف طاعات میں آپ کو کمال حاصل ہے۔

حضرت مجدد رح نے آپ کی ولادت سے پہلے بشارت[1] پائی تھی کہ فرزند پیدا ہوگا اور یحییٰ نام ہوگا۔ اس لیے انھوں نے آپ کا نام پیدائش سے پہلے ہی محمد یحییٰ مقرر کر دیا تھا۔ اور آپ ابھی بچے ہی تھے کہ حضرت شاہ کمال کیتھلی قدس سرہٗ کے پوتے حضرت شاہ سکندر رح[2] نیا حضرت مجدد رح کے دولت کدے پر تشریف لائے اور آپ سے فرمایا کہ "میاں شیخ احمد! اپنا ایک بیٹا ہم کو دے دیجیے کہ وہ ہماری طرح دانا اور دیوانہ ہو جائے"۔ آپ (حضرت مجدد رح) نے فوراً محمد یحییٰ کو طلب کیا۔ شاہ سکندر رح نے اس نونہال بوستانِ کمال کو اپنی گود میں بٹھایا اور حضرت مجدد رح سے فرمایا کہ "یہ ہمارا ہے"۔ اور بہت مہربانی فرمائی اور بہت زیادہ توجہ ان پر فرمائی چنانچہ توجہ کے وقت ان کی آنکھیں پرنم ہوگئیں اور تغیر ہیئت کے آثار نمودار ہوئے اور ظاہر ہوا کہ نسبت خاص کے عطا فرماتے ہیں۔ آپ (شاہ صاحب) بہت زیادہ التفات وعنایت فرما رہے ہیں۔ پھر فرمایا کہ "اس مخدوم زادہ کو شاہ کہا کریں"۔ چنانچہ اس روز سے ان کو شاہ محمد یحییٰ کہتے ہیں اور حضرت مجدد رح نے ختم مجلس کے بعد فرمایا کہ سبحان اللہ، میرا بچہ کم سنی میں اولیار کی

---

[1] روضۃ القیومیہ (صلا۳) میں ہے کہ اس آیت کی بشارت ہوئی تھی: اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨاسْمُهٗ يَحْيٰى (ہم تجھے خوشخبری دیتے ہیں ایک لڑکے کی جس کا نام یحییٰ ہے) پ ۱۶: ۴

[2] شاہ سکندر رح کا انتقال ۱۰۲۳ھ میں ہوا۔ بعض کتابوں میں خواجہ محمد یحییٰ کی تاریخ ولادت ۱۰۲۴ھ ہے۔ جو ۱۰۲۲ھ صحیح ہوگا۔ کیونکہ زبدۃ المقامات جو ۱۰۳۷ھ میں لکھی گئی اس میں (صفحہ ۳۱۳۔ ترجمہ) لکھا ہے کہ اس وقت آپ کی عمر ۱۵ سال ہے اور آپ مطول پڑھتے ہیں۔ اگر آپ کا سالِ ولادت ۱۰۲۴ھ مان لیا جائے تو پھر شاہ سکندر رح سے کیونکر ملاقات ہوئی ہوگی؟

قبولیت سے مشرف ہوا۔" [1]

حضرت مجدد رح ہمیشہ آپ کی فطرت کی بلندی اور استعداد کی رفعت سے متعلق خبر دیا کرتے تھے اور بعض کمالات علیہ اور مقاماتِ خصوصی کی بشارت دیتے تھے۔ چنانچہ وہ بشارتیں جو دی گئی تھیں ظاہر ہوئیں اور وہ کمالات جو بتائے گئے تھے متحقق ہوئے۔ ایک روز حضرت محمد معصوم رح نے اس مخدوم زادہ کے متعلق کمالاتِ مبشرہ کی خبر رمز و اشارہ سے دی اور بعض کمالات کے حصول کی توقع ظاہر فرمائی۔

حضرت مجدد رح کی دو بڑی کرامتیں صفحۂ روزگار پر باقی ہیں۔ ایک یہ کہ آپ کے کلام کا مثل تمام مشائخ و عرفائے عصر، لکھنے سے عاجز رہے اور دوسری یہ کہ آپ نے اپنے فرزندانِ گرامی کو اپنے تصرف سے اپنی طرح علم و عمل اور باطنی کمالات اس قدر عطا فرمائے کہ روئے زمین پر کسی اور شیخ نے اپنے فرزندوں کو تصرف اور توجہ سے اس طرح اپنے مثل نہیں بنایا۔ اور یہ دونوں کرامتیں دنیا میں آفتاب سے زیادہ روشن ہیں اور باعثِ تعجب خلائق ہیں۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ (یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے) پ ۲۸: ع ۱۱۔

---

(۵) محمد فرخ رح (۶) محمد عیسیٰ رح اور (۷) اُمِّ کلثوم رح کے حالات

محمد فرخ رح، محمد عیسیٰ رح اور اُمِّ کلثوم رح بھی حضرت مجدد رح کی اولادِ امجاد تھیں جن کا انتقال

---

[1] زبدۃ المقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ کے بڑے صاحبزادے کی صاحبزادی خواجہ محمد یحییٰ کے نکاح میں تھیں۔ یہ بھی ہے کہ آپ اپنے بھائیوں کے ساتھ ۱۰۶۷ھ میں حج کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ آپ کی وفات ۲۷ جمادی الاخریٰ ۱۰۹۶ھ کو سرہند میں ہوئی اور الگ گنبد میں مزار شریف ہے۔ حضرت مجدد رح تشہد میں رفعِ سبابہ نہیں فرماتے تھے (احتیاطاً غیر فرض میں رفع سبابہ فرماتے تھے)۔ لیکن خواجہ محمد یحییٰ نے رفعِ سبابہ کی تائید میں ایک رسالہ لکھا ہے۔

کم سنی اور حضرت مجددؒ کی حیاتِ مبارکہ کے زمانے ہی میں ہوا تھا۔ کہتے ہیں کہ وبا طاعون کے زمانے میں (۱۰۲۵ھ میں) محمد فرخ اور محمد عیسیٰ دونوں بیمار ہوئے۔ لوگوں نے کہا کہ دونوں کو ایک دوسرے سے الگ رکھنا چاہیے تاکہ ایک دوسرے سے متاثر نہ ہوں۔ (دل شکستہ نہ ہوں)۔ محمد فرخ کو جماعت خانے کے حجرے میں رکھا گیا اور محمد عیسیٰ کو اندر (زنانے میں) رکھا گیا۔ جب محمد عیسیٰ نے رحلت فرمائی تو لوگوں نے کہا کہ محمد فرخ کو خبر نہ ہونے دیں۔ لیکن اسی اثناء میں محمد فرخ نے کہا کہ "اے بھائی آپ نے بے وفائی کی کہ مجھ سے پہلے چلے گئے۔" مولانا عبدالحی (پٹنہ والے) موجود تھے انھوں نے کہا کہ "بابا! کس کے لیے کہہ رہے ہو؟" انھوں نے کہا کہ "محمد عیسیٰ کے لیے کہ انھوں نے رحلت میں سبقت کی ہے۔" مولانا نے کہا کہ "محمد عیسیٰ تو اندر ہیں۔ تمھیں کس طرح معلوم ہوا کہ وہ رحلت کر گئے ہیں؟" انھوں نے کہا کہ "میں دیکھ رہا ہوں کہ ملائکہ اُن کو غسل دے رہے ہیں۔" اور اُسی دن شام کے وقت محمد فرخ نے بھی رحلت فرمائی یعنی ۷ ربیع الاول ۱۰۲۴ھ کو۔[1]

ایک روز حضرت مجددؒ ایک حافظ صاحب سے سورۃ طٰہٰ سماعت فرما رہے تھے۔ فرمایا کہ میں نے حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا کہ مجلس میں تشریف رکھتے ہیں۔ جب میں نے بہت غور کیا تو معلوم ہوا کہ اُن کی نسل[2] میری ہے۔ اس وقت مجھے القاء ہوا کہ تمہارے گھر بچہ پیدا ہوگا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم ہوگا۔ چند روز کے بعد محمد عیسیٰ ماں کے پیٹ میں آئے اور وقت گزرنے پر پیدا ہوئے اور ان کا نام حضرت مجددؒ نے محمد عیسیٰ رکھا۔ ابھی وہ چار سال ہی کے تھے کہ ان سے خوارقِ عادات کا ظہور ہونے لگا۔ حاملہ عورتیں آپ کی خدمت میں آتی تھیں اور پوچھتی تھیں کہ بچہ پیدا ہوگا یا بچی؟ اور جیسا وہ کہتے تھے ویسا ہی ہوتا تھا۔ ایک روز ایک ایسی عورت، عورتوں کی جماعت میں بیٹھی ہوئی تھی، بعض عورتوں نے کہا کہ ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ بچہ پیدا ہوگا۔ محمد عیسیٰ چار سال کے تھے، انھوں نے کہا کہ "اس کے بچی پیدا ہوگی۔" عورتوں نے کہا کہ "بابا، عورتیں تو اپنے قیاس سے کہتی ہیں۔ آپ کس طرح جان لیتے ہیں؟" انھوں

---

[1] حضرات القدس میں یہاں ۱۰۲۴ھ درج ہے اور الفاظ میں درج ہے جو صحیح نہیں۔ ۱۰۲۵ھ ہونا چاہیے۔

[2] زبدۃ المقامات (ص ۳۱۲) میں یہ نسل والی بات نہیں ہے۔

نے کہا کہ "میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کے پیٹ میں بچی ہے۔" عورتوں نے کہا کہ "آپ کس طرح ایسا دیکھتے ہیں؟" انھوں نے کہا کہ "اسی طرح جس طرح کہ میں تم کو دیکھ رہا ہوں۔" وقت کے بعد اُس عورت کے بچی پیدا ہوئی تو بعض عورتوں نے مذاق میں کہا کہ "میاں جیو، آپ تو بچی کہتے تھے۔ اُسے تو بچہ پیدا ہوا ہے۔" انھوں نے کہا کہ "میں نے تو اُس عورت کے پیٹ میں بچی دیکھی تھی۔ ہرگز بچہ پیدا نہیں ہوا ہوگا۔" دوسری کرامت یہ تھی کہ مولانا امان اللہ اپنی شادی کرنے کے لیے سرہند سے چند منزلوں پر ایک گاؤں گئے ہوئے تھے۔ خبر آئی کہ لڑکی والے شادی کے لیے تیار نہیں ہیں کیونکہ وہ آپ کو شادی کے لائق نہیں سمجھتے۔ مولانا بہت پریشان ہوئے۔ انھوں نے محمد عیسیٰ کو طلب کیا اور اس معاملے کو دریافت کیا۔ انھوں نے کہا کہ "مولانا امان اللہ کا نکاح (انشاءاللہ) ہو جائے گا۔ فکر کی بات نہیں۔" چنانچہ ویسا ہی ہوا جیسا کہ انھوں نے کہا تھا۔ اور مولانا چند روز میں اپنی بیوی کے ساتھ سرہند آ گئے۔

خواجہ محمد ہاشم نے بتایا کہ ایک دن حضرت مجددؒ زنانہ مکان میں تشریف رکھتے تھے کہ آپ کی صاحبزادی اُمّ کلثوم جو اس وقت سات سال کی تھیں اُستاد کے پاس سے (پڑھ کر) آئیں اور بہت افسوس ظاہر کیا کہ "آہ میں تم سب کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل پا رہی ہوں۔" حضرتؒ نے فرمایا کہ "بی بی، یہ بات تمھیں کس طرح معلوم ہوئی؟" انھوں نے کہا کہ "آپ جس وقت فلاں عورت کو ذکر کی تلقین فرما رہے تھے، میں بھی موجود تھی اور اسی دن سے میرا دل ذاکر ہو گیا ہے اور کسی وقت مجھے غفلت طاری نہیں ہوتی اور کسی دل کا حال مجھ پر پوشیدہ نہیں رہتا۔"

۸ ربیع الاول سالِ مذکور میں اپنے دو چھوٹے بھائیوں کے بعد انھوں نے وفات پائی۔

حضرت دوازدھم

(حضرت مجددؒ کے خلفاء کے حالات)

(۱) میر محمد نعمان رحمۃ اللہ علیہ[1] ۔ حضرت مجددؒ کے باکمال خلفاء میں سے ہیں۔ ان کے والد ماجد میر شمس الدین بدخشانی المعروف "میر بزرگ" اپنے علو نسب، فضل، علم، تقویٰ، حضور اور صفا کی وجہ سے بدخشان اور ماوراء النہر کے مشاہیر میں شمار ہوتے تھے۔ بعض نادر علوم مثلاً جفر اور تکسیر وغیرہ میں بھی بے نظیر تھے۔ ان کا مولد و مسکن، شہر کشم تھا جو بدخشاں کا ایک شہر ہے اور ان کا مزار کابل میں ہے۔ میر بزرگ کے والد امیر جلال الدین اور دادا میر سید حمید الدین بھی مشاہیر علماء، اتقیاء اور عرفاء میں سے تھے۔ اور ان کے اگلے آباؤ اجداد میں سے ایک مقدس بزرگ ہوئے تھے جنھیں شیخ بلبل کہا جاتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تلاوت قرآن و قرأت فرقان اس طرح کرتے تھے کہ ان کے حسن آواز کی وجہ سے قریب و جوار سے بلبلیں جمع ہو جاتی تھیں جو پوری تلاوت تک نالہ و فریاد کرتی رہتی تھیں اور بعض اوقات پانچ چھ کی روح پرواز ہو جاتی تھی اور وہ مر جاتی تھیں۔

"امیر بزرگ" کو ایک موزہ فروش درویش سے طریقت میں ارادت تھی جو سلسلہ عشقیہ میں صاحب جذبات و کرامات تھے۔ اور خود کو سمرقند کے ویرانوں میں پوشیدہ رکھتے تھے اور موزہ فروشی کو اپنا پردہ بنائے ہوئے تھے۔ امیر بزرگ اس پیر بزرگ کا ایک واقعہ بیان کرتے تھے کہ ایک مرتبہ سمرقند کی جامع مسجد میں آپ پر وجد عظیم طاری ہو گیا کہ بڑھاپے کے باوجود آپ ایسے اچھلے کہ منبر جو دو قد آدم اونچا تھا اور ایک قد آدم چوڑا تھا اس کے اس طرف سے اس

---

[1] فارسی متن میں میر محمد نعمان کے نام کے بعد "قدس سرہ" بھی لکھا ہوا ہے۔ اگر مصنف نے لکھا ہے تو میر صاحب کی وفات (۱۸ صفر ۱۰۵۸ھ) کے بعد ہی حضرات القدس کی تکمیل ہوئی ہوگی۔

طرف تک جا پہنچے اور ذرا بھی چوٹ یا تکلیف ان کے بزرگ جسم اور شمائل مجتبٰی کو نہیں پہنچی میں نے اپنی کتاب "سنوات الاتقیاء" میں میر بزرگ کے حالات کے ذیل میں اس موزہ روشن بزرگ کی کچھ کرامات لکھی ہیں۔ اس لیے یہاں نہیں لکھی جاتیں۔ میر بزرگ نے شیخ قاسم کرمینی کی صحبت بھی حاصل کی ہے۔ اور ان کے نام سے ایک رسالہ تصنیف کیا ہے جس میں شیخ قاسم کے نام کو آب زر سے لکھا ہے (یعنی ان کو بہت سراہا ہے)۔ جب شیخ نے وہ رسالہ دیکھا تو وہ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ "جس طرح تم نے میرے نام کو عزت و تکریم دی ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ تم کو محترم و محتشم بنائے گا۔" اسی مبارک زمانے میں شاہزادہ محمد حکیم[1] نے ایک محبت سے بھرا ہوا خط میر بزرگ کو بھیجا اور ان کو کابل بلوایا۔ آپ نے قبول فرمالیا۔ جب آپ وہاں پہنچے تو اس نے بہت احترام واکرام کے ساتھ ملاقات کی اور جب اس سلطان کا انتقال ہوا تو ایک کافر وہاں حاکم ہو گیا تو میر بزرگ نے اپنے انتقال کے لیے اللہ پاک سے دعا کی جو قبول ہوئی اور آپ ۹۹۴ھ میں رحلت فرما گئے۔

میر محمد نعمان فرماتے تھے کہ میں اپنے والد کو ستر علوم میں فاضل سمجھتا تھا اور ان کے تقویٰ کا قائل تھا لیکن میں ان کو اولیاء میں سے نہیں خیال کرتا تھا۔ ایک دن میری بڑی بہن نے جو بڑی عارفہ تھیں مجھ سے فرمایا کہ میں نے والد صاحب کو واقعے میں دیکھا۔ انھوں نے فرمایا کہ "میرے بیٹے میر محمد نعمان سے کہنا کہ تم مجھ سے کیوں اعتقاد کم رکھتے ہو؟" اس دن سے میں آپ کی ولایت کا معتقد ہو گیا۔

اب میں اصل مقصد کی طرف آتا ہوں۔ حضرت میر مجھ سے فرماتے تھے کہ میرے والد نے یہ عہد کر لیا تھا کہ جو بچہ میرے یہاں پیدا ہو گا اس کا نام، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی سے مرکب کروں گا۔ چنانچہ جلال الدین محمد، سعد الدین محمد اور ضیاء الدین محمد میرے بھائیوں کے نام تھے۔ جب میں اپنی والدہ کے بطن میں تین ماہ کا تھا تو میرے والد نے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ

---

[1] شاہزادہ محمد حکیم، اکبر بادشاہ کا بھائی تھا۔ ۱۲ر شعبان ۹۹۳ھ کو کابل میں انتقال ہوا۔ (منتخب التواریخ بدایونی)

نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا کہ گویا فرماتے ہیں کہ جو بچہ پیدا ہو اس کا نام میرے نام نعمان سے مسمّیٰ کرنا۔ پھر جب میں پیدا ہوا تو میرے والد ماجد نے اپنے عہد کے مطابق میرا نام محمد نعمان رکھا تاکہ اس عہد کی پابندی بھی ہو اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کے امر کی تعمیل بھی ہو جائے۔ یہ بھی (میر صاحب نے) فرمایا کہ میری ولادت ۹۷۷ھ میں سمرقند میں ہوئی۔

قدسیہ۔ آپ فرماتے تھے کہ میرے بچپن میں بعض نادر نسبتیں مجھ پر غلبہ کرتی تھیں اور مجھے بے قابو کر دیتی تھیں اور غلبیت واستغراق ہو جاتا تھا۔ جب میں فقراء کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کے مراقبات وواردات سے واقف ہوا تو مجھے یقین ہوا کہ وہ سب کیفیات اس طریق ہی سے متعلق ہیں۔

جب آپ بڑے ہوئے تو بلخ میں امیر عبداللہ بلخی عشقی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ان کی اشارت وبشارت کی بنا پر توبہ کی توفیق حاصل ہوئی۔ اس کے بعد اتفاقیہ طور پر ہندوستان آنا ہوا۔ اور راہِ سلوک کی طلب میں بہت سے بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہر ایک سے اذکار سیکھے اور ان پر عمل بھی کیا۔ اور حضرت شیخ سعید حبشی سے بھی مصافحہ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اور جہاں کہیں کسی بزرگ کا نام سنتے وہاں پہنچ جاتے اور اس کے ساتھ رہتے پھر ان کے شوقِ طلب نے ان کو قطب المحققین حضرت خواجہ محمد باقی قدس سرہ کی خدمت میں پہنچا دیا۔ حضرتؒ نے ان کے حال پر بہت کرم فرمایا۔ ان کو اپنی عنایت کے آغوش کا شرف بخشا اور طریقہ نقشبندیہ کے ذکر ومراقبہ سے نوازا۔ میر صاحب نے نوکری اور علائق دنیوی ترک کر کے اپنے فرزندوں اور عزیزوں کی کثیر جماعت کے ساتھ پورے توکل پر قائم رہتے ہوئے اور فقر وفاقہ کے ساتھ حضرت خواجہؒ کی خدمت میں وقت گزارا اور اسی حالت پر خوشی اور مسرت حاصل کی۔

کہتے ہیں کہ کسی امیر نے حضرت خواجہؒ کی خانقاہ کے فقراء کے لیے یومیہ دینے کی درخواست کی۔ حضرتؒ نے چند آدمیوں کے نام یومیہ قبول کرنے کے لیے تجویز کیے۔ اتنے میں کسی شخص نے حضرت خواجہؒ سے عرض کی کہ میر محمد نعمان اپنے کثیر اہل وعیال کی وجہ سے سخت فقر وفاقہ میں وقت گزار رہے ہیں۔ حضرت خواجہ قدس سرہ نے فرمایا کہ وہ میرے بدن کے اجزاء میں سے ہیں اس لیے میں اپنے آپ کو ایسی باتوں سے ملوث نہیں کرنا چاہتا۔ میر صاحب فرماتے تھے ک

اُن دنوں گو کہ ہم فاقے پر فاقہ کر رہے تھے لیکن حضرت خواجہؒ کے اس خصوصی کرم کی سماعت سے ہم کو بے حد خوشی اور خوش دلی حاصل ہوئی اور ہم جھوٹ منہ لگے اور حسنِ احوال کے اُمیدوار ہوئے۔

حضرت خواجہؒ کے تصرفات کے ذیل میں میر صاحب کے احوال وکمال کا کچھ ذکر حضرتؒ کی کرامات کے ساتھ اوپر آچکا ہے۔

حضرت خواجہؒ نے میر صاحب کی تربیت ہمارے حضرت مجددؒ کے سپرد کر دی تھی جب کہ حضرت مجددؒ کو آپ نے خلعتِ خلافت دے کر سرہند کے لیے رخصت فرمایا تھا (غالباً)۔ جب حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے رحلت فرمائی تو حضرت مجددؒ تعزیت کے لیے دہلی تشریف لے گئے۔ میر صاحب نے حضرت مجددؒ کو ایک رقعہ لکھا جس میں اپنی شکستہ دلی، غریبی، محتاجی، بے نصیبی اور بے استعدادی کا ذکر کیا اور حضرت خواجہؒ کی اس وصیت کا ذکر بھی کیا جس کے ذریعے میر صاحب کی تربیت حضرت مجددؒ کے سپرد فرمائی گئی تھی۔ اسی رقعے میں یہ بھی لکھا کہ "مجھے آپ کی عنایات حاصل کرنے کے لیے سوائے اس کے اور کوئی ذریعہ نہیں کہ میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے نسبت رکھتا ہوں (یعنی سید ہوں)۔ مجھ پر سید الانبیا علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقے پر رحم فرمایئے۔" حضرت مجددؒ پر اس رقعے کے مطالعے سے رقت طاری ہوگئی۔ فرمایا کہ "میر صاحب رنج نہ کریں۔ انشاء اللہ بہتری ہوگی۔" یہ بھی فرمایا کہ "حضرت خواجہ قدس سرہٗ کے اصحاب میں میر صاحب کو ہم سے خاص مناسبت ہے۔" جب حضرت مجددؒ نے وطن کو مراجعت فرمائی تو میر صاحب کو اپنی عنایت و تربیت کے آغوش میں سرہند لائے۔ جہاں وہ سالہا سال تک قیام پذیر رہے یہاں تک کہ حضرت مجددؒ ایک مرتبہ بیماری میں بہت کمزور ہو گئے اور (اللہ پاک کی طرف سے) ان کو موت وحیات کا اختیار دیا گیا۔ پس خیال آیا کہ شاید رحلت کر جانے کا اختیار ہی آجائے۔ اس لیے حضرات خواجگان قدس اسرارہم کی امانت اس کے اہل کے سپرد کر دینا چاہیے۔ اس وقت اس بار کے اٹھانے کے اہل صرف سب سے بڑے صاحبزادے یعنی خواجہ محمد صادقؒ اور میر صاحب (دو) تھے۔ اس لیے وہ امانت ان دونوں کے سپرد فرمائی اور ان دونوں کی استعداد کے مطابق ان کو نوازا۔ لیکن اس کے بعد فرزندوں اور مخلصوں کے التماس و الحاح کی وجہ سے آپ نے زندگی مستعار کی طرف رغبت فرمائی اور اللہ پاک نے اس خواہش کے مطابق جلد صحت عطا فرما دی۔ اس کے بعد فرمایا کہ

ضعف کی حالت میں ان نسبتوں کے دینے کا راز یہ تھا کہ بعض معاملات و مقامات مجھے اسی وقت حاصل ہو سکتے تھے جب کہ میں وہ نسبتیں تم کو دے دیتا۔ اس کے بعد سے میر صاحب کی تربیت اور اُن پر عنایت روز افزوں ہوتی رہی اور ہمیشہ خصوصی التفات و الطاف سے نوازے جاتے رہے اور اُن کا معاملہ پستی سے انتہائی عروج تک پہنچایا گیا۔ یہاں تک کہ ۱۰۱۸ھ کے قریب میر صاحب کو خلعتِ خلافت و ارشاد سے سرفراز فرما کر برہان پور بھیج دیا۔ یہ خلافت نامہ حضرت مجددؒ نے اپنے قلم سے تحریر فرمایا تھا (عربی میں تھا):۔

"وہی ایک اللہ ہے، سوائے اس کے اور کوئی نہیں۔ ہم اس کی تعریف کرتے ہیں اور اس کے نبیؐ اور اُن کی بزرگ آل پر صلوٰۃ و سلام بھیجتے ہیں۔ (اس کے بعد عرض ہے کہ) برادرِ صالح، سالکِ طریقِ حق، عارف باللہ، سید کامل محمد نعمان (اللہ تعالیٰ اُن کو ہمیشہ اپنی مرضیات کی توفیق مرحمت فرمائے) جب فقیر کے توسط سے سلکِ ارادۃ المشائخ النقشبندیہ میں داخل ہوئے اور اُن کے طریقۂ عالیہ کا سلوک طے کر لیا اور اُن سے طریق کے لیے نفع کا امکان پایا گیا، تو میں نے اُن کو ان اکابر کے طریقے کی تعلیم، طالبینِ راہ کو دینے کی اجازت دی، مطابقِ شریعت و حقیقت۔ اور سلام ہو اس پر جس نے ہدایتِ حق کی پیروی کی اور حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی متابعت کو اپنے اوپر لازم کیا۔" [1]

میر صاحب، حضرت مجددؒ کے حکم کی تعمیل میں برہان پور گئے۔ وہاں آپ کو مقبولیتِ عظیم [2]

---

[1] لیکن حضرت مجددؒ نے دفتر اول کے مکتوب ۲۲۸ میں ان کو لکھا تھا کہ "اجازت نامہ لکھنے میں آپ جو اس قدر مبالغہ اور کوشش کر رہے ہیں اس سے آپ کا کیا مقصود ہے۔ طریقہ کی تعلیم کی جو اجازت آپ کو مل گئی ہے اگر وہ کافی نہیں تو اجازت نامہ کیا کرے گا۔"

[2] محمد ہاشم کشمیؒ زبدۃ المقامات (صفحہ ۳۱۹) میں لکھتے ہیں کہ میر محمد نعمانؒ دو مرتبہ برہان پور میں کامیاب نہیں ہوئے کیونکہ وہاں شیخ محمد فضل اللہؒ اور شیخ عیسیٰ جند اللہؒ جیسے صاحبِ حال و قال بزرگ موجود تھے۔ لیکن تیسری بار حضرت مجددؒ نے بھیجا تو پھر مقبولیت ہوئی

حاصل ہوئی اور اس قدر آپ کے تصرف اور صحبت کا اثر ہُوا کہ اس کی تفصیل لکھنے کے لیے ایک علیحدہ کتاب کی ضرورت ہو گی۔ فقیر و امیر اور اہل غفلت یا اہل حضور پر آپ کی صحبت اور تصرف کے اثر سے اس قدر جذب و مستی کا غلبہ ہُوا کہ وہ لوگ اپنے کپڑے پھاڑ دیتے تھے اور مرغ بسمل کی طرح زمین پر تڑپتے تھے اور کبھی کبھی تیس چالیس آدمی یکبارگی ہوش کھو بیٹھتے اور زمین پر گر پڑتے۔ بلکہ دیکھنے والوں میں سے بھی صوفیہ اور منکر بھی معتقدوں کی طرح مدہوشی اور بے خودی سے زمین پر لوٹتے تھے اور تڑپتے تھے۔ میر صاحب کے تصرفات اس حد تک ہوئے کہ دوسرے مشائخ کے مرید بھی جو اس شہر میں تھے بے اختیار ہو کر اُن کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے اور بہت سے فاسق بھی اصلاح پذیر ہو گئے اور بہت سے ہوش والے بیخودی اور جذب سے سرشار ہو گئے۔

قدسیہ۔ آپ فرماتے تھے کہ ایک خواب دیکھا کہ میں حضرت مجددؒ کی خدمت میں سفر سے حاضر ہُوا ہوں اور آستانۂ عالیہ کے گرد گھوم رہا ہوں کہ اتنے میں حضرتؒ مکان کے اندر سے تشریف لے آئے اور مجھے دروازے پر سر جھکائے ہوئے نیاز مندی اور انکساری کی حالت میں دیکھا۔ بہت خوش ہوئے اور بہت زیادہ توجہ فرمائی اور مجھے بغل میں لے لیا، پھر فرمایا کہ "میر صاحب کو سفر کی وجہ سے گرمی کا غلبہ ہو رہا ہے، شکر کا شربت لاؤ۔" چنانچہ شکر کے شربت کا ایک سفید پیالہ لایا گیا۔ حضرت نے فرمایا کہ "میر صاحب، یہ پیالہ پورا پی جاؤ اور کسی کو اس میں سے ایک قطرہ بھی مت دو۔" میں نے پھر وہ پورا پیالہ، شکر کے شربت کا پی لیا۔ اس کے بعد حضرتؒ نے قبلہ رو ہو کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور کہا کہ "اے اللہ تعالیٰ، وہ نسبت جو خاص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے وہ میر صاحب کو نصیب فرما۔" پھر حضرتؒ نے اپنے ہاتھ منہ پر پھیر لیے۔ اس کے بعد پھر آپ نے ہاتھ اٹھائے اور عرض کیا کہ "اے اللہ تعالیٰ، وہ نسبت جو خاص میری ہے وہ بھی میر صاحب کو نصیب فرما۔"

اس خواب سے جب میں بیدار ہوا تو حضرتؒ کی خدمت میں اسے عرض کیا اور آپ سے اس کی تعبیر دریافت کی۔ آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر آپ کی مجلس سے جدائی ہو گئی لیکن کچھ عرصے کے بعد یہ مکتوب تحریر فرمایا:

" ایک روز صبح کی نماز کے بعد احباب بیٹھے ہوئے تھے۔ دانستہ یا نادانستہ طور پر آپ کی طرف توجہ ہو گئی اور دوسرے آثار جو نظر میں تھے اُن کو دور کرنے کی کوشش کی گئی اور وہ ظلمتیں اور کدورتیں جو محسوس ہو رہی تھیں اُن کے دور کرنے کا اہتمام بھی تھا۔ یہاں تک کہ آپ کے کمال کا ہلال، بدر کامل بن گیا اور جو کچھ کہ ہدایت کے آفتاب میں ودیعت کر رکھا تھا وہ سب اس بدر میں منعکس ہو گیا۔ حتّیٰ کہ اس کمال کی طرف کچھ متوقع اور منتظر نہ رہا۔" سوائے اس کے کہ ظرف وسیع ہو جائے اور اپنی وسعت کے مطابق کچھ حاصل کرے۔" اور بہت دیر تک اس کیفیت کی مثالی صورت، نظر میں رہی، یہاں تک کہ وہ یقین جو صدق کا مصداق ہے حاصل ہوا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالْمِنَّۃُ عَلٰی ذٰلِکَ۔ اس دولت کا حصول اس واقعہ (خواب) کی تاویل ہے جو آپ نے دیکھا تھا اور اس کی تعبیر کیلئے بہت مبالغہ اور تاکید کی تھی۔ اللہ پاک کا بڑا احسان ہے کہ آپ کا یہ قرض سب کا سب ادا ہو گیا اور وعدہ پورا ہو گیا۔ اب امید ہے کہ اس کمال کے مطابق تکمیل ہو جائے گی اور اس علاقے کے دشت و صحرا آپ کے وجود سے منور ہو جائیں[1]

چونکہ میر صاحب کو حضرت مجددؒ کے ساتھ آپ کے اصحاب میں سب سے زیادہ عشق و محبت کا امتیاز حاصل تھا، اس لیے اُن کی شہرت اور مقبولیت نہ صرف ہندوستان میں بلکہ رُبع مسکون میں سورج کی طرح ہو گئی تھی۔ مریدوں کی کثرت اس درجہ تھی کہ بعض دشمنوں نے سلطانِ وقت (جہانگیر) تک یہ بات پہنچائی کہ آپ کے ملک کی سرحد میں برہان پور کے شہر میں ایک درویش ہے جو خود کو حضرت میر کہلاتا ہے اور اس کے مرید ایک لاکھ ازبک سوار ہیں۔ بادشاہ نے اس دغدغہ کے وہم سے کہ کہیں فتنہ اور بغاوت برپا نہ ہو جائے ان کو برہان پور سے طلب کیا اور دریافت کیا کہ آپ خود کو حضرت میر کیوں کہلاتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں سیّد ہوں، سیّد کو میر کہتے ہیں۔ البتہ میں خود کو حضرت کہلانا پسند نہیں کرتا۔ آپ ممانعت

---

[1] مکتوبات شریف۔ دفتر اوّل۔ مکتوب ۲۴۶

کرا دیں تاکہ ایسا نہ کہیں۔ بادشاہ نے پھر پوچھا کہ آپ کے ایک لاکھ مرید ہیں؟ حضرت کو اس بات پر ہنسی آگئی۔ بادشاہ نے حاضرین سے خطاب کرکے کہا کہ دیکھو، میں اس سے بات کرتا ہوں اور وہ ہنستا ہے۔ اس کا تکبر تو دیکھو۔ مرحوم مہابت خان[1] اس وقت موجود تھے۔ انھوں نے بظاہر (بادشاہ کی) موافقت کرتے ہوئے کہا کہ ان کے پیر بزرگوار نے مختلف ملکوں میں اپنے خلفاء کو متعین کیا ہے۔ ان کو برہان پور دیا ہے۔ ان کا جاہ وجلال اس قدر ہے کہ ہم اور تم جیسے (یعنی عام لوگ) ان کے یہاں باریاب نہیں ہو سکتے۔ بادشاہ سمجھا کہ مہابت خان بھی ان کا دشمن ہے۔ اس لیے اس نے کہا کہ اس درویش کو تمھارے حوالے کیا۔ مہابت خان ان کو اپنے مکان پر لایا۔ اور ہر طرح آپ کی خدمت اور خاطر تواضع کی اور طرح طرح کی دعوتیں کیں۔ پھر تو مرید اور دوسرے لوگ مور اور ملخ (چیونٹیوں اور ٹڈیوں) کی طرح حضرت میر کی زیارت کے لیے آنے لگے اور ہدیے تحفے پیش کرنے لگے۔ بادشاہ نے جب یہ بات سنی تو مہابت خان پر اعتراض کیا۔ مہابت خان نے عرض کیا کہ بادشاہ سلامت! یہ درویش پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہے اس کے علاوہ وہ کچھ نہیں رکھتا۔ بادشاہ نے فرمایا کہ اچھا اُسے ہم چھوڑتے ہیں۔ لیکن وہ برہان پور میں نہ رہے اور دارالخلافہ اکبرآباد (آگرہ) کو اپنا وطن بنالے[2]۔ میر صاحب نے یہ بات منظور فرمالی اور اکبرآباد میں توطن اختیار کرکے طالبوں کے رشد وہدایت میں مصروف ہو گئے۔

قدس سرہ۔ آپ فرماتے تھے کہ ایک رات میں جامع مسجد برہان پور کے صُفّہ سے جو ایک قدِ آدم اونچا تھا، زمین پر گر پڑا۔ چنانچہ میرے ہاتھ میں بہت چوٹ آئی۔ لیکن گرنے کے ساتھ ہی ایک مقامِ (سلوک) کہ جس کی مجھے آرزو تھی حاصل ہوگیا۔ اور میں اس چوٹ لگنے سے بہت خوش ہُوا۔ اور اس نعمت کے حصول کے شکرانے میں میں نے حلوا پکوا کر تقسیم کیا اور میرا اعتقاد تھا کہ

---

[1] مہابت خاں کا انتقال ۱۰۴۳ھ/۱۶۳۴ء میں ہوا۔ شاہنواز خاں کی مآثر الامراء جلد سوم (لاہور ۱۹۷۰ء) میں تفصیل سے اس کے حالات درج ہیں۔ روضۃ القیومیہ میں ہے کہ مہابت خان بھی حضرت مجددؒ سے بیعت تھا۔

[2] میر محمد نعمان جب آگرہ میں تھے تو ۱۰۲۱ھ میں حضرت مجددؒ نے (۲/۹۲) ان کو لکھا تھا کہ کفار کس طرح سے مسلمانوں پر ظلم ڈھا رہے ہیں اور یہ کہ بادشاہ جب ممالک کی سیر سے واپس آئے گا تو میں وہاں حاضر ہوں گا۔ اس حاضری ہی پر آپ قید ہوئے تھے۔

جو شخص وہ حلوہ کھائے گا جنت میں جائے گا۔

قدسیہ۔ حضرت مجددؒ کی تعریف کرتے ہوئے آپ فرماتے تھے کہ میں کئی ایسے حضرات کو جانتا ہوں جو حضرتؒ کی صحبت کی برکت سے قطب کے درجے کو پہنچ چکے ہیں۔

قدسیہ۔ آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے ابوبکر! میرے فرزند محمد نعمان کو بتا دو کہ جو شخص شیخ احمد (حضرت مجددؒ) کا مقبول ہے وہ میرا اور میرے خدا کا مقبول ہے اور جو شخص شیخ احمد کا مردود ہے وہ میرے خدا کا مردود ہے۔ میں نے یہ بشارت سنی تو بے حد خوش ہوا۔ الحمد للہ کہ میں حضرت مجددؒ کا مقبول ہوں۔ اس لیے میں حق تعالیٰ کا بھی مقبول ہوں گا۔ (بشارت وہی ہے جو ابھی مذکور ہوئی)۔

قدسیہ۔ آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک خیمہ بہت بلند کیا ہوا ہے جیسا کہ بادشاہوں کے نوروز والے دنوں میں بلند کیا کرتے ہیں اور اس عظیم خیمے میں ہفت اقلیم کے لوگ کھڑے ہوئے ہیں اور جس طرح اس دنیا میں بادشاہ، حکام اور ارباب قلم وغیرہ ہوتے ہیں اور دیہات، شہر، قریے، بازار، سکے، راستے، موت، زندگی، فقیری امیری، مالک غلام ہوتے ہیں، اسی طرح وہاں بھی ہیں۔ پھر سب حکام لوگ مرکز خیمہ کی جانب ایک نظر ڈالتے ہیں جو مرکزی ستون کی جگہ ہے، پھر دوسری نظر دنیا اور دنیا والوں کی طرف ڈالتے ہیں اور کارگزاروں کے سپرد، خدمت متعین کرتے ہیں۔ مجھے خیال گزرا کہ اوپر کو دیکھوں کہ وہاں کیا ہے کہ خدمت گزار لوگ وہاں سے حکم حاصل کرتے ہیں اور دنیا والوں میں اُسی حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں چنانچہ میں نے سر اٹھایا اور نظر ڈالی تو دیکھا کہ خیمۂ عظیم کے وسط میں سر ستون کے بجائے ایک روزن ہے اور حضرت مجددؒ اس خیمے کے اوپر بیٹھے ہوئے ہیں اور اپنا چہرۂ مبارک اس روزن پر کیے ہوئے ہیں اور وہیں سے اشارہ فرماتے ہیں اور تمام جہان کے ممالک کے کارپردازان (متصدیان) اپنی خدمات کے مطابق وہاں سے حکم کا اشارہ حاصل کرتے ہیں اور اُسی کے مطابق عمل کرتے ہیں اور تمام متضاد اور مختلف مطالب اور مقاصد کو (آپ کے) ایک اشارے سے سمجھ لیتے ہیں۔

درجہ۔ آپ (میر صاحب) یہ بھی فرماتے تھے کہ میں ایک روز صبح کے حلقے میں حضرت مجددؒ کے روبرو بیٹھا ہوا تھا۔ مراقبے سے سر اٹھایا تو میں نے دیکھا کہ آپ کے بجائے حضرت سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ مجھ پر ہیبت طاری ہوگئی۔ جلدی سے میں نے سر جھکا لیا اور شغلِ باطن (مراقبے) میں لگ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے پھر سر اٹھایا تو دیکھا کہ حضرت مجددؒ بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے پھر مراقبے میں سر جھکا لیا۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد پھر سر اٹھایا تو دیکھا کہ حضرتؒ کی جگہ پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ پر حضرت مجددؒ بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے پھر مراقبے میں سر جھکا لیا اور تھوڑی دیر کے بعد پھر سر اٹھا کر دیکھا تو دونوں جگہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا اور پھر دونوں جگہ حضرت مجددؒ کو پایا۔ اس کے بعد دیکھا کہ صرف حضرت مجددؒ ہی بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ واقعہ بالکل آنکھوں دیکھا ہے۔ خواب یا مکاشفہ نہیں ہے۔

درجہ۔ آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ جب میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں تھا تو انھوں نے تمام مریدوں سے فرمایا کہ حضرت مجددؒ کی خدمت میں جاؤ اور جس طرح کا ذکر وہ بتائیں ویسا ہی کرو۔ اور ان کی موجودگی میں میری تعظیم نہ کرو بلکہ اپنی توجہ بھی میری طرف نہ رکھو۔ مجھے بھی انھوں نے حضرت مجددؒ کی صحبت کی ترغیب فرمائی۔ لیکن انھوں نے یہ بھانپ لیا کہ مجھے انکار ہے تو فرمایا، "میاں شیخ احمد ایک آفتاب ہیں کہ ہمارے جیسے ہزار ہا ستارے ان میں گم ہیں اور بڑے بڑے اولیائے متقدمین میں بھی ان جیسے بہت کم ہوئے ہیں۔"

میر صاحب فرماتے تھے کہ حضرت خواجہؒ کے اس ارشاد کے بعد حضرت مجددؒ سالہا سال تک بقید حیات رہے اور خدا ہی کو معلوم ہے کہ ان کے درجات اور بھی کس حد تک آگے بڑھے تھے۔[1]

واضح ہو کہ حضرت مجددؒ نے جو مکتوبات میر صاحب کو لکھے تھے وہ کثیر تعداد[2] میں ہیں اور وہ سب حضرتؒ کے مکتوبات کے تینوں دفتروں میں (کہ جو آفتاب سے زیادہ دنیا میں مشہور ہیں) موجود مذکور ہیں۔ ان سب کا ذکر اس کتاب میں مشکل ہے۔ اس لیے صرف چند کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔

---

[1] میر صاحب کا ایک رسالہ تصوف سے متعلق ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان نے ۱۳۸۹ھ میں شائع کیا ہے۔

[2] میر صاحب ہی کے نام سب سے زیادہ مکتوبات ہیں۔ دفتر اول میں ۱۱۹-۱۲۰-۱۲۱-۱۲۳-۲۰۴-۲۰۹-۲۲۴-۲۲۸-۲۳۱-۲۳۸-۲۴۶-۲۵۷-۲۶۱-۲۸۱-۳۱۲- دفتر دوم میں ۴-۹۲-۹۰- دفتر سوم میں ۱-۴-۵-۹-۱۰-۱۲-۱۵-۱۸-۱۹-۲۱-۲۶-۳۰-۳۶-۴۹-۱۰۲- ان کے علاوہ چند دیگر مکتوبات میں بھی ضمناً آپ کا ذکر آتا ہے۔

مکتوب (۱/۲۳۸)

آپ نے جو اپنے خط میں مریدوں کی کثرت اور اُن کی ترقیات کا حال لکھا ہے تو اَکْثِرُوْا اِخْوَانَكُمْ فِی الدِّیْنِ (برادرانِ دین کو بڑھاؤ) کے مصداق بڑی امیدیں ہیں اور سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِیْكَ (القصص-۳۵) (قریب ہے اے موسیٰ، ہم تمہارے بازو کو تمہارے بھائی ہارون سے قوت دیں گے) —— یہ آیتِ کریمہ بھی اسی مضمون کی تائید کرتی ہے۔ لیکن چاہیے کہ اپنے احوال اعمال نظر میں رہیں اور اپنی حرکت و سکون ملحوظ رہے۔ ایسا نہ ہو کہ مریدوں کی ترقیاں پیروں کی ترقی کو روک دیں اور طالبوں کی حرارت مرشدوں کے کام میں سردی پیدا کر دے۔ اس بات سے بہت ڈرتے رہنا چاہیے اور مریدوں کے حالات اور مقامات کو شیرِ ببر کی طرح سمجھنا چاہیے۔ ان پر فخر و مباہات نہیں چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ اس وجہ سے خود پسندی کا دروازہ کھل جائے۔ بلکہ اَلْحَیَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ (شرم و حیا، ایمان کی ایک شاخ ہے) کے بموجب، مریدوں کی ترقی، شرمندگی کا باعث ہونا چاہیے اور اُن کی حرارتِ طلب، غیرت و عبرت کا موجب ہونا چاہیے۔ اور چاہیے کہ ہمیشہ اپنے اعمال کی کوتاہی اور نیتوں کی خامی ملحوظ رہے اور حال و قال کی زبان هَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ سے تر رہے ......

مکتوب (۱/۲۲۸): اے بھائی! میں تم کو پھر لکھتا ہوں کہ اس طریق کا دار و مدار دو باتوں پر ہے۔ ایک تو استقامت ہے شریعت پر۔ کہ اس کے چھوٹے سے چھوٹے آداب کو ترک کرنے پر راضی نہ ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ شیخ طریقت سے محبت اور اخلاص میں رسوخ اور مضبوطی کے ساتھ قیام چاہیے کہ کسی طرح اُس پر اعتراض کرنے کی طاقت نہ رہے بلکہ اس کے تمام حرکات و سکنات، محبوب اور پسندیدہ معلوم ہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی عنایت سے یہ دونوں باتیں پوری طرح حاصل ہیں تو پھر دنیا اور آخرت دونوں کی سعادت حاصل ہے۔

مکتوب (۱/۲۳۱): حصول اور وصول کے فرق کے متعلق آپ نے سوال کیا ہے۔ اے بھائی، حصول، بُعد کے باوجود متصور ہو سکتا ہے۔ لیکن وصول ممکن نہیں۔ جیسے عنقا کی کسی صورت مخصوصہ کا تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ اس طرح ہمارے ادراک میں حاصل ہے لیکن عنقا کا وصول لازم نہیں آتا کیونکہ ظلیت جو ظہورِ شے سے عبارت ہے۔ مرتبہ ثانی میں اُس شے کے حصول کے

منافی نہیں۔ لیکن حصولِ شے، ظلیت کی تاب نہیں لاسکتا۔ پس فرق بخوبی ظاہر ہوگیا۔
مکتوب (۳/۱۲): آپ نے پوچھا تھا کہ ذکرِ نفی واثبات یا تلاوتِ قرآنِ مجید یا نماز بطول قنوت (قرارت) میں سے کونسی چیز بہتر ہے۔
واضح ہو کہ ذکرِ نفی واثبات، وضو کی مانند ہے جو نماز کے لیے شرط ہے۔ جب تک طہارت درست نہ ہو نماز کا شروع کرنا ممنوع ہے۔ اسی طرح جب تک ذکرِ نفی واثبات کا معاملہ انجام کو نہ پہنچ جائے اس وقت تک فرائض و واجبات و سنن کے علاوہ جو کچھ عباداتِ نافلہ کی جائیں گی۔ وہ سب (سالک کے لیے) وبال میں داخل ہیں۔ سب سے پہلے مرضِ قلبی کا ازالہ کرنا چاہیے جو ذکرِ نفی واثبات سے متعلق ہے۔ اس کے بعد دوسری عبادات اور حسنات کی طرف (جو بدن کے لیے غذائے صالح کی طرح ہیں) مشغول ہونا چاہیے۔ ازالۂ مرض سے پہلے جو غذا کھائی جائے گی وہ فساد پیدا کرے گی۔ ؏ مرض میں کھاؤ گے جو کچھ وہ خود مرض ہوگا۔
مکتوب (۱/۲۳۱): حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال دو طرح کے ہیں۔ ایک عبادات ہیں اور دوسرے عادات اور رواج۔ جو عمل کہ عبادت ہے اس کے خلاف کرنے کو میں بدعتِ سیئہ سمجھتا ہوں اور اس کے روکنے میں مبالغہ کرتا ہوں۔ کیونکہ وہ چیز دین میں نئی بات ہے اور وہ مردود ہے۔ لیکن وہ عمل جو عرف و عادت کی بنا پر ہے اس کے خلاف کرنے کو میں بدعتِ سیئہ نہیں سمجھتا۔ اور اس کے روکنے میں مبالغہ نہیں کرتا۔ کیونکہ اس کا تعلق دین سے نہیں ہے۔ اس کے وجود اور عدم کا تعلق عرف و عادت سے ہے۔ دین اور ملت سے نہیں۔ ایک ملک کے رواج دوسرے ملک کے رواج سے مختلف ہوا کرتے ہیں۔ بلکہ ایک ہی شہر میں مختلف زمانوں میں مختلف رواج ہوتے ہیں۔ تاہم وہ سنتیں جو عرف و عادت سے متعلق ہیں ان پر عمل کرنا بھی خوش بختی اور سعادت ہے۔
مکتوب (۱/۲۸۱): اللہ تعالیٰ کا شکر اس نعمتِ عظمیٰ پر کس زبان سے ادا کیا جائے کہ اس نے ہم عاجزوں کو اہلِ سنت وجماعت کے مطابق صحیح عقائد عطا کرنے کے بعد سلوکِ نقشبندیہ سے مشرف فرمایا۔ اور اس بزرگ سلسلے کے مریدوں اور متوسلین میں شامل کیا۔ اس فقیر کے نزدیک اس طریق میں ایک قدم رکھنا دوسرے طریقوں کے سات قدم سے بہتر ہے۔ وہ راستہ

جو تبعیت اور وراثت کے طریقے پر کمالاتِ نبوت تک کشادہ ہوجاتا ہے وہ صرف اسی سلسلۂ عالیہ سے مخصوص ہے۔ دوسرے طریقوں کی انتہا صرف کمالاتِ ولایت کی انتہا تک ہے۔ وہاں سے کوئی راستہ کمالاتِ نبوت کی طرف نہیں کھلتا۔ اسی وجہ سے اس فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں تحریر کیا ہے کہ اس طریقے کے بزرگوں کا طریقہ بعینہٖ صحابۂ کرام علیہم الرضوان کا ہے۔ چنانچہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بطور وراثت کے کمالاتِ نبوت سے وافر حصہ لیا ہے۔ اس طریقے کے منتہی، بسبب اتباع کے، کمالاتِ نبوت سے حصۂ کامل پاتے ہیں اور مبتدی اور متوسط حضرات بھی امیدوار رہتے ہیں۔ کیونکہ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (انسان اسی کے ساتھ ہے جس کی وہ محبت رکھتا ہے)۔ یہ بات دُور اُفتادہ لوگوں کے لیے بشارت ہے۔ اس طریقے میں ناقص اور گھاٹے میں رہنے والا وہ ہے جو داخلِ طریقہ ہوکر آداب کی رعایت نہ کرے اور نئے نئے کام اس طریقے میں ایجاد کرے اور خوابوں اور وقائع کی بنا پر اس طریقے کے خلاف عمل کرے۔ تو اس میں طریقے کی کیا خطا ہے! [1]

اب یہاں میر صاحب کے کچھ خوارق و کرامات عرض ہیں۔ ان کے تصرفات اور خوارقِ عادات بے شمار ہیں۔ یہاں مقتضائے وقت و حال کے مطابق اور کتاب کے ایجاز کے خیال سے دو تین ہی عرض ہیں۔

کرامت: ایک روز درویشوں اور صفاکیشوں کی ایک جماعت کے ساتھ آپ اپنے ایک مخلص کے یہاں مدعو ہوئے۔ آپ نے دعوت دینے والے کو بلا کر افراط سے روپے کے اور کھانے میں مشتبہ سے بچنے کی بہت تاکید کی۔ اس نے بھی حتی الامکان احتیاط کی۔ لیکن چونکہ آپ کے ساتھ جماعت کثیر تھی اس لیے اس نے بہت سی بکریاں ذبح کرائیں۔ ناگاہ، قدرتِ الٰہی سے اُن میں سے ایک بکری میں بے شمار کیڑے پڑ گئے کہ تھوڑی دیر میں گوشت سے ہڈی تک پہنچ گئے۔ وہ حضرت کے پاس لائی گئی تو وہاں ایک شور مچ گیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اسی لیے احتیاط میں تاکید کی تھی۔ یہ بکری حلال کی نہیں تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان

---

[1] اصل مکتوب میں کچھ الفاظ زیادہ ہیں۔ دیکھیں دفتر اوّل۔ مکتوب ۲۸۱

کیڑوں کو ہمارے لیے بطورِ علامت ظاہر فرما دیا۔ آپ لوگ اس کی تحقیق کریں۔ جب تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ دعوت دینے والے کے ایک دوست نے جو وہاں کا عامل تھا اس بکری کو ظلم سے حاصل کیا تھا اور اسے بطورِ تحفہ دے دیا تھا۔ اور دعوت دینے والے کو اس کی خبر نہیں تھی۔

کرامت۔ آپ کا ایک مخلص شادی شدہ تھا۔ اس کا خسر[۱] اس سے دشمنی رکھتا تھا اور بہت تکلیف پہنچاتا تھا۔ اس مخلص نے بہت عاجزی اور دردمندی سے یہ حال میر صاحب کو سنایا۔ آپ کو اس پر بڑا رحم آیا۔ فرمایا کہ غم نہ کرو، کیونکہ تمہارا خسر جلد ہی مرنے والا ہے۔ اس کے دو تین روز کے بعد وہ مرگیا اور وہ مخلص اس کے شر سے بچ گیا۔

میر صاحب کی ولادت ۹۷۰ھ میں ہوئی۔ لفظ "شیخ جُنید" سے تاریخ ولادت[۲] برآمد ہوتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ آپ اپنے وقت کے جنید اور شبلی تھے۔ اس کتاب میں جہاں کہیں حضرت میر تحریر ہے اس سے آپ ہی مراد ہیں اور اس کتاب کی تالیف کے باعث بھی آپ ہی ہیں۔ اس حقیر نے مصافحہ شیخ سعید حبشی کہ جس کا ذکر بیانِ سلاسل جلد اوّل میں گزرا ہے میر صاحب ہی کے توسط سے کیا تھا۔ اور لوگوں نے بھی آپ ہی کے توسط سے مصافحہ کی اجازت حاصل کی ہے۔

(۲) شیخ نور محمد پٹنی قدس سرہٗ

یہ "بدرِ سپہرِ ولایت"، تھے جو حضرت مجددؒ کے قدیم مُرید اور جلیل القدر خلیفہ تھے اللہ تعالیٰ کی عنایت سے علومِ ظاہری سے کچھ تکمیل و تحصیل کے بعد اللہ کی محبت اور طلب کا درد حاصل ہوا اور آپ نے صحیح پیر و مرشد کی تلاش میں کمرِ ہمت باندھی۔ ہندوستان کے بہت سے شہروں میں

---

۱ خواجہ باقی باللہؒ کے خلیفہ خواجہ حسام الدین احمدؒ (م ۱۰۴۳ھ) کی بیوی کا بھائی ابوالفضل اپنے بہنوئی خواجہ حسام الدین احمدؒ کو بہت ایذا پہنچاتا تھا۔ خواجہ باقی باللہؒ نے ابوالفضل کے لیے اسی طرح فرمایا تھا کہ وہ جلد مر جائے گا۔ چنانچہ وہ ۱۰۱۱ھ میں قتل ہوا۔

۲ میر صاحب کی وفات ۱۸ صفر ۱۰۵۰ھ کو ہوئی۔ "میرِ والا جاہ نعمان متقی" مادہ تاریخ وفات ہے۔ اکبر آباد میں دفن ہیں (نزہۃ الخواطر۔ ج ۵ ص ۲۹۳)

گھومے اور بہت سے حق پرستوں کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن اُن کا مقصد کہیں حاصل نہ ہوا۔ حتیٰ کہ اُن کا جذب اور اُن کی قسمت ان کو حضرت خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرّہٗ کے آستانے پر لے آئی اور وہاں آپ نے ذکرِ قلبی کی تعلیم کا شرف حاصل کیا۔ پھر حضرت خواجہ قدس سرّہٗ نے آپ کی تربیت حضرت مجدد قدس سرّہٗ کے سپرد فرما دی اور آپ کمال ذوق و شوق اور بنہایت عاجزی و اطاعت کے جذبے کے ساتھ حضرت مجددؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور اپنی فطری سعادت مندی کی وجہ سے حضرتؒ کے خادموں میں داخل ہوئے اور حضرتؒ کے آب وضو، مسواک وغیرہ خدمات اپنے ذمے لیں۔ آپ پھر بلند احوال اور عالی مقامات تک پہنچے۔ چنانچہ حضرت مجددؒ نے آپ کے بعض احوال کے متعلق حضرت خواجہ قدس سرّہٗ کو اس طرح تحریر فرمایا:

"شیخ نور، اخیر نقطے تک پہنچ گئے ہیں اور جذب کو انجام پر پہنچا کر اس مقام کی برزخیت پر پہنچ کر مقامِ فرق کی انتہا تک رسائی حاصل کی ہے۔ پہلے تو آپ نے صفات بلکہ وہ نور کہ جس پر صفات قائم ہیں خود سے الگ دیکھا اور خود کو شیخ خالی پایا۔ اس کے بعد صفات کو ذات سے الگ دیکھا اور اس دید سے مقامِ جذبہ کی احدیت تک پہنچ گئے۔ اب اپنے آپ کو اور جہان کو ایسا گم کیا ہے کہ نہ احاطہ کے قائل ہیں اور نہ معیت کے اور مخفی ترین ذات یعنی احدیتِ صرفہ کی طرف اس قدر متوجہ ہیں کہ حیرانی اور نادانی کے سوا انھیں کچھ پتا نہیں"۔[1]

اس (مکتوب) کے بعد آٹھ نو سال کی طویل مدت تک آپ نے حضرت مجددؒ کے آستانہ عالیہ میں تجرید و تفرید و جذباتِ شائستہ میں وقت گزارا یہاں تک کہ مقاماتِ فائقہ اور وارداتِ عالیہ سے فائز ہو کر مرتبۂ وصول اور ارشاد و ہدایت کے مقام پر پہنچے اور حضرت مجددؒ نے اس کون و مکان سے بے خبر شخص کو خلافت اور اجازتِ تعلیم طریقہ دے کر بڑے شہر پٹنہ کو (جو کہ ہندوستان کے بڑے شہروں میں سے ہے) روانہ کیا۔ آپ حسب الحکم وہاں پہنچ تو گئے

---

[1] مکتوبات دفتر اوّل ۱۴۷ لیکن موجودہ نسخوں میں اتنی عبارت نہیں ہے۔ مکتوب ۲۰۷ میں بھی آپ کا ذکر ہے۔ مکتوبات حضرت باقی باللہؒ کا نمبر ۲ بھی دیکھیں۔

لیکن مزاج میں عزلت و خلوت داخل تھی اس لیے وہ جنگل اور گوشے میں رہنے لگے۔ اور لوگوں سے بھاگتے تھے۔ جب یہ بات حضرت مجددؒ نے سنی تو ایک مکتوب لکھا جس میں لوگوں سے ملنے کی ترغیب اور نصیحت ہے کیونکہ اس طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کا دارومدار اسی صحبت پر ہے اور مخلوق کے رشد و ہدایت کا معاملہ اسی پر موقوف ہے۔ (وہ مکتوب یہ ہے:)

"میرے سعادت مند بھائی، آدمی کو جس طرح حق تعالیٰ کے اوامر و نواہی کے بجا لانے سے چارہ نہیں، اسی طرح خلق کے حقوق کو ادا کرنے اور اُن کے ساتھ غم خواری کیے بغیر چارہ نہیں۔ عارفوں کا قول ہے: اَلتَّعْظِیْمُ لِاَمْرِ اللّٰہِ وَالشَّفَقَۃُ عَلٰی خَلْقِ اللّٰہِ (اللہ تعالیٰ کے امر کی تعظیم اور مخلوق پر شفقت) - اس قول میں انھی دو حق کے ادا کرنے کا بیان ہے اور دونوں طرفوں کو مدِنظر رکھنے کی ہدایت ہے۔ پس ان دونوں میں سے صرف ایک کی رعایت رکھنا بڑی کوتاہی ہے اور کل کو چھوڑ کر جزو پر اکتفا کرنا کمالیت سے دور ہے۔ پس خلق کی ایذا رسانی کو برداشت کرنا ضروری ہوا اور اُن کے ساتھ حسن معاشرت کا معاملہ رکھنا واجب ہوا۔ بے دماغی اور لاپروائی مناسب نہیں۔

عاشقوں کو نازنیں بننے سے کچھ حاصل نہیں گر نزاکت ہے تو ترکِ عشق کرنا چاہیے

چونکہ آپ (مدتوں) صحبت میں رہے ہیں اور پند و نصیحت بھی بہت سُنی ہے اس لیے طوالت سے اعراض کرکے اختصار چند فقروں میں کیا گیا۔ اللہ پاک ہم کو اور آپ کو جادۂ شریعت محمدی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) پر ثابت قدم رکھے۔" [1]

پھر آپ نے شہر مذکور (پٹنہ) میں دریائے گنگا کے کنارے آکر ایک مسکن اختیار کیا اور وہاں مسجد بنائی اور توکل و قناعت میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ گزر بسر کرنے لگے۔ (آج کل) طالبوں کو مستفید فرمانے میں مشغول ہیں اور وہاں کے رہنے والے اور بسنے والے آپ سے بڑی گرویدگی رکھتے ہیں۔ آپ طریقۂ پسندیدہ اور روشِ حمیدہ رکھتے ہیں۔ فنا، نیستی، بے وجودی، بے نفسی، استغناء اور بے نیازی آپ کے اوصاف ہیں اور دُنیا اور دُنیا والے آپ کی نظرِ ہمت میں بالکل بے وقعت اور بے اعتبار ہیں۔ فقر و فاقہ کے برداشت کرنے میں آپ اس زمانے کے بڑے جواں مرد ہیں۔

---

[1] مکتوبات۔ ۱/۲۰۱

کہا جاتا ہے کہ شروع زمانے میں آپ اور مولانا طاہر لاہوری کو اس زمانے میں جب کہ بعض احباب حضرت مجددؒ سے دہلی میں عوارف المعارف (از شیخ شہاب الدین سہروردیؒ) پڑھتے تھے، یہ گمان ہوا کہ سبق دیتے وقت حضرت مجددؒ تو کوئی معارف وحقائق بیان نہیں کرتے تو اس پڑھنے سے کیا فائدہ! اور جتنا وہ بتلاتے ہیں اتنا تو ہم بھی جانتے ہیں۔ حضرت مجددؒ فوراً ان دونوں کے خیال سے آگاہ ہو گئے۔ فرمایا کہ ان دونوں کو ہماری مجلس سے نکال دیں بلکہ قلعۂ فیروز آباد (دہلی) سے باہر کر دیں۔ (چنانچہ ایسا ہی کیا گیا) اور یہ دونوں دن بھر جنگل میں رہتے اور رات اس قلعے کے دروازے پر گزارتے۔ پھر بعض حضرات مثلاً خواجہ حسام الدین احمد وغیرہ نے سفارش کی۔ حضرت مجددؒ نے فرمایا کہ ان کو چھوڑ دو۔ ان کے نفس سرکش ہیں۔ ان حضرات نے عرض کی کہ مسجد فیروزی کے تہہ خانوں میں عرصے سے گندگی بھری ہوئی ہے۔ [1] اگر حکم ہو تو یہ دونوں اندر قلعے میں آکر اسے صاف کریں تاکہ ان کے نفس زیر ہوں۔ حضرت مجددؒ نے اس کی اجازت دے دی۔ اور ان دونوں نے اپنے ہاتھوں سے اس جگہ کو پاک صاف کیا۔ اس کے بعد حضرتؒ نے ان کو اپنی عنایتوں اور شفقتوں سے نوازا۔ اسی طرح چند بار آپ ان کے نازیبا خیالات سے آگاہ کیے گئے ہیں اور آپ نے ان کی سرزنش کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کو ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ "شیخ نور ابھی اسی مقام میں رکے ہوئے ہیں اور نقطۂ فوق تک کہ جو مقام جذب میں ہے نہیں پہنچے۔ اپنی حرکات وسکنات سے تکلیف پہنچاتے ہیں اور اس عمل کی قباحت کو نہیں سمجھتے۔ اسی لیے ان کے کام میں خواہ مخواہ توقف پیدا ہوتا ہے۔" [2]

غرض یہ کہ جلالی اور جمالی تربیتوں کے بعد شیخ نور کا معاملہ یہاں تک پہنچا کہ حضرت مجددؒ نے ان کے متعلق یوں فرمایا کہ "شیخ نور، رجال الغیب میں سے ہے۔" [3] لیکن اس قول کے راوی کو شک ہے۔

---

[1] زبدۃ المقامات (صفحہ ۲۴۱) میں تہہ خانوں کی صفائی کا ذکر ہے۔ گندگی کا ذکر نہیں ہے۔

[2] لیکن اصل مکتوب (دفتر اوّل، نمبر ۱۴۳) میں صرف اس قدر ہے کہ "شیخ نور بھی نقطہ (فوق) کے نزدیک ہیں لیکن ابھی تک وہاں نہیں پہنچے"۔ حضرت مجددؒ کے چند مکتوبات آپ کے نام ہیں:- ۱/۲۰۱-۲۶۰-۲۶۰/۲-۲۴-۸۵/۳-۱۱۱-۱۲۱۔

[3] نور محمد پٹنیؒ کا مستقل سرخی کے ساتھ زبدۃ المقامات (ص ۳۲۹) میں بھی ذکر ہے اور اسی کتاب کے صفحہ ۳۰۷ میں نور محمد تہاری کا ذکر دوسرے خلفاء کے ساتھ آیا ہے۔ اسی سے واضح ہے کہ یہ نور محمد تہاری، نور محمد پٹنیؒ سے مختلف تھے۔

کہ ان کو نقباء میں سے فرمایا کہ نجباء میں سے ؟

یہ شیخ صاحب اس فقیر مؤلف (بدرالدین سرہندی) کی حضرت مجدد کی خدمت میں حاضری سے قبل ہی خلافت حاصل کرکے پٹنہ جا چکے تھے اور جب وہ حضرت مخدوم زادہ کلاں یعنی خواجہ محمد صادق قدس سرہ کی رحلت (۱۰۲۵ھ) کے بعد سرہند آئے تھے تو اس زمانے میں مجھے ان کی خدمت میں حاضری کا موقع نصیب ہوا۔ اُن کی پیشانی سے عجب وارفتگی، بے نفسی، فنا، نیستی، گمنامی اور بے نفسی ظاہر ہوتی تھی اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ گویا انھوں نے الف۔ بے بھی نہیں پڑھا۔ اور راہِ خدا میں کوئی قدم ہی نہیں رکھا۔

یہ حقیر اس زمانے میں حضرت مجدد کے مناقب میں کتاب "سیرِ احمدی" لکھ رہا تھا[1]۔ کبھی ان کی خدمت میں بیٹھتا تو مہربانی فرما کر طاعات اور عبادات کی ترغیب دلاتے اور فرماتے کہ "مقامات کا ذکر اور واردات کی تحریر کام نہیں آئے گی۔ وہ سب فضول ہے۔ مقامات کی تحریر سے دو رکعت نماز زیادہ بہتر ہے۔"

(۳) شیخ حمید بنگالی قدس سرہٗ

آپ حضرت مجدد کے قدیم خلفاء میں سے تھے۔ آپ کا وطن بنگال کا شہر منگل کوٹ تھا۔ آپ جامع علوم معقول و منقول تھے۔ آپ میں تشرّع، تقویٰ، عزیمت کی رعایت، رخصت کا ترک اعلیٰ درجے میں تھا۔ آداب سلسلۂ نقشبندیہ کا اتباع، اور اس طریقہ عالیہ کے آداب کی موافقت انتہائی مدارج پر تھی۔ آپ کے فقر و قناعت، توکل، زہد، استقامت والی صفات اور خصائل، گفت و شنید میں نہیں آسکتے۔ آپ صرف ایک سال حضرت مجدد کی خدمت میں کمال خاکساری اور جاں سپاری کے ساتھ رہے اور سلوک کی منزلوں کو راہِ جذبِ الٰہی سے طے کر کے ولایت تک پہنچے اور مرتبہ کمال و تکمیل حاصل کیا۔ حضرت نے ان کو خلافت دے کر وطن کو روانہ کر دیا۔ اس دیار میں علوم ظاہری و باطنی کے درس میں مشغول ہیں اور مقبولیت رکھتے ہیں اور خاص و عام میں اپنی بزرگی میں شہرت

---

[1] حضرت بدرالدین سرہندی کی کتاب "سیرِ احمدی" کا اب علم نہیں۔ ممکن ہے کہ وہ اسی حضرات القدس میں شامل کر دی گئی ہو۔ وہ کتاب گم ہو گئی تھی جیسا کہ حضرت خود میں کرامات کے ذیل میں ذکر آتا ہے۔

رکھتے تھے۔

آپ کی توبہ، انابت اور حضرت مجددؒ کے سلسلۂ عالیہ میں ارادت کا سبب یہ ہوا کہ وہ اپنے وطن سے علوم ظاہری کی تحصیل کے لیے لاہور گئے تھے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد وطن کی طرف واپسی میں اکبر آباد (آگرہ) پہنچے۔ وہاں لشکرِ شاہی کے مفتی عبدالرحمٰن کے یہاں پرانی ملاقات اور محبت کی وجہ سے چند روز ٹھہرے۔ (اس زمانے میں) آپ کو صوفیہ پسند نہیں تھے اور خاص طور پر حضرت مجدد سے اُن کو انکار تھا۔ پھر مشرب وحدۃ الوجود سے تو شدید انکار تھا۔ اتفاقاً اسی زمانے میں حضرت مجددؒ سیر و سیاحت[1] کے سلسلے میں اکبر آباد تشریف لے گئے اور مولانا عبدالرحمٰن موصوف کے مکان کے قریب (چونکہ وہ اور اُن کے متعلقین دین دار اور پاکیزہ اطوار تھے اور حضرتؒ کے مریدوں[2] میں سے تھے) فروکش ہوئے۔ شیخ حمید نے جب یہ خبر سنی تو بہت اضطراب میں آکر مولانا کے پاس آئے اور کہا کہ میں اس محلّے سے دوسرے محلّے میں جاتا ہوں اور پھر اپنی کتابیں اور رسالے جو مولانا کے گھر میں انھوں نے رکھ چھوڑے تھے طلب کیے۔ مولانا نے کہا کہ آخر بات کیا ہے اور ایسا اضطراب کس لیے ہے؟ شیخ حمید نے حضرت مجددؒ کا نام لیا اور کہا کہ وہ آپ کے قریب ٹھہرے ہوئے ہیں۔ میں اُن سے واقف ہوں۔ اگر اُن سے نہ ملوں تو مشکل ہے اور اگر ملوں تو اور بھی مشکل ہے۔ مولانا نے کہا کہ حضرتؒ بزرگ ہیں اور عالم ہیں۔ ان سے ملنے میں کیا مشکل ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں اُن سے ملنے کی تاب نہیں رکھتا۔ بس ایسا کہا اور چلے گئے۔ دو تین دن کے بعد وہ ایک رسالہ لینے کے لیے آئے جو وہ بھول سے مولانا کے یہاں چھوڑ گئے تھے۔ اتفاق سے اسی وقت حضرت مجددؒ بھی مولانا کے مکان میں تشریف فرما ہوئے۔ مولانا بہت ادب و احترام کے ساتھ حضرتؒ کا استقبال کرتے ہوئے بہت تواضع کے ساتھ حضرتؒ کو اندر لے گئے۔ شیخ حمید کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا اور نہایت شرمندگی کے ساتھ

---

[1] حضرت مجددؒ کا اس مرتبہ اکبر آباد تشریف لے جانا کس سال کا واقعہ ہے معلوم نہ ہو سکا۔

[2] زبدۃ المقامات (صفحہ ۲۵۵) میں ہے کہ مفتی عبدالرحمٰن نے جب شیخ حمید پر حضرت مجددؒ کی توجہ کا اثر دیکھا تب وہ معتقد اور مرید ہوئے۔

مکان کے ایک گوشے میں بیٹھ گئے۔ حضرت مجددؒ نے مولانا سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم ایک مسئلہ دریافت کرنے کے لیے آئے ہیں۔ مولانا نے عرض کیا کہ وہ کون سا مسئلہ ہے جو حضرت سے پوشیدہ ہے؟ فرمایا کہ چونکہ آپ مفتی ہیں، اس لیے آپ سے پوچھ کر عمل کرنا احتیاط سے زیادہ قریب ہوگا۔ چنانچہ وہ مسئلہ دریافت کرنے کے بعد کہ وہ بہت صاف تھا آپ نے شیخ حمید کی طرف رُخ کر کے فرمایا کہ "اے شیخ حمید، آپ یہیں ہیں؟" اُس وقت ایک دو نگاہ شیخ پر ڈال کر آپ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ مولانا ہر چند التماس کرتے رہے کہ آپ کے لیے دسترخوان تیار ہے۔ لیکن آپ نے قبول نہ فرمایا۔ مولانا دروازے تک حضرتؒ کو چھوڑنے آئے اور رخصت کیا۔ مولانا نے بتایا کہ میں اس اثنا میں دیکھ رہا تھا کہ شیخ حمید کہاں گئے۔ میں نے دیکھا کہ انکار وافتراق کی شدت کے باوجود وہ تو حضرت مجددؒ کے پیچھے پیچھے روتے ہوئے اور آنسو بہاتے ہوئے افتاں وخیزاں چلے جا رہے ہیں اور حضرتؒ التفات نہیں فرماتے۔ یہاں تک کہ آپ اپنی جائے قیام پر پہنچ گئے اور شیخ دروازے پر حیران و پریشان ہاتھ باندھے ہوئے اور سر جھکائے ہوئے کھڑے رہ گئے۔

لیکن ایک وقت گزر جانے کے بعد آپ نے اپنے جذب کردہ شیخ کو خلوتِ خاص میں طلب فرمایا اور مجلسِ راز میں جگہ دی۔ توبہ، تعلیم اور نسبت سے رجوع فرمایا۔ پھر تو شیخ کے قلب میں اس طرح یہ نسبت سرایت کر گئی کہ وہ مغلوب الحال ہو گئے اور وہ اپنے دوستوں اور واقفوں سے بالکل بے تعلق ہو گئے۔ چند دنوں کے بعد حضرت مجددؒ اپنے وطن سرہند تشریف لے گئے اور شیخ بھی پا پیادہ، بلا ارادہ لیکن دلدادہ آپ ہی کے ساتھ چلے گئے اور تھوڑے عرصے میں آپ کے تصرف اور توجہ سے توحید وجودی سے کہ جس کے شیخ منکر تھے مغلوب الحال ہو گئے یہاں تک کہ وہ ہر شے سے عشق کرنے لگے اور انسان و حیوان کی حرکات و سکنات سے بھی آپ پر کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔

کہا جاتا ہے کہ انھی دنوں وہ جا رہے[1] تھے کہ راستے میں ایک مردہ جانور پڑا ہوا نظر آیا اور اس کے دانت باہر نکلے ہوئے تھے۔ شیخ نے یہ حال دیکھ کر تعجب کیا اور اس غلبۂ توحید سے بے اختیار ہو کر کہنے لگے کہ یا رب یہ ادا کیا ہے! اور اس لباس میں آنا اور خود کو اس ہیئت میں ظاہر کرنا کیوں ہے؟

---

[1] زبدۃ المقامات (صفحہ ۳۵۶) میں ہے کہ شیخ کے ساتھ میر محمد نعمان بھی تھے۔

بعض حضرات سے ایسا سنا گیا ہے کہ حضرت مجددؒ کا مولانا عبدالرحمٰن مفتی کے یہاں علاقہ الٰہ آباد تشریف لے جانا محض شیخ حمید کو اپنانے کے لیے تھا کہ آپ اس کام کے لیے مامور تھے۔ مولانا عبدالرحمٰن کہا کرتے تھے کہ حضرت مجددؒ کا شیخ حمید پر ایسا تصرف دیکھ کر مجھے حضرت سے مزید اخلاص اور اعتقاد پیدا ہوا اور جب کبھی کوئی شخص مولانا سے حضرت مجددؒ کی کوئی کرامت دریافت کرتا تو وہ اسی واقعے کو جو یہاں مختصر بیان ہوا شرح و بسط کے ساتھ بیان کرتے۔

اس کے بعد شیخ نے مقاماتِ جذبہ سلوک طے کر کے درجۂ ولایت حاصل کیا اور خلافت[1] سے مشرف ہوئے۔ جیسا کہ مشائخ کا دستور رہے کہ اپنے خلیفہ کو رخصت کرنے کے وقت خرقۂ ارشاد و خلافت عنایت فرماتے ہیں، شیخ نے حضرت مجددؒ سے ایک جوتی بطور تبرک کے طلب کی۔ حضرتؒ نے دے دی۔ شیخ اُسے لے کر اور اپنے منہ میں رکھ کر بصد گریہ و زاری و بیقراری اُلٹے پاؤں روانہ ہوئے۔ جو لوگ اُن کو پہنچانے کے لیے گئے تھے کہتے تھے کہ شیخ اسی ہیئت سے جا رہے تھے۔ پھر اُس جوتی کو انھوں نے اپنی پگڑی میں باندھ لیا اور سر پر تاج کی طرح رکھے ہوئے وطن کو گئے ؎

اگر اُس کوچے کی کچھ خاک مل جائے — مجھے وہ تاج سے بہتر نظر آئے

جب شیخ اپنے وطن پہنچے تو اس جوتی کے رکھنے کے لیے الگ ایک حجرہ بنوایا اور بڑے احترام کے ساتھ اس کو وہاں رکھا۔ جب اُن اطراف کے لوگ اپنی حاجت روائی کے لیے اس تبرک سے آگاہ ہوئے تو وہ اپنی مشکلات کے حل کے لیے وہاں حاضر ہوتے اور اپنے بیماروں کی شفایابی کے لیے پانی کے کوزے وہاں لاتے اور شیخ اس جوتی کا ایک گوشہ اس پانی میں ڈبو کر دے دیتے۔ لوگ شفایاب ہو جاتے اور اگر کوئی مریض مرنے والا ہوتا تو پانی کے کوزے میں جوتی کا گوشہ ڈبوتے ہی وہ کوزہ ٹوٹ جاتا۔ یہ بات تجربے میں آئی ہے ؎

آپ کا نقشِ قدم جس جگہ پڑ جاتا ہے — مدتوں اہلِ نظر سجدہ کیا کرتے ہیں[2]

---

[1] زبدۃ المقامات (صفحہ ۲۵۶) میں ہے کہ شیخ قریب دو سال تک حاضر رہے۔

[2] یہ شعر جامی کا اس طرح ہے: بہ زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود — سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

جب تک شیخ زندہ رہے اسی طرح ہوتا رہا۔ شیخ کے انتقال کے بعد اُن کی قبر کے سرہانے ایک طاقچہ بنا کر اس میں وہ جوتی رکھ دی گئی اور اسی طرح حاجت مند مریض وہاں حاضر ہوتے اور (بفضلہ تعالیٰ) اُن کی حاجت پوری ہوتی۔

راقم الحروف (بدرالدین سرہندی) شیخ کی خلافت کے ایک سال بعد[1] حضرت مجددؒ کی غلامی میں داخل ہوا۔ اس لیے شیخ سے ملاقات کی سعادت حاصل نہ کرسکا۔ لیکن اس خلاصۂ اہلِ فضل و کمال کو ایک خط لکھا کہ یہ حقیر حضرت مجددؒ اور اُن کے خلفاء کے حالات لکھ رہا ہے اس لیے عرض ہے کہ حضرت مجددؒ قدس سرہٗ کے مناقب اور کرامات جو بھی آپ کو یاد ہوں تحریر فرمادیں اور اپنے حالات بھی تحریر فرمائیں اور حضرت مجددؒ نے جو خلافت نامہ لکھ کر دیا تھا اس کی نقل بھی عنایت فرمائیں۔ شیخ نے اس کے جواب میں بڑی محبت اور مرحمت کے ساتھ جو مکتوب بھیجا ہے اس کو پورا کا پورا تبرکاً یہاں نقل کرتا ہوں:-

قدسیہ:- "اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) جناب خجستہ صفات، مشیخت مآب، صاحب کمالات میاں شیخ بدرالدین کو ہمیشہ اپنے سایۂ رحمت میں رکھے اور ماسوا سے دور رکھے۔ (آمین) آپ کا عنایت نامہ جو تاجا کے ساتھ روانہ کیا تھا ملا اور اُس کے مضمون سے اطلاع ہوئی۔ آپ نے بہت اچھا ارادہ کیا ہے۔ حق تعالیٰ اس کو پورا کرے۔ آپ نے اس فقیر سے خواہش کی ہے کہ حضرت میاں جیو قدس سرہٗ کے حالات اور کرامات جو یاد ہوں لکھیے۔ اسی طرح دوسرے احباب نے بھی لکھا ہے۔ آپ کے خادموں کو معلوم ہو کہ کوئی حالات اور مقامات ایسے نہیں ہیں جو حضرت مجددؒ نے اپنے مکتوبات اور رسائل میں نہ لکھے ہوں۔ اور یہ بے مایہ جو کچھ بھی بیان کرنا چاہے گا وہ سب حضرتؒ اپنی تحریر میں لا چکے ہیں۔ اس لیے عیاں را چہ بیان۔ باقی رہے وہ حالات جن کا تعلق اس فقیر سے ہے اور جو حضرتؒ کی خدمت میں رہ کر گزارے ہیں وہ اس لائق نہیں کہ انھیں تحریر میں لایا جاسکے۔

---

[1] بدرالدین سرہندی نے حضرتِ ہفتم میں لکھا ہے کہ وہ حضرت مجددؒ کی خدمت میں (آخر تک) سترہ سال رہے۔ یعنی ۱۰۰۸ھ میں خدمت میں آئے۔ گویا ۱۰۱۶ھ تک شیخ حمید کو خلافت مل چکی تھی اور وہ قریب دو سال سرہند میں رہے۔ یعنی ۱۰۱۴ھ بیعت ہوئے تھے اور غالباً اسی سال آگرہ میں حضرت مجددؒ سے متاثر ہوئے تھے۔

اور انہیں حضرت کے مقامات اور اُن کے اعزّہ کے احوال کے ساتھ رکھا جا سکے۔ ایک ذرّہ اڑ کر آفتاب تک نہیں پہنچ سکتا۔ البتہ ارشاد نامہ (خلافت نامہ) جو آپ نے طلب فرمایا ہے اس کی نقل روانہ کی گئی ہے جو پہنچ جائے گی ۔۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔" مکتوب کی پشت پر لکھا تھا :۔ "مخلص غائبانہ صوفی حمید" یہ خلافت نامہ کی نقل یہ ہے :

اما بعد الحمد والصلوٰۃ فیقول العبد المفتقر الی رحمۃ اللّٰہ الملک الولی احمد بن الشیخ عبد الاحد الفاروقی النقشبندی رحمھما اللّٰہ سبحانہ رحمۃ واسعۃ ان الاخ العالم والصدیق الصالح جامع علوم الشریعۃ والطریقۃ والحقیقۃ الشیخ حمید البنگالی وفقہ اللّٰہ سبحانہ لما یحبہ ویرضاہ لما قطع منازل السلوک وعرج معارج الجذبۃ ووصل الی صحبۃ الولایۃ بعد ان حصل لہ اندراج النہایۃ فی البدایۃ اجزتہ لتعلیم طریقۃ المشائخ النقشبندیۃ قدس اللّٰہ تعالیٰ اسرارھم للطالبین المسترشدین والمریدین المخلصین بعد استخارۃ وحصول الاذن من اللّٰہ سبحانہ والمسئول من اللّٰہ سبحانہ ان یعصمہ عما لا یلیق ویحفظہ عما لا ینبغی والاستقامۃ علی متابعۃ سید المرسلین علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات۔

اور شیخ نے اس خلافت نامہ کی نقل کے حاشیے میں لکھا ہے کہ یہ نقل موافق اصل ہے جو قبلہ گاہ کے خطِ خاص سے ہے۔ قدس سرہ۔ شیخ حمید نے ایک مدت کے بعد ان دونوں مخدوم زادوں کے نام بنگال سے جو مکتوب بھیجا ہے اس کی نقل یہاں دی جاتی ہے :

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم (عربی سے ترجمہ)

"سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے آپ دونوں (خواجہ محمد سعیدؒ اور خواجہ محمد معصومؒ) کو ہمارے مولانا، مرشدنا، قبلتنا، قطب الارشاد اور بدر الزہاد (قدس سرہٗ) کا سجادہ نشین بنایا۔ خلفائے راشدینؓ کے سوا (اور اُن کے بعد) آپ کا کوئی مماثل نہیں۔ آپ احمد ہیں درمیان دو محمدوں کے (حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور محمد المہدی کے درمیان) اور آپ ثانی اثنین ہیں۔ آپ کا فیض دنیا کے لیے "الآن کما کان" ہے اور باقی رہیں گے قیامت تک خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو سلامت رکھے اور پہنچائے وہاں تک جہاں تک ان کی تمنا ہو۔ اور ان کو بڑھائے اور ان کی اولاد

کی عُمر کو۔ امابعد۔ (عرض ہے کہ) زمانۂ دراز سے آپ دونوں کے احوال، خیر عافیت سے متعلق مجھے نہیں ملے۔ اب میں امید کرتا ہوں کہ مجھ کو اس سے مشرّف فرمائیں گے اور سلام ہو اس پر جس نے راہ ہدایت اختیار کی ؎ ۔؎۱

آپ (شیخ حمید) نے ۱۰۵۰ھ میں وفات پائی۔ آپ کے بعد آپ کے فرزند شیخ حبیب الرحمٰن جو صاحبِ احوال و مقامات ہیں اور استقامت و کرامت والے ہیں، سجادہ نشین ہیں اور ارباب طالبوں کے افاضے میں سرگرم ہیں۔ آپ کی صحبت اثر آفریں اور مقبولیت عظیم رکھتی ہے۔

(۴) شیخ محمد طاہر لاہوری قدس سرہٗ کے حالات

مولانا شیخ محمد طاہر قدس سرہٗ، حضرت مجدد قدس سرہٗ کے بہت بڑے مریدوں اور خلفاء میں سے تھے۔ وہ علوم عقلیہ و نقلیہ کے فاضل، لاہور کے مشہور مشائخ میں سے تھے ریاضاتِ شاقہ، مجاہداتِ شدیدہ اور کشوف و الہامات، کرامات و جذبات والوں میں سے تھے اور وہاں کے بڑے علماء، صلحاء اور عام لوگوں میں بھی بڑی مقبولیت رکھتے تھے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کی عنایت بے غایت سے اس راہ میں اُن کو ذوق پیدا ہو گیا تھا اور اپنے زمانے کے افضل و اکمل اولیاء میں سے سوائے حضرت مجدد رح کے کسی اور کو اتنا عظیم نہیں پایا۔ اس لیے ناچار خود کو انھوں نے آپ کے آستانۂ عالیہ میں پہنچا دیا اور برسوں وہاں نہایت خاکساری، جاں سپاری، عاجزی اور انکساری کے ساتھ قیام کیا؎۲ اور حضرت مجدد رح نے اپنے عالی مرتبت صاحبزادوں کی تعلیم ان کے سپرد؎۳ فرمادی۔ اور وہ باوجود مولویت کے حضرت مجدد رح کا بہت زیادہ

؎۱ شیخ حمید کے نام مکتوبات شریف میں پانچ مکتوبات ہیں۔ ۱/۱۵۸-۲۲۰- ۲۹۲-۲/ ۴۶-۸۴

؎۲ زبدۃ المقامات (صفحہ ۳۴۰) میں ہے کہ (انکساری اور عاجزی کا یہ عالم تھا کہ) بعض اوقات درویشوں سے کہتے تھے کہ جاروب کش کو منع کر دیں کہ وہ جھاڑو نہ دے۔ بلکہ وہ خود (شیخ طاہر) جھاڑو دیں گے۔

؎۳ زبدۃ المقامات (صفحہ ۳۴۴) میں یہ بھی ہے کہ مخدوم زادے کہا کرتے تھے کہ حضرت شیخ طاہر کے احسانات اس قدر ہیں کہ ہم کسی طرح اُن کے شکریہ سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔

ادب کرتے تھے اور اس قدر آپ سے ہیبت زدہ تھے کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت مجدد رح نے ان کو امامت کرنے کا حکم دیا تو ان کے چہرے کا رنگ زرد ہو گیا اور تمام بدن میں لرزہ طاری ہو گیا اور باوجودیکہ وہ حافظِ قرآن اور بہت بڑے فاضل تھے انتہائی خشیت سے اور حضرت رح کے رعب سے ہر لحظہ قراءت اُن کے گلے میں رک رک جاتی تھی۔ چنانچہ ایسی تعظیم و تکریم، ادب و ہیبت کی بدولت اور حضرت مجدد رح کی نظرِ کیمیا اثر کی برکت سے وہ کمالُ تکمیل کے مرتبے کو پہنچے اور سلوک کے مکمل کرنے کے بعد اُن کو سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کی تعلیم کی اجازت حاصل ہوئی۔ طریقۂ قادریہ کا خرقۂ ارادت بھی ملا۔ اور سلسلۂ چشتیہ کا خرقۂ تبرک بھی نصیب ہوا۔ حضرت رح نے اُن کے لیے خلافت نامہ تحریر فرمایا اور طالبوں کی تربیت کے لیے لاہور کے بڑے شہر کی طرف روانہ فرمایا۔ اجازت نامہ یہ ہے[1]

خلافت نامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد الحمد والمنۃ لولیہ والصلوٰۃ والتحیۃ علیٰ نبیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ الکرام الداعین للحق الیٰ دار السلام۔ یقول العبد الفقیر الیٰ رحمۃ اللہ الولی الغنی احمد بن عبد الاحد الفاروقی النقشبندی غفر اللہ سبحانہ ذنوبہما وستر عیوبہما ان الاخ العالم العامل الفاضل الکامل الشیخ محمد الطاہر

---

[1] اس اجازت نامے میں شیخ محمد طاہر کی بعض لغزشوں کا ذکر بھی ہے۔ نور محمد پٹنی کے سلسلے میں بھی اُن کی لغزش کا ذکر آچکا ہے۔ زبدۃ المقامات (صفحہ ۳۲۹) میں ان کی لغزشوں کا ذکر ہے اور یہ بھی کہ ایک مرتبہ حضرت مجدد رح نے حلقۂ ذکر میں دیکھا کہ اُن کی پیشانی پر شقی لکھا ہوا ہے۔ حضرت مجدد رح نے دفتر اول کے مکتوب ۲۱۷ میں قضائے مبرم اور قضائے معلق کا ذکر کرتے ہوئے اس واقعے کا ذکر بھی کیا ہے۔ زبدۃ المقامات (صفحہ ۳۴۲) میں یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ محمد طاہر نے ایک مرتبہ کہا کہ حضرت مجدد رح میرے احوال سلب نہیں کر سکتے کہ میں فانی ہوں۔ حضرت رح نے سب احوال سلب کر لیے۔ پھر معاف فرما دیا۔

لما وفقه الله سبحانه وتعالیٰ بسلوک طریقة اولیائه ودخل تحت الطریقة العلیة النقشبندیه بجمع الهمة وتمام النهمة تحصل له الحضور والشهود والقربة والجمعیة وتیسر له البدایة التی اندرجت فیها النهایة فاذا امضت برهة من الزمان وهو علیٰ هٰذه الاحوال ظهر لی انه سیبتلی بابتلاء عظیم حتّٰی یخرج من الصراط المستقیم الیٰ سبل متفرقة ویمیل من مذهب اهل الحق الیٰ مذاهب باطلة فلمنی ذٰلک والجأنی الی التضرع والخشوع الی الله سبحانه لیذهب عنه هٰذا الابتلاء ویرفع عنه ذٰلک البلاء ثم ظهر لی بعد التضرع التام انه سوف یرفع عنه ذالک الابتلاء فحمدت الله سبحانه علیٰ ذلک وقد ظهر بعد مدة یسیرة منه ما ظهر لی اولاً حتّٰی خرج من الاستقامة الیٰ الاعوجاج ومال من الحق الی الباطل بحیث انقطع رجاءنا من ان یعود الیٰ الحق و یرجع الیٰ الاستقامة هو کلما دخل فی سبیل من السبل المتفرقة واظهره الله سبحانه علیّ توجهت بعون الله سبحانه وتوفیقه الی اخراجه من ذالک السبیل بالقسر التام وسعیت بعد ذالک فی ان اسد ذٰلک السبیل حتّٰی لا یکون له عود الیٰ ذالک ثانیاً ومضت الشهور بل السنون علیٰ هٰذه الحالة ثم ظهر بتائید الله سبحانه ما ظهر ثانیاً فعاد الیٰ الحق و رجع الیٰ الصراط المستقیم ثم قطع ما بقی له من منازل الجذبة ومقامات السلوک وصار اهلاً لان یرخص لتعلیم هٰذه الطریقة وتربیة الطلبة فرخصت له بذالک بعد الاستخارة والتوجه - المسئول من الله سبحانه الاستقامة والثبات علیٰ متابعة سید الاولین والآخرین علیه وعلیٰ آله الصلوٰت والتسلیمات ولما کان للشیخ المشار الیه من طریقی السلسلة القادریة والچشتیة حظ وافر ونصیب کامل رخصت له ایضاً ان یعطی للمریدین خرقة الارادة فی القادریة وخرقة التبرک فی الطریقة الچشتیة -

والمسئول من اللہ سبحانہ العصمۃ والتوفیق والحمد للہ رب العلمین
اولاً و آخراً والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین دائماً سرمداً و علیٰ
آلہ العظام واصحابہ الکرام ۔

آپ اس شہر (لاہور) میں طالبوں کو فیض پہنچانے میں مشغول ہوئے۔ لیکن گوشہ نشینی اور تنہائی آپ کو پسند تھی تو حجرۂ تنہائی میں بیٹھ جاتے اور دروازے کی زنجیر اندر سے لگا لیتے اور مخلوق کی آمدورفت کو روک دیتے۔ خصوصاً امراء اور دولت مندوں کو آنے نہ دیتے۔ اکثر بڑے بڑے امراء جب آپ سے ملنے کے لیے آتے تو آپ دروازہ بند کر لیتے اور ان سے ہرگز ملاقات نہ کرتے۔ آپ کا ذریعۂ معاش یہ تھا کہ آپ تفسیر و حدیث کی کتابیں مثلاً تفسیر بیضاوی اور مشکوٰۃ بہت اچھے خط میں لکھتے اور ان پر حاشیہ کی تزئین کرتے، مختلف نسخوں سے مقابلہ کرتے اور مزین کر کے فروخت کرتے اور کتابوں کی تجارت سے اپنی روزی حاصل کرتے۔

آپ اکثر عمر میں مجرد رہے لیکن آخر میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ادا کرنے کے خیال سے شادی کر لی تھی۔ آپ ہر سال دو سال میں اور کبھی سال میں کئی کئی بار حضرت مجددؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر فیوض و برکات حاصل کرتے۔ اور پھر حضرتؒ کی اجازت سے واپس وطن جاتے۔ اور مفارقت صوری کے زمانے میں اپنے احوال و مقامات اور واردات اپنے عریضوں میں لکھ کر بھیجتے۔ چنانچہ ان عریضوں میں سے کچھ یہاں پیش کیے جائیں گے۔ آپ کے اخلاق بہت اچھے تھے۔ بے نفسی، مسکنت اور فنائیت آپ پر غالب تھی۔ لیکن خوش مزاجی (سچائی والی) بھی آپ کی گفتگو میں ہوتی تھی۔ کہتے ہیں کہ ایک روز حضرت مجددؒ نے ابلیس لعین کو دیکھا۔ اس سے پوچھا کہ ہمارے کون کون سے مریدوں پر تیرا قابو نہیں چلتا۔ اس نے کہا کہ شیخ طاہر لاہوری پر میرا قابو نہیں چلتا جب کہ وہ بھوکا رہتا ہے۔ چنانچہ شیخ سخت ریاضتیں اور مجاہدے کرتے اور ایسی ریاضتوں کی وجہ سے وہ دبلے پتلے ہو گئے تھے اور ہڈی چمڑا رہ گئے تھے۔ آپ بڑے صاحب کشف و کرامت بھی تھے۔

اب ہم شیخ کے کلماتِ قدسیہ کے متعلق گفتگو کرتے ہیں اور آپ کے عریضے جو آپ کے اور آپ کے مریدوں کے حالات سے متعلق ہیں ان صفحات کی زینت ہوں گے۔

(۱) عریضہ۔ فقیر حقیر محمد طاہر، حضور کی خدمت اقدس میں عرض کرتا ہے کہ جب میں اس آستانۂ عالیہ سے اس طرف کو روانہ ہوا تو ہر قدم پر اپنے آپ سے کہتا تھا کہ اے ناداں، اپنا مقصود پیچھے چھوڑ کر کہاں جارہا ہے؟ لیکن پیچھے سے کوئی کہتا تھا کہ چلے چلو۔ فقیر کو کشاں کشاں اس شہر میں لایا گیا۔ جنگل کے ایک گوشے میں حیرانی کے عالم میں بیٹھ گیا۔ ناگاہ حضرت خواجۂ بزرگ رضی اللہ عنہ کی روحانیت ظاہر ہوئی اور باعث بنی اس کی کہ جس کام کے لیے حضرت مجدد نے فرمایا ہے اسے کرنا چاہیے۔ چنانچہ ان کے اور آپ کے حکم کی تعمیل میں چند لوگوں کو ذکر میں شامل کیا۔ اسی اثنا میں ایک جوان بلند استعداد والا آ گیا۔ اس کو ذکر کا طریقہ بتایا یا تو اسی وقت اس کے تمام بدن میں نسبت سرایت کر گئی اور وہ سراپا ذاکر ہو گیا۔ دوسرے طالبوں کو بھی جمعیت اور حضور حاصل ہے۔ بعض حاسدوں نے حضرت (مجدد) کے مقامات کے سلسلے میں اور خصوصاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق جو تحریر فرمایا ہے اس میں کچھ باتیں اپنی طرف سے شامل کر کے طعن کی راہ کھولی تھی۔ مولانا حامد[1] نے حضور کا وہ مکتوب علامۃ الانام مولانا عبدالسلام کو پیش کیا۔ مولانا نے مطالعے کے بعد فرمایا کہ اس پر کوئی شبہہ وارد نہیں ہو سکتا۔ اور انھوں نے بہت کچھ حسن ظن پیدا کر دیا اور حاسدوں کی زبان بندی ہو گئی۔

(۲) عریضہ۔ حضرت سلامت۔ تینوں طریقوں (نقشبندیہ، قادریہ اور چشتیہ) کی نسبتیں جلوہ گر ہیں اور ان کے مشائخ بڑی تعداد میں تشریف لا رہے ہیں۔ اور بڑی عنایت فرما رہے ہیں۔ خصوصاً خواجۂ بزرگ، حضرت غوث الثقلین (عبدالقادر جیلانی) اور حضرت شیخ فرید شکر گنج قدس اللہ تعالیٰ اسرارھم۔ اسی طرح حلقۂ ذکر اور نماز تراویح میں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نزول اجلال صحابۂ کرام (رضوان اللہ علیہم) اور مشائخ (رحمۃ اللہ علیہم) کے ساتھ تشریف لا کر دیر تک نوازشیں فرماتے رہے اور عشرۂ اعتکاف میں خلعت خاص سے بھی نوازا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بھی بہت عنایت فرمائی اور بہت شرف بخشا۔ ان دقائق کے ضمن میں بہت کچھ عروج و نزول واقع ہوا۔ پھر بہت سے مقامات طے کرنے کے بعد خود کو میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] مولانا حامد، مولانا طاہر کے شاگرد تھے جیسا کہ عریضہ نمبر ۳ کے آخر میں ان کا ذکر آ رہا ہے۔ حضرت مجدد نے شیخ فرید کو ان کے لیے سفارش لکھی تھی۔ دیکھیں مکتوبات۔ دفتر اول۔ مکتوب ۷۴

کے روضۂ اقدس میں پایا۔ اس کے بعد اس نور سے جو اس روضۂ مبارکہ سے میرے گھر میں آرہا تھا اور اس نور سے جو اس روضۂ مقدسہ سے نکل رہا تھا۔ مجھے تحقق حاصل ہوا۔ اس کے بعد ظاہر ہوا کہ میرے کام پر سے تمام حجابات دور ہو گئے اور وصلِ عریاں کی حقیقت ظاہر ہوئی۔ بکالمہ اور محادثہ بھی واقع ہوا۔ اس کے بعد جہل اور لاعلمی ظاہر ہوئی۔ اور اب نہ تو وصل ہے نہ فراق ہے۔ نہ طلب ہے نہ غیر طلب ہے۔ اور کسی حکم سے (اثباتاً یا نفیاً) محکوم نہیں۔

(۳) عریضہ۔ حضرت سلامت! اس سے قبل نقشبندیہ، قادریہ اور چشتیہ میں سے ہر نسبت باری باری سے ظاہر کی جاتی تھی اور کبھی کبھی اتفاق سے وہ باہم مل جاتی تھیں اور کبھی کبھی غالب اور مغلوب بھی ہوتی رہتی تھیں۔ ایک مرتبہ نسبت چشتیہ نے بہت زیادہ غلبہ کیا۔ یہاں تک کہ دوسری نسبتوں سے مایوسی ہو گئی۔ اور شہر اجمیر شریف سے پشاور تک بلکہ کابل تک سوائے چشتیہ کے کوئی اور شخص نظر نہیں آتا تھا اور انھوں نے (چشتیہ بزرگوں نے) اپنے چھا جانے کا اظہار کرنا شروع کیا اور کہا کہ "نَحْنُ اُولُوْ قُوَّةٍ وَّاُولُوْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ" (ہم ہیں صاحبِ قوت اور صاحبِ اثراتِ شدید)۔ پھر دوسری مرتبہ خود ہی جواب میں کہا کہ "اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا" (بے شک جب بادشاہ کسی قریہ میں داخل ہوتے ہیں تو پہلے اسے ویران کرتے ہیں) اتنے میں اکابر نقشبندیہ نے غلبہ کیا اور ان کی نسبتِ شریفہ نے ان کو (چشتیہ) زیر کر دیا۔ لیکن نسبتِ چشتیہ اب بھی اپنے حال پر قائم ہے اور نسبتِ نقشبندیہ بطورِ غلبے کے آئی۔ اب تینوں نسبتیں جمع ہیں اور کبھی کبھی ایک دوسرے پر غلبہ بھی کرتی رہتی ہیں۔

اب نسبتِ مشائخ میں سیر کم ہو گئی ہے۔ مگر اتفاقاً کسی موقع پر یہ سیر ہو جاتی ہے۔ لیکن آج کل نسبتِ صحابۂ کرام رضی میں سیر واقع ہوا کرتی ہے سوائے خلفائے ثلاثہ کے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اور اکثر اوقات حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت میں سیر ہوتی ہے۔ بہت زیادہ اور بے حد اچھی معلوم ہوتی ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبتِ شریفہ کے مقابلے دوسری نسبتیں کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتیں۔

حضرت سلامت! اس فقیر کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی نسبتِ شریفہ خوب ہو اور بہت ہو۔ اور آپ کی درگاہ سے یہی درخواست ہے۔ امید ہے کہ

فقیر کی یہ استدعا قبول ہو گی اور احوال و مقامات میں سے کوئی اور چیز نہ ہو۔ چونکہ حضرت پیر دستگیر کی تربیت میں لطف بھی ہے اور سختی بھی ہے اس لیے اسی طرح کے آثار فقیر پر مرتب ہوتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ بعض اوقات ایسی چیزیں درپیش آتی ہیں کہ اُن کے اظہار سے شرم آتی ہے۔ غلبۂ احوال میں (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے ہیں کہ "جس نے تجھے دیکھا اُس کو آتش دوزخ سے آزاد کیا گیا"۔ کبھی ایسا فرماتے ہیں کہ "جس نے تجھ سے بیعت کی اس کو بخش دیا گیا" اور کبھی جیسا کہ حضرت غوث الثقلین قدس سرہٗ کے لیے فرمایا تھا اس فقیر کے لیے بھی فرمایا۔

حضرت سلامت! اگرچہ یہ تینوں نسبتیں آگے پیچھے اور فرق کے ساتھ ظہور کرتی رہتی ہیں لیکن تعلیم اسی طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کی جاری ہے۔ اس طرف کے فقراء بھی آپ کی بارگاہ کے لیے دُعا کرتے ہوئے (اسی تعلیم پر) مشغول ہیں اور حضور و جمعیت رکھتے ہیں۔ بعض قابلِ اجازت بھی ہو گئے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے حافظ یعقوب جو عالم و عامل اور قاری بے نظیر ہیں، امورِ شرعیہ میں بہت استقامت رکھتے ہیں، توکل میں کامل اور عالی ہمت ہیں، حضور اور جمعیت بھی خوب رکھتے ہیں، عروج و نزول سے بھی گزر چکے ہیں۔ اُن کو ایک طرح سے اجازت (تعلیم کی) دے دی گئی ہے۔ وہ حضرت کی بارگاہ سے الطاف کے امیدوار ہیں۔ ایک اور حافظ محمود طالب علم اور قاری عالم ہیں۔ ان کے لطائف بھی عروج کر چکے ہیں جس کو ایک عرصہ ہو چکا ہے۔ وہ ایک طرح سے اضطراب میں بھی ہیں۔ میں بہت کچھ زور (توجہ میں) دیتا ہوں لیکن نزول کی طرف نہیں لا سکتا۔ وہ بھی آپ کے الطاف کے امیدوار ہیں۔ بعض ایسے بھی ہیں جن کے بعض لطائف، عروج سے نزول کی طرف لا سکا ہوں اور بعض خود ہی نزول کی طرف آ گئے ہیں۔ بعض کے لطائف اس فقیر کے ہاتھوں عروج کی طرف ہیں اور بعض کا معاملہ حیرت انگیز ہے۔ ایک شخص پرگنہ پسرور[1] سے آیا ہوا تھا محض تعلیم طریقہ دیتے ہی اُس کے چار لطیفے اپنی اپنی جگہ سے ظاہر ہو کر عروج کرنے

---

[1] فارسی متن میں پسرور کا قدیم نام پرپسروری لکھا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ عہد اکبری میں ایک بزرگ شاہ دین عرف شاہ آبن یا شاہ بتن تھے۔ ان کے نام سے اب بھی وہاں ریلوے اسٹیشن کے قریب ایک قبرستان مشہور ہے۔ اس میں ان کا مزار بھی ہے۔ ممکن ہے کہ یہی وہ بزرگ ہوں جو شیخ ... سے بیعت ہوئے ہوں۔

لگے۔ چونکہ اس کو وطن جانے کا خیال تھا اور اسی حال میں اس کا جانا دشوار تھا۔ اس لیے اس کو نزول میں لانا پڑا۔ وہ طالب علم، حافظ و قاری تھا اور تقویٰ میں کامل تھا۔ اس لیے اس کو اجازت (تعلیم کی) دیدی گئی۔ وہ حضور اور جمعیت بھی رکھتا تھا۔

فضائل مآب مولانا حامد جو اس فقیر کے شاگرد ہیں۔ ان دنوں، میاں فرخ حسین کے جانے کے بعد جنگل سے (گاؤں سے) آئے اور ذکر میں مشغول ہو گئے اور متاثر بھی ہوئے۔ تھوڑی ہی مدت میں پہلو سے سینے میں قرار حاصل کر لیا (پہلے لطیفے سے سینے کے لطائف کی طرف آ گئے)۔ اس فقیر سے بہت تعلق رکھتے ہیں۔ جس وقت وہ اس فقیر کے سامنے بیٹھتے ہیں (استغراق میں) اپنے آپ سے بالکل غائب ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اُن کے معاملے میں بستگی معلوم ہوتی ہے اور اُن کا معاملہ آگے نہیں بڑھتا۔ آپ کی توجہ کے امیدوار ہیں۔ انھوں نے حضرت خاوند محمود[1] سے بھی ایک سبق لیا۔ لیکن اُن کے ہمراہ ایک مدت تک رہنے کے باوجود ذرہ برابر بھی اثر نہیں لیا۔ وہ بہت زیادہ توجہ کے امیدوار ہیں۔

حضرت سلامت! اس فقیر کی بصیرت اور نظر میں لوگوں کی استعدادوں کے متعلق، نیز اس راہ کی باریکیاں اور دوسرے دقائق بھی آتے رہتے ہیں اور بعض مشائخ کی نسبتوں کی سیر بھی واقع ہوتی ہے۔ (باقی۔ یہ فقیر بندگی کا امیدوار ہے)

(۴) عریضہ۔ حضرت سلامت! ایک مقام بہت عالی ظاہر ہوا اور بتایا گیا کہ اس مقام سے بہت کم لوگوں کو مشرف کیا گیا ہے۔ اس مقام میں اذواق اور مواجید بہت ظاہر ہوئے اور خواجۂ بزرگ قدس سرہ کی روحانیت کی امداد بہت زیادہ شامل حال رہی۔ ایک روز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اس عاجز پر بہت غالب ہوئی۔ یہاں تک کہ بے قراری اور بے آرامی رہی اور درگاہِ خداوندی میں گریہ وزاری کی۔ اس وقت خود کو حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پایا۔ اس وقت ارشاد ہوا کہ رسالت میں سے بھی تم کو (کچھ) دیا گیا۔ اَلحَمدُ لِلّٰہِ الَّذِی هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللّٰهُ (خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہم کو ہدایت

---

[1] لاہور میں انجینئرنگ یونیورسٹی کے قریب ان کا مزار ہے جس کے کتبے میں تاریخ وفات ۲ شعبان ۱۰۵۲ھ درج ہے۔

دی۔ ہم ہرگز ہدایت نہ پاتے اگر وہ ہم کو سیدھے راستے پر نہ چلاتا)۔ میں نہیں جانتا کہ یہ اسرار ہیں یا نہیں۔

کبھی کبھی مشائخ کی نسبتوں میں سیر واقع ہوتی ہے۔ ابھی آخر میں مخدوم پیر علی ہجویری[1] (داتا گنج بخشؒ) کی نسبت میں سیر واقع ہوئی۔ یہ ادراس نسبتِ شریفہ میں بہت عرصے تک سیر رہی۔ ایسے حالات میں انھوں نے بہت زیادہ التفات اور عنایت فرمائی اور اپنی تشریفات سے بھی مشرف فرمایا۔ ان کی نسبت بہت اعلیٰ اور لطیف ہے اور دعوت کا پہلو غالب ہے۔

جس زمانے میں حضرت خواجۂ بزرگ قدس سرہٗ کی نسبت میں سیر واقع ہوتی ہے تو حضرتؒ اپنے چترِ شاہی کو بار بار اس فقیر کے سر پر رکھتے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ ایسے واقعات کا کیا مطلب ہے؟ (عریضہ ختم ہوا)

راقم الحروف (بدرالدین سرہندی) کا خیال ہے کہ اس واقعے سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اُس علاقے کے قطب ہیں۔ چنانچہ مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید سلمہ اللہ تعالیٰ بیان کرتے تھے کہ ایک رات نمازِ عشاء سے پہلے شیخ طاہر، حضرت مجددؒ کی مجلس میں حاضر تھے تو حضرتؒ نے شیخ سے خطاب کرکے فرمایا کہ آپ کو اُس علاقے کا قطب بنایا گیا اور اس سے اشارہ ان کے وطن (لاہور) کا کیا گیا۔

شیخ کی عمر ۵۶ سال کی تھی۔ جمعرات کے دن، چاشت کے وقت۔ ۲۰ محرم ۱۰۴۰ھ کو وفات پائی۔ لفظ "غم" (۱۰۴۰ھ) سے سال برآمد ہوتا ہے۔ لاہور میں میانی کی طرف دفن ہوئے۔ "آہ معرفت مُرد" آپ کی تاریخ وفات ہے۔[2]
۱۰۴۰ھ

---

[1] لاہور کے مشہور ترین بزرگ۔ کشف المحجوب کے مصنف۔ ۴۶۹ھ میں وفات پائی۔
[2] شیخ محمد طاہرؒ کے نام مکتوبات شریف دفتر اول میں تین مکتوبات ہیں ۲۲۵ - ۲۲۷ - ۲۵۵۔
لاہور میں میانی کا قبرستان چوبرجی کے پاس ہے اور آپ کا طاہر بندگی کے نام سے مشہور مقبرہ ہے۔

(۵) خواجہ محمد صدیق کشمی علیہ الرحمہ

حقائق آگاہ خواجہ محمد صدیق بدخشانی، حضرت مجدد قدس سرہ کے اکابر اصحاب اور خلفاء میں سے تھے۔ صوری اور معنوی فضائل اور کمالات سے آراستہ اور طریقت و حقیقت کے مقامات سے پیراستہ تھے۔ شروع جوانی میں اپنے وطن کشم (بدخشاں) سے ہندوستان پہنچے اور ایک عرصے تک محب الفقراء عبدالرحیم خانِ خاناں کی صحبت میں رہے۔ اس زمانے میں ان کو شعر و شاعری سے بہت تعلق تھا اور اپنا تخلص ہدایت کرتے تھے۔ ان کے دلفریب اشعار جو عشق کی طینت اور محبت کے سرمایہ سے جو ان کی فطرت ہے متعلق ہیں۔ دل کے درد سے پُر ہیں اور طراحی کی طرح صفا اور لچھٹ سے دونوں سے پُر ہو کر جوش مارتے ہیں۔ آشنا اور بیگانہ کا ہوش اڑا دیتے ہیں۔ اُن کی غزلیں بھی دلخراش اور گلوگیر ہوتی ہیں۔ انھوں نے شیشہ گر ماچین کی حکایت مجاز کی صورت میں لیکن رازِ معرفت کی حقیقت میں اور مثنوی مولوی رومی کے وزن میں بہت دل نشین طریقے پر نظم کی ہے۔ ان کی ایک اور مثنوی، نظامی کی مثنوی خسرو و شیریں کے وزن میں ہے۔

اسی میں سے چند اشعار یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

به تنهائی چنیں میلِ دلم چیست؟ — وزیں تنہا نشستن حاصلم چیست؟
سگم من در سگی معذور باشم — بدیں عذر از خلائق دور باشم
غلط گفتم که گر سگ وا نداین را ز — که خود را کرده ام نسبت بادبا ز
زننگِ این سخن افغان برآرد — که بدعہدے زما خود را شمارد
که سگ خود صاحبِ خود را شناسد — بسے از ناشناسائی ہراسد
نه خود را می شناسد نے خدا را — چرا بدنام سازد خیلِ مارا
وریں مدت که عمرِ من بسر شد — نه از کفرم نه از دینم خبر شد
ندانم ہرچہ ملت زیستم من — نه سگ نے آدمی، پس کیستم من!

انھوں نے غزلیات میں بھی کہا ہے۔

غزل

ما ز جامِ شیشہ سامانِ شراب انداختیم — اعتبارِ سے چند ہیچ در آب انداختیم

چوں یکے بودہ ست ساقی و حریف و جام و مے
ما ہم این مادہ را از احساب انداختیم

زین خودی موہوم اسمے بر تراشیدیم و رسم
اللہ اللہ بر عبث نقشے بر آب انداختیم

ما نہ بغنودیم لیکن چشم بیداری غنود
ننگ غفلت بود بیداری بخواب انداختیم

عقدۂ بکشود یار از زلفِ عنبر بوے ما
زاں نسیمِ زلف، خوں در مشکِ ناب انداختیم

اشک ریزاں بود بے سیلاب، ابرِ نوبہار
طرفگی کردیم و تہمت بر سحاب انداختیم

نشہ از مے بر گرفتیم و تہی کردیم خُم
خانہ خالی گشت رُوے آفتاب انداختیم

راست پُرسی گر زِ رازے نیست در معنی حجاب
بل زِ غیرت بر رخِ وحدت نقاب انداختیم

چوں ہدایت گشت ساقی، ساخت از خمخانہ جام
دورۂ ما بود در دریا شراب انداختیم

غزل

طلوعِ شمسِ من از وجہِ وجہیت عالی ست
توجہِ دلم از رتبہ و صفت عالی ست

چہ دست در دو بگنا ہم زنی کہ نشناسی
حقیقتِ گنہے کاں زِ مغفرت عالی ست

بعلمِ خویش چہ نازی بسوزِ من می ناز
کہ شانِ جہلِ من از طورِ معرفت عالی ست

مرا نظر بجمال ست بے حجابِ نقاب
فضلئے آں نظر از دیدِ منقبت عالی ست

ہدایت ار طلبِ عافیت کنی غین است
کہ دردِ دوست زِ تیمارِ عافیت عالی ست

آپ پہلے حضرت قطب الاقطاب خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ سے بیعت ہوئے۔ ان کی خدمت میں توبہ کی اور ذکر کا طریقہ سیکھا۔ حضرت خواجہؒ آپ پر خصوصی کرم فرماتے تھے اور اکثر اوقات فرماتے تھے کہ خواجہ محمد صدیق بہت بلند استعداد اور بڑی صلاحیت رکھتے ہیں۔

قدسیہ۔ حضرت خواجہ محمد صدیقؒ فرماتے تھے کہ جب میں دکن کے سفر سے واپس آیا اور حضرت

ل؎ حیات باقیہ جس کے مصنف کا نام معلوم نہیں لیکن جس کے ایک شعر میں رشدی تخلص ہے وہ اغلبًا محمد صدیق کشمی کی تصنیف ہوگی۔ پہلے رشدی تخلص رکھا ہوگا۔ بعد میں ہدایت تخلص رکھا ہوگا۔ حیات باقیہ کے شروع میں ذکر ہے کہ مصنف یکم صفر سنہ ۱۰۰۹ھ میں حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت خواجہؒ کے ملفوظات لکھنے کا ارادہ کیا تو حضرت خواجہؒ نے منع فرما دیا لیکن رمضان (سنہ ۱۰۰۹ھ) میں میاں شیخ احمد سرہندی کی مکرر سفارش پر منظوری دیدی۔ پھر جمعہ ۲۱ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۰۱۰ھ کو مصنف کو سفر پر (دکن) جانے کی اجازت مل گئی۔ یکشنبہ یکم صفر سنہ ۱۰۱۲ھ کو سفر سے واپسی ہوئی۔ اسی زمانے میں حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ مجھے ترکِ مشیخت کا حکم ملا ہے اور اسی زمانے میں حضرت خواجہؒ نے اپنے مریدوں کو حضرت مجددؒ کے زیرِ تربیت رہنے کا حکم دیا تھا۔ اور حضرت مجددؒ اسی زمانے میں حضرت خواجہؒ سے میری بار ملنے کے لیے دہلی حاضر ہوئے تھے۔ یہاں یہ عرض کر دینا بے محل نہ ہوگا کہ جب سنہ ۱۰۱۰ھ میں حیاتِ باقیہ کے مصنف دکن گئے تھے تو اس وقت (جیسا کہ اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے) شیخ عبدالحق محدث حضرت خواجہؒ کے پاس تھے۔

خواجہؒ کا بہت رابطہ تھا تو معاملہ یہاں تک پہنچ گیا تھا کہ جس شخص پر نظر ڈالتا تھا، حضرتؒ ہی کا جمال نظر آتا تھا۔ یہاں تک کہ در و دیوار، شجر و حجر جہاں بھی نظر پڑتی تھی، سوائے آپ کے جمال کے کوئی اور چیز نظر نہ آتی تھی۔ بلکہ آپ نے میرے وجودِ موہوم کو بھی درمیان سے اٹھا دیا تھا اور میں خود کو بھی حضرت خواجہ کا وجود سمجھنے لگا تھا۔

ایک وہ تھا جس کا رُخ تھا سوئے دوست ایک وہ جس کی طرف خود روئے دوست

اسی حالت میں حضرت مجددؒ کو سرہند رخصت فرمایا اور عموماً تمام مریدوں کو حکم دیا کہ وہ ان کی خدمت میں جائیں سوائے چند حضرات کے کہ وہ حضرت کی قیام کے لیے رُک گئے۔ اسی اثناء میں مجھے بُلا کر فرمایا کہ سرہند جانے کی تیاری کر لی یا نہیں؟ لیکن فقیر کی حالت وہ تھی جو بیان کی گئی۔ اس لیے وہاں جانے سے میں نے انکار کیا۔ میرا یہ انکار اور حضرت خواجہؒ کا جلال ایک ساتھ ہی رونما ہوا قبل اس کے کہ اس جلال کے عالم میں مجھے بیہوشی طاری ہو، بس حضرت خواجہؒ کے یہ الفاظ یاد رہے کہ "تم اور تم جیسے لوگ اُن کو (حضرت مجددؒ کو) کیا پہچانیں؟ تم اتنی بات بھی تو نہیں سمجھے کہ تم کو اُن سے کیا فیض پہنچا ہے۔ یا نہیں پہنچا؟ اور جس بات پر تم ناز کر رہے ہو وہ اُس فیض کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں جو تم کو اُن سے پہنچا ہے۔ اس کے بعد میں بیہوش ہو گیا اور مجھے معلوم نہیں کہ میں کتنی مدت تک بیہوش رہا۔ آخر کار جب مجھے افاقہ ہوا تو معلوم ہوا کہ حضرت خواجہؒ اب بھی شفقت فرما رہے ہیں اور مجھے (اپنی بیہوشی کے بعد اور) افاقے کے بعد یاد رہا وہ اتنا کہ آپ فرما رہے تھے کہ "خوف نہ کرو (جو کچھ کہ انکار تم سے ہوا) وہ محبت کی وجہ سے ایک بھول ہے جو شگفتہ ہوا ہے۔ اگر تم صحیح اعتقاد اور گفتار کی سچائی رکھتے ہو (اسی لیے اس طرف اس کی تم کو بخشش ہوئی ہے) تو یقین جانو کہ آج آسمان کے نیچے مثل میاں شیخ احمد کوئی دوسرا نہیں۔ اور سب کامل لوگ جو تین چار ہی ہوئے ہیں ان (حضرت مجددؒ) کے کمالات جیسے رکھتے ہوں گے، زیادہ نہیں۔ اور میں خود کو اُن کا طفیلی جانتا ہوں۔ جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے اس کو مضبوط پکڑو۔ تمہارے کام آئے گا۔ اب جلدی کرو اور پہنچو۔ اگر وہ تم کو خوشی اور رغبت سے لے جائیں تو سبحان اللہ

لہ یہ شعر (فارسی میں) فارسی متن میں نہیں ہے۔ اردو ترجمے میں ہے جس کا منظوم ترجمہ عرض کیا گیا۔

اور اگر ہاں، نہیں کچھ بھی نہ فرماویں تب بھی اُن کے ساتھ سرہند جاؤ۔ اور اگر وہ شفقت فرما کر واپس فرمادیں تو اُن کے قدم چوم کر واپس آجاؤ کہ اسی میں حکمت ہوگی"۔ الغرض کہ جب حضرت مجددؒ شہر دہلی کی باہر والی حد تک پہنچے تھے کہ میں اُن کی خدمت میں پہنچ گیا جب کچھ راہ طے کرلی تو مجھے اپنے قریب بلوا کر فرمایا کہ "ابھی واپس چلے جاؤ۔ حضرت خواجہؒ کی خدمت میں جاؤ کہ ابھی تمہارا سرہند کا جانا صحیح نہیں۔ ویسے سرہند تمہارا گھر ہے۔"

قدسیہ۔ اس خدا آگاہ (محمد صدیقؒ) نے بتایا کہ میں حضرت خواجہؒ کے انتقال کے وقت موجود[1] نہ تھا۔ اُسی شب رحلت میں مجھے خواب میں نظر آئے۔ اور جو مشکلات مجھے پیش آنے والی تھیں اُن کو حل فرمایا۔ اور حقیقتِ سلوک جیسا کہ چاہیے بیان فرما کر نصیحتیں اور ہدایتیں عنایت فرمائیں اور سب سے بڑی نصیحت حضرت مجددؒ کی خدمت میں حاضر ہونے اور اُن کے طریقۂ عالیہ کو لازم پکڑنے کے لیے تھی۔ اسی طرح دوسری باتیں بھی تھیں کہ اس اجمال کی اگر تفصیل لکھی جائے تو اس کے لیے ایک دفتر چاہیے (یہاں آپ کی بات ختم ہوئی)۔

حضرت خواجہؒ کے وصال کے بعد خواجہ محمد صدیقؒ تعمیلِ وصیت میں حضرت مجددؒ کے آستانۂ عالیہ پر حاضر ہوئے اور جوانی کے تقاضوں اور شعر و شاعری کو پوری طرح ترک کر دیا۔ اور آپ سے رابطہ قوی اور محبت کامل رکھنے لگے اور خدمت میں حاضری کو ضروری جانا۔ چنانچہ ایک روز صبح کے حلقے سے اٹھ کر مریدوں کے مجمع میں فرمایا کہ آج خواجہ محمد صدیقؒ، ولایتِ خاصۂ محمدیہ سے مشرف ہوئے ہیں۔ راقم الحروف اس حلقے میں موجود تھا اور حضرتؒ کی زبانِ مبارک سے یہ بات خود سنی ہے۔ حضرت مجددؒ نے ایک مخلص کو بھی تحریر فرمایا ہے کہ "مولانا محمد صدیق ان دنوں اللہ تعالیٰ کی عنایت سے، ولایتِ خاصہ سے مشرف ہوئے ہیں اور اسمِ جزئی سے اسمِ کلی میں ملحق ہوئے ہیں۔ اسی طرح وہ فوق کی طرف نظر رکھتے ہیں اور وہاں سے بھی نصیب وافر لے کر

---

[1] حیاتِ باقیہ میں اُس کے مصنف نے بھی لکھا ہے کہ حضرت خواجہؒ کے انتقال سے ہفتہ عشرہ پہلے کسی ضرورت سے لشکر میں جانا تھا اور اس کے لیے ایک عزیز کے ذریعے اجازت حاصل کی تو آپ نے فرمایا کہ اب ہمارے بازار کی رونق آخر ہے (اس طرح حیاتِ باقیہ کے مصنف بھی خواجہ محمد صدیق ہوں گے)۔

رجوع کی طرف میلان رکھتے ہیں۔ وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ (اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے) [1]

حضرت مجدد کے متعدد مکتوبات خواجہ محمد صدیق کے نام ہیں [2]۔ اور انھی نے رسالہ مبدأ و معاد [3] بھی مرتب کیا ہے۔

قدسیہ۔ آپ (خواجہ محمد صدیق) فرماتے ہیں کہ ع موت کو زندگی سمجھتا ہوں۔۔۔ حقیقت ہے کہ ابدی زندگی موت ہی سے وابستہ ہے۔ موت ہی ہمیشہ کی زندگی کی مشاطہ ہے۔ نہیں۔ بلکہ وہ آبِ حیات ہے۔ موت ہی دوستی کا لباس پہناتی ہے۔ موت ہی فانی لذتوں کو ختم کرتی ہے۔ موت ہی ماسوا کے گھر کو جلا دیتی ہے۔ موت ہی غموں کے پردوں کو جلاتی ہے۔ موت ہی حقیقت سے انس پیدا کراتی ہے۔ موت ہی حقیقت کی نمائندہ ہے۔ موت ہی جمالِ غیب کا چہرہ دکھلاتی ہے۔ موت ہی شاہدِ لاریب کا جلوہ دکھاتی ہے۔ موت وہ ہے کہ جس کے آنے سے خوش ہوں۔ موت ہی پریشانی کو جمعیت دلاتی ہے۔ موت ہی محب کو محبوب سے ملاتی ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُّوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ (موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست سے ملانے کا ذریعہ ہے) [5]

سُنا ہے موت سے میں نے پیامِ عمرِ ابد ۔۔۔ زہے نصیب خدا کرے موت کو رہبر [4]

اللہ تعالیٰ اپنے کمالِ کرم سے اپنی طرف کھینچتا ہے اور اپنا گرفتار بناتا ہے۔ یہاں تک کہ دید گرفتاری بھی علیحدہ ہو جاتی ہے اور سالک کی خودی کو درمیان سے اٹھا لیا جاتا ہے۔

القصہ تو جام میں عراقی ۔۔۔ اک قطرہ بھی چھوڑنا نہ باقی
جب تک کہ تو ہے اور گویا ۔۔۔ محبوب کہاں درمیاں میں ہو گا؟

---

[1] مکتوبات شریف۔ دفتر اول۔ مکتوب ۱۴۱۔ بنام محمد صالح کولابی [2] مکتوبات شریف۔ دفتر اول کے ۱۳۲۔ ۱۳۳۔ ۱۳۴۔ ۱۳۵۔ ۱۳۶۔ ۱۹۲۔ ۱۶۹۔ ۱۸۸۔ ۲۱۲۔ دفتر دوم کے ۲۱۔ ۵۱۔ دفتر سوم میں نمبر ۸

[3] ۱۰۱۹ھ میں یہ رسالہ مرتب کیا [4] فارسی متن میں یہ شعر اس طرح ہے:

ز مرگِ خویش شنیدم پیامِ عمرِ ابد ۔۔۔ زہے خدا کہ کند مرگ را پیمبرِ من

لیکن اردو ترجمے میں پہلا مصرع اس طرح ہے: ز مرگِ عیش شنیدم نبایے عیش آمد

جب تک سالک کی خودی درمیان سے نہ ہٹ جائے وہ اپنا ہی عابد ہے اور اپنی ہی پرستش کرتا ہے، گو کہ گمان کرتا ہے کہ وہ معبودِ حقیقی کی پرستش کر رہا ہے۔ عارف کے نزدیک ایسے سالک اور بت پرست کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ اذا جآء نصر اللّٰہ والفتح (آلایۃ (جب اللہ کی نصرت اور فتح آئے)۔ تو جب تک حق سبحانہٗ کی نصرت ایسے سالک کے شاملِ حال نہیں ہوتی۔ بشری طبائع کے کفرستان کی فتح حاصل نہیں ہوتی۔ افسوس افسوس کس دیدۂ بیدار[1] کے نصیب میں یہ دولت ہے۔ یہ فتح و فیروزی اس وقت حاصل ہوتی ہے جب کہ تجلیات جلالی کی سیر (جمال کے آئینے میں) عالم صغیر کے شہرستان پر حملہ کر کے اس کے قلعوں اور فصیلوں کو توڑے اور ہر قسم کی نقد اور جنس جو عقول و نفوس و طبائع و لطائفِ بشری والوں نے وہم و خیال میں جمع کیے ہوں ان سب کو لوٹ لے اور ان سب کو قرار و فرار کی بھی مہلت نہ دے، پھر ایسے لوگ فوج در فوج اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہوتے ہیں اور حقیقی اسلام سے مشرف ہوتے ہیں اور توبہ و استغفار میں مشغول ہوتے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ کریمہ اذا جآء نصر اللّٰہ - - - - اس کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ ان حقائق کے اظہار اور مرتبۂ بے کیفی تک پہنچنے سے متعلق سورہ الفتح وضاحت کرتی ہے۔ ع مبارک اہلِ نعمت کو ہو نعمت۔

وہ کیسی خرابی ہے جو آبادی کا سبب بن جاتی ہے۔ حقیقت میں یہی آبادی، زندگی ہے جو موت کے بعد دوسری ولادت سے تعلق رکھتی ہے، ؎

موت سے پہلے مرو، ہر دم جیو ورنہ ہر دم کے لیے موت آئے گی

ایسی ولایت اور عرفان والا فی الحقیقت تمام لوگوں کے روحانی احوال اور ولایتوں کا مالک ہے۔ ہر موقع پر اُسے "سفر در وطن" کی سعادت بخشی گئی ہے اور تمام پابندیوں سے بھی آزادی دی گئی ہے۔ اور ولایتوں میں سے ہر ولایت کے اشخاص جو صاحبِ احوال ہوتے ہیں ان کو اس سے استقلال ہوتا ہے۔ پھر بھی اس کی نظر میں ان مراتب کا کوئی اعتبار نہیں۔ وہ ساقط اور معدوم ہو جاتے

---

[1] ولی گجراتی جو حضرت مجددؒ کے پیر پوتے علی رضا (ابن فرخ شاہؒ ابن محمد سعیدؒ) کے مرید تھے۔ دیدۂ بیدار سے متعلق کیا خوب شعر کہتے ہیں:

مسند گلِ منزلِ شبنم ہوئی دیکھ رتبہ دیدۂ بیدار کا

ہیں۔ لیکن وہ عارف جو ولایتِ خودی کا عارف ہے ایسی صلاحیت خواب میں بھی نہیں دیکھ سکتا بلکہ مقید ہے گو کہ وہ اپنی ولایت کے مرتبے میں وہ کامل اور مکمل بھی ہو اور اجمال و تفصیل کے ساتھ سیر بھی کر چکا ہو۔ اور اس مرتبے میں اُسے شانِ عظیم بھی حاصل ہو گئی ہو۔ تب بھی وہ اپنی ولایتِ خودی میں مقید ہے۔ اور جو کچھ وہ دوسروں کی ولایتوں کی خبر دیتا ہے وہ اُن کی ولایتوں کے نمونے میں جو اس نے راہِ جامعیت کی بدولت جانے ہیں۔ اُن ولایتوں کی اصل کو نہیں جانتا۔ اور اگر سالک تیز نظر ہے تو وہ اپنی ولایت کی تشخیص کر سکتا ہے کہ جو کچھ وہ دیکھ رہا ہے وہ واقعی جانتا پہچانتا بھی ہے یا نہیں۔ وہ محض ایک نمونے کی طور پر ہوتا ہے اُن نمونوں میں سے جو اس کے نسخہ جامعہ میں اشیاء اور اشخاص میں سے ودیعت کیے گئے ہیں۔ حالانکہ وہ ولایتیں اس کی ولایت کے احاطے سے باہر ہیں۔ اور اگر محض اللہ پاک کے فضل و کرم سے اس کو اس کی ولایت سے باہر لا کر اب "سفر در وطن" کی منزل عطا کی جائے تو وہ اچھی طرح جان لے گا کہ حقیقت کیا ہے۔ اس سے زیادہ کیا لکھا جائے اور اگر اس سے زیادہ زبان کھولی جائے اور بیان کیا جائے جو کہ حضرت مجدد نے فرمایا ہے تو کون سلیم القلب ایسا ہے جو یقین کریگا۔ بہر حال وہ شخص بھی خوش حال ہے جو انکار کے لیے زبان نہیں ہلاتا۔ گو کہ اقرار بھی نہیں کرتا۔ (یہاں آپ کی بات ختم ہوئی) آپ کے مناقب، مآثر، مقامات اور کمالات بہت ہیں۔ یہاں اسی قدر پر اکتفا کیا گیا۔

قدسیہ۔ آپ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ مجھے حج کا شوق پیدا ہوا۔ پختہ ارادہ کیا۔ زادِ راہ و راحلہ سے بھی خالی نہ تھا۔ حضرت مجددؒ سے اپنے اس عزم کا ذکر کیا۔ آپ نے فی الفور فرمایا کہ امسال تم کو حاجیوں کے درمیان نہیں پاتا ہوں۔ (لیکن) میں نے حضرتؒ کے فرمانے کا بالکل خیال نہ کیا اور روانہ ہو گیا۔ راستے میں ڈاکوؤں نے مجھ پر حملہ کیا اور مجھے زخمی کر دیا۔ اور میرا مال و اسباب لوٹ لیا۔ چنانچہ اس سال حجاز کا سفر رک گیا۔ دوسرے سال پھر سفر کی تیاری کر کے روانہ ہوا اور حج کے لیے پہنچا۔

قدسیہ۔ آپ ہی فرماتے تھے کہ ایک روز اکبر آباد (آگرہ) میں آپ (حضرت مجددؒ) کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیکھتے ہی آپ نے فرمایا کہ "میں تم میں تغیر دیکھتا ہوں" میں نے عرض کیا کہ میں تو اپنے اندر کوئی تغیر نہیں سمجھ رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ "میں بڑا تغیر دیکھ رہا ہوں۔" میں نے پھر وہی اپنی بات دہرائی۔ آپ نے فرمایا کہ "تمہارے خواجگی کا کیا حال ہے؟" (یہ خواجگی نامی میرے ایک قریبی

دوست تھے اور حضرت مجددؒ کے نیاز مندوں میں سے بھی تھے اور دین دار امراء کے طبقے میں سے تھے)۔
میں نے عرض کیا کہ اس حقیر کے تغیر کا سبب یہی ہوا ہے کہ حکیم علی نے جو اس زمانے میں حکمت میں روئے زمین پر ضرب المثل کی حیثیت سے مشہور ہیں خواجگی کا مرض اسہال کبدی تشخیص کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ عنقریب مر جائیں گے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ "میں اپنے حکیم (مطلق) سے تحقیق کرتا ہوں۔" دوسرے دن آپ نے فرمایا کہ "خاطر جمع رکھو کہ خواجگی اس مرض سے (انشاءاللہ) اچھے ہو جائیں گے۔" اسی زمانے میں مجھے دکن کا سفر اختیار کرنا پڑا۔ "الرفیق ثم الطریق" (پہلے رفیق تلاش کرو، پھر سفر کرو) کے بموجب، فقیروں کے دوست خان خاناں کی رفاقت میں روانہ ہوا اور مجھے اُن کے وکیل قاضی نصر اللہ کے ساتھ مصاحبت رہی (یعنی) ہاتھی کی ایک ہی عماری میں ہم دونوں سوار ہوئے۔ ایک دن قاضی نصر اللہ نے بڑی حسرت سے کہا کہ خواجگی بہت اچھا دوست تھا۔ حکیم علی نے اس کا مرض لا دوا کہا ہے۔ میں نے جواب میں کہا کہ ہمارے حضرت مجددؒ نے اس کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ ضرور اچھا ہو جائے گا اور ہم کو حضرتؒ کے فرمانے پر پورا اعتقاد ہے۔ قاضی نے کہا کہ خواجگی کی صحت ممکن نہیں معلوم ہوتی اور اس قسم کی بشارتوں سے دل کو خوش نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس بات پر انھوں نے (قاضی نے) مبالغہ کیا۔ یہاں تک کہ میں نے اور قاضی نے خواجگی کی ممات وحیات پر شرط باندھ لی۔ چند روز کے بعد خبر پہنچی کہ خواجگی نے مکمل صحت حاصل کر لی۔ اور میں نے وہ شرط جیت لی۔

اس صاحب کمال (محمد صدیقؒ) کی وفات ماہ شوال سنہ ۱۰۵۰ھ میں واقع ہوئی۔ آپ کی قبر مبارک دہلی میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے مقبرے میں واقع ہے۔ آپ کی اہلیہ بڑی صالحہ اور عابدہ خواتین میں سے ہیں۔ وہ بھی خواجہ محمد صدیقؒ کے ساتھ حضرت مجددؒ کی خدمت میں حاضر ہوئی تھیں اور آپ کے الطاف و عنایات سے بہت کچھ بہرہ مند ہوئیں اور حفظ وافر حاصل کر کے آپ سے مجاز ہوئیں۔ آج کل، خواتین کی بہت بڑی جماعت اُن سے بہرہ مند ہے اور اُن کی صحبت بہت مؤثر ہے۔

(۶) شیخ بدیع الدین سہارنپوری قدس سرہٗ

آپ حضرت مجددؒ کے بڑے خلفاء میں سے تھے اور اپنے علاقے کے مشہور مشائخ

میں سے تھے۔ عالم، عامل، متقی، پرہیزگار، خوش صحبت اور شیریں گفتار تھے۔ صاحب کشف و کرامات اور بہرہ مندِ معرفت و بشارت تھے۔ نوجوانی میں اور حضرت مجددؒ سے مرید ہونے سے پہلے وہ آپ کی خدمت میں کتاب تلویح پڑھا کرتے تھے۔ اس وقت درویشوں سے اُن کو عقیدت نہ تھی بلکہ انکار اور پرہیز تھا۔ شیخ مذکور نے مجھ (بدرالدین سرہندی) سے کہا کہ اُن دنوں حضرتؒ سے میں علمِ ظاہری پڑھ رہا تھا اور سرہند کے ایک مشہور صاحب ریاضت بزرگ کی خانقاہ کے ایک حجرے میں رہا کرتا تھا۔ حضرت مجددؒ اسی زمانے میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ سے رخصت ہو کر سرہند تشریف لائے تھے اور ابھی آپ کے رشد و ہدایت کا شہرہ نہیں ہوا تھا۔ کبھی کبھی میری زبان پر کوئی لفظ حضرتؒ کے خلاف اُس بزرگ کے سامنے نکل آتا تو وہ مجھ پر بہت ناراض ہوتے اور مجھے ڈراتے اور دھمکاتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھ پر ظاہر ہوا ہے کہ وہ روئے زمین کے قطب ہوں گے۔ تم اُن کو کیا جانو؟ اُن سے تو بہت فائدے پہنچنے والے ہیں۔ ہرگز کوئی بات اُن کی شان میں مت کہنا۔ اسی زمانے میں انھوں نے ایک جلیل القدر خواب بھی دیکھا تھا جو انھوں نے ایک اور بزرگ سے جو ان کے واقف تھے اور اُن سے محبت رکھتے تھے بیان کیا تو اس بزرگ نے اس کی تعبیر میں کہا کہ حضرتؒ اکابر اولیاء میں سے ہوں گے اور قطبِ وقت ہوں گے۔ لوگ ابھی اُن کی قدر نہیں جانتے۔ مگر ایک وقت اُن کا ظہور ہوگا اور تم بھی اُن سے فیض یاب ہو گے۔

شیخ (بدیع الدین) اپنی توبہ کی ابتداء کا حال بیان کرتے تھے کہ میں اس زمانے میں ملازم تھا اور کبھی کبھی حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا تھا۔ عشقِ مجازی میں مبتلا تھا اور اعمال صالحہ کی پیروی اور منہیات کے ترک کی پروا نہ کرتا تھا۔ حضرتؒ فرماتے کہ "فلانے، تم نماز کیوں نہیں پڑھتے اور گناہوں سے کیوں باز نہیں آتے؟" میں کہتا کہ میں ایسی نصیحتیں بہت لوگوں سے سن چکا ہوں۔ اگر اس معاملے میں آپ مجھ پر توجہ فرمائیں اور اپنے تصرف اور توجہ سے مجھے اس حالت (گمراہی) سے باہر نکال دیں تو میری ہدایت ہو سکتی ہے۔ ورنہ نصیحت تو کارگر نہیں ہوتی۔ آپ نے تھوڑی توجہ فرمائی اور یہ فرمایا کہ "کل تم اسی نیت اور آمنیت کے ساتھ میرے پاس آنا"۔ اتفاقاً دوسرے روز میرا محبوب میرا مہمان ہوا اور میں نے اُس

کی صحبت کو غنیمت جانا اور حضرتؒ کی خدمت میں نہ جا سکا۔ پھر دو تین روز کے بعد حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا کہ "تم نے وعدہ خلافی کی۔ خیر، اب بھی آگئے ہو تو اچھا ہے اور مبارک ہے۔ جاؤ، تازہ وضو کرو اور دو رکعت نماز پڑھو، پھر میرے پاس آؤ"۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ تو آپ مجھے خلوت میں لے گئے اور ذکرِ قلبی کی تعلیم دی اور توجہ فرمائی۔ چنانچہ میں بیخود ہو گیا اور ہوش و حواس کھو بیٹھا اور خاک پر لوٹنے لگا۔ اسی حالت میں اور بیہوشی کے عالم میں لوگوں نے اٹھا کر مجھے اپنی منزل پر پہنچا دیا۔ ایک رات دن کے بعد مجھے ہوش آیا۔ جب میں نے اپنے دل کو ٹٹولا تو اس گرفتاری (عشقِ مجازی) سے اُسے خالی پایا۔ بلکہ تمام (دنیوی) رشتوں سے خالی پایا۔ اس کے بعد میں حضرتؒ کی خدمت میں پابندی سے حاضر ہونے لگا اور آپ کی عالی توجہات کی برکتوں سے بے حد ترقیاں حاصل کیں۔ پھر تو میں ہر روز خود سے دور تر ہوتا گیا اور ہر ساعت غیب الغیب کی طرف بڑھتا گیا۔

غرض کہ شیخ نے برسوں حضرتؒ کی خدمت میں عمر گزاری اور واردات و مقامات اور درجاتِ کمال و تکمیل سے مشرف ہوئے اور خلعتِ خلافت حاصل کر کے اپنے وطن (سہارنپور) واپس ہوئے اور طالبوں کی تربیت میں مشغول ہوئے۔ اس راقم الحروف اور شیخ کے درمیان بہت خلوص اور خصوصیت تھی۔ اور جب کبھی اُن سے ملاقات ہوتی تو وہ حضرت مجددؒ کے خوارق و کرامات بہت شیریں، مذاق اور رنگین عبارت میں بیان کرتے۔ وہ گویا حضرتؒ کے مکشوفات، بشارات اور کرامات کا ایک مجموعہ (کتاب) تھے۔ اُن سے میں نے اس قدر خوارق حضرتؒ کے سُنے ہیں کہ اگر اس وقت اُن سب کو لکھنے کا خیال آتا تو ایک بہت ضخیم دفتر تیار ہو جاتا! افسوس کہ ایسا لکھنے کا ارادہ بعد میں ہوا اور اب بہت سی باتیں ذہن سے نکل گئی ہیں اب جس قدر حافظے نے ساتھ دیا لکھ لیا ہے۔

قدسیہ۔ آپ فرماتے تھے کہ جب میں نے حضرت مجددؒ سے عرض کیا کہ میں ملازمت چھوڑنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اس سفر میں (لشکر والے سفر میں) ترک مت کرو۔ بہت کچھ میں نے کہا۔ لیکن آپ نے فرمایا، ابھی (اللہ کی) مرضی نہیں ہے۔ چنانچہ اس حکم کی وجہ سے میں رخصت ہوا پہلے دن سے اکبر آباد سے برہانپور کے سفر میں صبح سے منزل تک پہنچنے تک برابر حضرتؒ کو اپنے ہمراہ

دیکھا کہ پہنچے ہوئے ہیں اور فوج کے درمیان سے مجھے ہاتھ پکڑ کر ایک کنارے لے جا کر تربیت فرما رہے ہیں۔ اس عرصے میں کوئی دن اور کوئی وقت فرق نہیں آیا۔

قدسیہ۔ آپ فرماتے تھے کہ جب میں شہر اجین پہنچا تو میں اجید ردپ جوگی[1] کو دیکھنے گیا۔ وہ کافر راہب تھا اور ریاضت کی وجہ سے صاحب کشف و استدراج تھا۔ بادشاہ اور امراء بھی اس سے عقیدت رکھتے تھے اور اس کو دیکھنے جاتے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی وہ کہنے لگا کہ اے شخص، تم اپنے پیر کو جو اس وقت سب سے زیادہ کامل ہیں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو؟ میں نے کہا کہ تم کو کیسے معلوم ہوا؟ اس نے کہا کہ مجھے معلوم اور مکشوف ہوا ہے کہ اس زمانے میں تمھارے پیر کی طرح کوئی نہیں۔ میں نے کہا کہ پھر تم اُن کی خدمت میں کیوں نہیں جاتے۔ وہ کہنے لگا کہ میں اپنے دین میں کامل ہوں مجھے اُن کی ضرورت نہیں۔

قدسیہ۔ آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ میں نے حلقہ ذکر میں دیکھا کہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں کسی نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ سنت زوال ادا فرماتے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کچھ خاموش رہے تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! حضرت شیخ احمدؒ تو یہ نماز ادا کرتے ہیں اور اُن کی عادت ہے کہ جو عمل آپ کی ذات مبارک سے وجود میں آیا ہے اُسے وہ بجا لاتے ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر مراقب ہوئے۔ پھر سر مبارک اٹھا کر فرمایا کہ "ہر عمل جو میاں شیخ احمد بجا لاتے ہیں وہ حق ہے اور بعینہٖ ہمارا عمل ہے۔ اور یہ نماز ہم بھی ادا کرتے ہیں۔"

قدسیہ۔ آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ جب کبھی میں حضرتؒ کی خدمت میں سرہند حاضر ہوا، از خود آپ نے فرمایا کہ "اس وقت تمہاری کیفیات ایسی ہیں اور اب ایسی ہوں گی۔" چنانچہ جیسا آپ فرماتے تھے ویسا ہی واقع ہوا۔ اور آپ ہی کے قول کے مطابق تمام کیفیات رونما ہوتی تھیں اور آپ ہمیشہ اسی طرح مجھ پر کرم فرماتے تھے۔

قدسیہ۔ آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ میں غائبانہ طور پر حضرت مجددؒ سے بالکل حضوری طور کا فیض حاصل

---

[1] تزک جہانگیری (ترجمہ، جلد اول صفحہ ۵۵۴-۵۵۵۔ لاہور سنہ ۱۹۶۹ء) میں جہانگیر نے بھی اس سے اپنی ملاقات (سنہ ۱۰۲۹ھ / ۱۶۱۰ء) کا ذکر کیا ہے اور اکبر کی ملاقات کا ذکر بھی کیا ہے۔ تزک میں اس کا نام جدروپ ہے اور اقبال نامہ جہانگیری (مطبوعہ الہ آباد صفحہ ۱۰۱) میں اجید روپ ہے۔

کرتا ہوں اور ہمیشہ حضرت کی ذاتِ گرامی مجھے مشہود اور محسوس ہوتی رہتی ہے۔ اس طرح مجھے برابر فیض پہنچتا رہتا ہے اور فراق میں آپ سے شوق اور محبت بھی بڑھتی رہتی ہے جس سے مجھے مزید فیض اور قربت حاصل ہوتی ہے۔

قدسیہ۔ آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ ایک روز ایک دوست کی التماس کی وجہ سے میں ایک ایسے شیخ کی قبر کی زیارت کو گیا کہ جس کے بعض خلافِ شرع کلمات کی وجہ سے حضرت مجددؒ کو ناگواری تھی۔ میں چلا تو گیا۔ لیکن مجھے حضرتؒ کی آزردگی اور آپ کی ناراضی کا خوف تھا۔ اسی اثناء میں اُس شیخ کی قبر کے قریب میں نے ایک شیر کو غراتے ہوئے دیکھا۔ میں اس شیر کو دیکھ کر دہشت اور وحشت میں مبتلا ہوگیا۔ میں نے دیکھا کہ اس شیر کی آنکھیں حضرتؒ کی آنکھوں سے مشابہ تھیں اور آپ کا تمام حلیۂ زیبا اس شیر کے چہرے سے ظاہر ہوا۔ میں ڈر کے مارے وہاں سے اٹھا اور بھاگ کھڑا ہوا اور میں نے توبہ و استغفار کی۔

قدسیہ۔ آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ اس زمانے میں جب کہ برہان پور میں تھا کئی دن تک شیخ عیسیٰ سندھیؒ[1] (جو کہ وہاں کے مشہور بزرگ اور بڑے متقی بزرگ تھے) کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا۔ مجھے اُن کی خدمت میں جذبۂ عقیدت پیدا ہوا اور میں نے چاہا کہ اُن سے بیعت کر لوں اور ان کا طریقۂ ذکر سیکھ لوں۔ شیخؒ نے بھی چاہا کہ اپنا طریقہ مجھے بتائیں۔ چنانچہ وہ مجھے تنہائی میں لے گئے تاکہ اپنے سلسلے کے ذکر کی تلقین کریں۔ اسی وقت یکایک میں نے حضرت مجددؒ کو اپنی آنکھوں سے موجود دیکھا۔ انھوں نے غضبناک ہو کر میرے منہ پر ایک تھپڑ مارا اور اس کا نشان میرے رخسار پر ظاہر ہوا اور جو کچھ میں نے دیکھا اور تجربہ کیا، شیخ نے بھی دیکھا اور دہشت و وحشت سے وہ کانپنے لگے اور انھوں نے فرمایا کہ "تمہارے پیر اس قدر کامل و مکمل ہیں۔ غیرت و کرامت اور تصرف کے مالک ہیں، پھر کیوں تم نے دوسری جگہ بیعت کا ارادہ کیا؟" پھر وہ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور مجھ سے فرمایا کہ جاؤ اور اپنے پیر دستگیر کے طریقے پر ذکر کرو اور اپنے ساتھ مجھے بھی کسی بلا میں شریک نہ کرو۔"

---

[1] مسیح الاولیاء شیخ عیسیٰ جنداللہؒ ابن شیخ قاسم سندھی (۹۶۲ھ تا ۱۰۳۱ھ) تفصیل کے لیے دیکھیں مولانا راشد برہانپوری کی کتاب "برہانپور کے سندھی اولیاء" (صفحہ ۳۱-۱۰۳) مطبوعہ حیدرآباد (سندھ) ۱۹۵۷ء۔

اب یہاں شیخ کے کچھ عریضے[1] جو انھوں نے حضرت مجدد کو ارسالِ خدمت کیے تھے پیش کیے جاتے ہیں۔

مکتوب ۔ احقر العباد بدیع الدین سہارنپوری، آستانۂ عالیہ میں عرض پرداز ہے کہ یہ عاجز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص بشارتیں پاتا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بڑی عنایتیں فرماتے ہیں اور نصیحتیں بھی فرماتے ہیں۔ ایک دن فرمایا کہ "تو سراجِ ہند ہے" اور فرمایا کہ "مزید طاعات کرو"۔ عالمِ غیب سے قطبیت کی بشارت بھی آتی ہے اور اکثر اوقات حکم الٰہی سے آنے والے واقعات کی خبر، واقعے سے پہلے ہی بلا قصد دی جاتی ہے۔ اور عالمِ غیب سے ایسی عجیب و غریب بشارتیں ہوتی ہیں کہ وہ حضور والا ہی سے عرض کرنے کے لائق ہیں۔

کچھ طالبانِ صادق جمع ہو گئے ہیں اور ذکر میں مشغول ہیں اور بلند احوال سے گزر رہے ہیں۔ انھوں نے نقشبندیہ حضور کو تھوڑی سی مدت میں اپنا ملکہ بنا لیا ہے اور اہلِ نسبت بن گئے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو فنائے جسدی سے مشرف ہو گئے ہیں (اور اللہ تعالیٰ ہی احوال اخروی اور برزخ کو بہتر جانتا ہے) اور بعض ایسے ہیں کہ ذکر کی لذت کی خاطر گھر بار چھوڑنے پر آمادہ ہیں۔

مکتوب ۔ حضرت سلامت۔ اللہ پاک نے آپ کی توجہ کی بدولت مجھے مشاہدہ کی سعادت سے سرفراز فرمایا۔ میں آرزو رکھتا تھا کہ ایک بار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بابرکت نصیب ہو اور میں اس آستانے پر جبہہ سائی کروں اور انوارِ کمالات کا پرتو حاصل کروں۔ اللہ پاک نے اپنے خاص کرم سے نمازِ تہجد کے بعد یہ دولت عطا فرما دی اور ایسا معلوم ہوا کہ اس مقام سے انوار کا حصول صرف کامل ترین اولیاء کر سکتے ہیں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے کمال سے مشرف ہوتے ہیں۔

حضرت سلامت! ایک درویش جو قدوۃ المحققین خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں تربیت یافتہ تھے، بتلاتے تھے کہ میں ان کی خدمت میں چھ ماہ رہا۔ میں ارواحِ پاک سے نسبت رکھتا تھا اور بزرگوں کی ارواح مجھ پر ظاہر ہوتی تھیں۔ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ حضرت شیخ فرید شکر گنج قدس سرہٗ

---

[1] حضرت مجددؒ کے بھی دس مکتوب شیخ بدیع الدینؒ کے نام ہیں۔ دفتر اول میں ۱۷۲-۱۹۲-۲۴۲-۲۵۲-۲۵۶-۲۶۹-۲۸۲۔ دفتر دوم میں ۱۶-۸۸۔ اور دفتر سوم میں ۹۔

نے مجھ سے فرمایا کہ کچھ دنوں تک بدیع الدین کے ساتھ رہو۔ اس درویش کو ذکر میں بہت مشغولیت حاصل تھی اور عجیب و غریب حالات اس پر ظاہر ہوتے تھے۔

مکتوب۔ ایک واقعے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے میں نے آپ کی اُس محبت والی نسبت کی استدعا کی جو آپ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہے۔ آپ نے کمال بندہ نوازی سے وہ عنایت فرمائی۔ پھر میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اُس محبت والی نسبت کی استدعا کی جو آپ کو حضرت حق سبحانہٗ سے ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ عنایت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ "یہ طریقہ، وصولِ خاص ہے۔" (یہاں مکتوب ختم ہوا)

شیخ (بدیع الدین) سے بہت سی کرامات، خوارقِ عادات اور مختلف مکشوفات شہرت رکھتے ہیں۔ یہاں چند پر اکتفا کیا جاتا ہے:۔

کرامت۔ ایک دوست کا بیان ہے کہ جب حضرت مجددؒ نے شیخ کو خلافت دے کر اُن کو اُن کے وطن روانہ فرمایا تو میں اُن کے ساتھ کے لیے شہر کے باہر تک گیا۔ میرے دل میں آیا کہ میرے والد جو مدت ہوئی فوت ہو چکے ہیں اُن کے حالات شیخ سے دریافت کروں کہ وہ ثواب میں ہیں یا عذاب میں، شیخ جب چاشت کی نماز کے لیے (سواری سے) نیچے آئے تو میں نے یہ بات اُن سے عرض کی۔ شیخ تھوڑی دیر کے لیے مراقبے میں سر جھکا کر بیٹھے۔ پھر مجھ سے فرمایا کہ اس صورت اور ہیئت کے وہ نظر آئے۔ اعلیٰ قسم کے سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اُن سے اُن کے حالات دریافت کیے تو انھوں نے کہا ہے کہ ٹھیک ہیں اور مجھے اعلیٰ مقام دیا گیا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ وہاں سے نکلوں۔ لیکن چونکہ آپ نے طلب کیا تھا، اس لیے ضرورۃً آگیا ہوں۔ میرے والد کے چہرے اور حلیے کی جو پہچان بتائی بالکل ویسی ہی تھی۔ حالانکہ شیخ نے میرے والد کو ہرگز نہ دیکھا تھا اور نہ وہ ان کو جانتے تھے۔

کرامت۔ حضرت مجددؒ نے جب آپ کو خلافت دے کر آپ کے وطن مالوف کی طرف رخصت کیا تو کہا جاتا ہے کہ آپ کو خیال آیا کہ جب حضرتؒ نے مجھے تعلیم طریقہ کی اجازت دی ہے تو طالبوں میں تصرف کرنا چاہیے، میں آزما کر دیکھوں کہ مجھے تصرف کی قوت اور قدرت ہے بھی یا نہیں اور میری توجہ میں اثر ہے یا نہیں ہے؟ اتفاق سے ایک کافر لڑکی کی ڈولی پر کہ جس کی ابھی

شادی ہوئی تھی نظر پڑی۔ میں نے اس پر تصرف کیا تو اس دلہن نے حیا و شرم جو لڑکیوں کو ہوتی ہے ترک کر کے فوراً بے اختیار ہو کر ڈولی میں سے چھلانگ لگائی اور شیخ کی طرف دوڑی ہوئی آئی اور ان کے قدموں پر گر پڑی۔ شیخ نے فقیتے کو فرو کرتے کیے۔ یہ اور اپنا مطلب جو توجہ کے تجربے کے لیے تھا، حاصل کر کے اس کی طرف سے اپنا تصرف واپس کرلیا۔ پھر تو اسی وقت اس کی حیا واپس آگئی اور وہ پلٹ کر ڈولی میں بیٹھ گئی۔

کرامت ۔ جس زمانے میں کہ بادشاہِ وقت (جہانگیر) نے کچھ گمراہ لوگوں کی بدگوئی کی بناء پر حضرت مجدد رح کو اکبر آباد [1] بلوایا تھا۔ بادشاہ کے مقربوں میں سے ایک شخص کی قرابت داری شیخ بدیع الدین سے تھی۔ لیکن (جیسا کہ کہا جاتا ہے) اَلْاَقَارِبُ کَالْعَقَارِب (اقربا بشکل بچھوؤں کے ہیں) کے مصداق اُسے شیخ سے اور حضرت مجدد رح سے خاص عداوت تھی۔ شیخ کو (قرابت داری کا خیال آیا اور اس کے گھر پر گئے اور بہت تعلق کے ساتھ اس سے کہا کہ حضرت رح کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرے۔ لیکن وہ زیادہ سے زیادہ عداوت کی طرف بڑھتا گیا اور اس نے کہا کہ میں وہ کوشش نہ کروں؟ میری تو برسوں کی مراد اب پوری ہوئی ہے۔ دیکھو کہ میں کیا کرتا ہوں۔ شیخ یہ بات سن کر بے چین ہوئے اور ان کی غیرت کی رگ نے حرکت کی اور وہ بہت جوش میں آگئے۔ پھر بہت غضب میں آکر اس سے کہا کہ تم بھی دیکھنا کہ کون کس کے لیے کیا کرتا ہے؟ وہاں سے شیخ بہت رنجیدہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی جائے قیام میں آکر متوجہ ہوئے۔ وہ شخص قبل اس کے کہ بدگوئی کرنے کا موقع پا سکے دو تین دن کے اندر ہی فوت ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ شیخ کے اس بداندیش رشتہ دار نے ارادہ کیا کہ بادشاہ کے پاس جا کر حضرت رح کے خلاف زہر اگلے کہ ناگاہ اسی وقت اس کے پیٹ میں درد اٹھا اور اسے بدگوئی کا موقع نہ مل سکا۔ اور تھوڑی دیر میں اسی درد سے وہ مر گیا۔ یہ تھی اُس بداندیش کی سزا۔

---

[1] عموماً تاریخوں میں اسی طرح ہے کہ بادشاہ نے حضرت مجدد رح کو بلوایا تھا لیکن حضرت رح کے مکتوب ۹۲ (دفتر دوم) سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے خود ہی اس سے ملنے کا ارادہ کیا تھا کہ وہ جب ممالک کی سیر سے واپس اکبر آباد آئے گا تو میں اس سے ملوں گا۔ زبدۃ المقامات (صفحہ ۲۴۸) میں یہ بھی ہے کہ حضرت رح نے شیخ کو اکبر آباد میں مستقل رہنے کا حکم دیا تھا لیکن وہ اپنے وطن بغیر اجازت بھی گئے۔ پھر فرحیوں سے شیخ نے سخت ہجے میں تبلیغ کی اس لیے بھی وہ لوگ (اکبر آباد میں) ان کے مخالف ہو گئے تھے۔ شیخ اپنے وطن سہارنپور ۱۰۴۲ھ میں فوت ہوئے۔ (نزہۃ الخواطر ج ۵۔ ص ۹۱)

(۷) شیخ محمد طاہر بدخشی قُدِّسَ سِرُّہٗ

شیخ محمد طاہر بدخشی قدس سرہٗ، حضرت مجددؒ کے مشہور خلفاء میں سے تھے بالکل وارستہ، آزاد، بے تکلف اور بے تعین تھے اور شہر جونپور کے مشہور مشائخ میں سے تھے۔ یہ شہر ہندوستان میں بہت خوبصورت ہے۔ آپؒ اصل بدخشاں کے ترکوں میں سے اور دشت قلعہ سے تھے جو روستاق[1] کے مضافات میں سے ہے۔ اس طریقے میں داخل ہونے کی ابتدار کے متعلق آپ بیان کرتے تھے کہ میں سپاہ گری کے زمانے میں ایک امیر کے ساتھ ملکوسہ کو جا رہا تھا۔ منزل میں مجھے نیند آگئی تو خواب میں دیکھا کہ ایک شخص مجھ سے آکر کہہ رہا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے طلب فرمایا ہے۔ میں اس کے ساتھ گیا تو دیکھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تشریف رکھتے ہیں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بھاری جوشن اور پُر گرہ زرہ کو جس کو ہاتھی بھی اٹھانے سے عاجز آ جائے، اپنے سامنے رکھے ہوئے ہیں۔ مجھے دیکھتے ہی فرمایا کہ "اے ابا بکر، ایک طرف سے آپ جوشن کو پکڑیے تاکہ میں وہ شیخ طاہر (بدخشی) کو پہنا دوں۔" حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس جوشن کو اٹھایا اور میرے کندھے پر ڈال دیا۔ میں نے اُسے پہن لیا۔ پھر مجھ سے فرمایا کہ "اس گروہ میں رہ کر کیا کرتے ہو، راہِ فقر میں آؤ۔ لیکن (پہلے) اس قلعہ کو فتح کرو، پھر اس جماعت (سپاہ گری) کو چھوڑ دو۔" میں خواب سے بیدار ہوا تو روانگی کا جرس سنائی دیا، تو میں سوار ہو گیا۔ جب میں اپنی فوج کے ساتھ ملکوسہ کے قلعے کے قریب پہنچا تو مجھے ایسا جوش پیدا ہوا کہ میں نے سب سے آگے گھوڑا دوڑا دیا قلعہ کے دروازے کی طرف۔۔۔ اور وہ پہلے ہی حملے میں فتح ہو گیا۔ میں داخل ہو گیا اور قابض ہو گیا۔ اس کے بعد میں گھوڑے سے اترا اور زائد کپڑے اتار دیئے اور اپنے ملازم سے کہا کہ یہ کپڑے اور گھوڑا گھر لے جا۔ میں بھی ان شاء اللہ پہنچ رہا ہوں۔ میں وہاں سے نکل کر شیخ عبدالجلیل بیانکی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انھوں نے بغیر پوچھے ہوئے وہ نسبت مجھے بتائی۔ اس کے بعد فرمایا کہ "تم صاحب استعداد ہو اس راہ میں سفر اختیار کرو۔ شاید تم کسی بزرگ تک پہنچ جاؤ اور وہ تمہارا کام بنا دے۔ دہلی میں تم خواجہ باقی باللہ (قدس سرہٗ) کو پاؤ گے۔" جب میں دہلی پہنچا اور حضرت خواجہؒ کے حالات معلوم کیے۔ تو لوگوں نے بتایا کہ ابھی چند روز ہوئے کہ انھوں نے سفر آخرت

---

[1] فارسی متن میں یہاں اوستاق ہے جو صحیح نہیں۔ روستاق (Rustaq) دراصل کئی دیہات کے مجموعے کو کہتے ہیں۔

اختیار کیا ہے لیکن حضرت مجدد رح دہلی میں تشریف رکھتے تھے۔

یہ شیخ کہتے تھے کہ (دہلی میں) حضرت میر نعمان نے مجھ پر بڑی شفقت فرمائی اور حضرت مجدد رح کی طرف رہبری فرمائی اور آپ کی خدمت میں لے گئے۔ نماز سے فراغت کے بعد میں نے اپنی آشفتگی اور پریشانی کی وجہ سے رخصت ہونے کی دعا کی التماس کی۔ حضرت رح نے فرمایا کہ آج کل ماہ رمضان ہے۔ قرآن پاک پڑھا جا رہا ہے۔ کیا ہو جو آپ بھی یہاں ہوں اور سنت (تراویح) ادا کریں۔" میں نے عرض کیا کہ میں طالب ہوں۔ اگر آپ مجھ پر کرم فرمائیں اور میرا مقصد پورا کر دیں تو میں ٹھہر جاتا ہوں۔ ورنہ اجازت دیں تو چلا جاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ "اس کے لیے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" پھر آپ جانے لگے تو میں نے پھر رخصت ہونے کی دعا کے لیے التماس کی۔ آپ کچھ دیر مراقب ہو گئے اور توجہ فرمائی۔ اس کے بعد سر اٹھایا اور فرمایا کہ "ٹھہر جائیے۔ ہم آپ کے لیے حاضر ہیں۔"

شیخ پھر حضرت مجدد رح کی خدمت میں حاضر ہونے لگے اور دو ماہ کی مدت میں یہ حال ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار مسلسل نصیب ہونے لگا اور کوئی گھڑی اس نعمت سے جدا نہیں ہوئے۔ پھر یہ معاملہ دو تین ماہ تک جاری رہا۔ اس کے بعد احوال سینہ اور مقامات علیہ کے ساتھ جذبہ و سلوک سے مشرف ہوئے اور ولایت کی سعادت حاصل ہوئی۔ قبولیت خاص و عام بھی حاصل ہوئی اور تصرف تام کا شرف بھی حاصل ہوا۔ شیخ نے ۱۰۱۷ھ میں راقم الحروف کے حاضر ہونے سے پہلے حضرت مجدد رح سے ایک سال میں اجازت اور خلافتِ طریقۂ نقشبندیہ حاصل کر لی تھی اور حضرت رح نے اُن کو جونپور روانہ کر دیا تھا۔ رخصت کے وقت حضرت رح نے فرمایا تھا کہ وہاں جاؤ کہ وہاں سے ایک ایسے شخص کا ظہور ہوگا جو حق تعالیٰ کے مقبولین اور اس کے دوستوں میں سے ہوگا۔"

حضرت مجدد رح کی رحلت (۱۰۳۴ھ) کے دس سال بعد شیخ نے مخدوم زادوں کو خط لکھا تھا کہ وہ فرزند جس کے لیے حضرت مجدد رح نے بشارت دی تھی وہ ظاہر ہو گیا ہے یعنی وہ فرزند پیدا ہوا ہے اور اس نے علوم ظاہری و باطنی کی تحصیل شروع کر دی ہے بلکہ تجرید و تفرید میں مجھ سے آگے بڑھ کر خاندانِ نقشبندیہ میں توجہ دے رہا ہے۔ سبحان اللہ، حضرت مجدد رح کی دوربین نظر کیا تھی! کہ وہ بات جو تیس سال بعد ظہور میں آنے والی تھی اُس کے لیے آپ نے

پہلے ہی فرما دیا تھا۔

حضرت مجدد کے وصال کے بعد شیخ، سرہند آئے تھے اور راقم الحروف نے ان کو دیکھا ہے۔ دراز قد اور قوی ہیکل تھے اور حدیث "اَتْقِیَآءُ اُمَّتِیْ بُرَآءٌ عَنِ التَّکَلُّفِ" (میری اُمت کے متقی لوگ تکلف سے مبرا ہوں گے) کے مطابق، زمانے کے نشیب فراز نے اُن جیسے یگانۂ آفاق کے دل کو متاثر نہیں کیا۔ ان کو ابدال کہا جا سکتا ہے۔

حضرت مجدد رح کے مکتوبات ان کے نام ہیں جو ان کے مجموعوں[1] میں محفوظ ہیں۔ وہاں رجوع فرمایا جائے۔ (اس وقت) اُن کی عمر ستر سال[2] سے تجاوز کر گئی ہوگی۔

(۸)۔ شیخ یار محمد (قدیم) طالقانی قدس سرہٗ

آپ حضرت مجدد رح کے قدیم مریدوں میں سے تھے اور تعلیم طریقہ کی اجازت سے ممتاز تھے۔ آپ کو "قدیم" اس لیے کہتے ہیں کہ آپ کے بعد ایک اور صاحب آپ کے ہم نام یار محمد ہیں جو حضرت مجدد رح کے مکتوبات کے دفتر اوّل کے جامع ہیں اور حضرت رح کے وہ بھی مرید ہیں اور ان کو یار محمد جدید کہتے ہیں اور (اسی رعایت سے) آپ کو یار محمد قدیم کہا گیا ہے۔

آپ نماز (نوافل) اور روزہ (نوافل) کے بہت پابند تھے۔ ہمیشہ استغراق، عاجزی، اضمحلال

---

[1] یعنی دفتر اوّل میں ۱۲۲-۱۲۳-۱۲۴-۱۶۱-۲۱۷ دفتر دوم میں ۲۰-۲۷-۸۹ - دفتر سوم میں ۳۷-۹۱-۴۴ وغیرہ

[2] نزھۃ الخواطر (ج ۵ ص ۱۸۵) میں اُن کا سالِ وفات ۱۰۳۶ھ درج ہے اور یہ کہ جونپور ہی میں انتقال کیا۔ زبدۃ المقامات (صفحہ ۲۵۳ بعد) میں شیخ طاہر کے متعلق بھی ہے کہ آپ بہت سادہ مزاج ترک تھے اور بعض احوال مکاشفات اس انداز سے بیان کرتے تھے کہ حضرت مجدد رح کو بے اختیار مسکراہٹ آجاتی تھی۔ اسی طرح کبھی ایسا ہوتا کہ حضرت مجدد رح اپنے احوال و معارف بیان کرتے تو آپ آرے اور بلے کہتے جاتے اور سر ہلاتے رہتے چنانچہ حضرت مجدد رح خوش طبعی کے طور پر فرماتے کہ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسرار و معارف مولانا طاہر پر وارد ہو رہے ہیں اور میں اُن کی ترجمانی کر رہا ہوں"۔ — حضرت مجدد رح نے دفتر اوّل کے مکتوب ۲۱۷ میں ان کو خاص ہدایات دی ہیں اور شیخ حمید بنگالی رح سے (جو حضرت مجدد رح کے خلیفہ تھے) ملتے رہنے کا مشورہ بھی دیا ہے۔

اور استہلاک آپ کے دل کی پسندیدہ خوبیاں تھیں۔ آپ بہت حسین[1] تھے اور جو شخص آپ کو دیکھتا تھا سبحان اللہ کہتا تھا۔ "اِذَا رُؤُا ذُکِرَ اللّٰہ" (ان کو دیکھنے سے خدا یاد آئے) اولیاء اللہ کی پہچان بتائی گئی ہے تو یہ پہچان آپ سے ظاہر تھی۔ مسکنت اور غربت آپ کا خاص وصف تھا فقر وفاقہ اور حلال لقمہ آپ کی خصوصیت تھی۔ اسی ناداری کے باوجود آپ نے سفر حجاز کیا اور بیت اللہ کے طواف اور روضۂ اقدس حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی سعادت حاصل کی۔

قدسیہ۔ اس کثیر البرکت سفر سے واپسی کے بعد اپنے ایک عزیز دوست[2] (محمد ہاشم کشمیؒ) سے آپ نے بتایا کہ میں نے رکن یمانی (خانۂ کعبہ کا ایک رکن) کے قریب ایک ہودج میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیب زینت کے ساتھ دیکھا۔ اس شان کی لذت اور فرحت سے میں مدہوش ہوگیا۔ جب میں اپنے ہوش میں آیا تو جھومتا ہوا جارہا تھا۔ حجاج تعجب میں تھے اور عربوں نے کہا کہ "یہ عجمی دیوانہ ہے۔" ۱۰۴۶ھ میں آپ حضرت مجددؒ کے روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے اور راقم الحروف کو چونکہ بہت عرصے سے اس بزرگوار سے محبت اور اخلاص ہے اس لیے اس مرتبہ میں نے آپ سے عرض کیا کہ میں حضرت مجددؒ اور ان کے خلفاء کے حالات اور مقامات لکھ رہا ہوں اگر آپ کی زبان مبارک سے حضرتؒ کے کچھ مناقب سن لوں تو کتاب میں داخل کرلوں۔ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ تنہائی میں ہم دونوں بیٹھیں گے اور جو کچھ مجھے معلوم ہے (انشاء اللہ) عرض کرونگا لیکن ایسا مقدر میں نہ تھا۔ وہ اکبر آباد چلے گئے اور وہیں فوت ہوگئے۔

قدسیہ۔ حضرت مجددؒ نے جو کچھ (نصیحتوں میں) ان کو لکھا تھا وہ تمام مشائخ کے لیے مفید ہے اس لیے یہاں نقل کیا جاتا ہے:۔

"جب کوئی طالب تمہارے پاس مرید ہونے کو آئے تو اس کے تعلیم طریقہ میں خوب تامل کرنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کو اس معاملے میں تمہارا امتحان منظور ہو اور

---

[1] زبدۃ المقامات (صفحہ ۳۰۰) میں ہے کہ "ایک روز آپ نے بیان کیا کہ میں اپنی وجاہت اور داڑھی ... بوڑھا ہوں لیکن جب بازاروں سے گزرتا ہوں تو لوگ مجھے دیکھ کر درود پڑھتے ہیں۔"

[2] زبدۃ المقامات۔ صفحہ ۳۰۷ میں ہاشم کشمیؒ نے لکھا ہے کہ مجھے تنہائی میں یار محمد قدیم نے یہ بتایا ہے۔

خرابی پیدا ہو۔ بالخصوص جب کسی مرید کے آنے سے فرحت اور مسرت پیدا ہو تو چاہیے کہ اس بارے میں التجا اور تضرع کے ساتھ متعدد مرتبہ استخارہ کرلو۔ یہاں تک کہ یقین ہوجائے کہ طریقہ بتانا چاہیے۔ پھر استدراج اور خرابی کا گمان باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ حق سبحانہٗ کے بندوں میں تصرف کرنا اور ان کے پیچھے اپنا وقت ضائع کرنا بغیر اللہ تعالیٰ کے اذن کے، جائز نہیں۔ آیۂ کریمہ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (تاکہ آپ لوگوں کو اندھیرے سے نور کی طرف لے جائیں، ان کے رب کے اذن سے) اس معاملے کی وضاحت کرتی ہے۔ جب کسی بزرگ کا انتقال ہو تو خطاب ہوا کہ "تو ہی ہے کہ جس نے زرہ پہنی تھی میرے دین کے لیے میرے بندوں پر؟" انھوں نے جواب دیا کہ ہاں پھر ارشاد ہوا کہ "تو نے میری مخلوق کو میری طرف کیوں نہ چھوڑا اور اپنے نفس (دل) کو میری طرف کیوں متوجہ نہ کیا؟" [1]

(۹) شیخ عبدالہادی بدایونی قدس سرہ

مولانا عبدالہادی قدس سرہٗ، حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں بڑے فاضل تھے اور اپنے علاقے کے مشاہیر میں سے تھے۔ شروع میں آپ حضرت خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہٗ سے بیعت ہوئے تھے۔ پھر حضرت نے آپ کی تربیت حضرت مجدد رحؒ کے سپرد کردی تھی اور دہلی سے آپ کو حضرت مجدد رحؒ کے ہمراہ روانہ کردیا تھا۔ آپ نے حضرت مجدد رحؒ کی خدمت میں رہ کر فیوض و برکات حاصل کیے۔ چنانچہ حضرت مجدد رحؒ نے ان کے ابتدائی سلوک کا حال حضرت خواجہؒ کو اس طرح لکھا تھا:

"مولانا عبدالہادی نے نقطۂ فوق میں حضور، استغراق کے ساتھ پیدا کیا ہے اور وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ میں حق تعالیٰ کو اشیاء میں بصفتِ تنزیہ دیکھتا ہوں اور افعال کو بھی اسی (حق تعالیٰ) سے جانتا ہوں۔" [2]

---

[1] مکتوبات، دفتر اول ۱۲۱، آپ کے نام ایک اور مکتوب نمبر ۱۰ ایسا ہے جس میں شیخ مزمل رحؒ کی صحبت کی ترغیب ہے۔ شیخ مزمل، حضرت مجدد رحؒ کے خاص خلیفہ تھے جن کا انتقال ۲۶ ربیع الآخر ۱۰۲۶ھ کو ہوا تھا۔

[2] مکتوبات، دفتر اول نمبر ۱۴۴۔ آپ کے نام اسی دفتر میں مکتوب نمبر ۲۶۵ ہے۔

اس حال کے وارد ہونے کے بعد آپ بہت مدت تک حضرت مجدد کی خدمت میں رہے اور کمالات و مقامات کا اکتساب کرتے رہے اور دولت خلافت سے سرفراز ہوئے کہتے ہیں کہ شیخ عبدالھادی اور مولانا یار محمد قدیم ایک ہی حجرے میں حضرت مجدد کے یہاں رہتے تھے۔ مولانا یار محمد رات بھر اور صبح سے پہلے نوافل میں رہتے تھے۔ لیکن شیخ عبدالھادی[۱] اپنی سخت بیماری کی وجہ سے مجبور تھے! طاعت کی طاقت اور قیام لیل کی ہمت نہ ہونے پر حسرت وافسوس کیا کرتے تھے۔ ایک دن حضرت مجدد نے فرمایا کہ "سبحان اللہ، شیخ عبدالھادی کی حسرت اور افسوس نے مولانا یار محمد قدیم کی عبادت پر سبقت حاصل کر لی اور ان کے کام کو مولانا کے کام سے آگے بڑھا دیا۔ اور پستی سے بلندی پر پہنچا دیا۔ بے شک، بہت دینے والے اللہ تعالیٰ کا کام اسی طرح ہوتا ہے"۔

(۱۰) خواجہ محمد صادق کابلی قدس سرہ

آپ حضرت مجدد کے قدیم مریدوں، مخلصوں اور خلفائے مجازین میں سے تھے۔ آپ کی توبہ اس طرح ہوئی کہ آپ اپنے زمانے کے دولت مندوں میں سے تھے۔ شاہ زادہ ولی عہد (جہانگیر) کے ملازموں میں سے تھے۔ اتفاق سے آپ کے دل میں دردِ طلب اور مقصود کا شوق پیدا ہوا۔ جو کچھ آپ کے پاس تھا اُسے چھوڑکر آپ الہ آباد سے حضرت خواجہ قدس سرہ کی خدمت میں روانہ ہوئے اور دہلی پہنچے۔ وہاں سنا کہ حضرت خواجہ کا وصال ہو گیا ہے تو ان کے خاص مرید خواجہ حسام الدین احمد علیہ الرحمہ کی خدمت میں پہنچے۔ اور ان سے اپنے دردِ طلب کا اظہار کیا۔ خواجہ حسام الدین نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طلب کا درد رکھتے ہو تو جلد حضرت مجدد کی خدمت میں پہنچو کہ انھی کی نظرِ شفا بخش میں تمہارے درد کا علاج ہے۔ چنانچہ وہاں سے آپ نے حضرت کی حریم میں داخل ہونے کا احرام باندھا (یعنی وہاں سے روانہ ہونے کا ارادہ کیا) اور خدمت میں پہنچ گئے اور چونکہ آپ کی طلب صادق تھی۔ آپ کو شرف قبول

---

[۱] تذکرہ مجدد الف ثانی (مولانا منظور احمد نعمانی)۔ الفرقان۔ لکھنؤ ۱۳۹۰ھ۔ صفحہ ۲۴۲ میں ہے کہ آپ کا وصال ۹ شعبان ۱۰۲۱ھ کو ہوا اور بدایوں میں خرم شاہ کے تکیے میں مزار ہے۔

حاصل ہوا اور خاص لطف و عنایت سے سرفراز ہوئے۔ اور جلد مقامات سنجیدہ اور احوالِ پسندیدہ تک پہنچ گئے۔ اور اس قدر آپ پر لطف و کرم ہوا کہ حضرت آپ کو اپنے فرزندوں اور خاص تعلق والوں میں سے سمجھنے لگے۔ اور چونکہ آپ عقل و زیرکی، آداب اور اخلاق والے تھے۔ تو سفر اور حضر میں حضرت کے خاص خادم بن گئے اور خدمات شائستہ آپ کے ذمہ کر دی گئیں۔

چنانچہ منقول ہے کہ ایک مرتبہ سفر میں حضرت مجدد کے ساتھ تھے اور اتفاق سے ایسی جگہ ٹھہرنا پڑا کہ اس جگہ کا پانی بے مزہ اور کھاری تھا۔ چونکہ آپ (خواجہ محمد صادق) وسعت رکھتے تھے آپ نے حکم دیا کہ دریائے جمنا کا پانی جو کہ وہاں سے بہت فاصلے پر تھا اونٹوں پر لاد کر لایا جائے۔ وہ لایا گیا تو آپ نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ میٹھا پانی آگیا ہے جو حضور کے لیے دریائے جمنا سے لایا گیا ہے اور اس ضمن میں اپنی خدمت گزاری کی داد چاہی۔ حضرت مجدد نے فرمایا کہ "جمنا کافروں کا معبد ہے۔ اس لیے اس کا پانی منگوایا اس کی تعظیم کا موجب ہے۔ پس نہیں چاہیے کہ ہم یہ پانی پئیں یا وضو کریں۔" اس کے بعد فرمایا کہ "پانی کا ضائع کرنا جائز نہیں۔ اس لیے جس شخص کو استنجا کرنا ہو وہ اس پانی سے کرے۔" اور خود حضور نے اسی گرم اور کھاری پانی کا استعمال فرمایا، در تقویٰ کی رعایت کو ملحوظ رکھا۔

کرامت ۔ کہا جاتا ہے کہ خواجہ محمد صادق کو مرض جذام پیدا ہو گیا تھا اور اُن کے بعض اعضاء متورم ہو گئے تھے۔ چنانچہ احباب اُن کی صحبت سے گریز کرنے لگے تھے۔ وہ اس بات سے بہت تنگدل ہو گئے تھے۔ اس لیے ارادہ کیا کہ خاموشی سے اور بغیر بتائے ہوئے چلے جائیں۔ بعض احباب نے حضرت مجدد سے عرض کیا اس طرح کہ حضرت مجدد کو رحم آگیا۔ حضرت نے ترس کھا کر اپنی توجہ اور ہمت اُن کے مرض کے دفعیہ کے لیے صرف فرمائی۔ دوسرے دن فرمایا کہ "احباب کا اُن سے گریز کرنا اور خود ان کا دل تنگ ہونا میں نے دیکھا تو مجھے ترس آگیا اور اُن کا مرض میں نے اپنے اوپر لے لیا۔" اس کے بعد اس مرض کے آثار حضرت مجدد کے قدم مبارک میں ظاہر ہونے شروع ہو گئے اور خواجہ محمد صادق صحت یاب ہو گئے۔ مخلصین نے عرض کیا کہ حضور توجہ فرمائیں تاکہ یہ مرض حضور سے بھی دور ہو جائے۔ اُن کی التجا قبول ہوئی اور حضرت نے اس بارے میں بھی توجہ فرمائی اور اللہ پاک سے التجا فرمائی اور اس مرض کو خود سے

بھی دور فرما دیا۔ جب خواجہ محمد صادق درجۂ کمال کو پہنچے اور طریقے کے مقامات میں وافر حصہ پالیا تو حضرت مجددؒ نے اُن کو تعلیم طریقہ کی اجازت عطا فرمائی اور خواجہ صاحب، حضرت مجددؒ کے حکم سے اس اہم کام میں مشغول ہو گئے۔ اور اُن کی صحبت سے مریدوں کو سرگرمی جذب اور تاثیر پیدا ہوئی اور لاہور میں انھوں نے اقامت فرمائی اور قبولِ عام حاصل کیا۔ ۱۰۱۸ھ میں وفات پائی [1]۔

(۱۱) حاجی خضر خاں افغان قدس سرہٗ

آپ حضرت مجددؒ کے خاص اصحاب، قدیم احباب اور مقبول و منظورِ مریدوں میں سے تھے۔ خلفاء اور مجازوں میں سے بھی تھے۔ آپ کا مسکن اور مدفن بہلول پور ہے جو سرہند کے مضافات میں ہے۔ آپ بڑے حضرت میاں جیو یعنی حضرت مجددؒ کے والد ماجدؒ کی خدمت میں بھی رہ چکے تھے اور ولولۂ شوق اور غلبۂ عشق میں اور عالمِ تفرید و تجرید میں بہت سیاحت کی تھی اور مشائخ و فقراء کی خدمت میں بہت رہ چکے تھے۔ سفرِ حجاز و دیارِ عرب، نیز بیت المقدس میں بھی حاضر ہوئے تھے۔ اور ہر جگہ آپ کو حکایاتِ شیریں اور معاملاتِ رنگیں پیش آئے تھے جن کی تفصیل بہت طویل ہے۔ لیکن کہیں بھی آپ کو تسکین حاصل نہ ہوئی۔ لیکن جب آپ حضرت مجددؒ کی خدمت میں پہنچے تو آپ کے دل کو قرار حاصل ہوا۔ چنانچہ آپ کی خدمت میں رہنا اختیار کیا اور تلقینِ ذکر کی سعادت حاصل کی۔ واردات اور مقاماتِ اعلیٰ سے مشرف ہوئے اور اُن کا معاملہ اس حد تک بلند ہوا کہ ایک دن حضرت مجددؒ نے شیطان کو دیکھا تو اس سے دریافت کیا کہ میرے مریدوں [2] میں سے وہ کون ہے جس پر تیرا قابو نہیں چلتا؟ اس نے کہا کہ حاجی خضر۔ میں نے بہت کچھ اُس کو قابو کرنے کی جدوجہد کی۔ لیکن وہ میرے دام میں نہیں پھنسے۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ یہ بات کوئی تعجب کی نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:۔ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْہِمْ سُلْطَانٌ (بے شک میرے بندوں پر تیرا قابو نہیں چل

---

[1] حضرت مجددؒ کے دو مکتوب خواجہ محمد صادق کابلیؒ کے نام میں۔ دفتر اول۔ ۱۴۸۔ ۱۴۹

[2] اسی طرح کا واقعہ شیخ محمد طاہر لاہوری کے حالات میں بھی آچکا ہے۔

سکتا) قرآن پاک میں یوں بھی ہے: اِلَّا عِبَادَکَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ۝ (شیطان کہتا ہے کہ سوائے تیرے مخلص بندوں کے۔ یعنی اُن پر قابو نہیں چل سکتا۔)

حضرت مجدد رح کبھی کبھی آپ سے خوش طبعی فرماتے تھے اور مذاق میں آپ کو خضرا کہتے تھے اور آپ تو حضرت رح کے دیدار کے عاشق تھے اور حضرت رح کے ہر لطف و کرم پر اپنی جان چھڑکتے تھے۔ حاجی صاحب بڑی خوش الحانی سے اور بہت بلند آواز سے اذان دیتے تھے اور جب تک آپ حضرت مجدد رح کی خدمت میں رہے کسی اور نے اذان نہیں دیلی اور آپ کی اذان سے دل بہت متاثر ہوتے تھے۔ جمعہ والی راتوں میں حضرت مجدد رح کی مسجد کے حجروں پر آکر بڑی خوش آوازی کے ساتھ دیر تک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے رہتے۔ اور سحر کے وقت بلکہ اکثر راتوں میں خوش آوازی سے (نعتیہ) اشعار پڑھتے اور روتے رہتے۔

یہ حقیر ایک مرتبہ ماہ مبارک رمضان کے آخر عشرے میں حضرت مجدد رح کی حیات طیبہ کے زمانے میں حاجی صاحب کے ساتھ ایک ہی حجرے میں معتکف تھا اور آخر عشرے کے آخری دو دن میں کتاب خلاصہ کیدانی شرح مبسوط جامع ملا آ مسمی بہ معراج المومنین کی تصنیف کی سعادت اس حقیر کو حاصل ہوئی ہے۔ القصہ، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں یہاں حاجی صاحب کے فکر و تلاوت کی بات کہوں یا اُن کی نماز، اوراد، مراقبہ اور استغراق کا ذکر کروں یا ان کی درد مندی اور سوز و گداز کو بیان کروں یا ارباب طریقت اور مخلصین کی جو خدمت گزاری آپ کرتے تھے اس کی شرح کروں۔ غرض کہ آپ کو ایک لمحہ بھی میں نے غافل نہیں پایا۔ بہلول پور، بجواڑہ وغیرہ کے بکثرت افغان وغیرہ آپ ہی کی صحبت کے طفیل میں ہدایت پذیر ہوئے اور بہت سے مراتب کمال تک پہنچے جیسا کہ حاجی صاحب سے وہ تعلیم طریقہ حاصل کیے ہوئے تھے۔ اُن حضرات ہی میں سے ایک حضرت شیخ آدم بنوری رح ہیں جنھوں نے پہلے حاجی صاحب سے طریقہ سیکھا اور کسب کمالات کیا۔ بعد میں وہ حضرت مجدد رح کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس کی تفصیل انشاء اللہ شیخ آدم رح کے ذکر میں آئے گی۔

حاجی صاحب نے جب بجواڑہ میں حضرت مجدد رح کے وصال (۱۰۳۴ھ) کی خبر سنی تو بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو گرتے پڑتے، روتے دھوتے، آہ و فریاد کرتے ہوئے سرہند پہنچے اور خود کو مخدوم زادوں کے قدموں پر ڈال دیا۔ فرط محبت سے بے طاقتی اور افراط عشق

عرصے تک رہے اور اُن سے خلافت اور تعلیم طریقہ کی اجازت بھی حاصل کرلی۔ پھر سلسلۂ نقشبندیہ کے شوق نے شیخ کو حضرت مجددؒ کی خدمت میں پہنچا دیا۔ اور حضرتؒ کی صحبت کا شرف حاصل کر کے طریقۂ ذکر سیکھا۔ حضرتؒ سے قدیم تعلق اور اخلاص کی وجہ سے حضرتؒ کی مزید شفقت اور مرحمت حاصل ہوئی۔ اسی زمانے میں حضرت میر محمد نعمانؒ خلافت سے مشرف ہوکر برہان پور تشریف لے گئے تو شیخ کی تربیت ان کے حوالے فرمادی۔ میر صاحب کی صحبت سے شیخ بہت مستفیض ہوئے، پھر بہت سے لوگ شیخ کی طرف رجوع ہوئے اور اُن کی صحبت اثر آفریں ثابت ہوئی۔ اس کے بعد شیخ پھر حضرت مجددؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر بہت سے عنایات سے مشرف ہوئے اور بہت عرصے تک اس آستانے پر حاضر ہوکر بہت کچھ فیوض و برکات حاصل کیے اور حضرتؒ سے خلافت اور اجازت حاصل کی۔ پھر شیخ کی صحبت میں اس قدر تاثیر پیدا ہوئی کہ جو شخص بھی آپ کے پاس مشغول ہوجاتا تو وہ غلبۂ جذبہ سے بے اختیار ہوکر زمین پر لوٹنے لگتا اور بعض لوگ بیہوش ہوجاتے۔ کچھ گریہ وزاری اور نالہ و فریاد کرنے لگتے۔ شیخ کی توجہ اور تصرف میں بڑی قوت تھی۔ شیخ ایک عرصے تک اکبر آباد میں مسندِ مشیخت پر متمکن رہے اور ایک عالم نے اُن کی صحبت میں فیض اور ہدایت حاصل کی۔ شیخ ہی کی بدولت قاسم خان مرحوم جو بنگالہ کا صوبہ دار تھا، شیعیت سے تسنن کی طرف آیا اور شیخ کی خدمت میں تائب ہوا۔ مرید بھی ہوا، طریقۂ تعلیم بھی سیکھا اور شیخ کی صحبت میں رہ کر صاحبِ توفیقات و طاعات ہوا اور بہت سی نیکیوں کا مجموعہ بن گیا۔ اور اسی کی استدعا پر شیخ نے ملکِ بنگالہ کی سیر بھی کی۔ وہاں شیخ کو بہت مقبولیت اور تصرف حاصل ہوا۔ چنانچہ بکثرت علماء، صلحاء، اکابر و اصاغر اُن کے حلقۂ ارادت میں داخل اور کچھ لوگ صاحبِ خلافت و اجازت بھی ہوئے اور اب بھی رشد و ہدایت میں وہ لوگ مصروف ہیں۔

کہتے ہیں کہ مشیخت حاصل ہونے پر شیخ نے حضرت مجددؒ کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ میں اپنے اندر کوئی کیفیت اور کمال نہیں پاتا۔ دو شخصوں کو ذکر کا طریقہ بتایا اور اِس اِس طرح سے اُن پر واردات ہوئے۔ حضرتؒ نے اُن کے جواب میں تحریر فرمایا کہ:

"واضح ہو کہ وہ احوال جو اُن دونوں شخصوں میں ظاہر ہوئے ہیں۔ آپ کے احوال کے عکس ہیں جو اُن کی استعداد کے آئینوں میں ظاہر ہوئے ہیں۔ چونکہ وہ دونوں

سے بے تابی بہت ظاہر ہوئی۔ حضرتؒ کی وفات کا دوبارہ ماتم برپا کر دیا۔ پھر اذان اس طرح دی کہ سب حضرات کو اور محلہ والوں کو حضرت مجددؒ کا زمانہ یاد آ گیا۔ یہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ شام سے مدینہ منورہ حضرت امامؓ کی تسکین کے لیے تشریف لائے اور اذان دی تو تمام اہلِ مدینہ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ماتم تازہ ہو گیا۔

حاجی صاحب، حضرت مجددؒ کے غم میں اکثر روتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرتؒ کے وصال کے کچھ عرصے کے بعد[۱] خود بھی فوت ہو کر حضرتؒ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ غفر اللہ لہٗ ورحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

(۱۲) شیخ احمد دیبنی (دیوبندی) قدس سرہٗ

دیبن (دیوبند) ایک شہر ہے سہارن پور لوڑیہ کے قریب، شیخ احمد وہیں کے تھے۔ اکثر عمر انھوں نے سیر و سیاحت میں گزاری۔ حضرت مجددؒ کے قدیم مریدوں میں سے تھے۔ حضرت مجددؒ کے اس سلسلے میں داخل ہونے سے پہلے، شیخ احمد آپ سے سبق پڑھتے تھے اور جب آپ دیارِ مشرق کی طرف سفر میں تشریف لے گئے تو شیخ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ سے شیخ بہت زیادہ اخلاص رکھتے تھے۔[۲] پھر اتفاقاتِ زمانہ سے شیخ برہان پور چلے گئے۔ وہاں شیخ[۳] فضل اللہؒ سے جو وہاں کے مشاہیر مشائخ میں سے تھے بیعت ہو گئے۔ اُن کی خدمت میں بہت

---

[۱] زبدۃ المقامات (صفحہ ۳۸۴) میں ہے کہ حضرت مجددؒ کے ایک سال بعد (یعنی ۱۰۳۵ھ) میں حاجی صاحب کا انتقال ہوا۔

[۲] مکتوبات شریف (دفتر اوّل) میں صرف ایک مکتوب ۱۳۷ آپ کے نام ہے۔

[۳] زبدۃ المقامات (صفحہ ۳۸۴) میں ہے کہ برہان پور میں محمد بن فضل اللہؒ (المتوفی ۱۰۲۹ھ) سے بیعت ہوئے تھے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ جب شیخ احمد نے میر محمد نعمانؒ سے بیعت کر لی، تو محمد بن فضل اللہؒ نے ایک موقع پر اُن سے دریافت کیا کہ جو ذکر میں نے بتایا تھا اس پر عمل کرتے ہو یا نہیں؟ انھوں نے عرض کیا کہ میں اب میر محمد نعمانؒ سے ذکر اخذ کر چکا ہوں، اسی میں مشغول ہوں، تو محمد بن فضل اللہؒ نے فرمایا کہ اچھا کیا، مقصد تو فائدے سے ہے۔

صاحب علم تھے اس لیے انھوں نے اپنے احوال کا ادراک کر لیا اور آپ کو بھی اس حالِ مستور کے حاصل ہونے کے علم کی طرف راہنمائی کی جس طرح کہ آئینہ ایک شخص کے خفیہ کمالات کے حاصل ہونے کی طرف دلالت کرتا ہے اور اس کے پوشیدہ ہنروں کو ظاہر کر دیتا ہے۔ مقصود حصولِ احوال ہے، نہ علمِ احوال اگرچہ علمِ احوال بھی ایک دولت ہے جو بعضوں کو دی جاتی ہے اور بعضوں کو نہیں دی جاتی۔ لیکن یہ دونوں قسموں کے حضرات، صاحب ولایت ہوتے ہیں۔" (چونکہ شیخ نے یہ دریافت کیا تھا کہ دوام آگاہی کے باوجود، ذہول پیدا ہونے کی کیا وجہ ہے؟ توحضرت مجددؒ نے اسی مکتوب میں چند سطروں کے بعد اس طرح تحریر فرمایا :)

"واضح ہو کہ حق تعالیٰ کی جناب میں آگاہی دوام جو حضورِ باطن سے عبارت ہے علمِ حضوری کے مشابہ ہے کہ جس کو دوام لازم ہے۔ کیا آپ نے کبھی سنا ہے کہ کوئی شخص اپنے نفس سے غافل ہوا ہے یا اپنی نسبت اس کو غفلت و نسیان پیدا ہوا ہے؟ غفلت اور ذہول، علمِ حصولی میں متصور ہے کیونکہ اس میں مغائرت پائی جاتی ہے اور علمِ حضوری میں سب حضور در حضور ہوتا ہے ۔۔۔۔" [1]

شیخ نے ستر سال کی عمر میں رحلت فرمائی اور اکبر آباد میں دفن ہوئے۔

(۱۳) شیخ احمد برکی قدس سرہٗ

شیخ احمد برکی قدس سرہٗ بھی حضرتؒ کے خلفاء میں سے ہیں۔ عالم و عامل تھے۔ شہر واد جو کابل اور قندہار کے درمیان ہے آپ کا اصل وطن ہے لیکن آپ کے والد وہاں سے ہجرت کر کے شہر کانکریت عرف برک میں منتقل ہو گئے تھے۔ وہیں آپ کا مکان ہے مکتوبات شریف کے اجزاء (شیخ کے ایک دوست کے ذریعے) وہاں پہنچے تو شیخ ان کے مطالعے سے متأثر ہو کر حضرت مجددؒ کے معتقد ہو گئے اور اسی حال میں سرہند کی طرف روانہ ہو کر حضرت

[1] مکتوبات شریف : دفتر سوم۔ مکتوب ۱۶۔ آپ کے نام مکتوبات شریف میں صرف یہی ایک مکتوب ہے۔

کی خدمت میں حاضری کی سعادت سے مشرف ہوئے اور حضرتؒ کی توجہ کی برکت سے اور ان کے صدقِ ارادت کی وجہ سے وہ ایک ہی ہفتے میں درجۂ کمال کو پہنچ گئے اور حضرت مجددؒ نے انھیں خلافت دے کر رخصت فرما دیا۔

آپ اپنے علاقے کے قطب تھے جیسا کہ حضرت مجددؒ کے اس مکتوب (دفتر اوّل۔۲۷۵) سے ظاہر ہوتا ہے جو آپ کو تحریر فرمایا گیا تھا:

"ایک روز آپ کے حالات پر توجہ کی گئی۔ دیکھا کہ اس گرد و نواح کے لوگ آپ کی طرف دوڑے چلے آتے ہیں اور آپ تک اپنی التجا پیش کرتے ہیں معلوم ہوا کہ آپ کو اس علاقے کا (قطب) مدار بنایا گیا ہے اور وہاں کے لوگوں کو آپ کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے۔ اللہ پاک کا بہت بڑا فضل و احسان ہے۔ اس معاملے کو واقعات میں شمار نہ کریں کیونکہ واقعات میں شک و شبہہ کا گمان ہوتا ہے۔ بلکہ (اس معاملے کو) محسوسات اور مشاہدات میں شمار کریں۔"

ایک اور ارشاد اسی مکتوب میں یہ ہے کہ:

"اپنے احوال اور اپنے احباب کے احوال سے اطلاع نہ پانے پر آزردہ نہ ہوں اور اس بات کو اپنی بے حاصلی کی دلیل نہ سمجھیں۔ احباب کے احوال آپ کے کمالات کی آئینہ داری میں کافی ہیں۔ اور یہ بھی آپ ہی کے احوال ہیں جو بطریق انعکاس، احباب میں ظاہر ہو رہے ہیں۔"

ایک مکتوب (دفتر اوّل ۲۷۴) میں جو شیخ یوسف برکی کو لکھا تھا اس طرح فرماتے ہیں:

"مولانا احمد برکی کو لوگ علمائے ظاہر میں سے سمجھتے ہیں اور یہ کہ وہ اپنے مریدوں کے احوال سے واقف نہیں۔ تو اس کا راز یہ ہے کہ اُن کا باطن، شہودِ تنزیہی کی وجہ سے شہودِ کثرت آمیز کی طرف متوجہ نہیں ہے اور ان کا ظاہر، صوفیہ کی ترہات (زیادہ گوئی) قسم کی باتوں پر مغرور نہیں۔ اُن کا وجود وہاں کے اطراف کے لیے بہت غنیمت ہے۔ یہ حال جس کے حصول کی خبر آپ نے دی ہے اس حال سے مولانا بہت مدت سے متحقق ہیں۔ خواہ اُن کو علم ہو یا نہ ہو۔

اس فقیر کا خیال ہے کہ اس علاقے کی اصلاح کا مدار مولانا کے وجود پر ہے۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ یہ امر وہاں کے اہل کشف حضرات پر کیونکر پوشیدہ رہا ہے۔ فقیر کے خیال (علم) میں مولانا کی بزرگی آفتاب کی طرح ظاہر و باہر ہے۔"

مولانا کے انتقال پر حضرت مجددؒ نے ان کے فرزندوں کو تعزیت میں لکھا تھا کہ "مولانا کا وجود شریف اس زمانے میں مسلمانوں کے لیے حق تعالیٰ کی آیات میں سے ایک آیت اور اس کی رحمتوں میں سے ایک رحمت تھا۔ اے اللہ ان کے فیض سے ہم کو محروم نہ رکھ۔"[1]

ایک اور مکتوب ان کے نام اس طرح ہے جو مکتوبات شریف (دفتر دوم-۱۴) میں درج ہے:

"ہر صاحب منصب بزرگ، صاحب علم ہوتا ہے میرے مخدوم، قطب لا قطاع، صاحب علم ہوتا ہے اور تمام ممالک کے اقطاب اس کے اجزاء کی طرح اور اس کے ہاتھ پاؤں ہوتے ہیں۔ بعض کو اپنے (قطب) مدار ہونے کا علم ہوتا ہے اور بعض کو نہیں ہوتا۔ آپ نے لکھا ہے کہ فنا فی اللہ اور بقا باللہ ابھی تک حاصل نہیں۔ کیا کیا جائے، آپ بہت کم صحبت میں رہے ہیں اور اتنی مدت نہیں ٹھہر سکے کہ آپ کے احوال کے حصول کی آپ کو اطلاع دی جا سکتی۔ (لیکن) میں اب ہندوستان سے آپ کی فنا و بقا کا مشاہدہ کر رہا ہوں۔ یہ دونوں کمال (فنا اور بقا) کہ جن کا آپ نے ذکر کیا ہے میں آپ کے اندر محسوس کرتا ہوں گو کہ آپ ان کا انکار کر رہے ہیں۔ (بے شک) ہمارے آپ کے درمیان بہت لمبی مسافت ہے کہ جس سے ملاقات صوری میسر نہیں اور پوشیدہ احوال کی اطلاع بھی دشوار ہے۔

مشائخؒ نے فنا اور بقا کے متعلق مختلف باتیں کہی ہیں جو سب کی سب رمز و اشارہ کے طور پر ہیں۔ کوئی شخص اپنے متعلق کیا معلوم کر سکتا ہے؟ اور حق تعالیٰ سب کو احوال کا علم نہیں دیتا۔ اور جس کسی کو علم احوال عطا فرماتا ہے تو اسے پیشوا بنا دیتا ہے تاکہ اس کے ذریعے ایک جماعت کو مراتب کمال د

---

[1] مکتوبات شریف دفتر دوم مکتوب

تکمیل تک پہنچائے۔ ع خاص کردیتا ہے اک کو تا بھلا ہو عام کا۔

قدسیہ۔ مولانا نے حضرت مجددؒ کی خدمت میں لکھا کہ:

"ایک مرید نے دیکھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم نے شیخ احمد برکی اور اس کے مریدوں کو قبول کر لیا ہے۔ ایک اور صالح شخص نے دیکھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو رنگ کے خربوزے پکاتا ہے (تیار کرتا ہے) ایک اور درویش نے (خواب میں) تین کھیت دیکھے۔ دو پکے ہوئے تھے اور ایک سبز تھا ان دونوں کے درمیان۔ اس سے کہا گیا کہ یہ کھیت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور دوسرا قطب وقت کا ہے اور تیسرا جو ان دونوں کے درمیان ہے وہ شیخ احمد برکی کا ہے۔"

قدسیہ۔ مولانا نے فرمایا کہ ولایت میں اقدام الگ الگ ہیں جو درجات خمسہ ہیں۔ (۱) جو شخص ولایت قلبی کو پہنچا اس کو صفات فعلیہ نظر آتی ہیں (۲) جو شخص ولایت روح کو پہنچا اس کو صفات ذاتیہ نظر آتی ہیں۔ (۳) جو شخص ولایت سر کو پہنچا اسے تجلیات ذاتیہ دکھائی دیتی ہیں۔ (۴) جو شخص ولایت خفی کو پہنچا اسے تنزیہات و تقدیسات دکھائی دیتی ہیں اور (۵) جو ولایت اخفی کو پہنچا اس نے مرتبۂ اتصال کو بے کیف دیکھا اور وصل عریانی (یکی) یا یاس دیکھا۔

کرامت۔ اس زمانے میں جب کہ احداد[1] نے خروج کیا تھا، چونکہ اس کو آپ کے شہر والوں اور خاص طور پر آپ کی قوم سے قدیمی عداوت تھی اس لیے وہ اس شہر کو ہمیشہ لوٹنے میں لگا رہتا تھا۔ وہاں کے لوگوں پر (گویا) ایک زلزلۂ عظیم تھا۔ شیخ احمد برکی نے اس ظالم کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے ایک عریضہ حضرت مجددؒ کو لکھا۔ حضرتؒ نے اس کے جواب میں لکھا کہ "تمہارا شہر اس کے شر سے (ان شاء اللہ) محفوظ رہے گا۔ خاطر جمع رکھو۔" چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس قریہ کے اطراف و جوانب اس کے ہاتھوں تباہ ہو گئے۔ لیکن شیخؒ کے شہر کو اس سے

---

[1] فارسی متن میں یہ لفظ احداد ہے۔ اردو ترجمہ میں حداد ہے لیکن کسی تاریخ میں اس کا ذکر نہیں مل سکا۔

گزند نہیں پہنچا۔

کرامت ۔ ایک مرتبہ حضرت مجددؒ نے مولانا کو لکھا کہ اگر آپ کو سفر درپیش آئے تو شیخ حسن برکی کو اپنا نائب بنا دیجیے گا۔ اس مکتوب کے پہنچنے کے چند روز بعد ۱۰۲۶ھ میں مولانا کو سفر آخرت درپیش آیا۔ اور اُن کے انتقال کے بعد اُن کے بھائی شیخ عثمان، اکبرآباد کے سفر سے واپس ہو کر حضرت مجددؒ کی خدمت میں پہنچے۔ حضرتؒ نے مولانا کے انتقال کی خبر اُن کو دی اور مولانا کے لیے فاتحہ پڑھی۔ شیخ عثمان بے اختیار ہو کر گریہ وزاری کرنے لگے اور اس غم کی وجہ سے بیہوش ہو گئے اور زمین پر لوٹنے لگے۔ ہر طرف سے لوگ اُن کے روکنے کو جمع ہو گئے۔ حضرت مجددؒ نے فرمایا کہ اُسے مت روکو کہ آسمان و زمین بھی مولانا کے انتقال پر رو رہے ہیں۔ اگر اُن کا بھائی روتا ہے تو کیوں اُسے روکا جائے۔ بعض احباب اس بات سے متعجب ہوئے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ "مولانا شیخ (احمد برکی) اُن اولیاء اللہ میں سے تھے کہ جن کو نہ لوگوں نے پہچانا اور نہ جن کو خود انھوں نے (مولانا نے) پہچانا۔ چنانچہ اُن کی ولایت (مستور) تھی۔" [1]

(۱۴) شیخ یوسف برکی قدس سرہٗ

آپ حضرت مجددؒ کے خلفائے مجازین میں سے تھے اور وجد و شوق، نعرہ و آہ و فریاد والے تھے۔ پہلے آپ اپنے وطن مالوف کے کسی بزرگ سے بیعت ہوئے تھے۔ اور اُن سے توحید صوری میں فنائیت حاصل کی تھی۔ اسی زمانے میں آپ نے واقعے میں دیکھا کہ اولیائے کرام حضرت مجددؒ کی تعریف و توصیف کر رہے ہیں اور آپ کو حضرت مجددؒ کی خدمت مبارک میں حاضر ہونے کی ترغیب دے رہے ہیں۔ چنانچہ آپ نے ایک عریضہ اپنے احوال سے متعلق حضرتؒ کی خدمت میں روانہ کیا۔ حضرت مجددؒ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ "اس قسم کے حالات اس راہ کے مبتدیوں کو پیش آتے ہیں، ان کا اعتبار نہ کرنا چاہیے بلکہ ان کی نفی کرنی چاہیے۔" [2] اس مکتوب گرامی

---

[1] شیخ احمد برکی کے متعلق دفتر اوّل کے مکتوبات ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۲۔ ۲۰۲۔ ۲۰۵۔ ۲
دفتر دوم کے ۱۴۔ ۶۱۔ ۷۰۔ دفتر سوم میں ۱۰۵ دیکھیں۔

[2] مکتوبات شریف ۱/۲۳۰

کے وصول ہونے پر آپ کو حضرت رح کے دیدار کا شوق پیدا ہوا۔ تو آپ نہایت عجز و انکسار کے ساتھ آستانۂ عالیہ کی حاضری سے مشرف ہوئے۔ اور سعادت نصیب ہوئی۔ اور تھوڑی سی مدت میں آپ کو مراتبِ کمال حاصل ہو گئے اور حضرت مجدد رح نے آپ کو اجازت دے کر جالندھر کو روانہ کیا جو سرہند کے قریب ایک قصبہ ہے۔ جب آپ رخصت ہونے لگے تو نعرے اور فریاد کرنے لگے۔ بے چینی اور بے طاقتی ظاہر ہوئی اور حضرت رح سے بہت اخلاص، محبت اور عشق کا اظہار دیکھا گیا۔ چنانچہ تھوڑی تھوڑی مدت میں آپ حضرت مجدد رح کی خدمت میں حاضر ہوتے اور مستفیض ہوتے اور پھر وطن (جالندھر) چلے جاتے۔ کبھی کبھی آپ اپنے احوال کی بابت حضرت رح کی خدمت میں عریضے بھیجتے اور جواب بھی حاصل کرتے۔ حضرت مجدد رح نے اپنے ایک مکتوب میں ایک مخلص کو لکھا کہ "شیخ یوسف ہمارے پاس آئے تھے اور ایک عرصے تک یہاں رہے۔ بہت سے فیوض حاصل کیے اور حقیقتِ فنا سے مطلع ہوئے۔ پھر آنے کا وعدہ کر کے اپنے گھر چلے گئے ہیں۔ مستعد اور سچے اخلاص والے ہیں"۔[1]

قدسیہ۔ آپ فرماتے تھے کہ شروع شروع کے زمانے میں وحدۃ الوجود کا مجھ پر غلبہ تھا۔ اور اس حال کے غلبے کے زمانے میں خود کو حق سمجھتا تھا اور اپنے آپ سے کہتا تھا کہ اگر واقعی میں حق ہوں تو ایسا ایسا ہو جائے۔ چنانچہ ویسا ہی ہو جاتا تھا اور عجیب و غریب چیزیں ظہور میں آتی تھیں اور اس زمانے میں کوئی حاجت مند اپنی حاجت بیان کرتا تھا تو میں کہتا تھا کہ اگر میں حق ہوں تو تیری حاجت پوری ہو گی۔ چنانچہ پوری ہو جاتی تھی۔ لیکن جب میں اس حال سے نزول کرتا اور خود کو بندہ پاتا تو پھر ایسی باتیں ظہور میں نہ آتیں۔

شیخ نے ۱۰۳۴ھ کے قریب رحلت فرمائی۔ آپ کا مدفن جالندھر میں ہے۔[1]

(۱۵) شیخ کریم الدین عرف عبدالکریم قدس سرہٗ

شیخ کریم الدین قدس سرہٗ پرگنہ اٹک کے موضع عثمان پور کھتر کے رہنے والے تھے۔ یہ مقام حسن ابدال کے نزدیک ہے جو لاہور اور کابل کے درمیان ہے اور وہیں سے کشمیر

---

[1] مکتوبات شریف۔ ۱/۵۷ - ۳۰ - ۲۴۰ - ۲ - ۲/۹۲ آپ کے نام۔

کے لیے راستہ جدا ہوتا ہے۔ آپ حضرت مجددؒ کے مشہور ترین خلفاء اور مریدین میں سے تھے اور صاحب تصرف و خوارق تھے۔ اس علاقے میں آپ کے تصرفات کا بڑا چرچا ہے۔ آپ وہاں کے زمینداروں میں سے تھے۔

حضرت مجددؒ سے بیعت ہونے کا سبب وہ مجھ سے اس طرح بیان فرماتے تھے کہ میں عالم جوانی میں تحصیل علم کی خاطر لاہور آیا۔ علم ظاہری کی تحصیل شروع کر دی تھی کہ میرے دل میں یہ بات آئی کہ اگر اسی حال میں میرا انتقال ہو گیا تو گویا میں خدا کو بغیر پہچانے ہوئے مر گیا۔ بس میں نے پڑھنا چھوڑ دیا اور اپنے وطن کو واپس چلا گیا اور طاعت و عبادت میں لگ گیا۔ اور میرے دل میں مرشد کی تلاش کا جذبہ پیدا ہوا۔ ایک رات خواب میں ایک بزرگ کی صورت مبارک دیکھی کہ جمال یوسفی کی نشانی تھی اور بڑی وجاہت اور بڑا وقار تھا۔ میرے دل میں گزرا کہ میں تو اسی بزرگ کا مرید بنوں گا۔ جب میں خواب سے بیدار ہوا تو میں اب حیرت میں تھا کہ اس بزرگ کو میں کہاں پاؤں گا۔ میں نے دل میں کہا کہ جو چیز خواب میں دیکھی جاتی ہے وہ بیداری میں ضرور ظاہر ہوتی ہے۔ دوسری رات پھر وہی حلیہ مبارک نظر آیا تو مجھے زلیخا کی طرح اس صورت سے عشق ہو گیا۔ اور اسی طرح کئی مرتبہ اس حسن و جمال والے بزرگ کا دیدار ہوا جو میرے بے چین دل کے لیے موجب قرار ہوا۔ اس کے بعد چند روز تک ان کی زیارت خواب میں نہ ہوئی تو مجھ پر بیقراری اور بے آرامی غالب ہو گئی۔ پھر تو میں نے اپنے ایک دوست سے جو ہمراز تھا یہ قرار کر لیا کہ آج رات کو تہجد کے بعد مجھے اشارہ کر دینا تو میں والدہ اور گھر والوں کو بغیر بتلائے ہوئے اللہ کی راہ کی طلب میں باہر نکل جاؤں گا۔ وہ دوست اسی وقت گھر آیا۔ گھر والے اس وقت سو رہے تھے کہ میں دیوانہ وار گھر سے باہر نکل آیا اور ہندوستان کو روانہ ہو کر سرہند پہنچا۔ وہاں شیخ جوہر کے پاس گیا جو مشہور اہل علم اور اہل تقوی تھے۔ ان سے میں نے عرض کیا کہ مجھے ایک ایسے پیر کی طرف رہبری فرمائیں جو شریعت کا پابند ہو۔ شیخ نے کہا۔ فکر مت کرو۔ ایسا ہی پیر تم کو مل جائے گا۔ میں نے ان سے رخصت چاہی اور خیال کیا کہ اکبر آباد چلنا چاہیے۔ ممکن ہے کہ وہاں ایسا پیر مل جائے۔ اتفاق یہ ہوا کہ بازار سرہند میں ایک صوفی منش سے میری ملاقات ہو گئی۔ ان سے میں نے اپنے مقصد کا اظہار کیا۔ انھوں نے حضرت مجددؒ کا پتا بتا دیا اور آپ کی مسجد اور خانقاہ دکھلائی۔ میں وہاں

گیا اور دروازے کے باہر کھڑا ہو گیا۔ میری ظاہری حالت بہت افلاس کی تھی تو (مجھے دیکھ کر) ایک درویش اندر آگیا اور حضرت مجدد سے عرض کیا کہ ایک مفلس شخص آیا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ حاضرِ خدمت ہو جائے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ اُسے لے آؤ۔ میں اندر گیا تو جو میں نے حضرت فائض الانوارؒ کے چہرۂ مبارک کو دیکھا تو وہی صورت اور وہی حلیہ تھا جو میں نے کئی مرتبہ خواب میں دیکھا تھا۔ مجھے گریۂ شوق اور فریادِ ذوق کا غلبہ ہو گیا۔ میں نے چاہا کہ حضرتؒ کے قدموں میں گر جاؤں۔ حضرتؒ نے مجھے بغل میں لے لیا اور تھوڑی دیر لگائے رکھا۔ پھر میں غلبۂ حالی کے زور کی وجہ سے حضرتؒ کے قدموں میں گر پڑا اور دیر تک خوب روتا رہا اور بے چین رہا۔ حضرتؒ نے میرا سر اپنے قدم مبارک سے اٹھایا اور فوراً اُسی وقت مجھے اپنے حجرے میں لے گئے اور پھر ذکر کا طریقہ سکھایا۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے اپنا مقصود حاصل ہو گیا۔ حالانکہ حضرتؒ کا معمول یہ تھا کہ طالب مدت تک آپؒ کی خدمت میں آمد و رفت رکھتا تھا تب کہیں آپ اس کو (مرید بنا کر) تعلیم طریقہ فرماتے تھے۔"

وزجیہ —— ایک مرتبہ حضرت مجددؒ کا گزر شیخ کریم الدینؒ کے وطن[1] میں ہوا۔ اتفاق سے اُن کے مریدوں کی ایک جماعت حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ حضور اپنی (روحانی) نعمتوں کے دسترخوان سے ہم کو بھی کچھ عطا فرمائیں۔ حضرتؒ نے شیخؒ کو بلایا اور دریافت کیا کہ "آپ نے ان لوگوں کو طریقے کی تعلیم دی ہے یا نہیں؟" انھوں نے عرض کیا کہ جو کچھ حضور سے مجھ تک پہنچا ہے وہ میں نے اُن کو پہنچا دیا ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ "میری زبان شیخ کریم الدین کی زبان ہے۔ اور جو کچھ انھوں نے بتایا ہے وہ میں نے بتایا ہے۔ جاؤ اپنا کام کرو۔" پھر حضرتؒ نے اپنا کرتہ جو جسمِ مبارک میں تھا اتار کر شیخ کریم الدین کو عنایت فرمایا۔

قدسیہ —— راقم الحروف سے شیخ نے بتایا کہ حضرتؒ سے بیعت ہونے کے کوئی ڈھائی سال بعد کا واقعہ ہے کہ میں حضرتؒ کی مسجد میں صبح صادق سے پہلے مراقبے میں بیٹھا تھا کہ مجھے

---

[1] حضرت مجددؒ کے اس سفر کا ذکر کسی اور کتاب میں نہیں ملتا۔

استغراق ہوگیا۔ میں نے دیکھا کہ میرے ہم شکل چار شخص میرے پہلو میں بیٹھے ہوئے ہیں اور وہ چاروں میں ہوں۔ پھر مجھے ہوش آیا تو میں نے لاحول پڑھا اور پھر مراقب ہوگیا۔ پھر وہی چار ہم شکل لوگ مجھے اپنے پاس بیٹھے ہوئے دکھائی دیئے۔ پھر میں ہوش (صحو) میں آیا اور میں پھر لاحول پڑھا۔ تین مرتبہ اسی طرح ہوا۔ چوتھی مرتبہ جب مجھے استغراق ہوا تو دیکھا کہ ایک نورانی شخص، سفید ریش، عصا ہاتھ میں لیے ہوئے، مسجد کے حجرے کی طرف سے ظاہر ہوئے۔ انھوں نے سلام کیا۔ میں نے جواب دیا۔ اس کے بعد انھوں نے کہا کہ تم خود کو کیسے دیکھتے ہو؟ ان کا اتنا فرمانا تھا کہ میرا حال دگرگوں ہوگیا۔ پھر جب میں ہوش میں آیا تو میں نے کہا کہ میں خود کو ایسا دیکھ رہا ہوں کہ گو کہ میرا وطن یہاں سے دو سو کردہ[1] ہے۔ لیکن یہاں سے میں اگر اپنا ہاتھ لمبا کروں تو جو کچھ وہاں ہے یہاں لے آؤں۔ تمام ملک میرے متصل اور قریب ہوگیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ جانتے ہو کہ ایسے صاحب وقت کو کیا کہتے ہیں؟ میں نے کہا، نہیں۔ انھوں نے کہا کہ ایسے شخص کو قطب کہتے ہیں۔

قدسیہ —— شیخ یہ بھی بتاتے تھے کہ مجھ پر ایسا وقت بھی آیا ہے کہ اس وقت خود کو ایسا پایا کہ اگر عالم میری نظر میں آجائے تو میں ایک نگاہ میں اسے اس کے مقصود تک پہنچا دوں۔

قدسیہ —— شیخ یہ بھی کہتے ہیں کہ میں ایک بار حضرتؒ سے ملنے کے لیے (وطن سے) آرہا تھا۔ فضل آباد کی سرائے میں واقعے میں دیکھا کہ مجھے سلطنت کے تخت پر بٹھا دیا گیا ہو اور بادشاہ دست بستہ میرے سامنے کھڑا ہے۔ وہاں سے میں حضرت مجددؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس وقت حضرتؒ نے مجھے خلافت مطلق عنایت فرمائی۔ شیخ یہ بھی بتاتے تھے کہ حضرتؒ نے پہلی مرتبہ مجھے دس آدمیوں کے مرید کرنے کی اجازت دی تھی۔ اور دوسری مرتبہ جب خدمت میں پہنچا تو ستر آدمیوں کو تعلیم طریقہ کی اجازت مرحمت فرمائی اور تیسری مرتبہ جب کہ اوپر کا واقعہ میں نے دیکھا تھا لیکن حضرتؒ سے عرض نہیں کیا تھا، حضرتؒ نے

---

[1] کردہ قریب ڈھائی میل کے فاصلے کو کہتے تھے۔

مجھے خلافتِ مطلق عنایت فرمائی تھی۔

قدسیہ ــــ شیخ نے یہ بھی بتایا کہ میں نے حضرت غوثِ اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کو واقعے میں دیکھا کہ فرما رہے ہیں "تم ہماری جانب آؤ"۔ مجھے اس وقت حضرت مجددؒ کا خوف غالب آیا اور خیال آیا کہ حضرت مجددؒ کی نعمت کا پروردہ ہوں تو غوثِ اعظم قدس سرہٗ کی جانب اگر جاؤں تو ٹھیک نہیں ہے۔ میں خاموش ہوگیا اور غلبۂ خوف سے اس واقعے سے میں ہوشیار ہوگیا۔ اس کے بعد ایک سال تک یہ حالت رہی کہ میں جب کسی کو طریقۂ نقشبندیہ کی تعلیم دیتا تو عین ذکر کی حالت میں اُسے از خود طریقۂ قادریہ کی نسبت بھی حاصل ہو جاتی۔

درجہ ــــ ایک روز ایک ملازمہ حضرت شیخ کے پاس آئی اور کہا کہ فلاں بی بی نے یہ رقم نذرانہ آپ کی خدمت میں بھیجی ہے۔ اتفاق سے اُس وقت شیخ اپنے مُریدوں کے ساتھ مراقبے میں تھے۔ آپ نے جو اپنا سر اٹھایا تو آپ کی نظر اس پر پڑی تو اس کا حال دگرگوں ہوگیا اور وہ مستی کے عالم میں بڑے جذب کے ساتھ اس بی بی کے پاس گئی۔ بی بی سمجھدار تھی سمجھ گئی کہ شیخ کی نظر اس پر پڑ گئی ہے۔ اسی لیے وہ دیوانہ کی طرح ہوگئی ہے۔ لیکن اُس ملازمہ کو دیکھ کر خود بی بی پر جذبہ طاری ہوگیا اور اس نے چاہا کہ بے پردہ، شیخ کی طرف دوڑے۔ اُس کے شوہر نے بڑی کوشش سے اُسے روکا اور کہا کہ تجھ کو پردے کے ساتھ شیخ کے پاس بھیجوں گا۔ جب اس واقعے کی خبر شیخ کو پہنچی تو انھوں نے اپنے خلیفہ شیخ جوہر[1] کو اس کے گھر بھیجا اور انھوں نے اُسے طریقے کی تعلیم دی جس کا اس پر بہت اثر ہوا۔

تصرف ــــ شیخ عبدالغنیؒ[2] بڑے عالم و فاضل اور مرجعِ خلق تھے۔ شیخ ہی کے قریب میں تھے۔ ایک روز انھوں نے شیخ کی دعوت کی اور کھانے کے بعد اصرار کیا کہ مجھے ذکر کا طریقہ بتائیے۔ شیخ نے کہا کہ گھر کے باہر جو مسجد ہے اس میں آئیے۔ وہاں بیعت ہو جائیے اور ذکر کا طریقہ سیکھ لیجئے۔ انھوں نے کہا کہ تنہائی میں طریقہ بتا دیجئے۔ شیخ سمجھ گئے کہ وہ لوگوں کی

---

[1] شیخ جوہر وہ نہیں جو سرہند میں تھے اور جن کا ذکر شیخ کریم اللہ کے شروع کے حالات میں آچکا ہے۔

[2] اردو ترجمے میں ان کا نام عبدالغنی ہے۔

وجہ سے شرمار ہے ہیں۔ اس لیے فرمایا کہ میں تنہائی میں طریقہ نہیں بتاتا۔ انھوں نے کہا کہ اگر مجھے تنہائی میں طریقہ نہیں بتلاتے تو میں مرجعِ خلائق ہوں، لوگوں میں خبر اڑاؤں گا کہ آپ بدعتی ہیں۔ شیخ کو غیرت اور غصہ آیا۔ اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا: "جو کچھ آپ سے بن پڑے سے لوگوں سے خوب شکوہ و شکایت کیجیے اور اس میں کسی طرح کی کسر نہ اٹھا رکھیے۔" انھوں نے اُسی وقت سے شیخ کی شکایت کا پیشہ کر لیا اور چند روز نہ گزرے تھے کہ اُن کا گھر بار تباہ ہو گیا اور وہ اور اُن کا لڑکا بھی فوت ہو گیا اور ان کے گھر ویران ہو گئے۔

تصرف —— شیخ موسیٰ سہونی[1] جو اپنے ملک میں جاہ و حشمت والے بزرگ تھے کسی کام سے شیخ کے قریے میں آئے اور اتفاق سے شیخ کو دیکھنے بھی آئے۔ شیخ نے پوچھا کہ آپ کس سلسلے میں مرید ہیں؟ انھوں نے کہا کہ میں شیخ عیسیٰ لنگوتی[2] کا مرید ہوں اور انھی سے خلافت ہے۔ شیخ نے کہا کہ آپ متوجہ (مراقب) ہو جائیے تاکہ مجھ سے کچھ آپ کو مل سکے۔ انھوں نے مراقبے میں سر جھکایا اور شیخ نے اُن پر توجہ ڈالی اور زبان سے طریقہ نہیں بتایا۔ اور شیخ کا طریقہ بھی یہی تھا کہ محض توجہ اور تصرف سے وہ طالب کے دل میں طریقۂ نقشبندیہ کا القا کر دیتے تھے اور ذکر کے پودے کو

---

[1] فارسی متن میں اور ترجمے میں شیخ موسیٰ شوتی ہے جو صحیح نہیں ہے۔ مکتوبات شریف (دفتر سوم ۶۹-۷۰) میں سوحین ہے لیکن صحیح لفظ سہوتی (سہونی) ہے جو سندھ کا مشہور شہر ہے جہاں حضرت شہباز قلندرؒ (م ۶۷۳ھ) کا مزار مشہور ہے۔ شمالی علاقے کے مسلمان جب درۂ خیبر سے ہندوستان میں داخل ہوئے تو انھوں نے یہاں بھی اپنے دریاوں کے نام قائم رکھے۔ یعنی گنگا کو جیحون اور دریائے سندھ کو سیحون کہنا شروع کیا۔ حدیقہ میں سنائی (م ۵۴۵ھ) کہتے ہیں:

تا بدید آتشِ سنانِ سیحون — ہم بر آن آب نیست آب کنون

یہاں سیحون سے دریائے سندھ مراد ہے۔ زین الاخبار (فرزدی ایڈیشن، صفحہ ۶۹-۷۰) اور مؤید الفضلاء (لکھنؤ، جلد اول صفحہ ۴۹۹) میں بھی سیحون سے سندھ مراد ہے۔ پھر سندھ کے بعض خاندان سہسوان (یو۔پی) میں آباد ہو گئے تو سہون ہی سے سہسوان نام ہوا ہوگا۔ ان خاندانوں میں سندھ کے الفاظ بھی اب تک بولے جاتے ہیں۔

[2] فارسی متن اور ترجمے میں شیخ عیسیٰ لبوتی ہے۔ جو صحیح نہیں۔ لنگوتی صحیح ہے جن کے حالات محمد اعظم کی تحفۃ الطاہرین (صفحہ ۲۳) اور علی شیر قانع کی مقالات الشعراء (صفحہ ۴۵۰) میں ملتے ہیں۔

مرید کے دل کے کھیت میں اپنے تصرف سے لگا دیتے تھے کہ تھوڑی دیر میں مرید کا دل ذکر سے بارور ہو جاتا تھا ۔ تھوڑی دیر کے بعد شیخ موسیٰ نے سر اٹھایا اور کہا کہ شیخ عیسیٰ کی نسبت میرے دل سے زائل ہو گئی ہے اور آپ کی نسبت میرے دل میں قائم ہو گئی ہے ۔ اس کے بعد وہ اپنے گھر چلے گئے اور اپنے فرزند شیخ اسحٰق سے اس معاملے کا اظہار کیا اور اس کو حضرت شیخ کی صحبت میں جانے کی ترغیب دلائی ۔ وہ فرزند اپنی پیرزادگی کی شان کے ساتھ شیخ کو دیکھنے کے لیے آیا ۔ اور شیخ اس وقت اپنے ہاتھ سے اپنے حجرے کی تعمیر میں مشغول تھے اور مٹی اور کیچڑ سے اُن کے ہاتھ پاؤں بھرے ہوئے تھے ۔ اس حالت میں وہ شیخ زادہ (شیخ اسحٰق) آیا اور سلام کیا ۔ شیخ نے اس کی طرف نگاہ ڈالی اور فرمایا کہ ہاتھ دھولوں تو آپ سے مصافحہ کروں ۔ اس نے فریاد کی کہ حضرت ، آپ کی صرف ایک نگاہ کے پڑتے ہی حضرت خواجہ محمد باقی قدس سرہٗ کے خلیفہ شیخ تاج سنبھلی کی نسبت جو سات ماہ سے میرے باطن میں موجود تھی ایک دم زائل ہو گئی اور اس کی جگہ آپ کی نسبت قائم ہو گئی ۔ آپ اس شیخ زادہ کو حجرے کے اندر لے گئے ۔ اس پر توجہ فرمائی اور اسی کے ساتھ طریقہ نقشبندیہ کا القاء فرمایا ۔ محض توجہ پڑتے ہی شیخ اسحٰق مستی کے عالم میں ہو گیا ۔ اونٹ کی طرح اس کے منہ سے جھاگ آنے لگا ، اضطراب اور بے طاقتی ظاہر ہوئی ۔ پھر وہ بے اختیار ہو کر اچھلنے لگا اور خود کو حجرے کی چھت پر مارنے لگا اور در و دیوار پر ٹکرانے لگا اور دیوانہ جیسا ہو گیا ۔ شیخ اٹھے اور حجرے کے دروازے کی زنجیر باہر سے لگالی ۔ صبح سے دوپہر ہو گئی اور وہ بے ہوش و مدہوش ہی رہا ۔ اس کے بعد شیخ نے حجرے کا دروازہ کھولا اور اس کے پاس بیٹھ کر توجہ دی تو اس کو افاقہ ہو گیا اور اس نے اپنا سر ، شیخ کے پاؤں پر رکھ دیا اور کہا کہ دوات قلم منگوا دیجئے کہ حضرت مجددؒ یہاں تشریف لے آئے تھے اور جو کچھ فرمایا ، اسے لکھنا چاہتا ہوں تاکہ بھول نہ جاؤں ۔ انھوں نے فرمایا ہے :

"من احمد السہرندی الی اسحٰق السندی - یا اسحٰق ! انت ولدی وخلیفتی فی جمیع الرموزات الحقیقی والدقیقی والی مغفور ، انت مغفور ومن توسل ملک ایضاً مغفور واقرأ لحبیبی خلیفتی مولانا کریم الدین منی السلام .." [1]

[1] شیخ اسحٰق نے یہ واقعہ اور ایک عریضہ حضرت مجددؒ کی خدمت میں لکھا تھا جس کا جواب مکتوبات ۔ دفتر سوم میں ہے ۔ مکتوب ۹۱ شیخ اسحٰق کے والد شیخ موسیٰ کے نام ہے ۔

ترجمہ: احمد سرہندی (حضرت مجدد) کی طرف سے (شیخ) اسحاق سندی کو (راضح ہو) آپ قابل توجہ (روحانی) بیٹا اور خلیفہ ہے تمام رموزات حقیقی و دقیقی میں — میری اور تیری مغفرت ہو گئی ہے اور راستی کی بھی بخشش ہو گی جو تیرا متوسل ہو گا۔ میرے حبیب اور خلیفہ مولانا کریم الدین کو میرا اسلام کہنا ؛

شیخ نے ان سے فرمایا کہ حضرت مجدد نے ابھی تم کو خلافت دے دی ہے۔ یہی تمہارے لیے سند ہے۔ اور پھر ان کو رخصت کیا۔ وہ اپنے گھر گئے اور وہاں کے بہت سے لوگ ان کے معتقد بن گئے۔ سب سے پہلے ان کے مرید میرک مسعود بیگ بن احمد بیگ خان کابلی تھے جو امراء میں سے تھے۔ لیکن ان (میرک) کے ساتھ جو علماء فضلاء اور مشائخ تھے انھوں نے حسد اور غیرت کی بنا پر کہنا شروع کیا کہ اسحق تو شیخ عیسیٰ لنگوتی کا مرید ہے۔ خود کو نقشبندی کہتا ہے وہ غلط ہے۔

میرک (یہ سن کر) شیخ اسحق سے مرید ہونے پر پشیمان ہوئے اور دو تین دن تک وہ شیخ اسحق کے پاس نہیں گئے۔ شیخ اسحق اٹھے اور میرک کے گھر تشریف لے گئے۔ لیکن چونکہ طعن کرنے والوں کے طعن نے ان پر خاصا اثر کیا ہوا تھا اس لیے انھوں نے شیخ اسحق کی کوئی تعظیم نہیں کی۔ شیخ کو غیرت آئی اور وہ نہ بیٹھے اور الٹے پاؤں اپنے گھر واپس آ گئے۔ (پھر یہ ہوا کہ) اسی رات میرک نے خواب میں دیکھا کہ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس سرہٗ تشریف لائے ہیں اور وہ کبھی اتنے بڑے ہو جاتے ہیں کہ تمام زمین و آسمان کا احاطہ کر لیتے ہیں اور کبھی وہ سوئی کی طرح دبلے ہو جاتے ہیں۔ انھوں نے میرک کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ "اے مردک، تو مردانِ خدا کو نہیں پہچانتا ؟" میرک (یہ سن کر) خوف کے مارے لرزنے لگا اور غلبہ خشیت کی وجہ سے خواب سے بیدار ہو گیا۔ (پھر) وہ اسی لمحہ شیخ اسحق کی خدمت میں حاضر ہوا اور بہت عاجزی اور انکساری کے ساتھ ان کے قدموں پر گر پڑا اور اپنے قصور کی معافی چاہی۔ اور کہا کہ ان حاسدوں کے لیے آپ جس طرح فرمائیں کیا جائے کیونکہ ان لوگوں نے تو میری جان و ایمان کو خطرے میں ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ شیخ اسحق نے فرمایا کہ ان لوگوں کو اپنے پاس سے دور کر دو۔ پس اس نے ایسا ہی کیا۔

دوسری مرتبہ جب شیخ اسحق، شیخ کریم الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے ذکر نفی و اثبات کی تعلیم دی۔ اور آپ کے فرماتے ہی شیخ اسحق کے باطن میں ذکر سرایت کر گیا اور اس قدر حرارت اور گرمی پیدا ہوئی کہ اگر تمام دریا کا پانی پلا دیا جاتا تو وہ کفایت نہ کرتا۔ ان

کو ایک ایک کوزہ پانی دیا جاتا۔ وہ پیتے لیکن سیراب نہ ہوتے اور بار بار وہ کہتے کہ میں جل گیا، میں جل گیا۔ پھر وہ چند روز تک خاموش رہے۔ اس کے بعد شیخ نے ان کا احوال پوچھا۔ انھوں نے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ میں کون ہوں۔ مرد ہوں یا عورت۔ زمین میں ہوں کہ آسمان میں۔

تصرف — شیخ (کریم الدین) نے بتایا کہ ایک مرتبہ میں اپنی اہلیہ کو لے کر حضرت مجدد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب میں نے چاہا کہ اب رخصت چاہوں تو میری اہلیہ نے کہا کہ بہتر یہ ہے کہ میں بھی حضرت سے طریقۂ ذکر سیکھ لوں۔ اور حضرت کے سامنے حاضر ہو کر رخصت چاہوں۔ میں نے حضرت سے یہ بات عرض کی۔ آپ نے فرمایا کہ "خلوت کے وقت آئیے۔" چنانچہ میں اس کو لے گیا اور عرض کیا کہ وہ آپ سے طریقۂ ذکر حاصل کرنا چاہتی ہے۔ آپ نے فرمایا "اچھا" پھر آپ مراقب ہوئے۔ تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھایا اور فرمایا "شیخ کریم الدین، اس کو میں نے تمہارے سپرد کیا۔ وہ تم سے ذکر حاصل کرے گی۔" اس کے بعد میں نے اس پر بہت کچھ توجہ ڈالی۔ لیکن اس پر اثر نہیں ہوا۔ نماز تہجد کے بعد میں کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے ذکر میں بیٹھا ہوا تھا اور میری اہلیہ بھی تہجد پڑھ کر میرے پیچھے بیٹھی ہوئی تھی۔ میری زبان سے لا الٰہ الا اللہ نکلا کہ اُس کا حال متغیر ہو گیا اور اس میں جذب پیدا ہو گیا اور مرغ بسمل کی طرح زمین پر تڑپنے لگی۔

اس زمانے میں جبکہ شیخ اپنے اعیال وغیرہ کے ساتھ حضرت کی خدمت میں آئے ہوئے تھے حضرت کی عزلت[1] کا زمانہ تھا، اور بہت کم کسی محرم کو بھی (چہ جائے کہ غیر محرم کو) حضرت سے ملنے کی اجازت تھی۔ لیکن حکم تھا کہ شیخ کریم الدین اور ان کے تعلق والوں کو ملنے کے لیے آنے دیا جائے۔

---

[1] حضرت مجدد جمعہ یکم رجب ۱۰۲۸ھ کو قید ہوئے اور جمعہ ۱۱ رجب ۱۰۲۹ھ کو رہائی ہوئی۔ بادشاہ نے پہلے خلعت اور ایک ہزار خرچ دیا۔ بعد میں دو ہزار بھی دیے۔ حضرت کو اجازت دی گئی کہ آپ گھر جائیں یا لشکر سلطانی میں رہیں۔ آپ اپنی عمر کے آخری تین سال کے عرصے میں لشکر سلطانی میں رہے۔ اور شعبان ۱۰۳۳ھ کو عزلت نشیں ہو گئے۔ ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ کو وصال ہوا۔ تفصیل کے لیے دیکھیں ڈاکٹر سراج احمد خان کی کتاب "مکتوبات امام ربانی کی دینی اور معاشرتی اہمیت"۔ صفحہ ۱۱۵-۱۱۶-۳۴۱-۳۴۲-۳۴۳

کرامت — ایک مرتبہ آپ کا (شیخ کریم الدین کا) ایک مرید بیمار ہوا۔ آپ کو خبر ہوئی تو آپ اُن کے یہاں گئے اور اُسی کے برابر دوسرے بستر پر آرام کیا تاکہ "واقعہ" میں اس کی حیات و ممات کے متعلق معلوم کریں۔ آپ کو نیند آگئی تو دیکھا کہ ایک لشکر سیاہ پوشوں کا گھوڑا دوڑایا اور زخمی ہو گیا۔ اور گھوڑے سے گر پڑا اور اس کا گھوڑا ان (دشمن) کی فوج سے جا ملا۔ شیخ نیند سے بیدار ہوئے اور اُس مرید کی زندگی سے نااُمید ہو کر اس کے دوستوں کو حکم دیا کہ اس کے کفن دفن کا اہتمام کریں۔ سب لوگ اس بات کو صحیح سمجھنے میں تامل کر رہے تھے کیونکہ اس کی بیماری ایسی شدت کی نہ تھی کہ اُسے موت کے قریب سمجھا جائے۔ اس لیے انھوں نے عرض کیا کہ یا شیخ، اپنی زبان سے ایسی بات نہ نکالیے۔ اتنے میں اس بیمار کا سانس لمبا چلنے لگا اور بعض ایسے طلبۂ علم جو درویشوں کے منکر تھے وہاں موجود تھے کہ ہم بھی دیکھیں کہ ایسے وقت میں پیری و مریدی کیا کام آتی ہے۔ شیخ نے دعا کی کہ "خدایا! اگر اس حالت میں اس شخص کا ذکر جاری نہ ہو تو اس کی زبان کو اپنے ذکر میں جاری کر دے۔" ابھی آپ کی دعا ختم نہ ہونے پائی تھی کہ اس مریض نے حالتِ نزع میں اللہ اللہ کا ذکر شروع کر دیا اور دوسرا کلمہ پہلے کلمہ سے زیادہ بلند آواز سے ادا کر رہا تھا یہاں تک کہ اس کا آخری سانس اللہ پر ختم ہوا۔ سب منکر لوگ معتقد اور تائب ہو گئے۔

کرامت شیخ فرماتے تھے کہ آخری بار جب میں اپنی اہلیہ کے ساتھ حضرت مجدد کی خدمت میں حاضر ہوا تو میری اہلیہ حاملہ تھی۔ چونکہ میں پیادہ پا حاضر ہونے کا قصد کیا تھا۔ اس لیے میرے پیروں میں آبلے ہو گئے تھے۔ میں نے اہلیہ کو ایک دوست کے یہاں چھوڑا اور تنہا حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے حاضر ہوتے ہی حضرت نے مجھے بغل میں لے لیا اور فرمایا کہ "شیخ کریم الدین! تمھارے پیر بہت زیادہ زخمی ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تم پر فضل فرمائے، تمھاری اہلیہ پر فضل فرمائے اور جو اس کے پیٹ میں ہے اس پر فضل فرمائے۔" (یہ حضرت نے فرمایا) حالانکہ ابھی میں حاضر ہوا تھا اور اہلیہ کو لانے اور اس کے حاملہ ہونے کا ابھی کوئی ذکر ہی نہ آیا تھا۔

شیخ کی وفات تیسری محرم ۱۰۵۰ھ (کے قریب) واقع ہوئی اور اپنے وطن میں اپنے مسکن کے حجرے میں دفن ہوئے۔

(۱۶) شیخ حسن برکی قدس سرہٗ

شیخ حسن برکیؒ اس راہ (تصوف) کے جواں مردوں میں سے تھے۔ صاحبِ استقامت تھے۔ شریعت و حقیقت کے جامع تھے۔ مقاماتِ علیہ، وارداتِ سنیہ اور علومِ لدنیہ والے تھے۔ علومِ ظاہری میں کامل تھے اور شیخ احمد برکیؒ (المتوفی سنہ ۱۰۲۶ھ) کے شاگرد تھے کہ جن کا مبارک ذکر اوپر آچکا ہے۔

شیخ حسنؒ، حضرت مجددؒ کے آستانۂ عالیہ پر حاضر ہوکر طریقۂ نقشبندیہ سے مشرف ہوئے اور حضرتؒ کی کثیر البرکت صحبت میں مقامات اور حالات کے حصول کے بعد اپنے وطن واپس ہوئے اور شیخ احمد برکیؒ کی صحبت حاصل کی۔ حضرت مجددؒ نے ایک مکتوب (دفتر اوّل۔ ۲۴۵) میں جو اُن کے استاد موصوف کے نام ہے اس طرح تحریر فرمایا ہے:

"شیخ حسن آپ کے ارکانِ دولت میں سے ہیں اور آپ کے معاملے میں ممد و معاون ہیں۔ اگر بالفرض آپ کو کوئی سفر درپیش آئے تو آپ کے نائب وہ ہوں گے۔ اُن کے حق میں التفات اور توجہ فرماتے رہیں اور کوشش بلیغ فرمائیں کہ وہ علومِ دینیہ ضروریہ سے فراغت پالیں۔ سفرِ ہندوستان اُن کے لیے اور آپ کے لیے بھی بہت غنیمت ہے۔ اللہ پاک ہم کو اور آپ کو استقامت عطا فرمائے۔"

اس کے تھوڑے عرصے کے بعد شیخ احمد برکیؒ نے سفرِ آخرت اختیار کیا۔ جب یہ خبر حضرت مجددؒ تک پہنچی تو آپ نے شیخ احمد کے تعلق والوں کو تحریر فرمایا (دفتر دوم۔ ۶۱) کہ:

"مولانا مرحوم کے اطوار اور اوضاع کو ملحوظ رکھیں اور ذکر و مراقبے کے حلقے میں فتور نہ آنے دیں۔ سب احباب جمع ہوکر بیٹھیں اور ایک دوسرے میں خود کو گم کردیں تاکہ صحبت کا اثر پیدا ہو۔ اس فقیر نے اس سے قبل، محض اتفاق سے تحریر کیا تھا کہ اگر مولانا کوئی سفر اختیار کریں تو چاہیے کہ وہ اپنی جگہ شیخ حسن کو مقرر کردیں۔ قسمت سے یہی سفر (آخرت) مراد ہوا۔ اب بار بار یہی دیکھتا ہوں کہ شیخ حسن ہی اس کام کے لیے ہیں اور

یہ بات بعض احباب کو گراں نہ گزرے کہ یہ ان کے اختیار کی چیز نہیں۔ فرمانبرداری
لازم ہے۔ شیخ حسن کا طریقہ مولانا احمد برکی رح کے طریقے سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے
اور آخر میں مولانا نے جو نسبت یہاں سے حاصل کی تھی اس نسبت میں شیخ حسن بھی
شریک ہیں۔ اور دوسرے احباب اس نسبت سے بہت کم بہرہ ور ہیں گو کہ وہ
کشف اور شہود حاصل کرتے ہیں۔"

الحاصل، حضرت مجددؒ کی اجازت اور خلافت سے اس علاقے کی مسند نشینی اور فیض رسانی
شیخ حسن کے لیے مقرر ہوئی۔ انھوں نے افادہ و افاضہ شروع کیا اور حضرت مجدد رح کی غائبانہ
توجہات سے بہت ترقیاں حاصل کیں۔ انھوں نے رسالے بھی تصنیف کیے جو اُن کے حالِ مقام
کی بلندی کو ظاہر کرتے ہیں اور جو کچھ اُن رسالوں میں معارف میں سے لکھا گیا ہے وہ سب اُن
کے خاص مکشوفات اور مشہودات ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ انھوں نے حضرت مجددؒ رح کی خدمت
میں ایک عریضہ اس طرح بھیجا تھا:

"جو معارف اس کم مایہ کے لیے موجب تسلی ہیں وہ معارف شرعیہ ہیں۔ گویا احکام
شرعیہ میں سے ہر حکم ایک دریچہ ہے جو شہرِ مقصود کی طرف کھلتا ہے اور اس شاہِ
بے نشان کا ایک پتا ہے۔ اور یہ شعر، فقیر کا نصب العین ہے:

ہم تو سفر کو چلے، دیکھنے والا ہے کون؟ ہم تو چلے اُس کے پاس جو کہ ہے عالم سے دور[1]"

حضرت مجددؒ رح نے اُن کے جواب میں تحریر فرمایا کہ:

"آپ کے معارف صحیح، بہت بلند اور امید بخش ہیں۔ ان کے مطالعے سے خوشی ہوئی۔
حق سبحانہٗ اسی راہ سے مقصود تک پہنچائے۔"

قدسیہ ـــ شیخ حسن رح نے ایک اور عریضے میں لکھا کہ میں ایک مدت تک اپنے باطن میں
حیرت کا اس قدر غلبہ محسوس کرتا رہا کہ وہ کسی صوفی کے کلام سے، کسی اربابِ اشارات کی عبارت

---

[1] زبدۃ المقامات (صفحہ ۲۹۶) میں ہے کہ اس عریضے میں شیخ حسن برکی نے بعض اصطلاحاتِ صوفیہ کا رد
بھی کیا تھا جو حضرت مجددؒ رح کو پسند نہیں آیا۔ دیکھیں مکتوبات ۲/ ۷۰۔

ہے۔ کسی اہلِ حقیقت کی معرفت سے زائل نہ ہوتی تھی بلکہ اُس سے بڑھ جاتی تھی۔ پس مجبور ہو کر اپنے عجز کا معترف ہوا اور اس عجز و حیرت میں پورے عالَم کو اپنا شریک پایا۔ مگر اس حال میں بھی خود کو زیادہ سے زیادہ اہلِ سنت و جماعت کے عقائد سے قریب پاتا تھا۔

قدسیہ ۔۔۔ شیخ نے ایک اور عریضے میں لکھا تھا کہ میں نماز تہجد پڑھ رہا تھا کہ نَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡہِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ (ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں) کے معنی مجھ پر ظاہر کیے گئے اور پردۂ حیرت اٹھا دیا گیا اور مجھے عین الیقین سے مشرف کیا گیا کہ اس مقام کی حقیقت کو بیان کرنے سے قلم کی زبان قاصر ہے۔ اور سننے والوں کی سمجھ بھی معذور ہے اور اس کے بیان کرنے کے لیے لب بھی نہیں کھل سکتے۔ اور عالمِ مثال میں اُس کیفیت کی مثال اس طرح کے علاوہ نہیں ہو سکتی کہ جسم میں روح مخاطب ہے اور جسم، روح کے لیے ایک لباس ہے اور خالقِ ارواح کے کے ساتھ روح کی نسبت بس ایسی ہے۔ بس لازمی طور پر ارواح کے لیے اللہ تعالیٰ، رگِ گردن سے زیادہ قریب ہے اور حق کی یہ اقربیت، تعلق کی العدیت بن گئی اور یہ اقربیت بے چونی اور بیچگونی ہے جس کے ساتھ عالَم کو بجز خالق و مخلوق اور صانع و مصنوع کے اور کچھ تعلق نہیں۔ ع

عالمِ پاک سے اس خاک کو نسبت کیا ہے!

قدسیہ ۔۔۔ اور شیخ نے ایک اور عریضے میں لکھا تھا کہ معلوم نہیں یہ فراق ہے یا وصل ہے کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بیچون کی حقیقت اس طرح واضح ہوئی کہ میں خود کو ہر کام سے معطل پاتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ سے کسی نسبت کو مناسب نہیں پاتا۔ سوائے اس کے کہ اس کی بارگاہ سے استغناء اور اپنی جانب سے احتیاج ۔۔۔ اور اس کے باوجود کسی چیز کو اُس کی جانب خود سے نزدیک تر نہیں پاتا۔ حتیٰ کہ لطائف عشرہ بھی۔

بے شک، اللہ تعالیٰ سے دوری کسی طرح بھی متصور نہیں اور غفلت[1] بے معنی ہے اور توجہ معدوم ہے۔ اور یہ سب کچھ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی برکت سے اور حضرت مجددؒ کی تربیت کی وجہ سے ہے۔ اسی لیے امیدواری حاصل ہے۔ دیگر[2] یہ کہ دو روشن واقعات اس فقیر

---

[1] اردو ترجمے میں یہاں "عقیدت متلاشی" (عقیدت بے معنی) ہے۔
[2] اردو ترجمہ میں "دیگر یہ کہ" کے بجائے "مگر یہ" ہے۔

کو ظاہر کیے گئے ہیں۔ پہلا یہ کہ حضرت مجددؒ نے عنایت فرما کر اس طرح فرمایا ہے کہ میں توفیق بھی دیتا ہوں اور ایمانِ حقیقی بھی۔[1] اور دوسرا واقعہ یہ ہے کہ حضرتؒ نے مجھ سے فرمایا ہے کہ "لبس آجاؤ" اور آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا ہے۔ تو میری عجیب حالت ہو گئی ہے۔ پھر حضرتؒ نے احباب سے فرمایا کہ "اے لوگو، اس شخص کی ایسی حالت ہو گئی ہے کہ وہ ہمیشہ غالب رہے گی مغلوب نہ ہو گی۔"

قدسیہ — شیخ نے مرضِ موت میں فرمایا کہ مجھے بشارت دی گئی ہے کہ تمہارا ہر مرید مغفور ہے۔ اس سے زیادہ کے لیے میں نے درخواست کی تو مجھے الہام ہوا کہ تمہارا ہر معتقد مغفور ہے۔ پھر اس سے بھی زیادہ کے لیے میں نے درخواست کی تو حکم ہوا کہ جو شخص بھی قیامت تک تم سے تواتر کے ساتھ اعتقاد رکھے گا مغفور ہو گا۔

قدسیہ — شیخ نے اپنے اصحاب و احباب کی خاطر جو وصیتیں فرمائی ہیں ان میں یہ بھی ہے کہ میں نے دنیا ڈھونڈ ڈالی لیکن مجھے حضرت مجددؒ کے صاحبزادوں (یعنی خواجہ محمد سعیدؒ اور خواجہ محمد معصومؒ) جیسا کوئی بھی نہ ملا۔ بس جس کسی کو، تم میں سے، اللہ تعالیٰ کی طلب دامن گیر ہو تو اسے چاہیے کہ ان کی خدمت میں پہنچے اور ان سے مستفیض ہونے کو اپنی سعادت جانے۔

شیخ نے حضرت مجددؒ اور صاحبزادوں کے نام جو عریضے اور رسالے لکھے ہیں ان میں حقائق و معارف بہت زیادہ ہیں اور جو کچھ کہ اس فقیر نے نقل کیے ہیں وہ ان میں سے ایک ذرّہ کے برابر ہیں۔ حضرت مجددؒ نے شیخ کے بعض عریضوں کا جواب بھی دیا ہے۔[2]

قدسیہ — شیخ کے انتقال کے وقت ان کا فرزند جو قابل، مستعد اور طالبِ صادق، جوان تھا میرے مرشد اور بزرگ خواجہ محمد سعیدؒ کی خدمت میں تھا۔ شیخ نے اس کو یاد کیا۔ اس کے بعد ان کو بشارت ہوئی (اور انھوں نے کہا کہ) اس فرزند سے مجھے خاطر جمع ہے کیونکہ وہ حضرت مخدوم زادۂ عالی منزلت کے پاس سے اور تعلیم طریقہ کی اجازت سے بھی مشرّف ہوا ہے۔ اور انھوں نے ابھی ابھی اسے روانہ فرما دیا ہے اور وہ جلدی پہنچنے والا ہے اور میرا قائم مقام ہو گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس کے بعد آپ (شیخ) کا انتقال ہوا اور عثمان پور جو آپ کا وطن ہے وہاں دفن ہوئے۔[3]

---

[1] اردو ترجمے میں "ریحانِ حقیقی" ہے۔ [2] شیخ حسن برکیؒ کے نام حضرت مجددؒ کے تین مکتوبات ہیں۔ ۱/۲۷۱-۲/۷۷-۳/۱۰۵۔ [3] زبدۃ المقامات (صفحہ ۳۶۸) میں حضرت محمد ہاشم کشمیؒ لکھتے ہیں کہ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۱۷) شیخ عبدالحی سلّمہٗ ربّہٗ

شیخ عبدالحی سلّمہٗ ربّہٗ، حضرت مجدّدؒ کے خاص اور پسندیدہ مریدوں میں سے ہیں۔ حصارِ شادمان کے رہنے والے ہیں (جو علاقۂ اصفہان میں توران سے شمال کی جانب ہے) ہندوستان آکر آپ شہر پٹنہ میں مقیم ہوئے۔ آپ کو توفیق ہوئی اور سعادت ازلی نے ہدایت پہنچائی تو آپ حضرت مجدّدؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے تجرید و تفرید اور عقیدت و خلوص لے کر حاضر ہوئے اور قبولیت کی سعادت حاصل کی۔ اور تھوڑی سی مدت میں حضرتؒ کے مقربوں اور محرموں میں داخل ہو گئے۔ حضور کی اکثر خدمات آپ ہی سے متعلق رہتی تھیں اور خلوت و جلوت میں حاضر رہتے تھے اور جو چاہتے، دریافت کرتے اور جواب حاصل کرتے۔ اسرارِ خاص سے بھی آپ مختص تھے۔ مکتوبات شریف کا دفتر دوم آپ ہی نے جمع کیا ہے۔ ایک عرصے تک حضرت مجدّدؒ کی خدمت میں رہے۔ پھر خلافت دے کر حضرتؒ نے آپ کو وطن (پٹنہ) رخصت فرمایا۔ حضرتؒ فرماتے تھے کہ "شیخ، اس مقام کا قطب ہے"۔ شیخ جب اپنے وطن پہنچے تو عوام و خواص سبھی نے آپ کو گھیر لیا۔ آپ کو قبولِ عظیم حاصل ہوا۔ مریدانِ رشید اور خلفائے اہلِ ارشاد تیار ہوئے۔ حضرت مجدّد نے صوبہ دار پٹنہ کو شیخ عبدالحی اور شیخ نور محمد کے بارے میں

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ):۔ "سفرِ اجمیر میں بھی یہ عاجز، حضرت مجدّد کے ہم رکاب تھا۔ آپ کا (شیخ حسن برکیؒ کا) ایک عریضہ پہنچا جس میں ان کے بلند مکاشفات اور احوال درج تھے اور رفع بدعات کے متعلق اپنے شوق و ہمت کا ذکر کیا تھا۔ یہ عریضہ حضرت مجدّدؒ نے مجھے دیا کہ جس وقت موقع ہو جواب لکھ دینا۔ لیکن وہ مجھ سے گم ہو گیا۔ پھر حضرتؒ نے چند سطریں لکھ دیں جو مکتوبات کے دفتر سوم۔ مکتوب ۱۰۵ میں محفوظ ہیں۔

ل شیخ حسن کا سالِ وفات نہیں ملتا۔ لیکن اندازہ ہے کہ حضرت مجدّدؒ کے وصال کے بعد فوت ہوئے ہیں۔

(کہ جن کا ذکر اوپر آچکا ہے) اس طرح فرمایا تھا کہ: "وکلا اہل اللہ، شیخ عبدالحی اور شیخ نور محمد کا ایک شہر میں جمع ہونا قران السعدین ہے۔" لہ

حضرت مجددؒ نے شیخ نور محمد کو شیخ عبدالحی کے ذریعے دستی مکتوب میں اس طرح لکھا تھا کہ:

"..... شیخ عبدالحی آپ کا ہم شہری ہے اور آپ کے قرب و جوار میں آیا ہے۔ علوم و معارف غریبہ کا مجموعہ ہے اور اس راہ کی ضروری چیزیں اس کے پاس امانت ہیں۔ اس کی ملاقات، دور افتادہ احباب کے لیے بہت غنیمت ہے کیونکہ وہ نیا نیا آیا ہوا ہے اور نئی چیزیں لایا ہے۔ فنا و بقا کا اور جذب و سلوک کا تعلق رکھتا ہے بلکہ فنا و بقا سے متعارف اور جذب و سلوک مقررہ سے آگے بھی واقف ہے بلکہ وہاں اس کا گزر ہے۔ مکتوبات کے بہت سے معارف غریبہ اس نے سنے ہوئے ہیں اور حتی المقدور استفسار کر کے حاصل کیے ہیں.....۔" ۲ے

شیخ عبدالحی (کی زندگی) کا طریقہ یہ ہے کہ وہ موجودہ مال خرچ کر دیتے ہیں اور اپنے مریدوں کے ساتھ کھانا کھاتے ہیں (یعنی اپنا مال اُن پر خرچ کرتے ہیں)۔ امیری اور فقیری دونوں کی روش (آپ کا معمول) ہے۔

قدسیہ — شیخ نے بتایا کہ طلب تصوف کے ابتدائی زمانے میں ابھی میں پٹنہ ہی میں تھا اور حضرت مجددؒ کی خدمت میں حاضری سے مشرف نہ ہوا تھا، تو میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک خالی قلعہ کی سیر کر رہا ہوں۔ اتفاق سے ایک جماعت وہاں آگئی اور میں نے چاہا کہ ان سے میں پوشیدہ ہو جاؤں۔ لیکن ان لوگوں نے مجھے پکڑ لیا اور باندھ لیا۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ آپ لوگ کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تشریف لائے ہوئے ہیں۔ پھر وہ حضرات مجھ کو باندھے ہوئے قلعہ سے باہر لے

لہ مکتوبات ۔ ۲/۵۰ کا آخر دیکھیں۔

۲ے مکتوبات ۲/۸۵۔

آئے۔ اتنے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کر کے مجھے رہائی دلائی اور میں اُن صحابہ کرام کی معیت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانے لگا۔ پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی شفقت سے اپنے قریب بُلوا کر فرمایا کہ "تم فلاں کام کے لیے جاؤ کہ تمھارے بغیر وہ کام نہیں بن سکے گا۔"

میں اور وہ جماعت جو میرے ہمراہ ہے اونٹوں پر سوار ہیں اور ہم لوگ ہَوا میں اُڑ کر جا رہے ہیں۔

قدسیہ ـــ آپ فرماتے تھے کہ حضرت مجدد نے جب مجھے پٹنہ روانہ فرمایا تو یہ فرمایا کہ "میں شیخ حمید بنگالی سے مطمئن نہیں ہوں۔ ان کے پاس ایک بار ضرور جانا۔" میں حیران تھا کہ اُن کے پاس منگل کوٹ کس طرح جا سکوں گا۔ اتفاق سے ایک ضروری تقریب واقع ہوئی کہ مجبوراً وہاں جانا پڑا۔ شیخ حمید کے شہر گیا اور دل میں کہا کہ وہ تو بڑے عالم ہیں اور اُس علاقے کے مشہور مشائخ میں سے ہیں اور چھوٹے بڑے سبھی اُس علاقے کے، وہاں حاضر ہوتے ہیں۔ تو میں کیا کہوں گا جو اُن کے لیے مفید ہو سکتا ہے۔ پھر دل میں خیال آیا کہ حضرت مجددؒ کا فرمانا بغیر حکمت کے نہیں ہوگا (چنانچہ) میں شیخ حمید کے پاس گیا۔ انھوں نے میرا بڑا احترام کیا۔ پھر فرمایا کہ حضرت مجددؒ اور دوسرے بزرگوں نے لکھا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اس راہ کی ضروریات میں سے ہے (لیکن) میں کہتا ہوں کہ جس دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت ہو اس میں دوسرے کی محبت کس طرح سما سکتی ہے؟ میں نے کہا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت عین حق کی محبت ہے جیسا کہ آیت ہے: مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی)۔ شیخ میرے اس جواب سے بہت نادم ہوئے اور (اُس وقت) مجھے یقین سے معلوم ہوا کہ حضرت مجددؒ نے جو یہ فرمایا تھا کہ "میں شیخ حمید بنگالی سے مطمئن نہیں ہوں" اور یہ کہ "اُن کے پاس ضرور ایک بار جانا"، اسی شبہہ کے رفع کرنے کے لیے تھا۔

شیخ (عبدالحی) نے ۱۰۵۴ھ میں حرمین شریفین کے لیے روانہ ہونے کا ارادہ کیا اور پٹنہ سے حضرت مجددؒ کے مزار مبارک پر حاضری دیتے اور مخدوم زادگان سے ملنے کے لیے سرہند آئے۔ اس کے بعد حرمین شریفین کے لیے آگے بڑھے۔ آپ نے ہر قدم توکل کے ساتھ اٹھایا

اور اس مبارک ملک میں بھی بہت مقبول ہوئے۔ سنا گیا ہے کہ حج کے بعد شیخ وطن کی طرف روانہ ہوئے۔ اور اس جہاز میں سوار ہوئے جس میں دوسرے حجاج بھی اپنے وطن واپس ہو رہے تھے۔ اتفاق کی بات ہے کہ وہ جہاز کئی روز تک اپنی جگہ سے نہ ہل سکا۔ سب لوگ حیران تھے اور لوگ شور کر رہے تھے۔ آخر شیخ نے کہا کہ سب حضرات روانہ ہو جائیں، میں جہاز سے اتر جاتا ہوں۔ میں ایک حج اور کروں گا اور جہاز کا رکنا میری وجہ سے ہے کہ مجھے ابھی جانے کی اجازت نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ جونہی شیخ اس جہاز سے اترے کہ جہاز چل پڑا۔ کہتے ہیں کہ حرمین شریفین کی طرف شیخ کا اس طرح واپس جانا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے سے تھا۔ شیخ کی عمر قریب ساٹھ سال تھی جب کہ وہ مکہ معظمہ روانہ ہوئے تھے۔ اللہ پاک ان کو سلامت رکھے۔ (آمین) ؎۱

(۱۸) خواجہ محمد ہاشم کشمی برہانپوری قدس سرہٗ

حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی قدس سرہٗ، حضرت مجددؒ کے خاص مقبول و منظور احباب میں سے تھے اور آپ کے خادموں اور معاونوں کے سربراہ تھے۔ کشم (بدخشاں) کے بزرگ خاندان میں سے تھے۔ ان کے والد ماجد خواجہ محمد قاسم اس ولایت کے اکابر میں سے تھے اور مشہور علماء میں سے تھے۔ اور بادشاہ بدخشان مرزا شاہ رخ کے استاد تھے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ "میرے آباؤ اجداد سلسلۂ کبرویہ میں منسلک تھے اور میں بھی بچپن میں اس خانوادہ کے خلفاء کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں لیکن فطری مناسبت اور طبعی رابطہ، شروع جوانی سے اور دل کے اشارے اور بشارت سے خواجگانِ نقشبندیہ ہی سے رہا ہے۔ لیکن میں نہیں جانتا تھا کہ اس شاہراہ کے کون سے رہبر میری دستگیری کریں گے اور اس عالی شان سلسلے کے کونسے منعم مجھے نوازیں گے۔ اس فکر کی کشاکش میں

؎۱ شیخ عبدالحی کے نام حضرت مجددؒ کے مکتوبات یہ ہیں: ۱/۲۷۷-۲۹۱-۳۰۴-۳۰۲/۲-۷-۳۰
تذکرہ مجدد الف ثانیؒ (مولانا محمد منظور نعمانی صفحہ ۳۴۰) میں شیخ کی وفات ۱۰۷۰ھ میں بتائی گئی ہے۔

مجھے بڑا دکھ ہوتا تھا اور اس حال کے غلبہ کی وجہ سے میری زبان سے نکل جاتا تھا کہ اچھا، گھوڑے پر زین باندھو کہ مجھے ہندوستان جانا ہوگا۔ اس تکلیف سے شفایاب ہونے پر اور ان مجنونانہ باتوں کے بعد ایک تقریب درمیان میں ایسی واقع ہوئی کہ مجبوراً ایک دم ہندوستان آنا پڑا۔ ایک سال کے بعد وہاں ایک رات ایک محفل میں اگلے زمانے کے مشائخ کے عجیب غریب حالات اور تصرفات کا ذکر چھڑ گیا۔ میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ آیا ایسے لوگ کیا ماضی ہی میں تھے اور اب نہیں ہیں یا اگر ہیں تو ہمارے ادراک کی آنکھوں سے پوشیدہ ہیں۔ اسی زمانے میں مجھے خواب دکھلایا گیا کہ ایک اہل دل بزرگ آئے اور مجھ سے فرمایا کہ اٹھو، فلاں بزرگ فلاں مقام پر اہل دل لوگوں کے مجمع میں بیٹھے ہوئے ہیں اور تجھ کو طلب کر رہے ہیں۔ میں اسی پتے پر گیا۔ وہاں ایک بزرگ کو دیکھا جو ارباب صفا کے حلقے میں تھے اور ایک اونچے چبوترے پر بیٹھے ہوئے مراقب تھے۔ اور ان کے مریدین اس چبوترے سے کچھ نیچے بیٹھے ہوئے مراقبے میں تھے۔ مجھے اس بزرگ کے قریب لے جایا گیا۔ اس بزرگ نے مراقبے سے فارغ ہو کر اپنا ہاتھ پھیلایا اور میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا پڑھو: اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝

میں پڑھتا جاتا تھا اور میری آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ میں جب بیدار ہوا تو میں اس فتح سے متعلق مضمون سے اور اس سورۃ کی شان نزول سے اپنے مقصود کا اشارہ سمجھا اور چونکہ اس سورۃ کے آخر میں استغفار کے لیے حکم ہے اس لیے میں نے توبہ کی شاہراہ لی۔ اس کے چند روز کے بعد مجھے مرشد وقت میر محمد نعمان کی خدمت میں جانا ہوا۔ جو اس سلسلۂ عالیہ کے خلفاء میں سے اس عظیم شہر میں مسند ارشاد پر متمکن تھے اور جو مریدوں کے دلوں کو جذب کے پیالوں سے بیخود بناتے تھے۔ ان سے میں نے اس سلسلۂ شریفہ کا ذکر و مراقبہ سیکھا اور عرصے تک اُن کی خدمت میں رہا۔ یہاں تک کہ ۱۰۳۱ھ میں حضرت مجدد نے مجھے سرہند طلب فرمایا[لف]۔ چنانچہ حضرت میر محمد نعمان کی اجازت سے میں حضرت مجدد کی خدمت میں سرہند پہنچا۔ اور قریب دو سال تک سفر و حضر میں آپ کا دامن

---

[۱] مکتوبات۔ دفتر سوم۔ نمبر ایک دیکھیں۔ زبدۃ المقامات (صفحہ ۲۰۱) میں ہے کہ سنہ ۱۰۳۲ھ میں حضرت اجمیر شریف تشریف لے گئے تھے۔

پکڑے رہا۔ اس غریب نے اس تھوڑی سی مدت میں جو فوائد حضرتؒ سے حاصل کیے اور جو انوار ایسے آفتاب عالم تاب سے مجھ شکستہ دل کے روزن میں داخل ہوئے وہ شرح و بیان سے باہر ہیں اور وہ زبان پر نہیں آسکتے۔ (یہاں آپ کا قول ختم ہوا)۔"

حقیقت یہ ہے کہ اس تھوڑی سی مدت میں حضرت مجددؒ کی توجہ اور قوتِ تصرف کی برکت سے انھوں نے احوالِ باطنی، مقاماتِ معنوی، حالاتِ عجیبہ، کمالاتِ غریبہ کے ساتھ حضرتؒ کے الطاف و اعطاف حاصل کیے اور حضرتؒ کے محرمانِ راز اور خلوتیانِ اسرار میں شمار ہونے لگے۔ اور پھر اعلیٰ حضرتؒ سے تعلیم طریقہ کے لیے خلافت سے مشرف ہو کر آپ کے حکم سے برہان پور میں قیام پذیر ہوئے۔ مکتوبات شریف کا تیسرا دفتر بھی انھوں نے جمع کیا۔ وہاں کے لوگ مور و ملخ کی طرح اور شمع کے پروانوں کی مانند، غریب اور امیر اُن کے گرد جمع ہوئے اور اُن کے معتقد ہوئے۔ اس علاقے کے (قطب) مدار انھی کا وجود تھا۔ یہ بات ان کو حضرت قدس سرہٗ کے نفسِ نفیس کے اثر ہی سے حاصل ہوئی تھی کہ اُن کے ایک عریضے کے جواب میں حضرتؒ نے تحریر فرمایا تھا کہ " تمھارے مکتوب کے مطالعے کے وقت تمھاری نورانیت اس علاقے میں بہت زیادہ نظر آئی جس سے امید وابستہ ہوئی۔ اس انعام پر اللہ پاک کا بہت ہی شکر و احسان ہے۔"

کہتے ہیں کہ رشد و ہدایت پہنچانے کے زمانے میں ایک روز خواجہ محمد ہاشم برہان پور میں گھوڑے پر سوار ہو کر جا رہے تھے اور بہت سے امراء اور حکام آپ کے ساتھ ساتھ تھے۔ جب آپ نے ازدحام کو دیکھا تو آپ میں بڑی انکساری پیدا ہوئی اور آپ کہنے لگے کہ میں کیا اور اس قبولیتِ عام کی مجھ میں کیا قابلیت ہے؟ یہ سب حضرتؒ کے ایک کلمۂ مبارکہ کا اثر ہے جو ایک روز حضرتؒ نے میرے بارے میں فرمایا تھا اور وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ لاہور میں حضرتؒ کے ساتھ ساتھ بہت سے بزرگ تھے اور میں بھی تھا۔ میں اس ہجوم میں کیچڑ میں گر پڑا تو حضرتؒ نے شفقت سے فرمایا کہ " اے خواجہ ... وقت قریب ہے جب تم سواری پر ہو گے اور امراء اور حکام تمھارے ساتھ ساتھ ہوں گے۔" [1]

---

[1] مکتوبات۔ دفتر سوم نمبر ۲۴

حضرت مجددؒ نے آپ کے متعلق بشارتیں فرمائی ہیں اور مکتوبات شریف کے دفتر سوم کے مکتوب ۸۲ میں جو صاحبزادگان (خواجہ محمد سعیدؒ اور خواجہ محمد معصومؒ) کے نام ہے اور جس میں ان دونوں صاحبزادگان کی مقبولیت، بارگاہِ الٰہی میں بتائی گئی ہے، خواجہ محمد ہاشمؒ کے متعلق ہے کہ "اس یارِ ثالث کی طرف سے دل متفکر ہے کہ اسے قبول نہیں کیا گیا۔ کاش اسے بھی بادشاہ (اللہ تعالیٰ) کے نوکروں کی نوکری میں قبول فرمالیں"۔ پھر کچھ عرصے کے بعد حضرتؒ نے تحریر فرمایا کہ "وہ یارِ ثالث بھی ان دونوں (صاحبزادگان) کی طرح مشرف ہوا اور اسی خصوصیت کے ساتھ اسے بھی قبول کرلیا گیا۔"[1] یہاں یارِ ثالث سے مراد خواجہ (محمد ہاشمؒ) ہیں۔

مکتوبات شریف کے دفتر سوم (مکتوب نمبر ۱۰۶ جو صاحبزادگان کے نام ہے) میں حضرت مجددؒ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا ذکر کیا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ (حضرت مجددؒ) کے لیے اجازت نامہ تحریر فرمایا ۔ اور حضرت مجددؒ نے یوں بھی لکھا ہے کہ "میرا ایک جہت مند یار بھی درمیان میں ہے (اس معاملے میں شریک ہے)"[2] سنا گیا ہے کہ مراد اس جہت مند یار سے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مجددؒ کے درمیان ہے یہی خواجہ (محمد ہاشمؒ) ہیں۔

درجہ ۔ خواجہ (محمد ہاشمؒ) نقل کرتے تھے کہ ایک روز حضرت مجددؒ "وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ

---

[1] مکتوبات ۔ دفتر سوم ۔ مکتوب نمبر ۱۰۶

[2] قاضی عالم الدین صاحب نے اس مکتوب نمبر ۱۰۶ کا اس جگہ اس طرح ترجمہ کیا ہے :-

"...... اور فقیر کے مخلص یاروں میں سے ایک یار بھی اس معاملے میں ہمراہ ہے اسی اثناء میں ظاہر ہوا کہ اس اجازت نامے کے اجراء میں تھوڑا سا قصور ہے اور اس قصور کی خاص وجہ بھی معلوم ہو گئی۔ وہ یار جو اس خدمت کا پیش کار ہے دوبارہ اس اجازت نامے کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اجازت نامے کی پشت پر دوسرا اجازت نامہ لکھا یا لکھوایا (یہ تشخیص نہ ہو سکی) لیکن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت معلوم ہے۔ لکھنے کے بعد اپنی مہر سے مزین فرمایا ......"

تحدیث" کے حکم کے مطابق، عنایاتِ خداوندی کے متعلق جو آپ کی خصوصیات اور درجاتِ حشر و نشر سے متعلق ہیں، بیان فرماتے تھے۔ اس فقیر نے خود پر جو آپ کے الطاف و اعطاف ہیں اُن کی بنا پر آپ سے سوال کیا کہ یہ مسکین اس مجمع میں کونسی خدمت سے سرفراز ہوگا اور کس خصوصیت سے ممتاز ہوگا؟ — آپ نے جواب میں فرمایا کہ "تم ہماری مجلس میں میرِ تزک ہو گے"

خواجہ (محمد ہاشم) حضرت کے آستانۂ مبارک سے جُدا ہونے پر اپنے احوال و مقاماتِ بلند کے بارے میں جو عریضے آپ کی خدمتِ عالیہ میں بھیجا کرتے تھے! اُن میں سے ایک عریضہ (جس سے اُن کے علوِ حال و کمال کا پتا چلتا ہے) یہاں نقل کیا جاتا ہے:۔

عریضہ ——— بندۂ عجوز، آوارۂ دیارِ بربان پور محمد ہاشم الکشمی، درگاہِ اقطاب پناہ میں عرض پرداز ہے کہ اس آستانۂ عالیہ کے خادموں کی توجہ سے صحت و عافیت کے ساتھ شہر مذکور میں پہنچ گیا اور حضرت سیدی و مرشدی (میر محمد نعمان) سلّمہٗ اللہ کی ملازمت سے مشرف ہوا۔ حضور کے غلام زادوں (یعنی میرے فرزندوں) کو بعافیت پایا۔ لیکن حضور کی درگاہ سے محرومی کی وجہ سے جو داغ، میرے دل کو زخمی کر رہا ہے اور میرے نصیبے کے قدم کو دلدل میں پھنسائے ہوئے ہے کس قلم کی زبان سے اور کس زبان کے قلم سے عرض کیا جا سکتا ہے؟

اے جانِ جہاں، آئینہ لے کر تو ذرا دیکھ
کیونکر ہے مری زندگی زار کی حالت

لیکن آپ کی نسیم توجہ و تصرف اس خاکِ راہ کو پھر بھی اس آستانۂ پاک کے قریب پہنچا سکتی ہے۔ ——— کبھی تو کھینچ کے گزرن سے، ایک سگ کی مثال
کشاں کشاں وہ مجھے کوئے یار تک لے جائیں

چونکہ شکایت کبھی ختم نہیں ہو سکتی اور خود کردہ کا کوئی علاج نہیں، اس لیے اس درد و غم کے اظہار سے میں خود درہم برہم ہوں، حضور نے بھی رخصت کے وقت، تاکید تمام کے ساتھ اس کمترین غلام کو حکم دیا تھا کہ جو کچھ تجھ پر اس مفارقت میں گزرے اچھا ہے کہ مجھے لکھ کر بھیجے اس لیے تعمیلِ حکم کی جرأت کر رہا ہوں۔

قبلہ گاہا! وہ احوال جو حضور اقدس میں یہ کمترین لکھ چکا ہے اس کا اجمال پھر عرض کرتا ہے تاکہ اُن احوال سے ملحق کچھ اور باتیں جو اس مفارقت کے زمانے میں در پیش آئیں معلوم ہو سکیں۔ حضور کی توجہ سے فنا تک معاملہ پہنچ چکا تھا کہ وجود اور اس کے توابع اپنی اصل سے واصل ہو گئے تھے اور عدمیت کا معاملہ، عدم کو پہنچ چکا تھا۔ عین اور اثر دونوں پوری طرح ختم ہو چکے تھے۔ میں خود کو کبھی نہیں پاتا تھا مگر ایک ثبوت پر کہ خود عدم کا کارخانہ اس پر قائم ہے۔ (یعنی میرا وجود خود عدم کا ثبوت تھا)۔ اس کے بعد ایسا معلوم ہوا کہ وہ کمالات جو اپنی اصل سے واصل ہو چکے تھے وہ اس شخص (راقم الحروف) سے متعلق ہیں اور اسی ثبوت (عدم) پر قائم ہیں۔ جب حضور سے اس بارے میں عرض کیا تھا تو حضور نے فرمایا تھا کہ "بقائے خاص کے ظہور کے آثار ہیں"۔ اس کے بعد کبھی میں نے خود کو عدم صرف پایا اور کبھی اُن کمالات کو قائم جدا اصل دیکھا اور کبھی اُس ثبوت (عدم) کو اپنی حقیقت جانا اور اُن کمالات کو اس پر قائم سمجھا۔ مختصر یہ کہ میں عین فنا میں باقی تھا اور عین بقا میں فانی تھا۔ یہاں تک کہ ایک دن مجھے ایسا بتلایا گیا کہ وہ ثبوت نہیں مگر حق تعالیٰ کے وجود کی نمود کا۔ میں نے اس کو بھی اصل کے سپرد کر دیا اور اب ظل و اصل کا فرق ہی ختم ہو گیا۔ بخلاف اس حقیقت کے کہ جو چیز ہوتی ہے وہی آئینے میں دکھائی دیتی ہے۔ اور اب بے شک سوائے ہستی صرف کے اور کچھ ظاہر نہ ہوا۔ جب میں نے حضور سے یہ بات عرض کی تو حضور نے فرمایا کہ "اب دائرۂ نفی کہ جس کے تعلق کا شائبہ امکان سے تھا، پورا ہو گیا۔ اس پر خدا کا بہت زیادہ شکر ہے۔ اب اس کے بعد صرف اثبات کا معاملہ رہ گیا ہے جو وجوب سے متعلق ہے۔" یہ بھی ارشاد ہوا کہ "اس دائرۂ نفی کے تمام ہونے سے تمہارا نصیبہ جو ولایت ابراہیمی (علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) سے مناسبت رکھتا ہے پورا ہوا کیونکہ کارخانۂ نفی و اثبات کے رئیس اور اس ولایت (ابراہیمی) کے سردار خلیل الرحمٰن ہیں (علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام)۔"

اس بندے نے اس عرض کے بعد ایک واقعے میں بھی دیکھا تھا کہ حضور نے حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید سلمہ اللہ کو اس فقیر کے ساتھ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے قدموں میں ڈال دیا تھا۔ اور آنحضرتؑ نے بڑی شفقت سے اس بندے کو اپنے آغوش مقدس

میں لے کر رخصت فرمایا تھا۔ یہ بات حضور سے عرض کی تھی۔

ایک اور واقعہ جو حضور سے اُن دنوں عرض کیا تھا، یہ تھا کہ حضور اس بندے سے فرماتے ہیں کہ تمہارا کام اب ذکرِ نفی و اثبات سے ذکرِ اثباتِ محض میں آ گیا ہے۔ اس واقعے کو سن کر حضور نے ذکرِ نفی و اثبات سے منع فرمایا تھا اور اسمِ ذات کے ذکر کے لیے اپنی توجہ و تصرف سے حکم دیا تھا۔ اس کے بعد فرمایا تھا کہ "معاملۂ نفی میں ایک اور باریک دقیقہ رہ گیا ہے۔ وہ بھی ظاہر ہو جانا چاہیے اور وہ یہ ہے کہ جس طرح کہ عدم، کمالاتِ وجودیہ کے عکوس کا آئینہ ہے اور تم نے اس عکس کو اس فنا میں اس کے اصول میں واصل کر دیا ہے، اسی طرح وجود کو صُوَرِ وہمیہ اور احکامِ عدمیہ کا آئینہ سمجھو۔ کیونکہ حق تعالیٰ سوائے اپنی ذات اور اپنے کمالات کے، اور کچھ نہیں دیکھتا ہے۔ لیکن احکام (عدمیہ) کو اسی آئینۂ وجود میں ملاحظہ فرماتا ہے۔ اس باریک نقطے کو سمجھو اور اسے حاصل کرو۔ اور ان احکام کو عدمِ صرف کے حوالے کر کے آئینۂ وجود کو صاف بیں جانو" آپ جیسے قدوۂ اربابِ ارشاد و ہدایت کی عنایتِ محض سے یہ دولتِ عظمیٰ بھی حاصل ہو گئی اور فنائے اتم تک کام پہنچ گیا اور بقا بھی اُس فنا کے مطابق، جلوہ گر ہو گئی اور حضور ہی کی توجہ خاص سے اُس اسمِ جزئی میں جو کہ مرتبۂ وجوب میں اس حقیر کا مبداءِ تعین ہے بقا حاصل ہوئی اور خود کو جو کہ نابود ہے مگر عدم ہے اس ثبوت کے ساتھ مقید پایا اور اس اسم کے ساتھ قائم پایا۔ اور عجیب تر یہ بات ہے کہ اس یافت کے باوجود اس اسم کے انا کا مورد نہ تھا اور اپنے تعین کو تشخیصات سے ملحق نہ پایا۔ سوائے اس کے کہ اس اسم کی اُن وہمی صورتوں میں سے جو کہ ظاہر ہوئی ہیں خود کو بھی ایک صورت پایا۔ جیسا کہ روح الامین (جبرئیل علیہ السلام)، حضرت دحیہ کلبیؓ کی صورت میں ظاہر ہوئے تھے۔ وَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (اس کے لیے اعلیٰ مثل یعنی صورت ہے) ؎

جناب قدس کی صورت نہیں ہے
مگر جلوہ ہے ہر صورت میں اس کا

اس وقت آپ جیسے ابو الوقتِ دو عالم سے (اللہ آپ کا سایہ دائم رکھے) شیخ عطارؒ کے اس شعر کے معنی پوچھتے تھے کہ ؎

پیمبرؐ جیسے سلطاں، فقیرِ کل کو
نہ پائیں گر، تو کیا تیری تگ و دو

جب فقرِ کل نہیں ہے مگر تمام آثارِ امکان و عدم مٹ جاتے ہیں (تو پھر فقرِ کل اور کیا ہے) جب یہ بات حاصل ہو جائے تو گویا فقرِ کل حاصل ہو گیا۔ پس سرورِ فقراء اور سلطانِ انبیاء علیہ و علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کو فقرِ کل کیوں حاصل نہیں؟ جبکہ آپؐ کے آستانے میں جھاڑو دینے والے آپؐ کے صدقے میں اس نعمت کے نیزول سے بہرہ ور ہیں۔ حضور آپ تو ہماری مشکلات کو حل فرمانے والے ہیں، آپ نے (اس شعر کے معنی میں) فرمایا کہ شیخ عطارؒ کی مراد فقرِ کل سے یہ ہے کہ تعین وجوبی کی تمیز ہی باقی نہ رہے۔ یعنی تعینِ محمدی نہیں مگر حضرتِ ذات کی تمیزِ علمی (تعینِ محمدی صرف حضرتِ ذات کی تمیزِ علمی ہے) اس لیے حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عالی ہمت نے فقرِ اتم ہی چاہا ہے تاکہ وہ تمیز بھی اٹھ جائے جو محال و مشکل تھی۔ ایسے اسرارِ بلند کو عرفاء بخوبی سمجھتے ہیں۔ پس شیخ عطارؒ کا اس طرح کہنا اس معنی میں ہے۔

اس الحاق کے چند روز بعد حضرت مجددؒ نے اس غلام سے فرمایا کہ "تم کو تمہارے مبدأ تعین سے زبردستی کھینچ کر ہم اپنے مبدأ تعین میں لے آئے ہیں اور معلوم بھی ہوا کہ تم کو اس میں بقا میسر ہو گئی ہے۔" اس کے بعد آپ نے برکاتِ خلّت کے حصول کی خوشخبری بھی سنائی اور اس مسکین نے جو کچھ اس دولت کے حصول سے مطلب سمجھا تھا وہ بھی حضور میں عرض کر دیا تھا اور وہ نسبت جسے آپ نے ملاحت سے تعبیر فرمایا تھا اور جو آپ ہی کی ولایت کے خصائص میں سے ہے وہ بھی آپ نے تمکین لذت کے ساتھ اس عاشقِ دل افگار کی جراحت پر ڈال دی تھی اور جو کچھ اس کا مطلب مجھے سمجھ میں آیا تھا وہ بھی خدمت میں عرض کر دیا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا کہ "یہی اشارہ ہے ہمارے مبدأ تعین کی فنا و بقا کے متعلق کہ یہ نسبت اس کے خصائص میں سے ہے۔" اور آپ نے عین بندہ پروری سے اس طرح فرمایا کہ "اگرچہ دوسرے حضرات سالہا سال اس خانقاہ میں رہے ہیں اور بہت کچھ تکلیفیں اٹھائی ہیں لیکن فلاں شخص (محمد ہاشم کشمیؒ) نے تھوڑی سی مدت میں ہماری خاص محبت کی وجہ سے ہماری خاص نسبتوں سے حصہ پالیا ہے۔" اس کے بعد فرمایا کہ "اب تم نزول کی طرف رخ کرو۔" اور رخصت سے پہلے فرمایا کہ "نزول بھی ہو گیا اور پھر حصول کی طرف ترقی بھی ہو گئی لیکن ابھی ہماری نظرِ کشفی میں کوئی خصوصیت ظاہر نہیں ہوئی۔"

اے قبلۂ دو جہانی، اے کعبۂ آمالی و امانی۔ اللہ پاک آپ کی برکتیں خلائق کے سروں پر ہمیشہ قائم رکھے میرے دل کو جو آرزو مضطرب رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ جزئی، کلّی میں بلکہ اس کلّی کے مرکز میں جسے ملاحت سے تعبیر کیا گیا ہے ملحق ہو جائے اور وہ ملحق اپنے ملحق میں اپنی خصوصیات کے ساتھ پہنچا دے لہٰذا اصل بالاصل سے بہرہ ور فرمائیے۔ اس سے قبل آپ نے اجمیر شریف[1] میں بھی اس دولت کے حصول کی بشارت دی تھی اور اس کے حصول کو اس غریب کے حق میں محض فضل کے حوالے کیا تھا اور اس کے مثل کو بھی اسی طرح دفترِ حساب میں رکھا تھا۔ اگرچہ اب نسبتِ خلت سے جسے صباحت کہا جاتا ہے آپ کے صدقے میں یہ فقیر بہرہ ور ہے لیکن میرا مجروح دل اس ملاحت کا طالب ہے تو یہ رباعی[2] اسی ملاحت کی شورش سے زبان پر آئی ہے:

تری زلف سے سر میں آشفتگی ہے | جنوں کی بھی ایسی نصیحت ہی ہے
ملاحت سے مجروح دل کیا ہوا ہے | کہ اس سے تو محشر بپا ہو گیا ہے

دوسرے معارف جو آپ نے ان دنوں عنایت فرمائے ہیں اگر کسی اور وقت یاد آ گئے تو خدمتِ اقدس میں عرض کر دوں گا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرا رُخ باہر کی طرف کم ہے اور عالم کی طرف توجہ نہیں حالانکہ حضور نے مریدوں کو تعلیمِ ذکر اور فیض رسانی کے لیے حکم فرمایا تھا لیکن عالم کی طرف توجہ نہ ہونے سے اس خدمت میں مناسبت نہیں پاتا۔ اب موجودہ نسبت میں گویا اس حدیث کا ایک راز ہے کہ "اللہ تعالیٰ ہی تھا اور اس کے ساتھ اور کوئی چیز نہ تھی اور وہ اب بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ پہلے تھا" ـــــ اور وہ عینِ بقا میں فانی ہے لہٰذا عینِ فنا میں باقی ہے ـــــ یہ آخری فقرہ حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ کے رسالہ قدسیہ میں ہے جو حضرت غوث العالمین خواجہ بہاء الحق والدین کے کلماتِ مبارکہ سے ماخوذ ہے (پوری عبارت اس طرح ہے:

"۔۔۔ جب عارف کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ وہ عینِ فنا میں باقی ہو جاتا ہے اور عینِ بقا میں فانی ہو تو جب وہ عینِ بقا میں فانی ہوتا ہے تو وہ (فنا) علمی ہوتی ہے"

---

[1] اس سے ظاہر ہے کہ یہ طویل مکتوب محمد ہاشم کشمیؒ نے اجمیر شریف کے سفر (۱۰۳۲ھ) کے بعد لکھا ہے۔

[2] فارسی متن میں رباعی ہے جس کا منظوم ترجمہ قطعہ میں کر دیا ہے۔

لیکن اس حالت میں کہ "عین فنا میں باقی ہو جائے۔" حضرتؒ نے نہیں بتایا کہ یہ بقا، علمی ہے یا اس کی حقیقت کچھ اور ہے۔ میں سمجھ رہا تھا کہ حضرتؒ نے اس کا مقابلہ خود ہی چھوڑ دیا تھا۔ بالآخر ایسا ظاہر ہوا کہ جب سالک عین بقا میں فانی ہو جاتا ہے تو اس کے علم میں فنا کی گنجائش تھی کیونکہ معاملہ، بقا پر مبنی تھا اور بقا میں علم رہتا ہے۔ مگر جب عین فنا میں باقی ہوا تو بقا کا علم نہیں ہو سکتا، کیونکہ ایسی حالت میں علم مفقود ہو جاتا ہے کہ وہ فنا پر مبنی ہوتا ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ علم، فنا کے معاملے کا مدرک ہے یعنی جس علم کے ذریعے سے عارف النسبت فنا سے مطلع ہوتا ہے وہ ایک پرتو ہے اس نور کا۔ اور وہ علم جو کمالات بقائیہ سے متعلق ہے وہ گویا "مَا يَجْرِيْ عَلٰى لِسَانِكَ اِلَّا مُسْتَدْرَكٌ" کی جاسوسی کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے۔ نہ یہ کہ وہ علم، سالک سے الحاق پالیتا ہے۔ بلکہ وہ اپنے ہی مرتبے میں ہے۔ کیونکہ وہ علم واجب تعالیٰ ہے۔ اور وہاں سے (اس مرتبے سے) اس معاملے پر نظر رکھتا ہے جس طرح کہ آفتاب کا پرتو گھر کے سوراخ پر پڑتا ہے اور اس کے احوال معلوم ہوتے ہیں۔ اور وہ نورِ خورشید تو اسی طرح اپنے مرتبے میں قائم ہے۔ اس سے زیادہ کیا تعبیر کر سکتا ہوں ؟ (اور جو کچھ کر سکتا ہوں وہ صرف) آپ (حضرت مجددؒ) کے باطنِ اقدس کے فیوضِ علم ہی سے کر سکتا ہوں۔ خدایا، تو میرے علم کو زیادہ کر دے!

اور آج کل نسبت کا ظہور دو طرح ہو رہا ہے۔ کبھی تو ذکر و فکر، توجہ، نگرانی اور طاعت کے ذریعے سے کہ ان ذرائع سے اس کے لیے راہ کشادہ ہو جاتی ہے اور کبھی بغیر ان ذرائع کے خود بخود بہت عظیم طریقے سے اس کا ظہور ہوتا ہے اور میں اس میں کلیۃً محو ہو جاتا ہوں اور میں اس نسبت میں اور اس کی اصل میں مشغول ہو جاتا ہوں۔ یہ دوسری طرح پہلے سے زیادہ لطیف ہے اور اسے سیر مرادی و محبوبی اور سیر معشوقی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(دیگر عرض یہ کہ) میں نے ایک رات اس شہر (برہانپور) کے ایک باغ میں تنہا گزاری۔ اس رات ظہورِ کلام سے ایسی نسبت کا فیض ہوا کہ حضور کی خدمت میں بالمشافہ ہی عرض کر سکوں گا۔ یہ تمام برکات، حضور والا کی ایک معمولی سی نظرِ کرم کی وجہ سے ہیں۔ ورنہ مجھ جیسے نالائق اور پست استعداد شخص کو ایسی باتوں سے کیا واسطہ؟

اپنی ہے شطرنج جیسی بُرد مات — یہ بھی صدقے میں ترے اے خوش صفات

اب آپ سے اس بات کی بھیک مانگتا ہوں کہ اس بندے کو اپنی مرضیات کا پابند کرادیں اور اس سگِ آستانہ کو پھر آستانے پر بلوالیں۔

خدا، سرو گلزار تک بھیج دے — مجھے اپنے دلدار تک بھیج دے

مجھے ہے اسی آستاں کی لگن — چلوں سر کے بل، یار تک بھیج دے

(یہاں مکتوب ختم ہوا)

خواجہ محمد ہاشم، فضائلِ صوری، اور علومِ رسمی میں تمام و کمال مہارت رکھتے تھے، خوش گفتار، شیریں سخن، نیکو خلق اور متواضع تھے۔ دلچسپ حکائتیں بڑے دلکش انداز میں بیان کرتے تھے۔ اُن کی تقریر و تحریر میں سوز و گداز تھا۔ جو کچھ آپ کہتے تھے وہ حال و ذوق تھا۔ صرف قال و مقال نہیں۔ آپ کے چہرے سے مستی و بیخودی ظاہر ہوتی تھی۔ تاریخ گوئی اور انشا پردازی میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ کے دلفریب اشعار، جان نشین ابیات، دل آویز دیوان جاں خراش مثنویاں، پُر لطف رسالے بڑی شہرت رکھتے ہیں۔ آپ کے بعض اشعار یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

ہست تارِ دلبرم با جانِ مجنون آشنا[1] — تارِ جانِ من بود با تارِ قانون آشنا

گر نہ بیگانہ ہوش آشنا شو با کسے — کز دروں بیگانہ شخلق ست و بیروں آشنا

کے شناسی مردمی چو مردمانِ چشمِ من — تا نہ گردی از ہجومِ گریہ با خوں آشنا

خالِ آں لب دیدہ کے عقلہا ماند بجائے — با چناں مے چوں شود زیں گونہ افیوں آشنا

ریش دل تا سود رشد زاں گیسوانِ مشکبار — زخمِ ایں افعی نمی ماند بہ افسوں آشنا

پے بہ روبر کار گردوں از ہلال و ماہ دسلخ — ہر کہ باشد با فریب لعل و اژدوں آشنا

شہد دانش را بہ تلخیہائے نادانی دہد — گر بود صفرائے ہاشم با فلاطوں آشنا

حضرت مجدد رح کی شان میں چند اشعار بطور مثنوی آپ نے لکھے ہیں:

زبا بے رام من ائے شکر شد — بدیں سودا سوئے ہر بام و در شد

---

[1] پہلا مصرع اردو ترجمہ میں اسی طرح ہے لیکن فارسی متن میں اس طرح ہے: ہست تا لیلیٰ گی با موئے مجنوں آشنا

رسید از بعدِ خسرو تحفۂ جانکاہ — بہ دکانے شکر ریزے بناگاہ
بہ پیرامونِ دکان لخلخۂ خاست — کز آشوبِ سفر سازد نفس راست
نکردہ کام شیرین آن فناکام — نباگہ عنکبوتش کردہ در دام
من اکنون آن ذبابے بے نوایم — بقیدِ افتادۂ بے دست و پایم
کہ از دشتِ عدم سودائے شکر — بہ دکانِ وجودم گشتہ رہبر
مشامم بوئے آن شکر نہ دیدہ — جہان در دامِ خسرانم کشیدہ
شکر ناطوطیم در خویش محبوس — زہندستانِ شکر ماندہ مایوس
چو یاد آرم شکر غلطیدنِ پیش — زنم بر چوبِ آہن سینۂ خویش
کنون چون ذکرِ ہندستان در افتاد — مرا عودِ جگر در مجمر افتاد
کہ آن قندے کہ شیرین تر ز جانست — کنون در خطۂ ہندوستان ست
یکے زین تنگِ شکر ہائے نیرنگ — سرایم کز شکیب آمد دلم تنگ
الا سودائیان شہریست در ہند — کہ اندر پائے او بنہادہ سر ہند
سوادش زلفِ رخسارِ فتوح است — غبارش توتیائے چشمِ روح است
ازین شہرے کہ نامش مضمر آمد — بعہدِ ما عجب کانے بر آمد
چہ معدن؟ معدنِ قندِ معانی — بہ شکرِ اوست این شکر فشانی
ازو پیدا بہ ہر شہرے دکانہا — روان در دشتِ جانہا کاروانہا
تو اندر حبسِ خود دائم نشینی — بدشتِ این کاروان را کے ببینی؟
جہان یک ذرہ قندش را بہا نیست — ولیکن مشتری غیر از گدا نیست
شکر بخشم ز نامش کامِ جان را — نئے شکر کنم کلکِ زبان را
سمیِ خاتمِ اہلِ بشارت — باسمے کز مسیحا شد اشارت
بود ہر حرفِ نامش رمزِ غایت — الف از راستی بگرفتہ رایت
بود قلابِ حا در سحرِ نامش — کہ اوصافِ شما آید بکامش
دہان شد میم تا باشد سخنگو — ز بدرِ کاردِ محمد مرشدِ اد

چهارم حرف کان چار ست دال ست
که فرع از چار نعمت ذی نوال ست

به سر وشت ولایت خیمه افراشت
ز بس شمع نبوت نور برداشت

زنامش اول و آخر شمردم
از آنجا سوی رمزی راه بردم

که شخصی نام برا اولی و اخری
ز رحمتها حت دریاب این معما

همی تنها به احمد او سمی نیست
چه گویم با کسی کش محرمی نیست

ز تجدیدش حدیث کهنه نو شد
کسی داند که در عشقش گرو شد

هزارا اندر چمن وستان گوارست
کجا این گل رونقِ باغ هزارست

ترا گر نیست فهم رازِ بلبل
ببین گل گر نداری در نظر گل

تذکیرش دلِ هر ذره حاضر
فَذَکِّرْ اِنَّمَا اَنْتَ مُذَکِّر

سراپا نسخهٔ اخلاق فاروق
به زهر منقصت تریاق فاروق

همین فرزندِ فاروق است چون آب
کزون نطق از زبانِ او کند دب

ز هر یک نقطه اش چون نافه پر
شمیم وصلِ جانان می زند سر

ولی آن کز برودت در زکام ست
چه داند نافه اش گر در مشام ست

زعفران گرچه صد دریا روان کرد
یکی گفت و صدِ دیگر نهان کرد

اگر ظاهر کند اسرار مورے
بدو اندازد به هفت افلاک شورے

بسی پیرانِ به نزدش طفلِ راه اند
چو من هم تشنهٔ نیم نگاه اند

بصحرای سمند انگیخت این شاه
که تا اندار شاد را جمازه دور داه

ملاحتهای ذاتی را درین خوان
بدا و ظرفِ حبیب الله نمکدان

صباحتهای آن قند مصفی
سرِ خوانِ خلیل آمد مهیا

عنایت های ازلی رشته در آمیخت
بجام فطرتِ والای او ریخت

خلیلا! تلخ کامم هست سینه ریشم
شود یک شب کنی مهمانِ خویشم

نمک بیزی بر ریشم زبان ملاحت
شکر ریزی بکامم زبان صباحت

سوی خوانِ خلیل آن پیرِ کافر
نبال آمد ز نابیسان شد توانگر

کنون ایں طفلِ معدن آں بہیرِ مخزون | بدیں نان آمدہ باقسبرِ چوں لون
نمک بیزدِ بمیں تا بسورِ جرہ نفش | شکر بیزد جبیں صفرلے ایمانش
زبودم سراپا سنگِ خارہ | ہم از افسردگی ننگِ شرارہ
بدِ طولائے وقت شد فلاخن | زدوا ز آوارگی بہ سینہ ناخن
کنون گر خارہ ام زیں دشت بیز خارے | فگندم شورشِ دل در نمک سار
زسنگ آں بود کیں ہمت گمارد | وگر کاں دارد و کارے نہ دارد

نگر صراحیِ مے راکہ از طریقۂ ماست | کہ گاہ قہقہہ صد گریہ در گلو دارد
کجاست سوزنِ مژگاں کجاست تارِ سرشک | کہ پارہ پارہ دلِ من سرِ رفو دارد
لباسِ فاختگاں گرانی ازچہ اسپید است | کہ سرو باغ نشینی بطرفِ جو دارد
گہ نظارۂ او، دل برہمِ ابروئیش | زگفتگوئے لبش بستہ گفتگو دارد
ہزار تربہ بدیوانگان عشق کہ یار | ہزار سلسلہ در ہر شکنجِ مو دارد
بکعبہ سجدہ کناں خلق و سجدۂ ہاشم | بہ دلبرے کہ دلِ کعبہ رو بروِ دارد[1]

قدسیہ —— آپ فرماتے تھے کہ اُس زمانے میں جب کہ حضرت مجددؒ نے مجھے رابطہ در حفظِ صورت کا حکم دیا تھا مجھے آپ سے عشق ہو گیا تھا۔ ایک دن یہ رباعی لکھ کر آپ کو سنائی :

اے آنکہ ملائک مگسِ قندِ تو اند | دل سوختگانِ عشق اسپندِ تو اند
کانِ نمک از لعلِ تو آوارہ بہ کوہ | عالم ہمہ در شورِ شکر خندِ تو اند

حضرتؒ نے پہلا مصرعہ سنتے ہی فرمایا کہ کسی کی مدح اس طرح نہیں کرنی چاہیے کہ کسی دوسرے بزرگ کی قدح ہو جائے۔ ملائکہ بہت بزرگ ہیں۔ ملائکہ کو "مگسِ قند کہے" کہنا مناسب نہیں۔ مجھے اپنے اس قول کی سند کے لیے مولانائے رومیؒ کا یہ شعر ذہن میں آیا کہ :

بے عنایاتِ حق و خاصانِ حق | گر مَلک باشد سیہ ہستش ورق

---

[1] یہ غزل ہے لیکن یہاں مطلع نہیں لکھا گیا۔

یہ شعر میرے ذہن میں آیا تھا کہ آپ نے فرمایا کہ "کہیں ایسا نہ ہو کہ تم نے مولوی رومؒ کے اس شعر پر تکیہ کر لیا ہو۔ "خاصانِ حق" سے مولوی رومؒ کی مراد انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہوں گے۔ پھر انھوں نے تو "گر ملک باشد" کہا ہے۔ یعنی اگر ہم فرض کر لیں اور کہیں کہ "اگر فرشتہ بھی ہو" یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مولوی رومؒ نے سُکر کے عالم میں ایسا کہہ دیا ہو۔

کرامت ـــــ آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ ایک دن تلاوت میں سورۂ بنی اسرائیل کی یہ آیت میں نے پڑھی۔ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ (پ۱۵ ع۹) (تہجد ادا کرو یہ خاص تمہارے لیے زیادہ ہے قریب ہے کہ تمہیں تمہارا رب ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمہاری حمد کریں) خیال آیا کہ شاید مقامِ محمود کی برکتیں حاصل کرنے کے لیے (جو کہ مقامِ شفاعت ہے) نمازِ تہجد ادا کرنا کوئی خصوصیت رکھتا ہوگا۔ اور یہ بات حضرت مجددؒ سے دریافت کرنا چاہیے۔ اس ارادے سے میں حضرتؒ کی خدمت میں پہنچا۔ آپ اس وقت وضو کرنے والے تھے۔ جونہی میں نے دیکھا تو دریافت فرمایا کہ "تہجد پڑھا کرتے ہو؟" میں نے عرض کیا کہ اکثر پڑھ لیا کرتا ہوں۔ فرمایا "جو شخص چاہتا ہے کہ مقامِ محمود سے جو کہ مقامِ شفاعت ہے برکات حاصل کرے تو نمازِ تہجد پابندی سے ادا کرے" اور آپ نے وہی آیت تلاوت فرمائی۔ میں نے حضرت کے قدموں میں سر رکھ دیا اور عرض کیا کہ میں اِس وقت اسی کے متعلق دریافت کرنے کے لیے حاضر ہوا تھا۔ الحمد للہ کہ حضرتؒ کی کرامت سے یہ مقصد بغیر عرض کیے ہوئے حاصل ہو گیا۔

کرامت ـــــ آپ نے یہ بھی بتایا کہ حضرتؒ عموماً ہر مرید کو مکتوب تحریر فرماتے ہیں تو مجھ فقیر کو بھی یہ تمنا دل میں پیدا ہوئی اور خیال آیا کہ وہ مکتوب جو میرے نام آئے گا۔ وہ مکتوبات دفتر اوّل میں آخری مکتوب ہوگا کہ میں حضرتؒ کا آخری اور سب سے کمتر مرید ہوں۔ حضرت نے میری یہ تمنا اپنے اشراقِ باطنی سے معلوم فرما لی اور مجھے مکتوب (نمبر ۳۱۳) تحریر فرمایا کہ اُس کے آخر میں یہ بھی لکھ دیا کہ اسی مکتوب پر جو کہ خواجہ محمد ہاشم کے نام ہے۔ اس دفتر اوّل کو جو رسولوں (علیہم السلام) اور اصحابِ جنگ بدر (رضی اللہ عنہم) کی تعداد کے مطابق (۳۱۳ مکتوبات پر مشتمل ہے) ختم کیا جائے۔ پس مجھے اپنا مقصود حضرتؒ کی کرامت سے حاصل ہو گیا۔

اب یہاں خواجہ محمد ہاشمؒ کی چند کرامتیں بیان کی جاتی ہیں :-

کرامت — خواجہ محمد ہاشمؒ کا ایک مرید بیان کرتا تھا کہ ایک مرتبہ میں نے نذر مانی کہ اگر میرا گھوڑا فروخت ہو جائے گا تو میں اتنی رقم خواجہؒ کو پیش کر دوں گا۔ اتفاق یہ ہوا کہ میرا گھوڑا فروخت تو ہو گیا لیکن نذر ادا کرنے میں دو تین روز گزر گئے۔ ایک دن جب میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو میری تھیلی میں رقم موجود تھی۔ خود ہی فرمایا کہ "یہ رقم جو تمھاری تھیلی میں ہے اس میں ہمارا بھی حصہ ہے تو پھر کیوں ادا نہیں کرتے؟" یہ بات سنتے ہی میرا حال دگرگوں ہو گیا۔ میں نے فوراً نذرانہ کی رقم تھیلی میں سے نکال کر پیش کر دی۔

کرامت — خواجہؒ کے ایک مرید نے بتایا کہ سپاہی گری کے زمانے میں ایک جنگ میں ہمیں شکست ہوئی۔ ہمارے آدمی اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ رہے تھے اور میں بھی حضرت خواجہؒ کو یاد کرتا ہوا گھوڑا دوڑا رہا تھا۔ اتفاقاً اس پریشانی اور اضطراب میں خانۂ زین سے میں جدا ہو کر میں گھوڑے کے سُرین پر آ گیا۔ اتنے میں حضرت خواجہؒ تشریف لے آئے اور بڑی قوت سے مجھے اٹھا کر خانۂ زین پر بٹھا دیا اور فرمایا کہ "ٹھیک طریقے سے بیٹھو۔" میں جب ٹھیک بیٹھ گیا تو فرمایا، "جاؤ۔ (انشاء اللہ) سلامتی سے چلے جاؤ گے۔" اللہ پاک نے مجھے آپ کی توجہ سے بخیریت پہنچا دیا جب کہ اکثر فوجی ساتھی مارے گئے۔

آپ کے خوارق و کرامات عجیب و غریب سُننے میں آتے ہیں لیکن اس زمانے کے لوگ ایسی باتوں کو سُننا گوارا نہیں کرتے اور لوگ سمجھ بھی نہیں سکتے۔ اس لیے قلم کو روک لیا گیا ہے۔

آپ کی وفات سنہ[1] میں برہان پور میں ہوئی۔

---

[1] حضرات القدس میں یہاں سنہ کے اوپر عدد نہیں ہیں۔ خالی چھوڑ دیا گیا ہے۔ لیکن خواجہ محمد ہاشمؒ نے "مکاشفاتِ عینیہ (مجددیہ)" (بہ اسم تاریخی) ۱۰۵۳ھ میں مختلف مسودات کی مدد سے مرتب کی تھی اس لیے ظاہر ہے کہ اس کے بعد میں اُن کا انتقال ہوا ہو گا۔ برہان پور میں لوحِ مزار پر سالِ وفات ۱۰۴۵ھ لکھا ہوا ہے۔ غالباً اس کے ہندسے تبدیل ہو گئے ہیں اور ممکن ہے کہ ۱۰۵۴ھ میں آپ کا انتقال ہُوا ہو گا۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

(۱۹) شیخ آدم بنوری قدس سرہٗ

شیخ آدم بنوری قدس سرہٗ، حضرت مجددؒ کے مشہور خلفاء میں سے تھے اور جلیل القدر اصحاب میں شمار ہوتے تھے۔ آپ نے تھوڑی سی صحبت ہی میں فوائد کثیر، احوال و مقامات عظیم، مراتب و درجات فخیم اپنی استعداد اور صلاحیت بلکہ حضرتؒ کی توجہ اور تصرف کی وجہ سے

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) آپ کا قلمی دیوان، انڈیا آفس لائبریری لندن میں محفوظ ہے۔ اس کا نمبر ۲۸۹۸ ہے۔ اس میں مختلف اصناف سخن ہیں اور معاصرین سے متعلق بہت سے قطعات تاریخ ہیں۔ حضرت مجددؒ کے وصال پر ۹۳ فقرے تاریخ کے آپ نے لکھے تھے جن کا ذکر حضرات القدس کے حضرت دوم میں ہے۔ اسی میں میر محمد نعمانؒ کے تاریخی فقرے اسی قدر درج ہیں۔ خواجہ محمد ہاشمؒ نے زبدۃ المقامات میں حضرت مجددؒ کے وصال پر بہت سے اشعار درج کیے ہیں۔ اور بہت درد انگیز مرثیے لکھے ہیں۔ عربی میں بھی ایک قطعۂ تاریخ ہے۔ کتاب کے آخر میں بھی آپ کی رباعیات ہیں۔ اور درمیان میں بھی جگہ جگہ آپ کے اشعار ہیں۔

حضرات القدس (دفتر اول۔ ترجمہ۔ صفحہ ۲۵۰) میں ہے کہ میر محمد نعمانؒ کی بچی حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی گود میں تھی تو اس نے آپ کی داڑھی کا ایک بال نوچ لیا تھا۔ وہ بال میر محمد نعمانؒ کے گھر میں محفوظ تھا۔ یہی بچی حضرت محمد ہاشم کشمیؒ کی اہلیہ تھیں۔ (دیکھیں زبدۃ المقامات۔ ترجمہ صفحہ ۱۸)

مکتوبات شریف میں آپ کے نام مکتوب یہ ہیں: ا/۲۹۰-۳۱۰-۳۱۲-۲/۷۱-۹۳-۹۷-۳/۳-۴۲-۵۲-۶۸-۷۵-۹۰-۹۲-۹۶-۹۹۔ ڈاکٹر سراج احمد خان کی کتاب میں (صفحہ ۹۱-۹۳) کچھ مزید مکتوبات کا حال بھی ہے جن میں آپ کا ذکر آ گیا ہے۔

برہان پور میں حضرت خواجہ محمد ہاشمؒ کا مزار عیدگاہ کے قریب پانڈہ رول ندی کے کنارے پر تھا۔ ۱۲۷۰ھ میں سیلاب آیا تو آپ نے خواب میں شہر کے مختلف ائمہ مساجد کو خواب میں فرمایا کہ میری قبر کو وہاں سے منتقل کر دو۔ (اب آپ کا مزار ہائی اسکول کے بلند میدان میں واقع ہے) جب مزار کو کھولا گیا تھا تو آپ کا جسم اطہر بالکل صحیح و سالم اور بہت معطر تھا۔ اس موقع پر شہر کے سربرآوردہ لوگ موجود تھے۔ جشن بھی منایا گیا تھا اور کتابچے بھی شائع کیے گئے تھے۔

حاصل کیے اور خلافت کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔ آپ اتباعِ سنّت اور رفعِ بدعت میں مشہور تھے اور شریعت و طریقت میں کمال استقامت رکھتے تھے۔ آپ کا شیوہ یہ تھا کہ سخاوت اور نفقۂ موجود کو خرچ کرتے ہیں محتاج و تونگر، غریب و امیر، خادم و مخدوم، فرزند و درویش کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے تھے۔ آپ کے نیک اور صالح درویش پوری جمعیت اور کامل طہارت کے ساتھ کھانا پکاتے اور سب کو برابر برابر تقسیم کرتے۔ آپ کی مجلس میں ریا اور دکھاوے کی گنجائش نہ تھی۔ اور آپ کی محفل میں فقیر پر غنی کی کوئی فضیلت نہ تھی۔ امر معروف اور نہی منکر آپ کا طریقہ تھا بخصوصیت کے ساتھ اہلِ دنیا کو ایسی سختی اور کرختگی سے بات کہتے کہ کسی اور میں اس طرح کہنے کی جرأت نہ تھی۔ ایسی شدت اور سختی کے باوجود آپ کی بات کا بڑا اثر ہوتا تھا۔ چنانچہ جس سے بھی آپ فرماتے اور جو کچھ فرماتے بہت جلد اثر ہوتا اور لوگ اُسی وقت توبہ و انابت پر آجاتے۔ آپ کی گفتگو اکثر امرِ معروف یا حقائق و معارف پر ہوتی۔ رسمی طور کی باتیں آپ سے بہت کم سنی گئی ہیں اور اگر بالفرض کبھی ایسی بات ہوتی تو اس کے ضمن میں نصیحت اور حکمت ہوتی اور آپ کی صحبت تمام بری باتوں، برے اخلاق اور دنیا کی محبت سے پاک صاف کر دیتی ہے۔ آپ اپنے زمانے میں روئے زمین کے مشہور مشائخ میں سے تھے۔ آپ کے خلفاء ایک سو کے قریب اور آپ کے مریدین ایک لاکھ بلکہ اس سے زیادہ ہوں گے۔ غرض کہ آپ کو بہت زیادہ مقبولیت حاصل تھی اور اطرافِ عالم سے لوگ جوق در جوق چلے آتے تھے اور آپ کی صحبت کی سعادت حاصل کر کے تائب ہوتے تھے۔ اکثر اوقات درویشوں اور فقیروں کی کثیر جماعت آپ کے ساتھ ہوتی تھی اور سب کو برابر برابر کھانا دیا جاتا تھا۔

آپ کا اصلی وطن مردہ تھا۔ آبا کی طرف سے آپ سید تھے لیکن آپ کی دادی قوم افغان سے تھیں۔ کسی وجہ سے انھوں نے سرہند کے مضافات تکور میں وطن بنا لیا تھا۔

قدسیہ — شیخ نے مجھ حقیر سے بتایا تھا کہ میرے والد نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو واقعے میں دیکھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینۂ مبارک پر اپنا ہاتھ پھیرا اور کوئی چیز اس سے نکال کر میرے والد کو دی کہ کھا لو۔ میرے والد نے وہ کھا لی۔ اس کے بعد میں اپنی والدہ کے پیٹ میں آگیا اور اب مجھے بتایا گیا کہ میرا وجود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسی عطیہ مبارک سے ہے۔

قدسیہ — شیخ نے اس فقیر کو یہ بھی بتایا کہ میری والدہ نے واقعے میں دیکھا کہ چراغ حکمت روشن کیا گیا ہے اور اُسے مکان کی چھت سے لٹکا دیا گیا ہے۔ جب والدہ نے یہ خواب میرے والد کو بتایا تو انھوں نے تعبیر کی کہ تمہارا ایک نورانی بیٹا پیدا ہوگا۔

قدسیہ — شیخ نے یہ بھی اس فقیر سے کہا کہ میں نے پہلے حضرت مجددؒ کے خلیفہ حاجی خضر کی خدمت میں (جن کا حال اوپر گزرا) طریقۂ ذکر سیکھا تھا۔ اور احوالِ عالیہ بھی حاصل ہوئے تھے۔ جب میں نے حاجی صاحب کو اپنے واردات بیان کیے تو انھوں نے فرمایا کہ "اس سے زیادہ مجھے نہیں آتا۔ اب تم حضرت مجددؒ کی خدمت میں جاؤ"۔ میں حاجی صاحب کی اجازت سے حضرت مجددؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے حاصل شدہ واردات آپ کی خدمتِ عالیہ میں عرض کیے۔ آپ نے فرمایا کہ "یہ تو ابتدائی حالات ہیں، کمال ابھی نہیں ملا"۔ میں اس بات سے یہ سمجھا کہ حضرتؒ نے میرا شوق بڑھانے کے لیے ایسا فرمایا ہے ورنہ اس سے زیادہ اور کیا کمال ہوسکتا ہے۔ لیکن چونکہ مجھے حضرتؒ سے بہت عقیدت تھی اس لیے خدمت ہی میں رہا۔ کچھ عرصے کے بعد معلوم ہوا کہ جو واردات مجھے حاصل ہوئے، حضرتؒ کی خدمت میں رہنے سے جو کچھ حاصل ہوا ہے اس کے مقابلے میں وہ تو ابتدائی بھی کہلانے کے قابل نہیں۔ چند ماہ کے بعد حضرت نے مجھے خلوت میں بلا کر اجازتِ ارشاد اور خلافت فرما کر بتور کے لیے رخصت فرما دیا۔ وہاں میں نے محض حکم کی تعمیل میں کچھ لوگوں کو ذکر کا طریقہ بتایا۔ لیکن میرا دل، مسندِ مشیخت پر بیٹھنے کو راغب نہ ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ جب کچھ عرصے کے بعد حضرتؒ کی خدمت میں حاضری سے مشرف ہوا تو حضرتؒ نے کشف سے معلوم فرما لیا کہ مجھے اس کام میں سرگرمی نہیں ہے۔ فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ تم سے پوچھے گا کہ ہدایت دینے کی صلاحیت کے باوجود تم نے خود کو ہدایت دینے سے الگ کیوں رکھا؟" — چنانچہ حضرتؒ نے اس کام کے لیے تاکید فرمائی اور اصرار بھی فرمایا تو مجبوراً اس کام میں سرگرمی سے مصروف ہوگیا۔"

(یہاں اُن کا قول ختم ہوا)۔

۱۰۵۳ھ میں شیخ ایک مخلص کی التماس پر اور اس کے ساتھ کیے ہوئے وعدہ کے ایفاء کے لیے دارالسلطنت لاہور تشریف لے گئے۔ بادشاہِ وقت (شاہجہاں) کو خبر ہوئی۔

چونکہ شیخ کے ساتھ افغانوں وغیرہ کی ایک کثیر جماعت تھی اس لیے بعض لوگوں نے بادشاہ کے کان تک ان کی آمد کی اطلاع دوسرے طریقے سے (یعنی بدگوئی سے) پہنچائی جو بادشاہ کو ناگوار ہوئی[1]۔ چونکہ شیخ کو بہت عرصے سے حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا شوق تھا۔ اس لیے شیخ لاہور سے واپس اپنے وطن آکر حرمین شریفین کے لیے روانہ ہو گئے۔ حج ادا کرنے کے بعد آپ مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور وہاں چالیس روز حرم مسجد میں قیام کی اجازت حاصل ہوئی اور وہاں بھی آپ کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ پھر آپ نے وہاں سے واپسی کا ارادہ کیا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے بشارت پائی کہ "اے میرے فرزند، تم میرے پڑوس میں رہو" اس لیے آپ وہیں رہ گئے۔ یہاں تک کہ ماہ شوال ۱۰۵۴ھ[2] میں آپ کا انتقال ہوا اور حضرت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے روضہ اقدس سے تھوڑے فاصلے پر آپ دفن ہوئے کہ روضہ کا سایہ آپ کی قبر پر پڑتا تھا۔

---

[1] اردو ترجمہ میں اس جملے کے بعد یوں ہے: "اس (بادشاہ) نے مکہ معظمہ چلے جانے کے لیے آپ کو حکم دیدیا۔"

[2] اردو ترجمہ میں یہاں ۱۰۵۳ھ درج ہے (فارسی متن میں یہ جگہ خالی ہے) لیکن ۱۰۵۳ھ صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس سال شیخ لاہور میں تھے اگر فوراً حج کو چل دیے ہوں گے تو اس سال کے ماہ ذی الحجہ میں حج ادا کیا ہوگا، پھر مدینہ منورہ حاضر ہوئے تھے! اس کے بعد شوال ۱۰۵۳ھ میں نہیں بلکہ ۱۰۵۴ھ ہی میں آ سکتا تھا۔ روضۃ القیومیہ (صفحہ ۲۱۴-۲۱۵) نزہۃ الخواطر (ج ۵۔ صفحہ ۱-۲) وغیرہ میں شیخ کے حالات اور بھی ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ اُمّی تھے لیکن فیض روح القدس سے آپ نے قرآن حفظ کیا اور علوم ظاہری بھی حاصل کیے۔ پہلے لشکر شاہی میں ملازم تھے۔ ایک جنگ میں ایک ہندو کے پجاری کا استغراق دیکھ کر اُسے قتل کرنے کے بعد بہت متاثر ہوئے اور تصوف میں داخل ہوئے۔ اپنی تصنیف نکات الاسرار میں حضرت مجدد سے مستفیض ہونے کا واقعہ لکھتے ہیں کہ اجمیر شریف میں حقیقت محمدی و حقیقت قرآن کی بشارت حاصل ہوئی، حضرت مجدد کے وصال کے بعد دو سال تک سرہند شریف میں حاضر رہے۔ مکتوبات مجددیہ میں آپ کے نام کوئی مکتوب نہیں ہے۔ البتہ مکتوبات معصومیہ (دفتر سوم۔ نمبر ۷) میں میرزا امان اللہ برہان پوری کے حالات کے ذیل میں ہے کہ وہ میر منصور کی قبر پر (مکہ معظمہ) میں حاضر ہوئے تو بہت نادم تھے کہ انھوں نے حضرت مجدد کی مجلس چھوڑ کر شیخ آدم کو کیوں پکڑا تھا۔ اسی طرح شیخ تاج سنبھلی بھی اپنی قبر میں نادم تھے۔ زبدۃ المقامات کے صفحہ ۲۷۷ میں شیخ آدم بنوری کا ذکر عام خلفاء کے ساتھ ہے۔

ذکر مؤلفِ کتاب حضرات القدس شیخ بدرالدین

یہ مسکین بدرالدین (جامعِ ایں کتاب) عفی عنہٗ اس قابل نہیں کہ خود کو حضرت مجددؒ کے مریدوں کے زمرے میں شامل کرے لیکن چونکہ آپ کی زبانِ الہام ترجمان سے بعض کلمات مبارک سنے تھے اور آپ کے خوارق دیکھے تھے اور آپ کے احوال اور واردات سے آگاہ ہوا تھا اور اس کتاب مستطاب کو اسی غرض سے تالیف کیا ہے، اس لیے یہ ایک اتفاق ہے کہ مجھ غریب کا نام بھی اس جماعت میں شامل ہو رہا ہے۔

یہ فقیر پندرہ سال کا تھا کہ حضرت مجددؒ نے مجھے مرید فرمانے کی سعادت سے مشرف فرمایا تھا۔ اور جس وقت آپ نے مجھے اسمِ ذات کا ذکر بتایا تو آپ بھی متوجہ و مراقب ہوئے اور بندہ بھی ذکر میں مشغول ہوا۔ اتفاق یہ ہوا کہ میں حبسِ دم کے ساتھ اسمِ ذات کا ذکر کر رہا تھا۔ آپ کو کشف سے معلوم ہو گیا تو فرمایا کہ اسمِ ذات کے ذکر میں حبسِ دم نہیں ہے۔ بغیر حبسِ دم کے ذکر کرو۔ اس کے بعد میں نے آپ کے فرمانے کے مطابق ذکر کیا اور اسی مجلس میں میرا ذکر جاری ہو گیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ چند روز تک اپنی کتابوں کا سبق اور طلبہ سے سبق کی تکرار چھوڑ دو تاکہ ذکر تمہارے دل میں اچھی طرح قائم ہو جائے۔ پھر فرمایا کہ اپنے ذکر کے شغل کو مت چھوڑنا کہ تمہارا میلان کسی دوسری طرف ہو جائے۔ پھر تو ایسا ہی ہوا کہ کتابوں کا پڑھنا اور حضرتؒ سے جدا ہونا بالکل بند ہو گیا اور وہ ذکر میرے دل کا ملکہ بن گیا کہ اگر میں چاہوں بھی کہ ذکر نہ کروں تو وہ ممکن نہ تھا۔ گویا میں بے اختیار ہو گیا۔ اس کے بعد وہ ذکر سینے کی داہنی طرف کہ مقامِ روح ہے منتقل ہو گیا۔ پھر وہ بائیں طرف اور قلب کے نیچے کہ مقامِ سِر ہے منتقل ہو گیا۔ اس کے بعد سیدھی طرف مقامِ روح کے نیچے کہ مقامِ خفی ہے وہ ذکر منتقل ہوا۔ پھر وسطِ سینہ میں کہ مقامِ اخفیٰ ہے وہ ذکر بیٹھ گیا۔ اور ایک عرصے تک یہی حال رہا، پھر تمام بدن میں ذکر سرایت کر گیا اور ہر بال اور ہر عضو ذاکر ہو گیا۔ پھر تو میں نے ہر درخت اور ہر ڈھیلے کو ذاکر پایا۔ چنانچہ ایک

دن جب میں نماز چاشت کے لیے وضو کر رہا تھا ایک بوڑھی عورت سامنے سے گزری۔ اتنے میں دیکھا کہ تجلیِ ذاتِ الٰہی کا پرتو پڑا اور اللہ تعالیٰ اس لباس میں ظہور فرما رہا ہے۔ اس کے بعد ہر چیز جو نظر آئی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس لباس میں جلوہ فرمایا ہے۔ پھر تو میں نے خود کو بھی ویسا ہی پایا جیسا کہ میں دوسروں کو دیکھ رہا تھا۔ گویا اس حقیر کا تمام باطن باہر نکال کیا گیا ہے اور اکثر ظاہر بھی اس کے ساتھ چلا گیا ہے۔ اور اگر کوئی شخص مجھ سے بات کرتا، یا میں کسی سے بات کرتا تو میں یہ معلوم نہ کر سکتا تھا کہ اس نے کیا کہا اور میں نے کیا کہا۔ اور اگر کبھی مجھے میرا باطن واپس مل جاتا تو میں دیکھتا کہ کسی قسم کا کوئی اثر، دنیا کا، نہ دین کا، اس راستے میں باقی ہے اور (وہ باطن) آئینے سے زیادہ صاف ہے لیکن میں نہیں جانتا تھا کہ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں۔ اس کے بعد حضرتؒ کی توجہ سے تنزیہ اور تقدیس نے پرتو ڈالا اور تشبیہ و توحید[1] رخصت ہوئی حق تعالیٰ کو غیب الغیب پایا اور اس کی صفات کو اس کی ذات کی طرح غیب الغیب پایا۔ اس کو اپنی زبان و عبارت کی تنگی کی وجہ سے غیب الغیب کہا ہے۔ ورنہ اس لفظ کے اطلاق کی وہاں گنجائش نہیں ہے اور اس ذاتِ والا کو دنیا کے ساتھ کسی صورت میں کسی طرح کی نسبت میں ثابت نہ پاتا تھا اور نہ اس کی صفات کو ایسا پاتا تھا۔ بلکہ اپنی طرح کل بنی نوع انسان کو اس ذاتِ پاک سے بے مناسبت بھی پاتا تھا اور اس کی معرفت سے عاجز اور اس تک پہنچنے سے پریشان پاتا تھا۔ اور بے مزگی اور بے ذوقی، نیز کمال یاس و ناامیدی سے متصف پاتا تھا اور کبھی غلبۂ یاس اس حد تک بڑھ جاتا تھا کہ کپڑے پھاڑ کر جنگلوں کی طرف بھاگ جانے کو جی چاہتا تھا اور کبھی خود کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتا تھا کہ اس یافت و نایافت کے غم سے نجات پاؤں۔ اسی حالت میں اکثر گریہ و زاری کرتا تھا اور سینہ خراشی کرتا تھا۔ لیکن حضرت مجددؒ کو ہمیشہ اپنے ساتھ اور اپنی آنکھوں سے دیکھتا تھا کہ آپ تشریف لا کر تسلی دیتے تھے۔ کچھ مدت کے بعد یہی کیفیت پھر پلٹ کر آجاتی اور آپ پھر تسکین دیتے تھے۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ کو عالم سے مستغنی اور بے نیاز پاتا اور خود کو اس سے دور اور دور تر دیکھتا تو سلبِ ایمان اور عذابِ اخروی سے

---

[1] اردو ترجمے میں "توحیدِ تشبیہی" ہے۔

لرزتا تھا اور یہ غیب الغیب تعالیٰ یافت تاریک پردوں کے ضمن میں تھے۔ پھر جب یہ تاریک پردے ظاہر ہونے لگے اور ان کی سیر بھی قطع کر کے آگے بڑھا تو چند اور پردے جو نظر میں آئے ان میں سے بھی گزار دیا گیا لیکن ان کی تفصیل سے آگاہی نہیں فرمائی گئی۔ اور اس سے پہلے جو سیر حاصل ہوئی تھی اُس کی نوعیت دوسری تھی کہ اُس حالت میں ہر حجاب کے بعد اللہ تعالیٰ کے قرب کا تعین ہو جاتا تھا لیکن جب وہاں پہنچا تھا تو حق تعالیٰ کو اس حجاب سے اور پرے پاتا تھا۔ لیکن اس حالت میں کسی جگہ اس کا تعین نہ ہوتا تھا اور جو چار پانچ یا دس بیس پردے نظر میں تھے اُن سب سے پرے اس کو پاتا تھا بلکہ نہیں پاتا تھا۔ حیرت اور لاعلمی بڑھتی جاتی تھی اور تعین و تشخیص کا نام نہ تھا۔ یہ عجیب غریب معاملہ تھا کہ امید اور نا امیدی ایک دوسرے سے دست و گریباں تھے۔ اس اثنا میں جب کہ میں یہ دوسری حالت حضرتؒ سے تنہائی میں عرض کر رہا تھا۔ آپ کے سب سے بڑے صاحبزادے خواجہ محمد صادقؒ (م ۱۰۲۵ھ) تشریف لے آئے۔ حضرتؒ نے اُن سے فرمایا:

"تم نے سنا کہ بدرالدین معطل ہو گئے ہیں" اور آپ مسکرائے۔ پھر فرمایا کہ "کچھ ڈر نہیں۔ ایسے احوال، اصالت مآل ہیں جو سالکوں پر وارد ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن شکر کرو کہ یہ عالم تنزیہ میں ہیں، تشبیہ میں نہیں جہاں قدم ڈگمگا جاتے ہیں اور ضلالت و تاریکی آ جاتی ہے۔ اکثر لوگ تشبیہ کی راہ سے گئے ہیں، تنزیہ کی راہ سے نہیں گئے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم صرف تنزیہ رہی ہے۔

ایک بار حضرت مجددؒ کی خدمت میں عریضہ لکھا تھا۔ وہ یہاں بجنسہٖ نقل کیا جاتا ہے:۔

عرضداشت ــــــ قبلہ من! مراتب ترقیات، تقدیس و تنزیہ کی رو سے ہر روز اور ہر ساعت نئے نئے انداز سے ظاہر ہوتے ہیں اور عجیب غریب باریکیاں اچھوتے طریقوں سے ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔ مگر ایک حال کے گزر جانے کے بعد وہ بہت کم یاد رہتا ہے بلکہ بالکل فراموش ہو جاتا ہے اس طرح کہ گویا وہ حال کبھی تھا ہی نہیں۔ پھر یہ کہ عرضداشت کرنے میں دو چیزیں اور بھی مانع ہیں۔ ایک تو یہ کہ مجھے یقین ہے کہ حضور پر منکشف ہو جاتا ہے کہ مریدوں کے احوال کیا ہیں خصوصاً اس حقیر کا حال کہ میں اپنے باطن کو حضور کے باطن کے مقابل پاتا ہوں اور جو کچھ کمالات حضور کے باطن پر وارد ہوتے ہیں وہ اس حقیر کے باطن پر بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ وجدان

میں بھی اور مجمل طور یقینے پر بھی۔ یعنی جس طرح کہ آئینے میں ایک صورت دوسری صورت کا عکس ہوتی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حضور کی کتابوں اور رسالوں میں پڑھا ہے کہ "احوال و مواجید پر اعتبار نہ کرنا چاہیے بلکہ کم ہمت اس مقصد کے لیے باندھنا چاہیے کہ احوال کے بنانے والے تک پہنچا جائے۔" اسی لیے یہ حقیر اپنے احوال کا چنداں اعتبار نہیں کرتا بلکہ کوشش کرتا ہے کہ احوال کے بنانے والے کی خوشبو پا جائے۔ اب اس گستاخی کا سبب (یعنی عرض کرنے کا مقصد) یہ ہے کہ کم و بیش ایک ماہ سے اس عالم کو اور ہر وہ چیز جو اس سے پہلے مجھے موجود و متحقق تھی اپنے باطن کی نظر سے دور اور معدوم جاننے لگا ہوں اور اس سے نسیان پیدا ہو گیا ہے استغفر اللہ۔ نسیان کیسے تھا کہ نسیان والا ہی موجود نہیں۔ لیکن وہ (حق سبحانہ) موجود ہے اس تنزیہ کے ساتھ کہ جس کی تعبیر، قلم کی زبان سے تقریباً محال ہے۔ ہاں اتنا کہا جا سکتا ہے کہ وہاں (تنزیہ میں) حیرت اور نادانی کے سوا کچھ نہیں اور وہاں اثبات احکام و اعتبارات اور اوصاف سلبی و ثبوتی، عین زندیقیت ہیں۔ ایسی حالت میں بطور القا یہ ظاہر ہوا کہ یہ فنا، دائرہ عروج قلب کے پورا ہونے کے بعد ہے۔ اس حالت کی صحت یا خامی کے متعلق اشارت فرمائیں! اور اس مقام میں خود کو گناہوں سے محفوظ لوگوں میں دیکھتا ہوں، تو یہ کیا معاملہ ہے؟

حضرت مجدد نے اس عریضے کے جواب میں تحریر فرمایا کہ "یہی فنا و بقا ہے کہ جس سے ولایت متحقق ہو جاتی ہے۔"

مخدوم زادہ محمد صادق نے میری اس تحریر پر کہ "جو کچھ کمالات حضور کے باطن پر وارد ہوتے ہیں وہ اس حقیر کے باطن پر بھی ظاہر ہوتے ہیں" تعجب کیا (اور فرمایا کہ) "بہت بلند ہیں۔" حضرت مجدد نے فرمایا کہ "تعجب کی کیا بات ہے کہ وہ اپنی استعداد کے مطابق فیض حاصل کرتا ہے۔" اور یہ مصرع پڑھا: ع جتنا آئینہ ہے اتنا حسن آئے گا

اس کے بعد میں نے یہ دوسرا عریضہ خدمت میں بھیجا:

"حضرت سلامت! اب کسی قدر بیخودی اور مستی میں کمی ہو گئی ہے۔ عالم نظر آیا لیکن وہم و خیال معلوم ہوا۔ پہلے کی طرح نہیں کہ جب مجھے عالم کے تحقق کا علم اور حال غالب تھا اور اب غلبۂ حال کے سبب سے اس کے تحقق اور ثبوت کا علم نہیں

بلکہ اب تو حال کے مطابق ہی علم اور یقین راسخ ہے۔"

حضرت مجددؒ نے اس حال کے مطالعے کے بعد فرمایا کہ "حال اصل ہے اور ہمارے خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہٗ اسے فرق بعد الجمع کہتے تھے۔"

ایک روز اس فقیر نے حضرت مجددؒ کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ "حق سبحانہٗ وراء الوراء ہے۔ اُسے اسماء و صفات سے اور شیون و اعتبارات سے بلکہ وجود سے بھی وراء پاتا ہوں۔

حضرت نے جواب میں فرمایا کہ "یہ حال اصل ہے اور متقدمین پر بھی گزر چکا ہے۔ شیخ علاء الدولہ سمنانیؒ فرماتے ہیں کہ عالمِ وجود کے اوپر عالم الملک الودود ہے۔"

ایک اور عریضے میں لکھا تھا: حضرت سلامت! یہ فقیر جب کسی قبر کے پاس سے گزرتا ہے تو صاحبِ قبر کے عذاب و ثواب، تکلیف اور انعام کو معلوم کرتا ہوں۔ کبھی اُسے مبتلائے عذاب و ثواب دیکھتا ہوں اور کبھی قبر کو مکدر یا منوّر دیکھتا ہوں ـــــ اور اگر کسی بزرگ کے مزار پر گزر ہوتا ہے تو جنت میں اس کا مقام عشرت و انعام بھی معلوم کرتا ہوں اور اس بزرگ کے الطاف و مراحم اپنے حق میں دیکھتا ہوں۔ کبھی (اس بزرگ کا) اعراض اور بے توجہی بھی مکشوف ہوتی ہے لیکن دریافت کرنے پر بڑی کوشش کے بعد اس بے توجہی کی وجہ معلوم ہو جاتی ہے۔ ایک روز اپنے والدین کی زیارت کے لیے گیا۔ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی اور نماز کے بعد دُعا کی کہ "اے اللہ پاک! اس کا ثواب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور کل انبیاء علیہم السلام اور اُن کے اصحاب اور تمام اولیاء اور ان کی اتباع کرنے والوں کو اور میرے والدین کو (پہنچے)" ابھی اس آخر لفظ پر پہنچا ہی تھا کہ اس قبرستان کی تمام قبروں والے ٹڈیوں کی طرح میرے پاس آ گئے کہ اُن سب کو ثواب میں شامل کیا جائے ـــــ میں نے ہرچند کہا کہ میں اپنے والدین کو زیادہ ثواب پہنچانا چاہتا ہوں۔ مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ وہ سب کے سب الحاح اور انکسار کرنے لگے تو میں بھاگ کر شیخ ابو بخاری کے مقبرے میں چلا گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ شیخ کی چار دیواری میں بھی گھس آئے اور محروم واپس ہونے لگے۔ میں نے اُن سے وعدہ کیا کہ واپسی پر تم سب کی نیت سے علیٰحدہ فاتحہ پڑھوں گا۔ پھر وہ خوش ہو گئے۔ اس کے بعد شیخ بزرگوار کے مزار میں داخل ہوا تو

وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور میری تعظیم کی اور بہت کچھ الطاف و مراحم بجالائے اور بشارت دی کہ اس وبا[1] سے جو شہر میں پھیلی ہوئی ہے محفوظ رہو گے۔

حضرت مجددؒ نے جواب میں فرمایا کہ ہمارے حضرات قدس اللہ اسرارھم، کشف قبور کا اعتبار نہیں کرتے۔ ان کا طریقہ مزارات کی زیارت کا یہ ہے کہ قبر کے سامنے خود کو تمام نسبتوں سے خالی کرکے پوری کوشش کے ساتھ صاحب قبر کی طرف متوجہ ہوکر بیٹھتے ہیں۔ پھر جو کچھ باطن پر فیضان ہوتا ہے اُسے صاحب قبر کا حال سمجھتے ہیں۔ اور مردم بیگانہ کی صحبت میں اُن کا طریقہ یہی ہے۔ مگر ان باتوں کا اعتبار نہ کرو۔ ورنہ عجب پیدا ہوگا اور عجب اس راہ کو بند کردیتا ہے۔

ایک اور موقع پر حضرتؒ کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ حضرت سلامت! جس طرح بارگاہِ الٰہی کے بارے میں جہل و حیرت متحقق تھی، اب علم بھی اس کے ساتھ شامل ہوگیا ہے۔ گویا اجتماعِ نقیضین واقع ہے۔ تنزیہ سالبہ میں ملاحظۂ اضافات ساقط تھا اور جہل متحقق تھا وہ ابھی تک ویسا ہی ہے اور ذات کے لیے صفات کا اثبات اور ذات کا علم، مذہبِ سنت وجماعت کے مطابق ہی متحقق ہے۔ لیکن اس طرح سے نہیں کہ دونوں حالتیں آنِ واحد میں جمع پائی جاتی ہیں بلکہ اب تو علم اور اثباتِ اضافات ہی ہے۔ لیکن اگر دیکھتا ہوں کہ تنزیہِ سالبہ اب باطن میں ملحوظ ہے یا نہیں، تو گو کہ اس علم کا ورود بھی باطن میں پاتا ہوں کہ وہ تنزیہ صرفہ ہے، اس وقت علم بھی اُس کے ساتھ یکجا ہو جاتا ہے۔

ایک اور وقت میں نے عریضہ لکھا کہ: - حضرت سلامت! اس حالت میں جب کہ جہل اور حیرت متحقق تھی میں اس طریقے کے سلوک سے ناامید ہوگیا تھا۔ اسی لیے میں اپنی استعداد کی اناء کو بہت تنگ پاتا تھا اور اس سے زیادہ اناء کی گنجائش نہ پاتا تھا اور التجا و تضرع، حضرتِ صمدیت میں بے حد کرتا تھا۔ پھر اللہ پاک نے حضور کی توجہ سے باطن کے میدان کو وسیع کردیا اور مجھے القاء کے ذریعے بتایا گیا کہ باطن کے میدان کی یہ وسعت دراصل

---

[1] طاعون کی وبا جو ۱۰۲۵ھ میں سرہند میں پھیلی ہوئی تھی۔ یعنی اسی زمانے کا یہ عریضہ تھا۔

روح کے میدان کی وسعت ہے۔ امید کرتا ہوں کہ حضور اس حالت کی صحت اور سقم سے آگاہ فرمائیں گے۔

حضرت مجددؒ نے بہت بشاشت کے ساتھ فرمایا کہ "جہل و حیرت، علم و معرفت سے بہتر ہے۔ امیر المؤمنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ "درک ادراک سے عاجز آجانا ہی ادراک ہے"۔ ہر چند یہ معاملہ، جہل صرف سے تعلق رکھتا ہے اور تنزیہ محض سے متعلق ہے اور وصول سے زیادہ قریب ہے، کوشش کرو کہ جہل سے یہ حال، علم میں نزول نہ کرے اور ظاہر و باطن اس معاملے میں متحد ہو جائیں۔ ہاں۔ نزول کے بعد علم، جہل سے بہتر ہوتا ہے اور عروج میں اس کے برعکس ہے۔ اور تمہارا حال تو عروج میں ہے نزول میں نہیں

ایک مرتبہ عریضہ لکھا تھا کہ حضرت سلامت! امورِ غیبیہ کا ظہور مختلف طریقوں سے ہوتا رہتا ہے۔ کبھی غیب سے کان میں آواز آتی ہے کہ فلاں بات ایسی ہے اور کبھی عربی میں، کبھی فارسی میں، کبھی ہندی میں اور کبھی بغیر عبارت کے بھی بات سمجھ میں آجاتی ہے اور حق تعالیٰ کو اسی طرح غیب الغیب پاتا ہوں اور اس امر کو کلام و متکلم کی طرح نہیں پاتا (کہ دونوں ساتھ ہوں۔" بلکہ میں فوراً بداہتہً جان لیتا ہوں کہ اس کلام کا تعلق حق تعالیٰ سے ہے لیکن یہ تعلق سمجھ میں نہیں آتا۔ اور اس کے ظہور کی جہت بھی معلوم نہیں ہوتی۔ اور گاہے ایسا ہوتا ہے کہ میں کوئی بات عرض کر کے جواب کا منتظر رہتا ہوں تو فوراً اس کا سرانجام دیکھ لیتا ہوں۔ مثلاً یہ بندہ جو لئیم اور فقیر ہے اسم کریم (اللہ تعالیٰ) کے واسطے سے کسی بات کے لیے التماس کرتا ہے تو اسم کریم جواب دیتا ہے۔ یہ فقیر اس معاملے کو معاینہ کرتا ہے اور اس اسم کے جواب سے یقین تام حاصل ہو جاتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں معلوم کرنا ہو تو قلب کا اطمینان اور رجحان دیکھ کر اسی کے مطابق حکم لگاتا ہوں اور کبھی یہ بات نظر آجاتی ہے کہ فلاں کام ہونے والا ہے یا فلاں کام ہو چکا ہے۔ مثلاً کسی تندرست آدمی کو بیمار دیکھتا ہوں یا کسی کو میت کی صورت میں دیکھتا ہوں۔ یا کوئی شخص سفر میں ہے اور اس کی موت و حیات معلوم کرنا ہے تو میں خود کو اس کام کے لیے متوجہ کرتا ہوں۔ اگر وہ جسم والوں کی طرح نظر آتا ہے تو میں جان لیتا ہوں کہ وہ زندہ ہے اور اگر وہ ارواح کی طرح ظاہر ہوتا

ہے تو سمجھ لیتا ہوں کہ وہ مردہ ہے۔ اور کبھی اس عالم کو جیسا کہ وہ خارج میں ہے اپنے باطن میں محسوس کرتا ہوں یعنی زمین و آسمان، کوچہ و بازار اور خاص و عام کا شور و غل (اپنے باطن میں محسوس کرتا ہوں)۔ اسی طرح سے کسی کی حیات اور موت کو معلوم کر لینا آسان ہو گیا ہے۔ یہاں تک کہ اگر اس وقت چاہوں کہ لوگوں کے دلوں کا حال معلوم کر دوں تو معلوم ہو جاتا ہے جس قدر صفائی ہوتی ہے یہ نادر چیز معلوم ہو جاتی ہے۔ حضور کے حلقۂ ذکر میں حضور کو دیکھتا ہوں کہ گویا اس کمینہ کے سینے میں جلوہ فرما ہیں اور غیبت اور لاشعوری میں حضور کا اٹھنا یا اٹھنے کا قصد کرنا بھی معلوم ہو جاتا ہے اور ایسا علم کبھی غلط نہیں ہوتا۔

واقعہ — میں دیکھتا ہوں کہ میں مدینہ منورہ پہنچا ہوں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار اقدس پر حاضر ہوا ہوں۔ دیکھا کہ بہت بلند اور سنگ سیاہ کا گنبد ہے اور اس گنبد کی فراخی ایک کروہ ہوگی۔ بہت بہت لوگ آ جا رہے ہیں اور اس مزار ملائک قرار پر بڑا مجمع لگا ہوا ہے۔ میں بھی حاضر ہوا ہوں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کو دیکھا اور اس پر بوسہ دیا۔ وہ اونٹ کے کوہان کی طرح ہے اور زمین سے ایک ہاتھ اونچی ہے لیکن ایسی نہیں ہے جیسی کہ ہندوستان میں قبر کو مسطح بناتے ہیں اور نیچے اوپر کئی درجے بطور زینہ کے بلند کر کے اس کو اونٹ کے کوہان کی طرح بنا کر اس پر تعویذ بنا دیتے ہیں۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری قبر، تعویذ کی طرح ہے جو قبر کے درمیان بنایا جاتا ہے۔ مجھے خیال آیا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے گنبد میں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قبر بھی ہے لیکن وہاں کوئی قبر نمایاں نہیں ہے۔ پھر خیال آیا کہ وہ تہہ خانے میں آ گئی ہوگی۔ میں نے ایک پھاوڑا اٹھایا کہ اس قبر پر سے مٹی ہٹا دوں تاکہ وہ قبر نمایاں ہو جائے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے برابر سے میں نے کھودنا شروع کیا۔ لیکن کوئی قبر نہ ظاہر ہوئی۔ دل میں کہا کہ شاید ادب کی وجہ سے وہ قبر کچھ نیچے کھودی گئی ہوگی، تو میں نے اپنے ہاتھ کے انداز سے ایک ہاتھ ہٹ کر کھودنا شروع کیا۔ پھر تو وہ قبر نکل آئی۔ اس کو میں نے برابر کیا اور داہنی بائیں طرف سے مٹی اٹھائی اور وہ قبر جیسی کہ تھی ظاہر ہو گئی۔ میں نے اس کو درست کیا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی قبر بھی تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے گنبد میں ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قبر کے برابر

ہے۔ میں نے کئی پھاوڑے مارے۔ لیکن اس قبر کا نشان نہ پایا۔ میں نے دل میں کہا کہ شاید حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ادب کی وجہ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی قبر کچھ نیچے کو بنائی ہوگی۔ یہاں میں نے اپنے ہاتھ سے دو ہاتھ اندازہ کر کے نیچے کھودنا شروع کیا اور سر مبارک کی طرف سے مٹی ہٹائی تو وہ قبر بھی نمایاں ہو گئی۔ اتنے میں مؤذن نے صبح کی اذان دی ــــ میں نماز کے لیے چلا گیا اس نیت سے کہ نماز کے بعد پوری قبر کو نمایاں کر دوں گا لیکن اتنے میں بیدار ہو گیا۔

واقعہ ــــ میں دیکھتا ہوں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ فقیر کی مسجد میں قبلہ کی طرف پشت کر کے دو زانو بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ احقر باہر سے مسجد کے اندر آیا۔ دیکھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ بے اختیار ہو کر میں نے خود کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈال دیا۔ پھر میں اٹھا اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر جیسا کہ دعا میں اٹھاتے ہیں۔ میں نے التماس کی کہ یا رسول اللہ، مجھے کوئی بشارت عنایت فرمایئے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَیْلًا ..... الخ ــــ پھر فرمایا کہ تمہارے گھر میں نرینہ اولاد پیدا ہو گی۔ اس وقت تک میرے گھر میں کوئی لڑکا نہیں ہوا تھا۔ اس واقعے کے دس ماہ کے بعد میرے یہاں لڑکا پیدا ہوا۔ میں نے اس کا محمد عارف نام رکھا۔ پھر ہر وقت بیٹا ہی پیدا ہوا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کے طفیل میں اللہ تعالٰی نے اب تک سات بیٹے دیے ہیں۔

واقعہ ــــ میں دیکھتا ہوں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم، ہندوستان کو فتح کرنے کے لیے ایک لشکر کے ساتھ تشریف لائے ہوئے ہیں اور ملتان کے راستے سے تشریف لا کر سرہند تک کا علاقہ اپنے قبضے میں کر لیا ہے۔ اور آگے کو بھی بڑھنے کا ارادہ فرما رہے ہیں۔ اور آپ نے دونوں مخدوم زادوں کو یعنی خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم کو ہراول بنایا ہے اور اس تسخیر کی تدبیریں ان دونوں کی رائے اور صلاح پر چھوڑ دی ہے اور اس حقیر کو لشکر کے انتظام کی خدمت سپرد فرمائی ہے کہ لشکر کو صحیح طور پر سوار کرایا جائے اور سوار ہونے میں اور فوج کو ترتیب دینے میں کسی طرح کسل ان سے نہ ہونے پائے۔

حضرت مجدد رح سرہند سے باہر تشریف لے آئے ہیں اور شہر سے دو تین کردہ اکبر آباد کی طرف بڑھ کر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ جب صبح ہوئی حضرت مجدد رح گھوڑے پر سوار ہوئے اور تیر کے ایک نشانے کے برابر بلکہ اس سے کم ہی بڑھے ہوں گے کہ اپنے دونوں صاحبزادوں کے انتظار میں رک لیئے۔ میں بھی فکر اور کوشش میں ہوں کہ صاحبزادے جلد سوار ہو جائیں کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم انتظار میں ہیں۔ میں دوسرے فوجیوں کا بھی اہتمام کر رہا ہوں اور میں صاحبزادوں سے عرض کر رہا ہوں کہ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہو کر تشریف لائیں تو آپ لوگ کچھ دور آپ کے ساتھ پیدل چلیے گا اور اگر آپ لوگوں سے نہ ہو سکے تو مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب ہونے کی سعادت حاصل کر سکوں۔ اتنے میں ایک شخص نے کہا کہ کنویں کے پاس کی عمارت کے دروازے سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال جہاں آرا دکھائی دیتا ہے۔ جلد سوار ہو کر خدمت میں حاضر ہونا چاہیے۔ میں اس دروازے کے قریب گیا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نصیب ہوا کہ اس جمال کے سامنے آفتاب بھی شرمندہ ہو کر گہن میں ہے اور زرد اور بے نور ہو گیا ہے اور حضرت مجدد رح سفید رنگ، سیاہ ریش اور نورانی چہرہ ہیں اور صحرا میں ایک تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ غالباً مولی جیسی چیز اپنے ہاتھ سے صاف کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے کھا رہے ہیں اور تمام فوجی لوگ زمین پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ حضرت رح کے جمال پاک کو دیکھ کر بڑی لذت و فرحت حاصل ہوئی اور میں بیدار ہو گیا اور وہ لذت ایک مدت تک میرے دل میں تازہ رہی۔

واقعہ ——— میں دیکھتا ہوں کہ سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیر کے مکان میں تشریف لا کر بندہ نوازی فرمائی ہے اور ایک تخت پر جلوہ فرما ہیں اور میں ایک بوریے پر بیٹھا ہوا ہوں کہ باہر سے حضرت غوث الثقلین قدس سرہٗ دیوار میں سے بغیر اس کے کہ دیوار شق ہوئی ہو اندر داخل ہو گئے ہیں۔ جس طرح کہ کوئی پانی میں داخل ہوتا ہے اور آپ گریہ و اضطراب کے ساتھ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زانو پر گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ! آپ نے سنا کہ اس جوان نے کیا کہا (اور میری طرف اشارہ کرتے ہیں) اور یہ بات دلنوازی اور نصیحت کے لیے تھی، غصے یا شکایت کے طور پر نہیں تھی۔ اس واقعے کے خوف اور رعب کی وجہ سے میں

بیدار ہو گیا اور توبہ و استغفار کیا۔ اس شکایت کی صحیح وجہ تو معلوم نہ ہو سکی۔ البتہ اتنا جانتا ہوں کہ اس روز دو باتیں ضرور واقع ہوئی تھیں۔ ایک یہ کہ میں مخدوم زادہ خواجہ محمد سعیدؒ[1] سے کہہ رہا تھا کہ تمام معاملات میں تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ممکن ہے لیکن مقاربت کے طریقے میں نہیں، کیونکہ یہ بات کون کس طرح جان سکتا ہے۔ دوسری یہ کہ ایک شخص نے مجھ سے پوچھا تھا کہ قبر میں لحد اس طرح نہیں بنائی جاتی کہ اس میں بیٹھ سکیں (لیکن) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں آیا ہے کہ مردے کو قبر میں بٹھایا جاتا ہے۔ میں نے (اس شخص سے) کہا تھا کہ یہ بٹھانا معنوی طریقے سے ہے۔ جسمانی طریقے سے نہیں کہ اس مُردے کے جسم کو بٹھاتے ہیں۔ (پھر) میں نے ان دونوں باتوں سے توبہ کی۔

واقعہ ـــــ میں دیکھتا ہوں کہ ایک حوض دَہ دردہ اور گہرا ہے۔ اور اس کے گرد ایک باغیچہ ہے گول اور نفیس۔ وہیں ایک عالیشان محل ہے۔ اور اس محل میں افضل الانبیاء محمد رسول اللہ علیہ (وعلیہم) وسلم تشریف فرما ہیں اور یہ حقیر اس جگہ بیٹھا ہوا ہے جہاں ڈول کا پانی گرتا ہے۔ اور ایک شخص مجھ سے حدیث پڑھ رہا ہے اور میں ایک غیر مانوس لفظ کے معنی میں اٹک رہا ہوں ــ اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم محل سے باغ میں تشریف لے آئے اور رک کر اُس لفظ کے معنی سمجھا دیئے اور پھر باغ کے دروازے کی طرف متوجہ ہوئے تو یہ حقیر اس دروازے تک ساتھ گیا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ حدیث پوری پڑھی اور وہ میں نے یاد بھی کر لی تھی۔ لیکن اب لکھتے وقت فراموش ہو گئی۔

واقعہ۔ میں دیکھتا ہوں کہ میں ایک دور دراز سفر سے واپس آ رہا ہوں اور گھوڑے پر سوار ہوں اور میرے والد بھی ساتھ ہیں اور سالکوں اور مخدوموں کی ایک جماعت کو جن کے نام مجھے معلوم ہیں ساتھ ہے۔ پھر میں نماز کے ارادے سے گھوڑے سے اترا اور ایک حوض جو دَہ دردہ تھا۔ اس میں سے وضو کیا اور پانی پیا۔ جب میں وہاں سے واپس ہوا تو میرے باطن میں آواز دی گئی اور میں نے وہ آواز اپنے رفقاء کی جماعت سے اس طرح سنادی کہ "اللہ تعالیٰ نے مجھ سے

---

[1] اردو ترجمہ میں یہاں خواجہ محمد صادقؒ ہے۔

فرمایا کہ اللہ پاک نے تم سب کو بخش دیا۔"

واقعہ ۔ ایک رات میں نے واقعے میں دیکھا کہ ایک عظیم الشان شہر میں ایک بڑے محل میں ایک عالی مقام چبوترے پر حضرت مجددؒ تشریف فرما ہیں اور میں خدمت میں حاضر ہوں۔ ایک درویش باہر سے آیا اور مجھ سے کہنے لگا کہ حضرت خضر علیہ السلام دروازے پر کھڑے ہوئے ہیں اور تم کو بلا رہے ہیں۔ حضرت مجددؒ سے اجازت لے کر میں فوراً اٹھا اور باہر گیا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت خضر علیہ السلام جوان صورت ہیں، میٹھی زبان، خوبصورت، سفید رنگ، نورانی، دروازے پر کھڑے ہوئے ہیں۔ میں نے سلام کیا اور میرے آتے ہی وہ روانہ ہو گئے۔ میں اُن کے پیچھے جا رہا تھا۔ انھوں نے اس شہر کے گلی کوچوں کی سیر کی۔ اسی اثناء میں میں نے عرض کیا کہ آپ اپنی نسبت سے مجھے بہرہ مند فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے ایسی ہستی سے نسبت پائی ہے کہ تمہارے اور تمام عالم کے لیے اُن کا رشد و ہدایت سند ہے (حضرت مجددؒ کی طرف اشارہ تھا)۔ اتفاق یہ ہوا کہ حضرت خضر علیہ السلام سیر کرنے کے بعد اسی راہ سے حضرت مجددؒ کے دروازے کی طرف واپس ہو رہے تھے کہ یکایک بلا ارادہ اُسی وقت حضرت مجددؒ اپنے مکان سے باہر نکل رہے تھے۔ میں آگے بڑھا اور حضرت خضر علیہ السلام سے عرض کیا کہ ہمارے حضرت صاحب سے ملیے۔ حضرت خضر علیہ السلام چند قدم حضرت مجددؒ کی طرف بڑھے اور مصافحہ و معانقہ کیا۔ اُس کے بعد فرمایا کہ آپ قطب ہیں۔ پھر ایک دوسرے سے رخصت ہو گئے اور میں حضرت صاحب کی خدمت میں رہ گیا۔ حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ نہیں گیا۔

واقعہ ۔ حضرت مجددؒ کے وصال کے بعد میں نے واقعے میں دیکھا کہ آپ ایک رفیع اور وسیع محل میں کہ جس کا طول قریب ایک کروہ ہوگا سکونت فرماتے ہیں۔ گویا وہ جنت کے محلوں میں سے ہے اور یہ حقیر بھی اسی قلعے کے ایک گوشے میں ایک جھونپڑی میں ہے اور اس محل سے بہت دور ایک اور مکان ہے اور اس کے اندر ایک اور مکان ہے۔ جس طرح کہ متعدد حجروں کے حمام میں ایک خانہ کے اندر دوسرا ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ دوزخ ہے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ ذرا ان مکانوں میں چلا جاؤں اور دیکھوں کہ کون سے لوگ دوزخ میں ہیں۔ میں دو تین گھروں سے گزر کر اس گھر کے دروازے پر پہنچا جہاں پر دوزخی لوگ تھے۔ دیکھا کہ دروازہ بند ہے اور ایک شخص اُس دروازے

پر کھڑا ہوا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اہل دوزخ کو دیکھوں۔ اس شخص نے کہا کہ اس روز سے کہ حضرت مجددؒ دنیا سے جنت علیا میں تشریف لائے ہیں، اللہ تعالیٰ کے حکم سے دوزخ کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے اور اُسے سرد کر دیا گیا ہے۔ اب حضرتؒ کے طفیل میں کوئی شخص دوزخ میں نہیں جاتا۔ میں واپس آیا اور حضرتؒ کی خدمت میں یہ ماجرا سنایا۔ آپ نے فرمایا کہ اس نے صحیح کہا ہے۔ وہ دوزخ کا موکل ہے۔ اللہ پاک کا بڑا احسان ہے کہ اس نے ہم کو ان کا مرید بنایا۔

درجہ — حضرت مجدد قدس سرہٗ ایک عرصے تک پشمینے کے ایک مصلے پر نماز ادا فرماتے رہے اور چونکہ امام مالکؒ کے مذہب میں پشمینے پر سجدہ مکروہ ہے اور حضرتؒ مجدد کا طریقہ جمع مذاہب کا تھا، تو آپ نے سجدے کی جگہ پر ٹاٹ کا ایک ٹکڑا سی لیا تھا۔ سالہا آپ اس مصلے پر نماز ادا فرماتے رہے اور اس کپڑے کے ٹکڑے پر سجدہ کرتے رہے۔ جب وہ ٹکڑا میلا ہو گیا تو خادموں نے اُسے علیحدہ کر دیا اور اتنا ہی ایک دوسرا کپڑا سی دیا۔ اس مسکین نے اس علیحدہ کیے ہوئے کپڑے کو جو بہت متبرک تھا اپنی پگڑی میں رکھ لیا کہ گھر جا کر اچھی جگہ پورے احترام کے ساتھ رکھ لوں گا۔ اتفاقاً رات ہو گئی اور یہ حقیر نماز عشاء پڑھ کر سو گیا۔ اور وہ ٹکڑا میری پگڑی ہی میں رکھا رہ گیا۔ حضرتؒ کی بزرگی اور کرامت کے صدقے میں اُس رات حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے بارہ مرتبہ بلکہ زیادہ مرتبہ خواب میں دیکھا۔ ہر بار میں بیدار ہو جاتا تھا اور پھر سو جاتا تھا اور پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا تھا۔[1]

درجہ — اس کتاب حضرات القدس کی تحریر کے زمانے میں شب جمعہ نہم جمادی الاولیٰ کو خواب میں دیکھا کہ ایک بہت خوبصورت باغ ہے اور اس کا دروازہ بہت اونچا ہے۔ حضرتؒ کو اس باغ کے دروازے میں شاہی تخت پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ اور دو تین آدمی آپ کے قریب فرش پر بیٹھے ہوئے ہیں اور دروازے کے سامنے دو طرف، حد نظر تک، اولیاء اللہ صف باندھے کھڑے ہوئے ہیں۔ اور نہایت ادب کے ساتھ سر جھکائے ہوئے اور ناف پر ہاتھ باندھے

---

[1] یہاں سال درج نہیں۔

ہوئے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ اُن کے بدن میں جان نہیں ہے۔ لوگ نذر و نیاز یکے بعد دیگرے لا رہے ہیں۔ اور یہ فقیر حضرتؒ کی خدمت میں ہے۔ کبھی اندر جاتا ہے اور کبھی باہر جاتا ہے۔ لوگ جو نذر و نیاز لا کر پیش کرتے ہیں تو یہ مسکین حضرتؒ کی خدمت میں پیش کر کے پھر خرچ دار کو دے دیتا ہے۔ حضرتؒ نے انیس روپے اس حقیر کو اس مجلس میں اُن نذرانوں میں سے مرحمت فرمائے۔

درجہ — میں دیکھتا ہوں کہ حضرت مجددؒ گویا مسندِ قطبیت پر تشریف فرما ہیں۔ اور اپنے دستِ مبارک سے قطعۂ کاغذ پر لکھ رہے ہیں کہ فلاں شخص قبول ہو گیا اور اس پر مُہر بھی خود ہی فرما رہے ہیں۔ پھر گویا اس حقیر کو فرمایا ہے کہ کاغذ کے یہ پرچے جس کے نام ہیں اُسے پہنچا دو۔ پہنچانے کی خدمت میرے سپرد کی گئی ہے۔ سب سے پہلا پرچہ جو حضرتؒ نے اپنے دستخط خاص سے تحریر فرمایا ہے اس میں لکھا ہے کہ "بدرالدین قبول ہو گیا" اور اُسے اپنی مُہر سے مزین کر کے نہایت شفقت اور عنایت سے مجھے مرحمت فرمایا اور میں نے نہایت انکسار اور تواضع سے آپ کے دستِ مبارک سے لیا اور اپنی پگڑی میں رکھ لیا۔ اس کے بعد ایک اور کاغذ اپنی مُہر کے ساتھ عنایت فرمایا۔ اس پر لکھا ہوا تھا کہ "امان اللہ قبول ہو گیا" اور فرمایا اسے پہنچا دو۔ یہ بڑے عالم تھے، میرے پرانے ہم درس تھے اور حضرتؒ کے مرید تھے۔ اسی طرح کاغذ کے ہر پرچے پر مُہر کر کے "فلاں قبول ہو گیا" لکھتے جاتے تھے اور مجھ حقیر کو دیتے جاتے تھے اور میں ہر ایک کو پہنچاتا جاتا تھا۔ اِلَّا مَا شَاءَ اللہ۔ اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عالَم کے ہر فرد کے قبول اور رد کرنے کا اختیار حضرتؒ ہی کو دے دیا گیا ہے اور یہ حقیر آپ کا پیش کار ہے۔

درجہ — ایک رات واقعے میں مجھے دکھائی دیا کہ گویا حضرت مجددؒ اپنے روضۂ اقدس کے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں اور مریدین و معتقدین آپ کے سامنے حلقہ کیے ہوئے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ وہ تو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور صحابۂ کرامؓ اور انبیاء علیہم السلام کی جماعت حلقہ کیے ہوئے ہے۔ اتنے میں دیکھا کہ جبریل علیہ السلام آسمان کے نیچے تشریف لا رہے ہیں اور وہ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ کر اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچا رہے ہیں اور پھر ادب کے ساتھ تھوڑے فاصلے پر دو زانو بیٹھتے ہیں۔ میرے قریب جو صحابی تشریف

فرماتے تھے اُن سے میں نے عرض کیا کہ جبریل علیہ السلام کا نیچے آنا تو بند ہو گیا تھا۔ اب وہ کس لیے تشریف لائے ہوئے ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ تم کو کیا معلوم نہیں کہ جبریل علیہ السلام ہمیشہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا پس خوردہ کھانے کے لیے تشریف لایا کرتے ہیں۔

قدسیہ — حضرت مجددؒ ہمیشہ رمضان المبارک میں تین قرآن پاک کا ختم سنا کرتے تھے گو کہ بڑھاپا اور ضعفِ بدن غالب تھا۔ اور ہر طرف لوگوں کا سانس چڑھ جاتا تھا اور اکثر لوگوں کو غنودگی بھی ہو جاتی تھی۔ اس کے برعکس حضرتؒ کو قرآن پاک تراویح میں سنتے وقت کبھی غنودگی نہ ہوتی تھی۔ اس حقیر نے عرض کیا کہ حضرت سلامت! سب لوگوں کو تو غنودگی ہو جاتی ہے لیکن یہ حضور کی کرامت ہے کہ آپ کو کبھی نہیں ہوتی۔ آپ نے فرمایا کہ "قرآن پاک کے سمندر میں تیرنے سے غفلت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ تو کشاں کشاں اپنی طرف لے جاتا ہے۔"

قدسیہ۔ ایک دن حضرت مجددؒ نے اپنے بڑے بڑے خلفاء سے دریافت فرمایا کہ یہ جو ہمارے سلسلے کے بزرگوں کے یہاں زبانوں پر لفظ "نسبت" جاری ہے تو اس کا کیا مطلب ہے؟ ہم لوگوں نے عرض کیا کہ حضور ہی سمجھا دیں۔ تھوڑی دیر آپ سر جھکا کر متوجہ ہوئے۔ پھر فرمایا کہ "نسبت" سے مراد وہ تعلق ہے جو سالک اور حق سبحانہٗ کے درمیان ہوتا ہے۔" ؎۱

ملفوظ — ایک روز حضور کے ایک خاص مرید نے میری موجودگی میں حضور سے دریافت کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کے ذکر میں ناف سے ابتدا کی جاتی ہے اور مدکو سر تک کھینچتے ہیں۔ پھر سیدھے کندھے پر لا کر دل پر اس کی ضرب مارتے ہیں۔ آپ تھوڑی دیر مراقب رہے۔ پھر فرمایا کہ "اس صورت میں لا کا نقش پیدا ہو جاتا ہے۔" پس سمجھا وہ جو کہ سمجھا۔

قدسیہ — ایک روز اس فقیر نے حضرت مجددؒ سے دریافت کیا کہ وہ جو حدیث میں آیا

؎۱ اردو ترجمہ میں اس طرح ہے کہ "نسبت سے مراد وہ نسبت ہے کہ سالک اور حق سبحانہ میں کوئی واسطہ حائل نہ رہے۔" اس ترجمے سے ظاہر ہے کہ مترجم کے سامنے غالباً اسی کے مطابق فارسی عبارت رہی ہوگی۔

ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو کامل طور پر اور جلدی ادا فرماتے تھے اور آداب میں سے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں فرماتے تھے تو یہ کس طرح ممکن ہے؟ آپ نے فرمایا کہ "لوگ نماز میں بے جا وقفے بہت کرتے ہیں۔ اگر نماز کے ارکان اور آداب میں سراپا مشغول رہیں اور خواہ مخواہ کی سستی اور ڈھیل نہ کریں تو ان کی نماز بھی جلدی ہو اور پوری طرح ادا ہو جائے۔"

قدسیہ ۔ ایک روز حضرتؒ کی مجلس مقدس میں حاضر تھا۔ فرمایا کہ "شریعت غرا میں نماز کے اندر حضور قلب کو لازم قرار نہیں دیا گیا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خشوع و خضوع کے لیے جو فرمایا ہے تو وہ یہ ہے کہ قیام کے وقت نظر کو سجدہ گاہ میں جمایا جائے اور رکوع میں قدم کی پشت پر، سجدہ میں بینی پر اور جلسے میں اپنی بغلوں کی طرف۔ اس کا راز یہ ہے کہ دل کی جمعیت کے لیے نظر کے بند رکھنے کو خاص دخل ہے۔ جس کی آنکھیں پراگندہ نہ ہوں دل بھی پراگندہ نہیں ہوگا۔

جس دن اس فقیر کو ذکر کی تعلیم دی تھی، فرمایا تھا کہ "گو کہ ذکر کے وقت آنکھوں کا بند رکھنا خاص تاثیر رکھتا ہے۔ اور حضرات نقشبندیہ قدس اللہ اسرارھم نے اس کے بارے میں ایک حدیث بھی بیان کی ہے۔" پھر آپ نے وہ حدیث بھی پڑھی۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

اگرچہ آنکھ بھی ہے تیری پاسباں اے دل
رکھ اپنا ہوش، نہ وہ لقد پاسباں سے جائے

قدسیہ ۔ ایک دن حضرتؒ نے فرمایا کہ "حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کہ "بلی کی دوستی ایمان میں (داخل) ہے۔" لوگوں کو خلجان میں ڈالتی تھی کہ ایمان کو بلی کی محبت سے کیا تعلق ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دوستی کو ایمان میں سے فرمایا ہے۔ اس معاملے میں کامل توجہ کی گئی تو معلوم ہوا کہ لوگ بلی کی نوحہ جیسی آواز سے بدفالی کرتے ہیں اور اس کو منحوس جانتے ہیں اور اسی وجہ سے بلی سے عداوت رکھتے ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ بلی کی محبت، ایمان میں سے ہے۔ یعنی جب وہ اس سے دوست رکھیں گے تو اس کی رونے والی آواز سے بدفالی نہ کریں گے اور اس کو منحوس نہ جانیں گے، کہ فال نکالنا کفر ہے اور اس کا ترک ایمان ہے۔

قدسیہ : ایک روز نصیحت کی خاطر حضرت مجددؒ نے ایک خادم کو، بغیر اس کا نام لیے ہوئے، اپنے اصحاب کی مجلس میں فرمایا کہ "قلب کو مقلب (حق تعالیٰ) کے ساتھ ایک

خاص نسبت ہے کہ کسی اور چیز کو حق تعالیٰ سے ویسی نسبت نہیں ہوتی۔ خواہ قلب کا فر ہی کیوں نہ ہو۔ بس دل آزاری کرنا (کسی دل کی ہو) فی الحقیقت، اللہ تعالیٰ کو آزار پہنچانا ہے۔ کیونکہ جب ایک پڑوسی کی تکلیف دہی اس کے پڑوسی کو بھی پہنچتی ہے تو پھر اُن کی دل آزاری کیسی ہوگی جن میں باہمی خصوصیت کی نسبت ہو۔"

قدسیہ ۔ حضرت مجددؒ نے فرمایا کہ "نماز میں رعایت سنن و مستحبات و آداب بھی حضورِ قلب کا ذریعہ ہیں۔ کیونکہ یہ تمام رعائتیں ذکر میں داخل ہیں۔ کیونکہ یاد کرنے والے (حق تعالیٰ) کا حکم ہے اور اس کی طرف توجہ بھی (حکم ہے)۔"

کرامت ۔۔ اس حقیر کو علمِ قراءت میں ایک نہایت عمدہ رسالہ کہیں سے ہاتھ لگا۔ خیال ہوا کہ وہ حضرتؒ کی خدمت میں پیش کروں کیونکہ حضرتؒ کو علمِ قراءت کا بہت ذوق ہے۔ اس نیت سے وہ رسالہ میں نے بغل میں دبایا اور حضرتؒ کی خدمت میں روانہ ہُوا۔ میں جونہی خدمت میں حاضر ہوا مجھے دیکھتے ہی فرمایا کہ "تمہارے بغل میں کیا ہے؟" میں نے عرض کیا کہ ایک رسالہ ہے علمِ قرأت میں۔ پھر میں نے بغل سے وہ رسالہ نکالا اور اپنے دونوں ہاتھوں میں رکھ کر خدمت میں قریب پہنچا۔ آپ نے میرے ہاتھ سے لے لیا اور مطالعہ فرمایا۔ اور اس کے بعض مشکل مقامات کی تحقیق فرمائی۔ پھر میری طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے فرمایا: "جزاک اللہ خیراً۔ اچھا رسالہ لائے ہو۔"

میں نے عرض کیا، حضرت سلامت! یہ فقیر اسی نیت سے لایا تھا کہ خدمت میں پیش کرے۔ حضرتؒ کی یہ کرامت تھی کہ (میرے عرض کیے بغیر) اُسے قبول فرمالیا اور اُسے خلوت خانہ میں طاق پر رکھ دیا۔

جب میں مجلسِ مقدس سے اٹھا تو مجھے خیال ہوا کہ یہ رسالہ بہت نادر اور عمدہ تھا کہ حضرتؒ نے اس کے مطالعے سے حظ حاصل کیا۔ اگر وہ میرے پاس ہی رہتا، یا میں اس کی نقل لے کر پیش کرتا تو بہتر ہوتا۔ دوسرے دن ظہر کے وقت جب خلوت خانہ کا دروازہ کھلا اور یہ فقیر خدمت میں پہنچا تو آپ وضو فرمارہے تھے۔ مجھ سے خطاب فرمایا کہ "آج میں نے قیلولہ میں دیکھا کہ تم وہ رسالہ مجھ سے طلب کررہے ہو۔ وہ رسالہ طاق میں ہے۔ جاؤ اور لے لو۔" مجھ پر خوف

طاری ہو گیا کہ حضرتؒ کو میرے خیال سے آگاہی ہو گئی۔ مگر مجھ کو اپنے اس خیال کا ظاہر کرنا مناسب نہ تھا۔ میں نے عرض کیا کہ اس واقعے کی یہ تعبیر بھی ہو سکتی ہے کہ یہ عاجز آپ سے علم قرارت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا، ایسا نہیں ہے۔ بات دوسری ہے۔ تم خود اپنے دل کو دیکھو کہ اس نے کیا کہا ہے۔"

کرامت ـــــ یہ حقیر جب بھی حضرت مجددؒ کے حلقہ ذکر میں بیٹھتا تو آپ کی صورت اپنے دل میں برابر جلوہ گر پاتا اور اسی مشغولیت میں رہتا حتیٰ کہ حلقہ آخر ہو جاتا۔ جب میں دیکھتا کہ حضرتؒ کی صورت میرے دل سے غائب ہے تو میں اپنی آنکھیں کھول دیتا اور دیکھتا کہ حضرتؒ اٹھ چکے ہیں یا اٹھ رہے ہیں اور اس بات میں کبھی فرق نہ پاتا اور وہ کبھی مختلف نہ ہوتی۔ سبحان اللہ، آپ کا کیا تصرف تھا مریدوں کے دل پر!

کرامت ـ ایک رات بستر خواب میں تھا اور نیم بیدار تھا کہ دو شخص آئے اور میرے سینے پر بیٹھ گئے۔ میں نے بہت چاہا کہ ان سے رہائی پاؤں لیکن نہ پا سکا اور اتنی طاقت بھی نہ تھی کہ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ پڑھتا۔ آخر بہت زور لگا کر خود کو رہائی دلوائی۔ دوسری رات اور پھر تیسری رات اسی طرح ہوا۔ آخر حیران و پریشان ہونے کے بعد حضرت مجددؒ کے مزار اقدس پر حاضر ہوا اور التجا کی اور روتا رہا۔ اتنے میں مجھے استغراق ہو گیا اور میں نے حضرتؒ کو دیکھا کہ فرما رہے ہیں کہ تمہارے بالا خانے کی چھت میں دو جن رہتے ہیں۔ جب تم سونے لگو تو ہماری دہائی دے کر سو جاؤ۔ پھر وہ ایذا نہ پہنچا سکیں گے۔ جب رات ہوئی اور میں سونے کے لیے لیٹا تو میں نے کہا کہ "اے جنات، میں تم کو حضرتؒ کی دہائی دیتا ہوں۔ خواہ تم نیند میں یا بیداری میں میرے پاس آؤ۔" میں نے حضرتؒ کا نام نامی زبان پر لیا اور میں پوری رات آرام سے سویا۔ چند راتیں اسی طرح سوتا رہا اور اسی قول پر عمل کرتا رہا اور کوئی جن میرے پاس نہ آیا۔ ایک رات نیند کے غلبے کی وجہ سے حضرتؒ کی دہائی بھول گیا۔ میں نیند اور بیداری کی درمیانی حالت میں تھا کہ دو شخص آ کر میرا گلا گھونٹنے لگے۔ میں ڈر کے مارے جاگ اٹھا اور وہی کلمہ (دہائی) زبان پر دہرایا۔ پھر تو کوئی جن میرے پاس نہ آیا۔ اس کے بعد بہت عرصے تک اس عمل پر قائم رہا اور ہرگز کوئی اثر جن کا نہیں دیکھا۔

کرامت ۔ میرا بیٹا شیخ محمد افضل آج سے بہت پہلے یعنی بچپن میں بیمار ہو گیا۔ تپ محرق کی شکایت تھی۔ اتنے میں اس پر آسیب کا اثر بھی ہو گیا۔ اور اس کی زبان سے ہذیان جاری ہو گیا۔ میں اس وقت وہاں پہنچا اور اس سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ میں پرنام نام کا جن ہوں اور تمہارے گھر کے فلاں ناودان میں رہتا ہوں۔ میں نے کہا کہ تو شاید مجھے نہیں جانتا کہ تو بے محابا اندر آ گیا اور شرارت کرنے لگا اور میرے بیٹوں کو ستانے لگا۔ ہم لوگ تو حضرت مجددؒ کے مریدوں میں سے ہیں۔ اس نے کہا کہ میں بھی ابھی ابھی حضرتؒ کے روضۂ اقدس سے آ رہا ہوں۔ میں نے کہا کہ تو چلا جا ورنہ تجھے ہلاک کر دوں گا۔ میں پھر حضرتؒ کے مزارِ اقدس پر حاضر ہوا اور بہت غم و اندوہ کے ساتھ اس حادثے کے متعلق عرض کیا۔ مزارِ اقدس سے میرے کان میں آواز آئی کہ "اپنے گھر جاؤ کہ تمہارا فرزند اچھا ہو گیا ہے اور وہ لعین بھاگ گیا ہے۔" میں خوش خوش گھر گیا تو دیکھا کہ وہ فرزندِ عزیز بالکل اچھا ہو گیا ہے اور اس ماجرا کا کوئی اثر نہیں رہا۔ اس کے بعد سے اب تک اس جن نے میرے گھر کے کسی فرزند کو تکلیف نہیں پہنچائی۔

کرامت ۔ مکتوبات شریف کا دفترِ سوم جب اختتام کو پہنچا اور حضرتؒ نے چند مکتوبات دوسرے احباب کو لکھے تو میری ناقص سمجھ میں یہ آیا کہ میں چوتھا دفتر جمع کر دوں۔ جس طرح کہ پہلا دفتر مولانا یار محمد جدیدؒ نے جمع کیا تھا، دوسرا دفتر مولانا عبدالحیؒ نے اور تیسرا دفتر خواجہ محمد ہاشم کشمیؒ نے جمع کیا ہے۔ ایک دن تنہائی میں حضرتؒ کی خدمت میں اپنی یہ نیت اور قصد ظاہر کیا۔ آپ نے تھوڑی دیر سکوت فرمایا، پھر ارشاد فرمایا کہ:

"وقت کہاں ہے اور فرصت کیسے ہے؟ اول تو یہ یقین ہونا چاہیے کہ زندگی اتنی اور رہے گی۔ زندگی تو اب سالوں کو چھوڑ کر دنوں میں آ گئی ہے۔ تم کو اپنی نیت کا ثواب مل گیا۔"

اس قول کے تھوڑے دنوں کے بعد اس آفتابِ عالم تاب نے نقابِ تراب میں منہ چھپا لیا۔

کرامت ۔ آج سے بہت پہلے میرے پاؤں میں برص سے سفید داغ پیدا ہو گیا تھا۔ حیران و پریشان تھا۔ کبھی خیال آتا تھا کہ وطن کو چھوڑ دوں تاکہ وطن میں رسوائی نہ ہو اور کبھی خیال آتا تھا کہ خود کو ہلاک کر دوں۔ ایک روز حضرتؒ صبح کے حلقے سے فارغ ہو کر جا رہے تھے کہ اندر تشریف لے جائیں۔ میں نے تنہائی دیکھ کر خود کو اندرونی دروازے پر پہنچایا کر حضرتؒ سے اپنی پریشانی اور حیرانی

کا حال عرض کیا اور وہ داغ بھی حضرت کو دکھلایا۔ آپ نے فرمایا: "کوئی بات نہیں۔ وہم نہ کرو۔ انشاء اللہ وہ داغ دور ہو جائے گا۔" حضرتؒ نے بشارت کی کہ فوراً میرے دل کی پریشانی دور ہو گئی لیکن اُس روز رات تک وہ داغ نمایاں تھا۔ جب صبح ہوئی تو دیکھا کہ اُس داغ کا کوئی اثر باقی نہیں رہا۔ اللہ پاک کا شکر بجا لایا اور حضرت کی کرامت اور عظمت کا میرے دل میں

ایمان و ایقان دس سو مرتبہ زیادہ ہو گیا۔

کرامت — ایک روز حضرت مجددؒ اپنے جماعت خانے میں تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ مخدوم زادے یعنی خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم (سلمہما اللہ تعالیٰ) بھی تھے دروازے کی زنجیر اندر کی طرف سے آپ نے اپنے ہاتھ سے لگائی تاکہ کوئی اور داخل نہ ہو اور آپ مخدوم زادہ اعظم خواجہ محمد صادق قدس سرہٗ کے قبۂ مبارکہ سے قبلہ کی طرف بیٹھ گئے اور معارف بیان کرنے لگے اور یہ حقیر اُس قبّے کی دوسری طرف بیٹھا ہوا تھا حضرتؒ نے مجھے نہیں دیکھا تھا میں کان لگائے ہوئے معارف سن رہا تھا اور دل میں یہ آرزو کر رہا تھا کہ کیا اچھا ہو کہ آپ مجھے بھی بلا لیں اور خلوت میں بیٹھنے کی اجازت دے دیں۔ آپ کی بات جب یہاں پہنچی کہ "فنا فنا کے دل میں غیر کا خیال نہیں آتا اگرچہ اُسے عمرِ نوح دے دی جائے۔" اتفاق سے میرا بھی حال اس زمانے میں یہی تھا کہ دل سے (غیر کا) خیال منقطع ہو چکا تھا۔ لیکن یہ بات میں نے ابھی تک حضرتؒ کی خدمت میں عرض نہیں کی تھی۔ اتنے میں حضرتؒ نے محمد مسکین کا نام لے کر پکارا۔ میں نے کہا، حاضر ہوں۔ اور میں اُس خاص خلوت میں حاضر ہو گیا۔ آپ نے فرمایا، "بیٹھ جاؤ۔ تم ہمارے محرموں میں سے اور میرے گھر والوں میں سے ہو۔ خلوت میں حاضر ہوا کرو کہ علم کی فضیلت سے حالات میں پھیل لگتے ہیں آسانی کے ساتھ اور تم پر تو یہ حالات وارد ہیں کہ دل میں خطرہ نہیں گزرتا۔ لیکن یہ بتاؤ کہ پھر کھانے پینے اور اٹھنے بیٹھنے وغیرہ کے خیالات کہاں سے آتے ہیں؟" میں نے عرض کیا کہ لطائفِ ستہ کے مابین جو فاصلے ہیں۔ یہ خطرات (خیالات) ان فاصلوں کے حصوں میں آتے ہیں — آپ نے اس فقیر کی اس بات کی بہت تعریف فرمائی۔ پھر فرمایا کہ "جو کچھ مجھ پر ظاہر کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ان خطرات کا گزر نفس میں ہوتا ہے جس کا تعلق دماغ سے ہے اور دل سے اس کا تعلق نہیں۔"

کرامت — طاعون کے زمانے میں ایک رات (آدھی رات کو) اس فقیر کی اہلیہ کے گلے میں طاعون کی گلٹی نکل آئی۔ اور تپ محرق کا غلبہ ہوا۔ میں حیران و پریشان تھا کہ بچے چھوٹے چھوٹے تھے۔ میں اُسی وقت گریہ و زاری کے ساتھ حضرتؒ کی طرف اپنے باطن میں متوجہ ہُوا۔ حضرتؒ تشریف لائے اور فرمایا کہ "وہ روٹیاں جو فلاں جگہ رکھی ہوئی ہیں خیرات کر دو۔ انشاءاللہ تمھاری اہلیہ کو صحت ہو جائے گی۔" بس اتنا فرما کر غائب ہو گئے۔ میں نے اپنی اہلیہ سے پوچھا کہ آیا روٹیاں گھر میں ہیں؟ ۔ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں، فلاں کمرے میں ہیں اور اُسی جگہ کا پتا دیا جس کے لیے حضرتؒ نے فرمایا تھا۔ میں اُسی وقت اٹھا، روٹیاں اٹھائیں باہر گیا اور ایک فقیر کو جگا کر وہ روٹیاں دے دیں۔ ابھی صبح نہ ہونے پائی تھی کہ تپ دور ہو گئی اور طاعون کی گلٹی غائب ہو گئی۔

کرامت — ایک مرتبہ اس فقیر کی بعض محرم عورتوں نے اور میرے چچا شیخ محمد نے جو بڑھاپے کی وجہ سے معذور ہو چکے تھے اور حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کی طاقت نہ رکھتے تھے مجھ سے اصرار کیا کہ حضرتؒ کا طریقہ ہم کو سکھاؤ۔ میں نے کہا کہ مجھے اجازت نہیں ہے۔ میں حضرتؒ سے اجازت لے لوں تو پھر بتاؤں گا۔ جب میں حضرتؒ کی خدمت میں پہنچا اور عرض کیا کہ بعض صالح عورتیں اس فقیر سے ذکر کا طریقہ چاہتی ہیں، جو کچھ اس معاملے میں حضور کا حکم ہو اس پر عمل کروں۔ میں اپنے چچا کا ذکر کرنا بھول گیا۔ آپ نے فرمایا کہ "اُن عورتوں کو بھی ذکر کا طریقہ بتا دو بلکہ اپنے چچا شیخ محمد کو بھی بتا دو، کیونکہ وہ بھی مشتاق ہیں۔" آپ نے ایک اور بوڑھے شخص کا نام بھی لیا جس کا فرزند آیا ہوا تھا اور جس کی طرف سے اُس (فرزند) نے التماس کی تھی کہ "اس کے گھر جا کر اُسے بھی ذکر کا طریقہ بتاؤ۔" مجھ فقیر کے دل میں خیال گزرا کہ یہ اجازت بس انھی لوگوں تک کے لیے محدود ہے یا دوسروں کو بھی ذکر بتانے کا مجاز ہوں۔ ابھی یہ خیال میرے دل میں اچھی طرح بیٹھا نہیں تھا کہ آپؒ نے فرمایا کہ "تم کو مطلق اجازت ہے کہ تم ہمارے عیال میں داخل ہو۔" اس کے بعد میں نے ان عورتوں کو اپنے چچا کو اور اس دوسرے بوڑھے شخص کو ذکر کا طریقہ بتا دیا اور پھر خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ان سب کا حال تفصیل سے دریافت فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ میں نے سب کو ذکر کا طریقہ بتا دیا ہے

اور حضرتؒ کی توجہ اچھی طرح مؤثر ہوئی۔ آپؒ نے فرمایا: الحمد للہ رب العالمین" اس کے بعد کچھ اور لوگوں کو بھی میں نے ذکر کی تلقین کی اور اُن کے استغراق و بیخودی کی کیفیت حضرتؒ سے عرض کی تو آپ خوش ہوئے اور فرمایا کہ "ہم یہی چاہتے تھے کہ تم بیٹھو اور خلق اللہ کی ہدایت کرو۔ مگر کثرتِ عیال تم کو نہیں چھوڑتی۔"

واقعہ — جس زمانے میں اللہ پاک کی مشیت سے میں اکبرآباد جا رہا تھا (راستے میں) پانی پت کے مبارک قصبے کی سرائے میں ٹھہرا۔ نماز ظہر سے پہلے اس سرائے کے مشرقی دروازے سے حضرت شیخ شرف الحق والدین ابوعلی قلندر قدس سرہٗ کے مزارِ اقدس کی زیارت کے لیے نکلا! احباب بھی ساتھ تھے اور سب کو زیارت کا اشتیاق تھا۔ جب چند قدم مزارِ مبارک کے دروازے کی بائیں جانب چلا تو عقب سے کسی اور بزرگ کی طرف سے اشارہ اور بشارت مجھ مسکین کو ہوئی کہ ہمارے پاس آؤ اور ہماری زیارت کرو کہ اس مقام کے صاحبِ ولایت ہم ہیں! احباب سے یہ بات میں نے کہی۔ سب کو تعجب ہوا کہ شیخ (ابوعلی قلندرؒ) کی موجودگی میں صاحبِ ولایت کون ہوگا؟۔ بہرحال، ہم لوگ پلٹ کر اس اشارے کے پیچھے روانہ ہوئے۔ داہنے دروازے کے قریب ایک مسجد نظر آئی اور معلوم ہوا کہ وہ اشارہ اسی طرف سے تھا۔ ہم لوگ اس مسجد کے احاطے میں آئے۔ وہاں مسجد کے صحن کے سامنے بہت سی قبریں تھیں۔ مسجد میں جو لوگ تھے اُن سے دریافت کیا کہ کیا یہاں کسی بزرگ کا مزار بھی ہے؟ انھوں نے کہا، ہاں، خواجہ شمس الدین ترکؒ جو اس مقام کے صاحبِ ولایت ہیں یہیں مدفون ہیں — میں نے کہا کہ ذرا تفصیل بتا دیں۔ انھوں نے کہا کہ وہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ کے خلیفہ ہیں۔ جب خواجہ صاحبؒ نے حکمِ الٰہی سے ملکِ ہندوستان کی تقسیم اولیاء میں کی تو پانی پت کو خواجہ شمس الدین ترکؒ کے حوالے کیا گیا۔ اور خواجہ شمس الدینؒ اپنے پیر دستگیر (مخدوم صابر کلیری قدس سرہٗ) کے حکم سے یہاں تشریف لائے۔ یہ بات سن کر جو کشفِ صحیح و صریح کے مطابق تھی۔ حضرت خواجہ شمس الدینؒ کے مزارِ اقدس کے حجرے میں حاضر ہوا۔ وہاں پہنچتے ہی اس بزرگوار کے انوار ظاہر ہوئے اور میرے تمام بدن کو متاثر کیا اور اُن کے انوار کے آثار سے اس مسکین کا ظاہر و باطن منور ہو گیا۔ اور سردی و فرحت جو آرام و جمعیت کے لوازم میں سے ہے ظاہر ہوئی۔ میں نے قبرِ مبارک کو بوسہ دیا اور نہایت

انکساری کے ساتھ آپ کے روبرو بیٹھ گیا۔ اور ذکر میں مشغول ہو گیا۔ اس دریائے بے پایاں سے بے حد کرم مشاہدہ کیا اور آپ نے اپنی نسبتِ خاصہ سے جو میرا سر بیچونی رکھتی تھی اس حقیر کو مستفیض فرمایا۔ پھر رخصت فرمایا۔

وہاں سے دوسرے روز ہم لوگ آگے بڑھے۔ یہاں تک کہ دہلی پہنچے جو آنکھ کی پتلی سے زیادہ روشن ہے۔ اشتیاق تھا کہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل کریں گے۔ دوستوں سے سنا تھا کہ حضرت خواجہؒ کا مزار دہلی کے اطراف میں ہے اور شہر میں داخل ہوتے ہی ملتا ہے۔ چونکہ اس سے پہلے کبھی وہاں کی حاضری کا شرف حاصل نہ ہوا تھا تو میں بھی واقف نہ تھا اور احباب بھی واقف نہ تھے۔ گاڑی والا بھی ل کر غلط راستے سے لے چلا اور کہنے لگا کہ دہلی سے دو کروہ کے فاصلے پر میرا مکان ہے۔ اس لیے رات وہاں گزار کر صبح کو دوسری منزل کی طرف چلوں گا۔ حیرانی اور پریشانی پیدا ہوئی کہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی زیارت سے اور اُن کے صاحبزادوں کی ملاقات سے محرومی ہو رہی ہے۔ اسی غم و غصّے کی حالت میں گاڑی بان سے جھگڑا ہو رہا تھا کہ ایک راستہ نظر آیا جس کی دونوں طرف باغ تھا۔ اور اس مسکین پر منکشف ہوا کہ حضرت خواجہؒ کا مزار اسی راستے کی داہنی طرف کے باغ میں ہے۔ بار بار اور تاکید کے ساتھ ایسی بات الہام ہوئی۔ جب صبح کی سفیدی ظاہر ہوئی اور مجھے یقین (اپنے کشف پر) تھا تو میں نے شوق و ذوق اور بیخودی کے عالم اور ہاتھ پاؤں کے لوٹنے کا خوف نہ کرتے ہوئے گاڑی میں سے باہر چھلانگ لگا دی اور اُس باغ کی طرف روانہ ہوا۔ اس میں داخل ہُوا اور پوچھا تو معلوم ہُوا کہ اسی باغ میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کا مزار ہے ۔ پھر تو شوق اور آرزومندی ایک سے بڑھ کر ہزار درجہ ہو گئی۔ میں دوڑا اور وہاں کے بلند چبوترے پر پہنچا۔ اور بغیر کسی کے بتائے ہوئے میں نے حضرت خواجہؒ کے مزار کو وہاں کی قبروں کے درمیان سے پہچان لیا۔ اس کے بعد ایک مجاور آگیا اور اُس سے تصدیق ہوئی۔

سبحان اللہ۔ وہ مزار ہے کہ جس سے انکساری اور عاجزی ظاہر ہوتی ہے۔ حضرت خواجہؒ کے قدموں میں گر پڑا اور مستی کی کیفیت پیدا ہو گئی اور ایسی دیوانگی غالب ہوئی کہ ہزار ہوشمندی اُس

کے سامنے ایک جَو کے برابر بھی نہیں ہے۔ وہ گریہ طاری ہو گیا کہ اس کے مقابلے میں ہزاروں خوشیاں پاسنگ کے برابر بھی نہیں ہیں۔ ایک عرصے تک میں بیخود پڑا رہا۔ اسی افتادگی اور وارفتگی کے عالم میں مجھے حضرت خواجہؒ کی زیارت ہوئی۔ میں نے ان کی قدم بوسی کا شرف حاصل کیا اور آپ نے ایسی شفقت اور عنایت اس نیاز مند پر فرمائی جیسی کہ باپ اپنی اولاد پر کیا کرتے ہیں۔ مجھے آپ نے اپنی فرزندی میں قبول کیا اور اپنی نسبتِ خاصّہ سے مستفیض فرمایا اور اس طرح ارشاد فرمایا کہ "یہ میری نسبتِ خاصّہ، معیتِ حُبّی ہے اور یہ نسبت تمھارے پیرزادہ محمد سعید نے غائبانہ طور پر اپنی محبت کی قوت اور اعتقاد سے جو مجھ سے اُن کو ہے حاصل کر لی ہے۔ اس کو وہی سرانجام دیں گے۔" میں نے اپنے اندر عجیب جذب پایا اور ذاتِ بیچونی سے محبتِ بے کیفی اپنے اندر دیکھی، پھر میں نے یہ بات پیرزادہ محمد سعید صاحب کو لکھی۔ انھوں نے جواب میں لکھا کہ "کوشش کریں تاکہ محبوبِ حقیقی کے غیر کا نام و نشان بھی بصیرت کی نظر میں نہ رہے۔" میں متفکر تھا کہ غیر تو نظر میں ہے اور محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ماسوا کو بھلا دیا جائے۔ میں اسی فکر میں تھا کہ الہام ہوا کہ نسیان، ولایت میں ہے اور یہ تو معیتِ حُبّی ہے جو دوسری چیز ہے اور وہ نبوت سے مستفید ہے اور يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهٗ اسی سرچشمۂ نبوت سے متعلق ہے اور اَللّٰهُ مَعَنَا اسی مقام سے ناشی ہے اور نسیانِ ماسوا کا مقام، مدت ہوئی تم کو تمھارے شیخؒ کے حضور میں حاصل ہو چکا تھا اور تم نے اسے دور چھوڑ دیا ہے۔ اور واقعہ بھی یہی تھا۔

اس کے بعد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سرّہٗ کے مزارِ اقدس پر حاضر ہوا۔ آپ کی قبر سراپا شکستگی اور انکساری ظاہر ہوئی۔ میں نے بہت عاجزی کے ساتھ اس کا بوسہ لیا۔ آپ کے روبرو بیٹھ کر متوجہ ہوا۔ حضرت خواجہؒ ایک عربی گھوڑے پر سوار اپنے مزار سے باہر تشریف لائے۔ اس طرح کہ گھوڑا کا پچھلا نصف حصہ قبر میں تھا اور اگلا نصف حصہ باہر تھا۔ اور آپ نے گھوڑے کو آتنی دور ہی چلایا۔ پھر فرمایا کہ "وہ نسبت معیتِ حُبّی جو حضرت خواجہ محمد باقیؒ نے تم کو دی ہے وہ انھوں نے مجھ سے لی ہے اور یہ نسبت، میری نسبت ہے۔ اس کو اچھی طرح محفوظ رکھو اور خود کو تم میرا سمجھو اور کہلاؤ۔ اور یہیں سے تم واپس جاؤ اور ایک گوشہ میں بیٹھ جاؤ اور لوگوں کی آمد و رفت اپنے اوپر بند کر دو۔ جو کچھ تم اس سفر میں تلاش کر رہے ہو وہ تمھیں وہیں مل جائے گی۔" میں نے

عرض کیا کہ اب جب کہ میں چل پڑا ہوں تو ایک بار اکبر آباد ہو آؤں اور واپس آ کر جو کچھ کہ آپ نے فرمایا ہے انشاء اللہ اُس پر عمل کروں گا۔ آپ نے فرمایا، "جاؤ اور جلد واپس آجاؤ" پھر مجھے رخصت فرما دیا۔

یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آپ کا گھوڑے پر سوار ہو کر باہر آنا اور اس حد تک اس کو چلانا کس سبب سے تھا۔ پھر میں نے خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے حجرے کی بھی زیارت کی جو حضرت خواجہ قطب الدین کاکی قدس سرہٗ کے مزار کے قریب ہے اور جہاں آپ آ کر تنہا اپنی راتیں گزارتے تھے اور آدھی رات کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہٗ کے مزار کے سامنے بقیہ رات گزارتے تھے۔ لیکن مجھے حضرت خواجہ قطب الدین قدس سرہٗ کے اس فرمانے سے حیرت اور تعجب ہوا کہ شاید وہ نسبت جو آپ سے خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ نے حاصل کی ہے نسبتِ چشتیہ ہے۔ اگر ایسا ہے تو آپ نے کیوں نہ فرمایا کہ وہ نسبت چشتیہ ہے۔ نقشبندیہ نہیں ہے۔ یہ خلجان ہمیشہ دل میں رہا۔

اس کے بعد اکبر آباد پہنچا اور جو کام کرنے کا تھا انجام کو پہنچایا۔ اتفاقاً بادشاہ (شاہجہان) کو آخر شعبان میں حضرت خواجہ معین الدین اجمیری قدس سرہٗ کے مزار اقدس کی زیارت کا اتفاق ہوا۔ اس فقیر کو بھی شوق وہاں پہنچنے کا ہوا۔ چنانچہ عسکرِ سلطانی کے ساتھ میں بھی روانہ ہوا جب اجمیر پہنچا تو مزارِ اقدس کی زیارت کے لیے گیا۔ وہ ایسا دربار تھا جیسے بادشاہ کا دربار حشمت و عظمت اور شاہانہ جاہ و جلال تھا۔ شاہانہ نوبت بج رہی تھی، فوجیوں کی کثرت اور زائرین کے ہجوم کی وجہ سے (جن میں امراء اور بادشاہ بھی تھے) زیارت مشکل ہو گئی تھی۔ میں واپس آیا اور ایک گھر میں ٹھہرا۔ اس گھر میں ایک امیر بھی ٹھہرے ہوئے تھے جو اس فقیر سے خلوص رکھتے تھے۔ اُن سے میں نے ماجرا سنایا اور اُن کو زیارت کی ترغیب و تحریص دلائی۔ انھوں نے حضرت خواجہ قدس سرہٗ کے مزار کے خرچ کے لیے ایک سو روپے ساتھ لیے۔ تاکہ آسانی سے زیارت میسر ہو سکے۔ پھر ہم لوگ زیارت کو گئے۔ اس امیر نے وہاں دولت لٹانی شروع کی۔ لیکن ایک سو روپے تو کیا، اگر ہزار روپے بھی مجاوروں کو دیئے جائیں تب بھی حاضری مشکل تھی۔ کیونکہ بہت بڑا ہجوم متصل قصد کرنے میں لگا رہتا ہے کہ کچھ اندر آتے ہیں اور اسی وقت کچھ باہر جانا چاہتے ہیں اور اس طرح کا بیچ بچاؤ ایک دوسرے کی ایذا رسانی کا موجب بن جاتا ہے۔ ایسی حالت میں بعض لوگ درمیان

میں گر پڑتے ہیں اور جان دے دیتے ہیں ۔ غرض کہ وہاں کا ہجوم دعموما، جوش اور جذبہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے ۔ ؏ سنا ہوتا ہے کب دیکھے کی مانند

ہزار کوشش کے بعد گنبدِ مبارک میں داخلہ اور مزار مبارک میں ہاتھ لگانے کا موقع مل سکا ۔ اسی لمحہ خیال گزرا کہ " اے حضرت خواجہ، آپ نے اس قدر کثرت کو کیوں پسند فرمالیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر آپ نہ چاہتے تو ایسا ہجوم ہرگز نہ ہوتا۔" آپ نے فرمایا کہ " ہماری عزت، اسلام کی عزت ہے ۔" اس کے بعد ایک اور مرتبہ زیارت حاصل ہوئی اور پوری رات آپ کے مسجد میں جو آپ کے سامنے ہے اور سنگِ مرمر کی بنی ہوئی ہے گزارنے کا موقع ملا اور رات کے آخر میں جب تنہائی ہوئی تو قبۂ معلّیٰ میں آپ کی زیارت کے لیے حاضر ہوا اور بہت دیر تک بیٹھا ۔ پھر وہی خطرہ (خیال) دامن گیر ہوا بلکہ زبان پر یوں جاری ہوا کہ " اے خواجہ، اس قدر ہجوم اور کثرت آپ کی نسبت میں رکاوٹ تو نہیں بن جاتی ؟" آپ نے فرمایا کہ ۔ " مجھے دیارِ ہندوستان کا قطب الاقطاب بنایا گیا ہے ۔ خلق کی حاجات اور ان کے مقاصد کو پورا کرانا مجھ سے متعلق ہے ۔ اس لیے ان لوگوں کا میری طرف رجوع کرنا ناگزیر ہے اور مجھے امرِ حق کے بجا لانے کے بغیر چارہ نہیں ۔ اور جمع بین الامرین مجھے میسّر ہے ۔" اس کے بعد فرمایا کہ وہ نسبت (معیتِ حُبّی) جو خواجہ قطب الدین رحؒ نے خواجہ محمد باقی رحؒ کو دے دی تھی اور جو انھوں نے (خواجہ محمد باقی رحؒ نے) تم کو دی ہے، وہ نسبت انھوں نے (خواجہ قطب الدین رحؒ نے) مجھ سے حاصل کی تھی اور وہ نسبت میری ہی ہے ۔ خوب یاد رکھو کہ تم میرے ہو ۔" میں نے عرض کیا کہ اے حضرت خواجہ ! میں تو اس نسبت کو خواجگانِ نقشبندیہ رحؒ کی نسبت سمجھتا تھا ۔ لیکن آپ کے اور حضرت خواجہ قطب الدین رحؒ کے فرمانے سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نسبت چشتیہ ہے ۔" فرمایا کہ " یہ نسبت خواجگانِ نقشبندیہ رحؒ کی ہے جو خواجہ یوسف ہمدانی رحؒ نے مجھے عنایت فرمائی تھی ۔" اس کے بعد ایک بار اور حاضری نصیب ہوئی تو فرمایا کہ " اپنے وطن کو واپس جاؤ اور وہاں بیٹھ جاؤ اور لوگوں کی آمد و رفت کو بند کر دو اور اس جگہ تکلیف کو برداشت کرو ۔"

—— وہاں سے واپسی پر دہلی آیا اور حضرت سلطان المشائخ (نظام الدین) قدس سرہٗ کی زیارت کے لیے حاضر ہوا ۔ دیکھا کہ ایک محبوب نازنین ہیں جو عیش و عشرت کے بستر پر

آرام فرما ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ:

"معیتِ حُبّی جو ہماری نسبت ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ طرفین کی محبت برابر ہو۔ لیکن ہم پر محبوبی غالب ہے۔" اور یہ بھی فرمایا کہ: "مشائخ کے فرمانے کے مطابق گوشہ نشین ہو جاؤ اور صبر بڑا اجر رکھتا ہے اور تحمل بڑا تجمل رکھتا ہے۔"

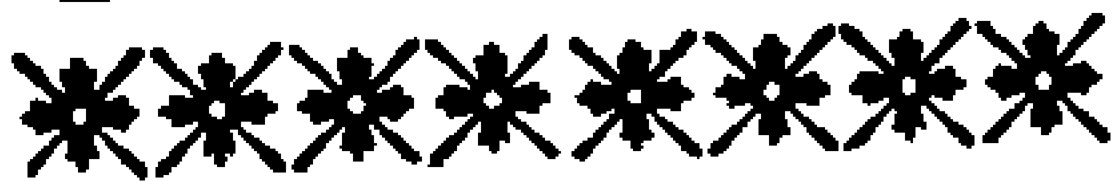
دہلی سے نکلتے وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کی زیارت بھی حاصل کی اور وہ پانی جو مجاور لوگ قدم مبارک میں ڈالتے ہیں وہ میں نے اپنا منہ لگا کر پیا۔ مجھے گریہ طاری ہو گیا اور وہیں مجھے مغفرت کی بشارت ملی۔ میں وہاں سے باہر آیا اور آرزو ہوئی کہ پھر ایک مرتبہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی زیارت حاصل کروں۔ چنانچہ تھوڑی راہ طے کر لی تھی کہ مجھے منکشف ہوا کہ یہی وہ باغ ہے جہاں حضرت خواجہؒ کا مزار مبارک ہے۔ میں وہاں پہنچا اور قدم کا بوسہ لیا۔ وجد آ گیا اور بڑی عنایتیں دیکھیں ۔۔۔ اس کے بعد پھر پانی پت پہنچا اور خواجہ شمس الدین ترکؒ کے مزار مبارک پر پھر حاضر ہوا۔ آپ کی عنایات اور الطاف بے حد مشاہدہ میں آئے۔ اس کے بعد شیخ شرف الدین ابو علی قلندرؒ کے مزارِ مبارک کی زیارت سے سربلند ہوا۔ الطاف و انعام کے بعد آپ نے فرمایا کہ "(ابھی تو) کوئی تکلیف نہیں اور نہ صبر کا مقام ہوا۔" بے شک چند روز آپ کے قول کے مطابق گزرے اور اس کے بعد سے ایذا، صبر اور تحمل سے واسطہ پڑا۔

واقعہ:۔ ایک رات میں نے واقعے میں دیکھا کہ تمام عالم پانی سے بھرا ہوا ہے اور میں ایک راستے سے جا رہا ہوں۔ جتنا میں آگے جاتا ہوں پانی اس راہ سے اور گہرا ہوتا جاتا ہے۔ میں واپس ہوا اور دوسرا راستہ اختیار کیا۔ میں نے دیکھا کہ (سامنے) خانہ کعبہ ہے اور وہ تمام گہرا پانی اس کے دامن میں ڈالا گیا ہے۔ سیاہ غلاف اس پر پہنا دیا گیا ہے اور وہ کعبہ کی پشت تھی جو پانی کی طرف تھی لیکن کعبہ کے پہلو میں حرم میں ایک دروازہ تھا۔ میں اس راہ سے آیا تو کعبہ بالکل سامنے تھا۔ وہاں جو دروازہ تھا وہ محل کے دروازے کی طرح وسیع تھا اور سیاہ لباس دروازے کے سامنے کی طرف لٹکا ہوا تھا۔ میں نے وہ اوپر کو اٹھایا تو اندرونی دیواروں پر توریت لکھی ہوئی تھی۔ میں نے وہ پڑھی اور پردہ چھوڑ دیا جیسا

کہ وہ پہلے تھا۔ اس کے بعد میں بلندیوں پر گیا کہ جہاں پانی اور رطوبت نہیں تھی اور وہاں میرے دوست پیدا ہو گئے جنھوں نے میری دعوت کی۔ اس کے بعد میں بیدار ہو گیا۔ اس واقعے کی تعبیر میرے دل میں یہ آئی کہ مجھ درویش کو ولایت محمدی اور ولایت موسوی حاصل ہوئی۔ میں نے یہ واقعہ اور اس کی یہ تعبیر حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید سے عرض کی۔ آپ نے فرمایا کہ " مجھے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔" [۱]

والسلام اوّلاً و آخراً علیٰ سیّد الاوّلین محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے یہ کتاب مکمل ہوئی جس کا نام ہے حضرات القدس فی مقامات الاکابر النقشبندیہ و درجات الاعیان الاحمدیہ۔



---

[۱] حضرات القدس کے اس آخری باب میں حضرت مجدد کے جن خلفاء کا ذکر ہے وہ یہ ہیں:۔

(۱) میر محمد نعمان (۲) شیخ نور محمد پٹنی (۳) شیخ حمید بنگالی (۴) شیخ محمد طاہر لاہوری (۵) خواجہ محمد صدیق کشمی (۶) شیخ بدیع الدین سہارنپوری (۷) شیخ طاہر بدخشی (۸) شیخ یار محمد قدیم، طالقانی (۹) مولانا عبد الہادی بدایونی (۱۰) خواجہ محمد صادق کابلی (۱۱) حاجی خضر خان افغان (۱۲) شیخ احمد دیبنی (دیوبندی) (۱۳) شیخ احمد برکی (۱۴) شیخ یوسف برکی (۱۵) شیخ عبد الکریم (کریم الدین) (۱۶) شیخ حسن برکی (۱۷) شیخ عبد الحی شادمانی (۱۸) خواجہ محمد ہاشم کشمی (۱۹) شیخ آدم بنوری (۲۰) شیخ بدر الدین سرہندی (مؤلف حضرات القدس۔ جنھوں نے اپنے حالات وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ کے مصداق گویا امتثالِ امر میں لکھے ہیں لیکن ان حالات میں زیادہ تر حضرت مجدد ہی کے افاضات کا ذکر ہے)۔

لیکن خواجہ محمد ہاشم کشمی نے زبدۃ المقامات میں ان خلفاء کا ذکر الگ الگ سرخی کے ذیل میں کیا ہے:

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ۔ (۱) میر محمد نعمانؒ (۲) شیخ طاہر لاہوریؒ (۳) شیخ بدیع الدینؒ (۴) شیخ نور محمد پٹنیؒ (جو نور محمد تہاری سے مختلف تھے۔ صفحہ ۲۷۷) (۵) شیخ حمید بنگالیؒ (۶) شیخ مزملؒ (۷) شیخ طاہر بدخشیؒ (۸) مولانا یوسف سمرقندیؒ (۹) مولانا احمد برکیؒ (۱۰) مولانا محمد صالح کولابیؒ (۱۱) مولانا محمد صدیق کشمیؒ (۱۲) شیخ عبدالحیؒ (۱۳) مولانا یار محمد (قدیم) طالقانیؒ (۱۴) مولانا قاسم علیؒ (۱۵) شیخ حسن برکیؒ (۱۶) شیخ عبدالہادی بدایونیؒ (۱۷) شیخ یوسف برکیؒ (۱۸) سید محب اللہ مانکپوری (۱۹) حاجی خضر خانؒ (۲۰) شیخ احمد دیمنیؒ (۲۱) شیخ کریم الدینؒ (۲۲) مولانا امان اللہ لاہوری۔ (ان خلفاء میں خواجہ محمد ہاشم کشمیؒ نے اپنا نام شامل نہیں کیا لیکن زبدۃ المقامات کے مطالعے سے واضح ہو جاتا ہے کہ آپ بھی خلیفہ تھے۔ بالخصوص صفحات فصل نمبر ۹)

ان خلفاء کے علاوہ خواجہ محمد ہاشمؒ نے زبدۃ المقامات (صفحہ ۲۷۷-۲۷۸) میں بعض خلفاء کا ایک ساتھ ذکر کیا ہے۔ یعنی:

شیخ حریؒ۔ شیخ داؤد ساالکیؒ۔ شیخ سلیم بنوری۔ شیخ آدم بنوریؒ۔ شیخ نور محمد تہاریؒ شیخ حامد بہاریؒ۔ صوفی قربان (قدیم)ؒ۔ مولانا صادق کابلیؒ۔ مولانا محمد ہاشم خادمؒ مولانا غازی نوگجراتیؒ۔ صوفی قربان (جدید)۔ سید باقر سازنگپوریؒ۔ مولانا فرخ حسینؒ۔ مولانا ظفر احمدؒ (صفر احمد)۔ مولانا بدرالدین سرہندیؒ۔ مولانا حمید احمدیؒ۔ حاجی حسینؒ۔ شیخ عبدالرحیم برکیؒ۔ خواجہ محمد اشرف کابلیؒ۔ مولانا حاجی محمد فرکتیؒ۔ مولانا عبدالغفور سمرقندیؒ حافظ محمود گجراتیؒ۔ سلیم خانؒ وغیرہ۔ گویا اس ذیلی فہرست میں شیخ آدم بنوری اور مولانا بدرالدین سرہندی وغیرہ کے اسمائے گرامی ہیں۔ جن کے حالات کتاب کی تطویل کے خوف سے درج نہیں کیے گئے۔

